ذکرِ رفتگاں

گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ’’ندائے شاہی‘‘ میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ

جلد اول

ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ:

أُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ۔ (سنن أبي داؤد حديث: ٤٩٠٠)

ذکرِ رفتگاں

(جلدِ اول)

گذشتہ سالوں میں وفات پانے والی بعض اہم شخصیات
کا اجمالی و تفصیلی تذکرہ، اور تعزیتی مضامین کا مجموعہ

ترتیب:

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری

مفتی واُستاذِ حدیث ومرتب ماہنامہ ’’ندائے شاہی‘‘
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

- نام کتاب : ذکرِ رفتگاں (جلدِ اول)
- ترتیب : مفتی محمد سلمان منصور پوری
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
- ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد

9412635154 - 9058602750

- تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- اشاعتِ اول: ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ، جنوری ۲۰۰۵ء
- اشاعتِ دوم: شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ، اپریل ۲۰۲۰ء
- صفحات : ۶۴۸
- قیمت :

ملنے کے پتے:

- فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلاًّ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (الحشر:۱۰)

اور جو (دنیا میں) ان (مہاجرین وانصار اور سلف صالحین) کے بعد آئے، (یا آویں گے) جو دعا کرتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیجئے، جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

اظہارِ مسرت

از: مخدوم معظم والد مکرم، امیر الہند
حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم
صدر جمعیۃ علماء ہند واستاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرحومین کا تذکرہ اور ان کے محاسن پر مشتمل حالات مرتب کر کے شائع کئے جانے کا سلسلہ ایک زمانہ سے چلا آرہا ہے، جس کا بڑا فائدہ ہے، اس کی وجہ سے ایک طرف مستند تاریخی مواد جمع ہوجاتا ہے، جو تحقیقی کام کرنے والوں کو مطلوب ہوتا ہے۔

دوسری طرف ان مرحومین میں جو علماء، صلحاء اور مشائخ ہوتے ہیں، ان کے سوانحِ حیات مطالعہ کرنے والوں کے لئے مشعلِ راہ بن جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ان کے ظاہری وباطنی حالات اصلاح پذیر ہوکر ان میں انقلابِ عظیم برپا ہوجاتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف انداز سے انبیاء علیہم السلام اور نیک بندوں کے حالات ذکر فرما کر ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ میں ماضی قریب کی ایسی عظیم اور برگزیدہ ہستیاں شامل ہیں جن کے فیضِ تربیت سے ہزاروں انسانوں نے اپنی عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت کو خالص اسلامی رنگ میں رنگ دیا، اور ثابت ہوگیا کہ اسلامی ہدایات نظری وفکری طور پر قابل قبول ہونے کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں بھی ان کو اختیار کرنا آسان ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ”**اَلدِّیْنُ یُسْرٌ**“۔

بہرحال یہ امر نہایت باعث مسرت ہے کہ عزیزم مولوی مفتی سید محمد سلمان سلمہٗ منصور

پوری کو بفضلہٖ تعالیٰ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ایسی عظیم شخصیتوں کے حالات مرتب کرکے شائع کریں، اور اس مبارک سلسلہ میں شریک ہوں۔ **فللّٰہ الحمد والمنة۔**

دلی دعا ہے کہ جن فوائد کے پیشِ نظر مرتب سلمہٗ نے ''ذکر رفتگاں'' تیار کیا ہے وہ لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو پوری طرح حاصل ہوں، آمین۔

محمد عثمان منصور پوری غفی عنہ
۲۴ ؍ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

گوشۂ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ

رفتگاں ۲۰۰۰ء - ۲۰۰۱ء ۴۶۳

○ گوشۂ رشید الدین حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدیؒ

بعض اہم تعزیتی پیغامات

رفتگاں ۲۰۰۲ء ۵۶۳

رفتگاں ۲۰۰۳ - ۲۰۰۴ء ۶۰۱

❒❖❒

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

زندگی ایک گذرگاہ ہے جس میں لوگوں کی آمد ورفت جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گی، یہاں جو بھی آتا ہے گذرنے کے لئے ہی آتا ہے، گذرنے والے گذر جاتے ہیں اور اپنے پیچھے یادوں کا ایک تسلسل چھوڑ جاتے ہیں، پھر وہی سربستہ یادیں ان کے متعلقین کے لئے سکون کا سامان اور نصیحت پکڑنے والوں کے لئے عبرت وموعظت کا عنوان بن جاتی ہیں۔ اس ''یادِ رفتگاں'' سے کئی طرح کے فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱) خود اپنی موت کا استحضار نصیب ہوتا ہے۔

(۲) گذرنے والی شخصیت کے محاسن سامنے آتے ہیں اور حدیث: أُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ. (سنن أبي داؤد رقم: ٤٩٠٠) (اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو) کی تعمیل ہوتی ہے۔

(۳) اور سب سے اہم یہ کہ گذری ہوئی شخصیت کی خوبیاں خود اپنے اندر پیدا کرنے کا شوق ابھرتا ہے۔

اسی طرح کے فوائد کی تحصیل کے لئے گذشتہ ۱۵؍سال میں وفات پانے والی اہم شخصیات پر تعزیتی مضامین ''ندائے شاہی'' میں شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین میں بنیادی طور پر ایسے محاسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی جو بعد میں آنے والوں کے لئے نمونۂ عمل بن سکیں؛ چناں چہ رفتہ رفتہ اس سلسلہ کے بہت سے مضامین جمع ہوگئے؛ تاہم چوں کہ رسالہ کی زندگی بہت محدود ہوتی ہے، اور ان میں شائع شدہ مواد ایک مدت گذرنے کے بعد خواب وخیال بن جاتا ہے،

حالاں کہ جن شخصیات کا تذکرہ ان مضامین میں کیا گیا ہے، وہ حیات جاوید کی متقاضی ہیں، اِس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اِن مضامین کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے؛ تا کہ یادوں کا یہ سلسلہ دراز ہو کر موقع بموقع نصیحت وموعظت کا سامان فراہم کرتا رہے۔ اِن مضامین کے مطالعہ سے بآسانی یہ اندازہ ہوگا کہ ہر زمانہ میں اللہ کے مقرب بندے موجود ہیں اور موجود رہیں گے، جن کی زندگی دوسروں کے لئے مشعلِ راہ بنتی رہے گی، اور جن کا پرعظمت کردار پورے عالم کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا جاسکے گا۔ وہ عظیم شخصیات جو گذشتہ چند سالوں میں ہمارے درمیان سے پردہ فرما گئیں، اُن کی یاد نہ صرف ہمارا اخلاقی فریضہ ہے؛ بلکہ اُن کا ذکر خیر خود اپنی اصلاح کے لئے ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم انہیں اور اُن کی خدمات اور صفاتِ عالیہ کو یاد رکھیں، اور اُن کا مذاکرہ کرتے رہیں۔

جن نفوسِ قدسیہ کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جارہا ہے اُن میں سے بعض ایسی شخصیات بھی ہیں، جنہوں نے راقم الحروف کی زندگی میں حیرت انگیز اثر ڈالا ہے، جن کی بے پایاں عنایتوں اور بے لوث شفقتوں نے دل میں ان کی عقیدت وعظمت کا وہ سکہ بٹھایا ہے، جس کی نظیر احقر کی زندگی میں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کی جدائی کا غم اندر اندر اس قدر زیادہ ہے کہ الفاظ اس کے اظہار سے عاجز ہیں، اور اُن کے فراق کو اگر چہ ایک عرصہ گذر چکا ہے، مگر جب بھی اُن کی یاد آتی ہے تو سینہ کے داغ جل اٹھتے ہیں اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ بلاشبہ وہ شخصیات اس کی مستحق ہیں کہ اُن کا ذکر خیر کر کے اُن کو خراج عقیدت پیش کیا جائے اور اُن سے وابستہ یادوں کو اُجاگر کر کے اپنے غم کو کچھ ہلکا کیا جائے۔

ابتداء میں احقر کا اِرادہ یہی تھا کہ اپنے قلم سے شخصیات پر جو مضامین لکھے گئے ہیں، بس انہی کو جمع کر دیا جائے؛ لیکن جب مضامین تلاش کرنے کے لئے ندائے شاہی کی ورق گردانی شروع کی، تو اندازہ ہوا کہ بعض دیگر حضرات نے جو تعزیتی اور تأثراتی مضامین لکھے ہیں، وہ بھی اس قابل ہیں کہ اُنہیں کتابی شکل میں محفوظ کر کے اُن سے مستقل استفادہ کا انتظام کر دیا جائے۔

چناں چہ ایسے بعض منتخب مضامین بھی اس مجموعہ میں شامل کئے جارہے ہیں، ہر مضمون کے ساتھ بصد شکریہ فاضل مضمون نگار کا نام بھی درج ہے، اور جو مضامین احقر کے قلم سے لکھے گئے ہیں اُن کی پیشانی پر کوئی نام درج نہیں ہے۔ ساتھ میں ندائے شاہی میں جن حضرات مرحومین کا مفصل تذکرہ تو نہیں، مگر وفیات میں اُن کا اجمالاً ذکر آیا ہے، ان میں سے بھی بعض حضرات کے نام اور اِجمالی تعارف کو بھی شامل کردیا گیا ہے ہوسکتا ہے کہ شائقین کو اُن سے کچھ معلومات حاصل ہوجائیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ ''مجموعۂ مضامین'' قریبی زمانہ کے تمام اکابر، یا معروف شخصیتوں کا احاطہ نہیں کرتا؛ بلکہ اس میں صرف ''ندائے شاہی'' میں مذکور منتخب حضرات کے تذکرے درج ہیں، دیگر حضرات کے حالات سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ بہت سے حضرات کے نام نہ آسکے ہوں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض حضرات کا ذکر کچھ قارئین کی توقع کے برعکس مختصر محسوس کیا جائے تو اس میں کسی امتیاز کا دخل نہیں؛ بلکہ اپنی ناواقفیت یا عدیم الفرصتی کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا ہر شخص سے تعلق یکساں طور پر نہیں ہوسکتا، ایک آدمی مثلاً کسی بزرگ کا نہایت احترام کرتا ہے، مگر اسے ان بزرگ کی زیارت ورفاقت کا شرف زیادہ حاصل نہیں ہوا، تو ایسا شخص ان بزرگ کے بارے میں اجمالی طور پر تو روشنی ڈال سکتا ہے؛ لیکن ذاتی تأثرات اور مشاہدات بیان نہیں کرسکتا، اس لئے ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ مضامین میں ایسا اختصار دیکھنے کو ملے گا مگر حاشا وکلا اسے کسی تنقیص پر ہرگز محمول نہ کیا جائے، بلکہ سادہ ذہن رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔

احقر اپنے رفیق گرامی جناب مولانا معزالدین احمد قاسمی ناظم امارت شرعیہ ہند کا نہایت مشکور ہے کہ موصوف نے بہت سے حضرات کی صحیح تاریخ وفات اور تاریخ ولادت کی طرف رہنمائی کی، اور مسودہ کی تصحیح میں بھی تعاون فرمایا۔ نیز فرید بک ڈپو دہلی کے مالک جناب محمد ناصر خاں صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے ادارہ سے اس کتاب کی اشاعت

وطباعت کا اہتمام کیا۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء۔**

بہر حال تعزیتی مضامین کا یہ مجموعہ اب قارئین کے حوالے ہے، خدا کرے کہ یہ محنت قبول ہو اور اللہ تعالیٰ اسے ہدایت اور خیر کا ذریعہ بنادیں، آمین۔

فقط و الله ولي التوفيق:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴۲۵/۱۱/۲۱ھ

نــــوٹ :- الحمدللہ! اَب اِس سلسلے کی دو ضخیم جلدیں مزید تیار ہوگئی ہیں، جن میں ۲۰۰۵ء سے اپریل ۲۰۲۰ء تک وفات پانے والی اہم شخصیات کا تذکرہ ہے۔ اِسی مناسبت سے اِس پہلی جلد کی ترتیب میں بھی قدرے تبدیلی اور اِضافہ کیا گیا ہے۔ (فالحمدللہ علیٰ ذلک)

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۶ ر شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۱ / اپریل ۲۰۲۰ء

رفتگاں

۱۹۸۸ء - ۱۹۸۹ء

- حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ
- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ
- حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ
- حضرت مولانا عبدالصمد وانکانیریؒ
- حضرت مولانا عزیز گل صاحبؒ

گوشۂ فریدیؒ

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہویؒ

(پیدائش: ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء، وفات: ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء)

ایک ملی اور علمی سانحہ

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہویؒ کی وفات

از: مولانا حفظ الرحمٰن رام پوری مدیر اول ندائے شاہی

ذرائع ابلاغ نے ہندستان کے بیشتر شہروں میں یہ خبر پہنچادی ہوگی کہ مؤرخہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء کو امروہہ کے ایک جید عالم دین کامل مرشد و مربی، ممتاز مؤرخ، اتحاد ملت کے داعی، علم وعمل کی ہمہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ شخصیت حضرت مولانا احمد حسنؒ محدث امروہوی کے علمی جانشین حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ ملت اسلامیہ بالخصوص دیوبندی مکتب فکر کو یتیم چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جن کے اٹھتے ہی جبین حادثہ خود جھک گئی
ایک ساعت کے لئے نبض دو عالم رک گئی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب مرحوم امروہہ کی مردم خیز بستی میں پیدا ہوئے۔ حضرت محدث امروہویؒ سے عاشقانہ تعلق تھا، حضرت شیخ الاسلامؒ کے خصوصی شاگرد تھے، جملہ علوم وفنون، درس وتدریس میں کامل، خدمت دین وخدمت خلق، افکار وخیالات اور طریق عمل میں اپنے عظیم استاذ کے حقیقی جانشین تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی علمی وفکری زندگی اور عمل کا تار و پود عظیم علمی وروحانی مرکز دارالعلوم دیوبند میں اکابر علماء دیوبند کے فیضِ صحبت، اخلاص ویقین اور اکابر کی خصوصی شفقتوں سے بنا۔ حضرت مفتی صاحب اکابر کے مکتوبات سے خصوصی دلچسپی اور حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ مکتوبات شاہ ولی اللہؒ اور مکتوبات خواجہ معصومؒ کا ترجمہ آپ کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے۔

آپ قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ نعت ومدح صحابہ پر خاص طور پر کہتے تھے۔ آپ نے بدعت وجہالت کا مقابلہ کرنے کے لئے بیشتر مدارس بھی قائم فرمائے۔ بہت سے مدرسوں کی سرپرستی فرمائی اور مدرسہ شاہی مرادآباد کی مجلس شوریٰ کے اہم اور صائب الرائے رکن بھی تھے۔

(ندائے شاہی دسمبر ۱۹۸۸ء)

ایک محسن و مشفق بزرگ

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ امروہوی کی یاد

امروہہ کے معروف مرجع خلائق بزرگ اور مشہور مؤرخ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء کو بعمر ۷۷/سال وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کی وفات کی خبر سے دل پر رنج والم کی جو کیفیت طاری ہوئی وہ ناقابل بیان ہے، احقر کو ابتدائی زندگی سے جن بزرگوں کی بے لوث دعائیں اور شفقتیں حاصل رہیں ان میں حضرت مفتی صاحب موصوفؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ ۱۹۷۲ء میں احقر تقریباً ۶/۵/سال کی عمر میں حضرت والد محترم مولانا قاری محمد عثمان صاحب مدظلہم ودامت برکاتہم کے ساتھ امروہہ منتقل ہو گیا تھا، ابتداء میں ۱/۲/سال مدرسہ ہی کے ایک کمرے میں قیام رہا۔ اس کے بعد محلّہ جھنڈا شہید میں ایک کرایہ کے مکان میں منتقل ہو گئے، اسی محلّہ کی مسجد میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مستقل قیام تھا، اس لئے پانچوں نمازوں میں حضرت موصوف سے شرف نیاز حاصل ہوتا، حضرت بھی ہم لوگوں سے اپنے گھر کے افراد کی طرح تعلق رکھتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ کی بینائی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ لیکن علمی استحضار کا حال یہ تھا کہ کوئی بھی تاریخی یا علمی گفتگو چھڑ جاتی تو آپ کا حافظہ جوش مارنے لگتا اور اپنے بزرگوں کے حالات اور ان کے متعلق تاریخی واقعات نوک زبان پر آجاتے اور دیر تک حاضرین آپ کی تاریخی معلومات کو دم بخود ہو کر سنتے رہتے۔ آپ کو اکابر بالخصوص حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلویؒ کے خانوادہ اور ان سے وابستہ بزرگوں سے عشق تھا، ان کے متعلق نادر و نایاب معلومات آپ کے علمی ذخیرے میں محفوظ تھیں، جب مجلس میں ان حضرات کا ذکر آجاتا تو آپ پر ایک انبساط اور بشاشت کی کیفیت طاری ہو جاتی، اور چاہتے کہ دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہے بینائی سے معذوری کی وجہ سے آپ اپنے خدام کے ذریعہ رسائل و کتب کی سماعت کا اہتمام فرماتے تھے اور ضروری مضامین کا املا فرماتے تھے، اپ کے اکثر علمی و تاریخی مضامین رسالہ ''دارالعلوم'' دیوبند اور ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ میں اہتمام کے ساتھ چھپا کرتے تھے، آپ کی مجلس میں ہمیشہ ان اکابر کا تذکرہ رہتا اور مجلسیں بزرگوں کے ذکر خیر سے منور رہتیں، احقر کو گو کہ بے شعوری اور لا ابالی پن کی حالت میں ان مجالس میں شرکت کا موقع ملا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ اس کی وجہ سے ابتدا ہی سے اکابر کی عظمت دل میں جاگزیں ہوگئی۔ حضرت مفتی صاحبؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے شاگرد تھے اور آپ سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے، اکثر آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے آب دیدہ ہو جاتے اور اسی نسبت سے ہمارے پورے خاندان سے خاص انسیت رکھتے تھے۔ حضرت والد صاحب مدظلہٗ کے ساتھ نہایت اکرام کا معاملہ فرماتے حتی کہ اکثر اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ جب تک والد صاحب گھر سے تشریف نہ لائیں جماعت نہ کھڑی ہو، کتابوں کی مراجعت اور اہم فتاویٰ کے جواب کے لئے حضرت والد صاحب پر بھرپور اعتماد فرماتے اور موصوف کے مشوروں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی زندگی سادگی کا مرقع تھی، زندگی بھر مجرد رہے ایک مسافر کی طرح مسجد میں قیام تھا، موصوف کے بھتیجے بھائی انیس صاحب کے یہاں سے کھانا آتا تھا وہ بھی بالکل سادہ اور مٹی کی پلیٹوں اور پیالیوں میں اسے نوش فرماتے، حتی کہ چائے بھی مٹی کی بنی ہوئی پیالی میں پیتے ہوئے احقر نے دیکھا ہے۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر کوئی یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اتنا بلند پایہ عالم، مؤرخ، ادیب اور کہنہ مشق شاعر ہے۔ تواضع اور فنائیت آپ کے رگ وریشہ میں بسی ہوئی تھی، کسی بھی نقل وحرکت اور قول وعمل سے ذرہ برابر بھی خودنمائی یا خودستائی کا ا

ظہار نہیں ہوسکتا تھا، بڑے بڑے جلسوں میں آپ کو صدر بنایا جاتا، مگر آپ کی نشست ہمیشہ طالب علمانہ ہوتی، حتی کہ چہار زانوں بیٹھتے ہوئے بھی آپ تکلف محسوس فرماتے تھے۔ سفر میں جاتے تو بس ایک کپڑے کا تھیلا رفیق سفر کے ہمراہ ہوتا جس میں کپڑے اور ضرورت کا سامان ہوتا تھا۔ الغرض آپ کی پوری زندگی **"کن في الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل"** کا مصداق ہوتی تھی۔

اس سادگی کے باوصف آپ ادب اور شاعری کا نہایت صاف ستھرا اور اعلی ذوق رکھتے تھے، نثر ونظم میں اگر کوئی جملہ معیار سے کمتر نظر آتا تو فوراً اس کی تصحیح فرماتے۔ امروہہ کے بڑے بڑے شعراء آپ سے اصلاح لیتے تھے، اور نعت ومنقبت کے مشاعروں کی صدر نشینی گویا آپ ہی کے لیے طے شدہ تھی۔

امروہہ میں شیعوں کی بڑی تعداد ہے اور سنیوں کو ان سے متأثر ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے اس لیے حضرات صحابہؓ کی منقبت کے مشاعروں اور سیرت صحابہؓ کے جلسوں کی آپ بہت اہتمام سے سرپرستی فرماتے۔ اور ادب نواز حضرات کو اپنی صلاحیتیں نعت ومنقبت کی صنف پر خرچ کرنے پر زور دیتے تھے، تاکہ صحابہؓ کی عظمت ومحبت عوام وخواص کے دلوں میں جاگزیں رہے۔ آپ نے خود بھی نہایت اعلی درجہ کی نعتیں اور منقبتیں لکھی ہیں جو اپنی روانی، لطافت اور قافیہ کی چستی کے اعتبار سے شاہ پاروں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب آپ کے کلام کا مجموعہ "نسیم سحر" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

امروہہ اور اس کے اطراف میں تمام دینی سرگرمیاں آپ کی سرپرستی میں انجام پاتی تھیں۔ تبلیغی جماعت کی کاوشیں ہوں یا جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات، مدارس کے معاملات ہوں یا اصلاحی پروگرام، سب میں آپ بنفس نفیس شریک رہتے، اور ہر قسم کا تعاون فرماتے تھے۔ آپ تمام دینی تحریکات میں آپسی تعاون کے پرزور مؤید تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ دار العلوم دیوبند، تبلیغی جماعت اور جمعیۃ علماء ہند الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی روح کے کئی قالب ہیں۔ اور دین

کے وجود کے لئے ان سب شعبوں کی بقا وترقی لازم اور ضروری ہے۔ آپ تبلیغی سلسلہ میں اطراف کے گاؤں دیہاتوں میں تشریف لے جاتے۔ کبھی پیدل یا بیل گاڑیوں پر بھی جانا ہوتا تو پیشانی پر شکن نہ لاتے۔ دیہاتوں میں مکاتب قائم کرنے پر زور دیتے اور لوگوں کو دینی تعلیم کی طرف متوجہ فرماتے تھے، آپ کی ان بے مثال قربانیوں کی وجہ سے پورا علاقہ آپ سے مانوس تھا۔ اور لوگ آپ کی بات کو بلا چوں چرا قبول کرنے پر تیار رہتے تھے۔ جھنڈا شہید کی مسجد میں ہمہ وقت حاجت مندوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ کوئی دینی مسئلہ پوچھنے آرہا ہے، تو کوئی اپنے نزاع کو نمٹانے کے لئے حضرت سے فیصلہ کی درخواست لے کر آرہا ہے، کوئی دعا کا طالب ہے تو کوئی اپنے دنیوی امور میں مشورہ لینا چاہتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ ہر ایک کی بات خندہ پیشانی سے سن کر اس کی ضرورت پوری فرماتے، اور مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ اور صبح سے لے کر شام بلکہ دیر رات تک انہی مبارک مشغلوں میں وقت گذر جاتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے پورے علاقہ کو ایک ڈھارس تھی کہ جو بھی معاملہ پیش آئے گا حضرت مفتی صاحب کے پاس جا کر حل کرالیں گے، اس لئے کہ کسی کو آپ کی بات ٹالنے کی جرأت نہ ہوسکتی تھی۔ یہ آپ کی قبولیت عند اللہ کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔

آپ کا روحانی تعلق اولاً حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ سے تھا اور آپ کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے تعلق قائم کیا اور حضرت موصوفؒ ہی کی طرف سے خرقۂ خلافت سے مشرف کئے گئے، حضرت مفتی صاحبؒ کا معمول تھا کہ معذوری کے باوجود رمضان المبارک میں مختلف بزرگوں سے ملاقات کے لئے طویل سفر فرماتے اور ہر خانقاہ میں ۲/۳ یوم قیام فرما کر افاضہ واستفاضہ کا سلسلہ جاری فرماتے۔ دیوبند میں بھی خانقاہ مدنی میں رونق افروز ہوتے اور کئی روز قیام فرماتے تھے۔ اسی طرح مشائخ کے مزارات پر بصد عقیدت واحترام تشریف لے جاتے اور اکتساب فیض فرماتے تھے۔

آپ کی علمی یادگاروں میں ''تجلیات ربانی تلخیص وترجمہ مکتوبات حضرت مجدد سرہندیؒ''

ترجمہ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۲ جلدیں) فوائد قاسمیہ (مکتوبات حضرت نانوتویؒ) مکتوبات سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جو آپ کے لئے عظیم صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کو ان علمی خدمات پر حکومت ہند کی طرف سے قومی اعزاز سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔

۱۹۸۲ء میں دار العلوم کی نشأۃ ثانیہ کے بعد ہم لوگ دیوبند آ گئے اور اس طرح حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلسوں میں حاضر باشی سے محرومی ہوگئی، لیکن تعلق برابر برقرار رہا۔ جب بھی اس دوران امروہہ جانا ہوتا حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا اور حضرت اسی شفقت سے پیش آتے اور دلی دعاؤں سے نوازتے تھے۔ غالباً ۱۹۸۳ء میں احقر نے اپنے وطن منصور پور میں پہلی مرتبہ تراویح میں قرآن کریم سنانے کی سعادت حاصل کی تو حسن اتفاق کہ حضرت مفتی صاحبؒ عین ختم کے دن (۲۴؍رمضان المبارک) کو منصور پور تشریف لے آئے اور ختم میں شرکت فرما کر دعا فرمائی۔ بعد میں بھی مختلف مناسبتوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

اب کئی سال سے حضرت کی طبعیت مضمحل ہوگئی تھی، ضعف مسلسل بڑھتا جا رہا تھا، وفات سے چند مہینہ قبل امروہہ جانا ہوا تو آپ صاحب فراش تھے اور مسجد کے بجائے اپنے دولت خانہ میں مقیم تھے، ضعف حد سے زیادہ تھا، آواز سے احقر کو پہچان لیا نہایت مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں، کیا خبر تھی کہ یہی آخری ملاقات ہے، اب آپ کی زیارت نہ ہو سکے گی۔ بالآخر وہ مقررہ دن آ پہنچا، جو ہر شخص کے لئے مقرر ہے، اور حضرت مفتی صاحب ایک عظیم تاریخی ذخیرے کو اپنے سینے میں لئے ہوئے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اور نہ صرف امروہہ بلکہ پورے علاقہ کو یتیم کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ۵؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ، مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ء کی تاریخ تھی۔ وفات کی خبر پھیلتے ہی امروہہ میں کہرام مچ گیا، گویا کہ ہر گھر کا بڑا جا تا رہا ہو، لوگ دیوانہ وار جھنڈا شہید کی طرف دوڑ پڑے اور آہوں اور سسکیوں سے ماحول غم زدہ ہو گیا، پھر اسے کرامت کہئے یا حسن اتفاق کہ

اسی دن سنبھل کے ایک جلسہ میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی صدر جمعیۃ علماء ہند کی تشریف آوری طے تھی موصوف کو جب حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کی خبر ملی تو آپ سیدھے امروہہ تشریف لے آئے اور آپ ہی کی اقتداء میں بعد نماز عشاء جامع مسجد میں حضرت مفتی صاحبؒ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جنازہ میں اتنا مجمع تھا کہ قریبی دور میں امروہہ میں اتنے بڑے جنازہ کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے بعد آپ کو جھنڈا شہید کی مسجد سے ملحقہ جگہ ہی میں ہمیشہ کے لئے سپردِ خاک کر دیا گیا، اس وقت زبان حال سے کہنے والا کہہ رہا تھا:

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو!

یہ گنجینۂ علوم ہے، گنج زر نہیں

دیوبند میں جب یہ خبر پہنچی تو اتنی تاخیر ہو چکی تھی کہ جنازہ میں شرکت نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اگلے دن حضرت اقدس والد صاحب مدظلہ العالی کے ہمراہ تعزیت کے لئے امروہہ حاضری ہوئی۔ جھنڈا شہید پہنچے تو یادوں کے دریچے کھلنے لگے اور تقریباً دس سالہ زندگی کے اوراق پلٹنے لگے مگر اب وہ ذات نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی جس کے دم بدم سے اس جگہ کو رونق حاصل تھی۔ بہر حال بے اختیار دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھ گئے کہ اللہ العالمین اپنے فضل سے حضرت مفتی صاحبؒ کے درجات بلند تر فرمائیں، اور ان کے فیوض عالیہ سے امت کو تا دیر مستفیض فرمائیں، آمین۔

(مرتب)

گوہر یک دانہ

تذکرہ: حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہویؒ

از: پروفیسر نثار احمد فاروقی مرحوم (برادرزادہ حضرت مفتی صاحبؒ)

خاندان اور نسب

مسلمانانِ ہند کی روحانی ثقافت کی تاریخ میں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی شخصیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، ان کی اولاد اور خلفاء کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے آثار آج بھی برصغیر کے ہر کونے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بابا صاحبؒ کے پانچ صاحبزادے تھے، شیخ نصرالدین نصراللہؒ، شیخ شہاب الدینؒ، شیخ بدرالدین سلیمانؒ، شیخ نظام الدین شہیدؒ او رخواجہ محمد یعقوبؒ۔

چوتھے فرزند شیخ نظام الدینؒ شہید کے بارے میں قدیم مآخذ کہتے ہیں کہ بابا صاحب انھیں اپنے سب فرزندوں سے زیادہ چاہتے تھے، وہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے۔ بلبن کی فوج میں ملازم تھے اور اپنی شجاعت کے سبب سے حیدر ثانی کہلاتے تھے بابا صاحب کی خدمت میں بہت گستاخ تھے۔ یعنی جو جی میں آتا تھا کہہ دیتے تھے اور بابا صاحبؒ مسکرا کر سن لیتے تھے، ان سے رنجیدہ نہ ہوتے تھے۔ وہ نہایت ذہین و فطین اور معاملہ فہم بھی تھے، جب بابا صاحبؒ کا انتقال ہوا (۵/محرم ۶۷۰ھ/۱۳/اگست ۱۲۷۱ء) وہ اس وقت پٹیالہ میں تھے، وہاں خواب میں دیکھا کہ بابا صاحب بلاتے ہیں فوراً روانہ ہو گئے اجودھن (موجودہ پاک پٹن پاکستان) پہنچے تو شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے تھے رات وہیں شہر سے باہر بسر کی، صبح کو دروازے کھلے تو ایک جنازہ آ رہا

تھا، معلوم ہوا کہ گذشتہ شب حضرت بابا صاحبؒ کا انتقال ہو گیا، اور اب انھیں مقابر شہیداں میں دفن کرنے لے جا رہے ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا اگر تم انھیں آبادی سے باہر دفن کرو گے تو لوگ باہر باہر ہی فاتحہ پڑھ کر چلے جایا کریں گے، ان کی اولاد کو کوئی نہ پوچھے گا، جس حجرے میں ان کا انتقال ہوا ہے، وہیں لے کر چلو، چنانچہ وہیں دفن کیا گیا۔

حضرت نظام الدینؒ کے بارے میں دو روایات ہیں

ایک تو یہ کہ اجودھن پر کفاّر (منگولوں) کا حملہ ہوا انھوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے بعد کو ان کی لاش میدان جنگ میں بہت تلاش کی گئی، نہیں ملی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ قلعۂ رنتھمبور (موجودہ سوائی مادھو پور راجستھان) کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اور وہیں قلعے کے اندر ان کا مزار ہے۔ یہ روایت زیادہ قرینِ صحت ہے، حضرت نظام الدین شہیدؒ کے دو بیٹے تھے: خواجہ عضد الدینؒ المعروف بخواجہ ابراہیمؒ اور خواجہ علی (یا خواجہ علی شیر) خواجہ ابراہیم کے پوتے خواجہ عزیز الدینؒ تھے اُن کی والدہ مولّفِ سیر الاولیاء امیر خورد کرمانی کی پھوپھی تھیں، اُن کی پرورش حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی نگرانی میں دہلی میں ہوئی، انتقال کے بعد وہیں پائین مزار دفن ہوئے، خواجہ علی کے چار فرزند تھے: شیخ سالارؒ، نورالدینؒ، شیخ یحیٰؒ اور شیخ خسروؒ۔ شیخ سالار کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی: شیخ فخر الدینؒ، شیخ عالمؒ، شیخ خواجہؒ، شیخ مغیث اور شیخ مجیر الدینؒ۔ آخر الذکر کی اولاد حصار (ہریانہ) میں آباد تھی۔ شیخ فخر الدینؒ کے فرزند شیخ بہاء الدینؒ اور ان کے بیٹے شیخ ضیاء الدینؒ تھے جن کے بیٹے حاجی محمد موسیٰؒ ہوئے، آخر الذکر تینوں بزرگوں کے مزار موضع رجب پور (ضلع امروہہ) میں ہیں۔

حاجی محمد موسیٰ کے تین فرزند تھے: شیخ منورؒ اور شیخ طاہرؒ اور شیخ لہرہؒ۔ شیخ منور کے پوتے عبدالقادر کالپی میں جا بسے تھے۔ ان کی اولاد میں حیدرآباد کے اُمرائے پایگاہ (آسمان جاہ وغیرہ) کا خاندان ہے۔ شیخ طاہرؒ کے فرزند شیخ مجاہد ان کے شیخ صلاح ان کے شیخ مظفر ان کے حاجی عبدالغفور امروہہ میں رہے، وہیں جانب غرب ان کا مدفن ہے۔ حاجی عبدالغفورؒ کے بیٹے شیخ

محمد معمورؒ تھے۔ یہاں تک سلسلۂ نسب کی تفصیل ''جواہر فریدی'' میں بھی درج ہے۔ مگر اس میں بعض نام چھوٹ گئے ہیں جو ہم نے یہاں درج کر دیئے ہیں۔ شیخ محمد معمورؒ کے پانچ فرزند ہوئے، چار سے نسل نہیں چلی، صرف شیخ بدر عالمؒ کے بیٹے شہاب الدین اور ان کے دو بیٹے محمد منیر اور محمد حارث ہوئے۔ شیخ محمد حارثؒ کے فرزند محمد عبدالغفور ثانی کے دو بیٹے تھے محمد بخش عرف بساون اور شیخ اولاد محمدؒ۔ موخر الذکر کے تین بیٹوں میں صرف ابدال محمدؒ صاحب سے نسل چلی۔ ان کے چار بیٹے ہوئے ''محمد ارشاد علیؒ، بشیر احمدؒ، ولی محمدؒ اور حافظ نذیر احمدؒ (م ۱۸۵۷ء)۔ مولوی ارشاد علیؒ (م ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۰ء / ۱۸ر شعبان ۱۸۱۳ھ) نے انگریزوں کی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ ۱۸۵۷ء میں وہ کرنل جارج، ہملٹن کے ساتھ علاقۂ ملتان میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور سررشتہ دار وغیرہ رہے۔

مولوی بشیر احمدؒ فریدی کے بارے میں مؤلف: ''تحقیق الانساب'' نے لکھا ہے: ڈپٹی بشیر احمد صوبۂ پنجاب کے محکمۂ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے، بصلۂ خدمات حکومت سے دو مرتبہ خلعت وانعام پایا۔ ابتداءً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پابند مذہب ومتبع شریعت تھے، حکام بالا دست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے معتقداتِ مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا، میرا تبادلہ محکمہ انہار میں کر دیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چار سو روپئے ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہو سکے گی اور موجودہ صورت میں نوسو روپئے ماہوار تک مشاہرہ پانے کا موقع ہے۔ مگر انہوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا، مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی۔ (تحقیق الانساب ص ۲۸۸)

مولوی بشیر احمد کی اولاد میں زوجۂ اُولیٰ سے ایک فرزند مولوی حسین احمد تھے اور زوجۂ ثانیہ سے مولوی حسنین احمد، مولوی حسن احمد، طفیل احمد اور مولوی شبیر احمد ہوئے۔

مولوی حسین احمدؒ کی عمر زیادہ نہ ہوئی، ان کی تعلیم لاہور، بہاولپور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہوئی تھی، پھر امروہہ میں اپنی زمینداری کا انتظام سنبھال لیا تھا، ایک بار موسم سرما میں گھوڑے کی سواری کر کے گاؤں سے آئے تو ڈبل نمونیا ہو گیا، اسی میں واصل بحق ہوئے۔

مولوی حسین احمد مرحوم کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں: تحسین احمد، تسلیم احمد، ابرار احمد فریدی (م ۱۹۸۴ء) اور نسیم احمد فریدی۔ سارہ خاتون اور سیدہ خاتون۔ (متوفیہ ۵/اگست ۱۹۸۶ء) یہی چوتھے بیٹے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ ہیں، تسلیم احمد راقم الحروف کے والد ماجد (متوفی ۴/جنوری ۱۹۹۷ء) ہیں۔

ننھیال

مولانا فریدیؒ کا ننھیالی سلسلہ حضرت شاہ ابّن بدر چشتی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے، وہ حضرت شیخ علاؤ الدین فیل مست کے خلیفہ تھے، آپ کا سلسلۂ طریقت بھی حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ تک منتہی ہوتا ہے۔ وہ آگرہ سے آکر امروہہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی، صاحب ''منتخب التواریخ'' ان سے ملا ہے، اوران کی بزرگی کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے۔ شاہ ابّن کا انتقال ۹۸۷ھ/۱۵۸۰ء میں ہوا، امروہہ ریلوے اسٹیشن کے قریب ان کا روضہ ہے اسی میں وہ خاندانی قبرستان ہے جس میں حضرت مولانا فریدیؒ کے والدین اور دادا نیز دوسرے مرحوم افرادِ خاندان آسودہ ہیں۔

حضرت شاہ ابّن بدر چشتیؒ کی نسل اُن کے چھ بیٹوں سے چلی، اُن میں حضرت شاہ احمدؒ کی اولاد میں بڑے نامی طبیب اور علماء بھی گزرے ہیں۔ ریاست حیدرآباد کے پہلے افسر الاطباء حکیم احمد سعید اسی شاخ سے تھے۔ اسی خاندان میں ایک جلیل القدر شخصیت حکیم نثار علیؒ کی تھی ان کے چار فرزند ہوئے: حکیم ابن حسن (م ۱۹۰۷ء) حکیم احمد حسن (۱۸۸۲ء) حکیم علی حسنؒ اور نورالحسن حکیم ابن حسن کے لائق فرزند حکیم سید طفیل حسن (م ۸/اپریل ۱۹۵۶ء) تھے جو ابوالنظر رضوی کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے، بڑے علم دوست اور صاحب نظر انسان تھے۔ حکیم احمد حسن حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے نانا تھے۔

مولانا فریدیؒ کے والد ماجد کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہوگیا تھا، اس وقت مولانا فریدیؒ کی عمر تین سال اور چار ماہ سے زیادہ نہ تھی۔

ولادت

مولانا فریدیؒ اپنے سب بھائی بہنوں سے چھوٹے تھے، ان کی ولادت امروہہ میں ۶رستمبر ۱۹۱۱ء رمطابق ۱۲ررمضان ۱۳۲۹ھ چہارشنبہ کو ہوئی، والد کے انتقال کے دو ماہ بعد فروری ۱۹۱۵ء میں دادا مولوی بشیر احمد کا بھی وصال ہو گیا۔ جائداد کا نظم وضبط درہم برہم ہو گیا۔ اسی لئے ابتدائی زمانہ خاصی تنگی اور پریشانی میں گزرا۔ مولانا کے ماموں حکیم سید علی احمد رضوی مرحوم نے اپنی بہن اور بھانجوں کا خاص طور پر بہت خیال رکھا۔ ان کے چھوٹے بیٹے حکیم سید سلطان احمد رضوی (متوفی ۱۸راکتوبر ۱۹۸۳ء) جو بڑے حاذق طبیب ہوئے اور بازار نصراللہ خان رام پور میں ان کا بہت کامیاب مطب تھا، مولانا فریدیؒ کے تقریباً ہم عمر تھے، دونوں کا کھیلنا اور لکھنا پڑھنا ساتھ ساتھ ہی تھا۔ پہلے پرائمری اسکول محلّہ پیرزادہ میں داخلہ لیا، یہاں سے مڈل اسکول میں منتقل ہوئے اور ہندی مڈل کا امتحان پاس کیا بچپن ہی سے مطالعے کا ذوق پیدا ہو گیا تھا مولانا فریدیؒ نے ایک مضمون میں لکھا:

''میری رسمی تعلیم مکتب میں نہیں ہوئی تھی، ممانی صاحبہ نے ناز برداری کے ساتھ ساتھ (اپنے) صاحبزادے کی تعلیم کا بھی خیال رکھا، ماموں صاحب بھی میرے اوپر خاص نظر عنایت رکھتے تھے، میں نے پان کھانا انھیں کے پاندان سے سیکھا۔ بچپن ہی میں شوق مطالعہ پیدا ہوا تو انہی کے کتب خانے سے چند کتابیں دیکھیں، جن میں حضرت مولانا نانوتویؒ کی سوانح عمری بھی تھی جو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے لکھی ہے۔ رموز الاطباء اور چند دیگر طبی اور ادبی کتابیں بھی دیکھیں''۔ (دُرِمقصود، ۷/ ۱۹۸۶ء)

لڑکپن ہی سے مطالعہ کے علاوہ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی پیدا ہو گیا تھا، اس زمانے میں چند کتابوں سے اقتباسات وغیرہ جمع کر کے ایک رسالہ ''مجمع البیان'' کے نام سے شائع بھی کیا تھا۔ بچپن ہی میں کھیل کے طور پر ایک بار انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی سلطان احمد صاحب کے ساتھ الیکشن لڑا تھا، اس میں ہار گئے تو یہ خیال کیا کہ میں یتیم ہوں اور مفلس

ہوں، سلطان احمد کے باپ موجود ہیں اور کھاتے پیتے آدمی ہیں اس لئے مجھے زیادہ ووٹ نہیں ملے۔ طبعیت میں شروع ہی سے فقر و مسکنت عاجزی اور انکساری پیدا ہو گیا تھا۔

امروہہ کے محلّہ دانشمندان میں ایک مدرسہ نورالمدارس تھا، مڈل پاس کرنے کے بعد (۱۹۲۷ء) وہاں جانا شروع کیا اور منشی کامل (۱۹۲۹ء) مولوی، اعلیٰ قابل وغیرہ مشرقی امتحانات اس مدرسہ میں پڑھ کر پاس کئے، اسی زمانے سے شعر گوئی بھی شروع کر دی تھی اور ''امداد'' تخلص اختیار کیا تھا، امروہہ میں ایک بزرگ منشی عزیز احمد عزیزؔ امروہوی تھے ان سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ عزیز صاحب کو مضطرؔ خیرآبادی سے تلمذ تھا۔ یہ مدرسہ مقامی سیاست کا شکار ہو کر ۱۹۲۹ء، ۱۳۴۷ھ میں بند ہو گیا۔ منشی عبدالرب شکیب نے اس کے بند ہونے کی تاریخ ''مرثیہ نورالمدارس'' (۱۳۴۷ھ) اور ''مقہور مرتضیٰ حسین'' (۱۹۲۹ء) سے نکالی تھی۔

منشی عبدالرب شکیب کی لیاقت فارسی زبان وادب میں بہت اچھی تھی کبھی ریاست سروہی (راجستھان) میں ملازم تھے یہ نورالمدارس میں بھی پڑھاتے تھے ان سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں اور شاعری میں بھی مشورہ کیا انھوں نے تخلص بدل کر ''فریدی'' کر دیا۔

دیوبند میں

فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا فریدیؒ نے کچھ دنوں مدرسہ عربیہ محلّہ چلّہ میں درس بھی دیا، پھر مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لے لیا یہاں ان کے اساتذہ میں مولانا سید رضا حسن (برادر زادہ و داماد مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ) مولانا انورالحق عباسی اور حافظ عبدالرحمٰن صدیقیؒ تھے، بیضاوی اور ترمذی تک امروہہ میں پڑھ کر فراغت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں ان کے اساتذہ تھے:

(۱) شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ۔

(۲) شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ۔

(۳) مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ۔

(۴) مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ۔

(۵) مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ۔

(۶) مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔

(۷) مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ۔

(۸) قاری حفظ الرحمٰن پرتاپ گڈھیؒ۔

مولانا فریدیؒ نے کتاب ''مکتوباتِ اکابر'' کے مقدمے میں لکھا ہے: ''میرا قیام تعلیمی سلسلے میں دارالعلوم کے اندر ۵۰ھ سے ۵۷ھ تک رہا۔'' (ص ۹)

اسی زمانے میں چند طلباء کے ساتھ دیوبند سے تھانہ بھون تک پیدل چل کر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں بھی پہنچے تھے، حضرت مولانا تھانویؒ بیعت وغیرہ کے لئے کسی طالب علم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے اس لئے ان طالب علموں کو بھی جلدی رخصت کر دیا تھا۔

لاہور کا سفر

لاہور میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کی مجلسِ درس قرآن کی بڑی شہرت تھی، ان کے درس سے استفادہ کرنے کے لئے ۱۹۳۶ء میں لاہور کا سفر کیا، اور تین ماہ قیام کر کے تفسیر کا درس لیا۔ قرآن کریم سے متعلق مختلف موضوعات پر حضرت مولانا احمد علیؒ چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شائع کیا کرتے تھے، ایسے کئی درجن رسالے مولانا فریدی راقم الحروف کے لئے وہاں سے لے کر آئے تھے، مگر میں اس وقت بہت کم عمر تھا جب ان کو پڑھنے کا وقت آیا تو وہ سب ناپید ہو چکے تھے۔

لاہور کے زمانہ قیام میں شاعر مشرق علامہ اقبالؒ سے بھی ملاقات کی، اور پھر لاہور سے دیوبند آ گئے۔ دیوبند کے سبھی اساتذہ ان سے محبت کرتے تھے، مگر خصوصی تعلق حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ اور میاں اصغر حسین صاحبؒ سے رہا، مولانا اعزاز علی صاحب کی تالیف ''نفحۃ العرب'' کی طباعت بھی مولانا فریدیؒ نے دہلی آ کر اپنی نگرانی میں کرائی تھی۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کا خط

۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی، تو شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نے مولانا فریدیؒ کو یہ خط لکھا تھا:

عزیز مکرم جناب مولوی نسیم احمد صاحب امروہوی زیدت معالیکم

پس از سلام مسنون

آپ علوم دینیہ عربیہ سے فارغ ہو چکے ہیں اور عن قریب آپ دارالعلوم سے رخصت ہوں گے، بناءً علیہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دوں؛ تا کہ اگر کسی ادارے کا کوئی کام آپ کے سپرد ہو تو اس کے کارکنوں کو آپ کے متعلق صحیح اندازہ کرنے کا موقع ملے:

عزیزم! چونکہ آپ امروہہ کے باشندے ہیں اور یہی وطن میرا بھی ہے، اس لئے میں نے ان کئی سالوں میں آپ کے حرکات وسکنات، تحصیل علم میں تحمل صعوبات، رفتار وگفتار پر پوری نظر رکھی ہے، کیوں کہ میں متمنی ہوں کہ امروہہ علماء وفضلاء سے خالی نہ رہے۔ سو بحمد اللہ کہ بظاہر اسباب میری توقع بے موقع نہیں ہے۔ آپ نے نہ فقط تحصیل علم میں صعوبات کا تحمل کیا، بلکہ سادگی اور خوش اخلاقی سے اس طرح پر بسر کی کہ اساتذۂ دارالعلوم دیوبند اور میں خصوصاً بہت زیادہ خوش رہا۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جس علمی ادارے میں انتظامی، تدریسی یا مالی کام کریں گے اس کے ہر فریضے کو باحسنِ وجوہ انجام دینے میں بتوفیقِ اللہ وبعونہٖ کامیاب ہوں گے۔

میں دعا گو ہوں کہ قادر مطلق آپ کو عمرِ دراز عطا فرما کر علمی اشاعت کی مخلصانہ توفیق دے اور اپنی مرضیات میں مصروف رکھے۔

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند
وممتحن درجۂ مولوی فاضل صوبہ پنجاب وصوبہ آسام
۲۸/ محرم ۱۳۵۷ھ و ۲۱/ مارچ ۱۹۳۸ء یوم الخمیس

مولانا اعزاز علی نے اس خط میں ''تحمل صعوبات'' کا ذکر کیا ہے۔ وہ زمانہ بہت سی خانگی پریشانیوں کا تھا۔ جائداد کی آمدنی محدود ہوگئی تھی اور مقدمات کا سلسلہ پھیل گیا تھا مولانا کے برادرِ بزرگ مولوی تسلیم احمدؒ (راقم الحروف کے والد) ان مقدمات میں الجھے ہوئے تھے، وہ کبھی مولانا فریدیؒ کی مالی امداد کر پاتے تھے اور کبھی مجبور ہوتے تھے، اس زمانے میں مولانا کے چچا مولوی شبیر احمد فریدیؒ (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے) پانچ روپیہ ماہوار بھیج دیا کرتے تھے تو اس میں گزارا ہو جاتا تھا، صرف دو جوڑی کپڑے پاس تھے، ان میں بھی خود پیوند لگالیا کرتے تھے، مگر نہ کبھی کسی کے سامنے اپنی پریشانی اور تکلیف کا اظہار کیا، نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے، نہ کسی طرح کی آسایش کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا، بلکہ زندگی کی راحتوں اور آسایشوں سے انھوں نے اپنا رشتہ ہمیشہ کے لئے ایسا منقطع کرلیا تھا کہ اسبابِ آسایش سے انھیں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

مدرسہ اشفاقیہ بریلی میں تقرر

دیوبند سے فراغت ہوئی تھی کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں ایک استاذ کی جگہ خالی ہوئی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی جوہر شناس نگاہ مولانا فریدیؒ پر پڑی اور انھوں نے ان کو بریلی بلالیا۔ (۱۹۳۸ء) اس وقت رسالہ ''الفرقان'' بھی بریلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا نہایت اہم اور شاندار ''شاہ ولی اللہ نمبر'' شائع ہوا تو اس میں بھی مولا فریدیؒ نے بھرپور مدد دی اور مولانا نعمانی سے اپنے تعلقات کو ساری عمر ایسا نبھایا کہ اس کی مثال مشکل سے مل سکے گی، ان کا قلم ''الفرقان'' کے لئے وقف ہو کر رہ گیا تھا، دوسرے رسالوں کو شاذ و نادر ہی کچھ مل جاتا تھا ورنہ آخر عمر تک ''الفرقان'' کا ہر شمارہ پڑھتے رہے، اس کا ایک ایک پرچہ محفوظ رکھا اور معذوری کے باوجود اس کے لئے املا کرا کر مضامین لکھوا کر بھیجتے رہے۔

بریلی سے استعفاء اور اس کے اسباب

مولانا فریدیؒ کے سب سے بڑے بھائی تحسین احمد تقریباً بیس سال کی عمر میں مجذوب ہوگئے تھے، اس حال میں ۷۰ برس سے زیادہ زندہ رہے، شروع زمانے میں تو صحراء کی طرف

نکل جاتے تھے، اور کئی کئی دن گھر والے پریشان رہتے تھے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ گھر میں خاموش لیٹے رہتے تھے، اور بہت ہی کم کسی سے بات کرتے تھے، جذب اور گہرا ہوا تو لباس کا بھی ہوش نہ تھا اپنے کپڑے خود تار تار کرتے رہتے تھے، کبھی بول و براز بھی کپڑوں ہی میں کر لیتے تھے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان کے قریب جا کر کبھی کسی کو بدبو کا احساس نہ ہوتا تھا، نہ وہ کبھی بیمار ہوئے نہ کوئی دوا استعمال کی، نہ غذا میں کسی طرح کی نفاست کا کوئی لحاظ تھا، مگر نوّے سال کی عمر میں بھی بچوں کی طرح بھاگ سکتے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے ۴۵/سال تک ان کے کھانے کپڑے کا نہانے دھونے، اور دوسری ضروریات کا ایسا خیال رکھا کہ صرف یہی مجاہدہ کسی شخص کو ولایت و قطبیّت کے اعلاترین مدارج تک پہنچانے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو مولانا فریدیؒ علی گڑھ میں تھے، ایک دن صبح کی نماز کے بعد کہنے لگے میں امروہہ ابھی جاؤں گا۔ میزبان نے کہا کہ اس وقت رکشا بھی نہیں ملے گا، تھوڑی دیر میں گاڑی آجائے وہ آپ کو اسٹیشن تک پہنچا دے گی فرمایا: ''نہیں شکیل احمد مجھے سائیکل پر بٹھا کر اسٹیشن پہنچا دیں گے'' میزبان کو ناگوار ہوا ہوگا کہ یہ ایسی ضد کر کے اور عجلت میں تکلیف اٹھاتے ہوئے جا رہے ہیں، مگر ان کے جانے کے بعد امروہہ سے ٹیلیفون آیا کہ تحسین احمد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ بتایا گیا کہ مولانا فریدیؒ آج ہی روانہ ہوئے ہیں۔ یہ امروہہ پہنچے تو اپنے بڑے بھائی کے پیروں سے لپٹ کر بچوں کی طرح روئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ (وفات ۱۹۳۲ء) بڑے بھائی کی وجہ سے مرتے دم تک بہت ہی غمزدہ تھیں۔ اور یہ سوچتی تھیں کہ ان کی زندگی کیسے گزرے گی؟

بھائیوں کی خدمت

جائیداد اب تھوڑی سی رہ گئی تھی اور وہ بھی مقدمات میں الجھی ہوئی تھی، گاؤں والوں کی اکثریت جاٹوں پر مشتمل تھی، انھوں نے یہ ستم کیا کہ ایک رات کو دس بارہ جاٹ لاٹھیاں وغیرہ لے کر ڈیرے پر چڑھ آئے اور میرے والد مولوی تسلیم احمد پر حملہ آور ہوئے، خدا جانے ان کے دماغ پر کوئی شدید ضرب آئی، یا خوف کا غلبہ ہوا، وہ بدشواری تمام وہاں سے نکلے اور اسٹیشن پہنچ کر

ریل میں بیٹھ گئے، کئی دن تک ریل میں اِدھر اُدھر سفر کرتے ہوئے اپنی بہن کے پاس میرٹھ پہنچ گئے۔ ان کا دماغی توازن بھی اب صحیح نہ رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کی بات ہے اور ان کا انتقال ۴؍ جنوری ۱۹۸۷ء کو ہوا، ۴۵ سال تک وہ اسی دیوانگی کی حالت میں رہے میری عمر اس وقت سات سال تھی، دوسرا بھائی چار سال کا، اور چھوٹا ایک ڈیڑھ سال کا تھا۔ جائداد کا اب دیکھنے والا کوئی نہ رہا، آمدنی مسدود ہوگئی، اور مسائل کے پہاڑ سامنے تھے مولانا فریدیؒ اپنی بریلی کی ملازمت سے استعفا دے کر امروہہ آگئے تاکہ اپنے دو فاتر العقل بھائیوں اور تین کم سن بھتیجوں کی دیکھ بھال کرسکیں۔ اگر وہ کوئی امیر یا دنیوی وسائل رکھنے والے انسان ہوتے تو اتنی اچنبھے کی بات شاید نہ ہوتی، لیکن اب یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے جس محبت اور شفقت سے ہماری پرورش کی، اس میں سوائے غیر معمولی مومنانہ صفات کے اور کوئی سرمایہ نہ تھا، یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے لئے خود کو فنا کردیا۔ اسی لئے خود ساری عمر مجرد رہے کہ اپنا گھر بسا کر وہ شاید ہماری دیکھ بھال نہ کرسکیں۔ ہمارے لئے ان کی بے پایاں شفقت اور دردمندی کا اندازہ کرنے کو صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجھے ماموں صاحب مرحوم حیدرآباد لے گئے تھے وہاں مجھے تپ لرزہ کی شکایت ہوگئی جس سے گھبرا کر میں اگست ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں کسی کو اطلاع دیے بغیر چلا آیا۔ والد صاحب اس زمانے میں حسن پور میں تھے میں گجرولہ کے اسٹیشن پر اتر کر ان کے پاس چلا گیا۔ امروہہ اور حیدرآباد میں سب میری گم شدگی سے پریشان تھے، دہلی میں فسادات شروع ہوچکے تھے اس لئے اور بھی اندیشے بڑھ گئے تھے۔ مولانا فریدیؒ امروہہ میں کسی بزرگ سے دعا کرانے جارہے تھے جو محلّہ چلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے انھیں راستے میں کوئی صاحب ملے اور دریافت کیا کہاں جارہے ہیں؟ تو مولانا نے فرمایا کہ میرا بھتیجا حیدرآباد سے غائب ہوگیا ہے، اس کے لئے فلاں سے دعا کرانے جارہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ آپ کا ایک بھتیجا تو حسن پور میں ہے، اور میرا حلیہ بتایا۔ اس وقت شاید مولانا فریدیؒ کے پاس کرائے کے پیسے بھی نہ ہوں گے، محلّہ چلّہ سے پیدل ہی حسن پور کی طرف روانہ ہوگئے جس

کا فاصلہ تقریباً ۲۵ میل ہے وہاں مجھے دیکھ کر اطمینان ہوا اور اپنے ساتھ امروہہ لے کر آئے، میں نہیں سمجھتا کہ اس قربانی اور ایثار کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے۔ اسی زمانے میں مظفرنگر کے علاقے میں وہ کسی بزرگ کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا کہ میرے ایک بھائی دیوانے ہو گئے ہیں، ان کی صحت یابی کے لئے دعا کر دیجئے۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ: ''حضرت بابا فریدیؒ نے ایک دنیا کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے، اگر ان کی اولاد میں بھی ایک دیوانہ ہو گیا تو کیا ہوا؟'' یہ واقعہ سنا کر مولانا فریدیؒ مسکرائے اور فرمایا ''دیکھو انھوں نے کیسا جواب دیا''۔

مدرسہ جامع مسجد میں

۱۹۴۲ء سے انھوں نے مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں بطور مدرس ملازمت کر لی یہ مدرسہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد حسن محدث علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۳۰ھ) کا قائم کیا ہوا ہے، اس کی مالی حالت ان دنوں زیادہ مضبوط نہ تھی، عام اسلامی مدارس کی طرح عطیات ہی سے چلتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ایک دو سال تو بہت تنگی ترشی کے گزرے مولانا فریدیؒ کی تنخواہ شاید ۱۵/روپیہ ماہوار شروع میں تھی، جب اضافے کا موقع آتا تھا تو وہ فرما دیتے تھے کہ میری تنخواہ کافی ہے اضافے کی ضرورت نہیں۔ دفتر اہتمام نے خود ہی کبھی اضافہ کر دیا تو کر دیا۔ جب مدرسے میں عطیات آتے اور تنخواہیں تقسیم ہوتیں مولانا فریدیؒ چاہتے تھے کہ پہلے دوسرے اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں، گنجائش ہو تو پھر ان کو بھی دی جائے۔ عموماً وہ اپنی مختصر سی تنخواہ بھی قسطوں میں وصول کرتے تھے، کبھی دس روپے طلب کر لئے، کبھی پانچ روپے لے لئے، تاکہ مدرسہ کے دوسرے خرچ بھی پورے ہوتے رہیں۔ وہ اکثر اپنے عزیزوں، ملنے والوں اور عقیدت مندوں سے بھی مدرسے کی امداد کراتے رہتے تھے، ایک بار دفتر اہتمام نے ان سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ کے لئے سفیر بن کر چلے جائیں انھوں نے بھی حالات دیکھ کر منظور کر لیا۔ عطیات میں مصارف سفر کے علاوہ بھی سفراء کا ''حق معلوم'' ہوتا ہے، مولانا فریدیؒ نے جو کچھ عطیات وصول کئے وہ سب پائی پائی لا کر دفتر میں جمع کر دی، اپنا حق بھی نہیں لیا، اور مصارف سفر بھی خود ہی برداشت کئے، مگر آئندہ کے لئے معذرت کر لی۔

دینی مدارس سے متعلق

طلبہ سے اور اسلامی مدارس سے انھیں جو تعلق تھا اسے بے تکلف ''عشق'' کہا جاسکتا ہے۔ طالب علم کی نہایت قدر اور عزت کرتے تھے، اور اسے ہر آرام پہنچانے کی سعی کرتے تھے۔ اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، چائے پلاتے، حد یہ ہے کہ اطباء ان کے لئے کوئی خوش ذائقہ خمیرہ یا شربت بنا کر بھیجتے تو استعمال کے وقت جو طالب علم موجود ہوتا ایک خوراک اس کو بھی چکھا دیتے تھے۔ شعبان میں سالانہ امتحان سے پہلے طلبہ کو مسجد میں اضافی درس دیتے تھے، اور یہ برسوں معمول رہا۔ تمام شمالی ہندوستان کے دینی مدارس اور مکاتب کے سفراء کے لئے ان کی مسجد ایک ہیڈ کوارٹر بنی ہوئی تھی ہر مدرسے کو خود بھی عطیہ دیتے تھے اور شہر کے ذی استطاعت حضرات سے بھی دلاتے تھے، صرف ان کے توسط سے ہزاروں روپیہ دوسرے مدارس میں بھی بطور عطیہ پہنچتا تھا۔

منصب افتاء

مدرسہ جامع مسجد میں جب تک درس دیتے رہے افتاء کا منصب بھی ان کے پاس تھا، جتنے فتوے طلب کئے جاتے تھے، سب کا جواب انتہائی حزم واحتیاط کے ساتھ اور ضرورت ہو تو کئی کئی کتابیں دیکھ کر اور غور وفکر کر کے لکھتے تھے۔ ان کا حساب اچھا تھا۔ اس لئے فرائض کا کام بھی وہی انجام دیتے تھے شہر اور مضافات کے سب لوگ ان کے فتوے کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس لئے کہ سب جانتے تھے یہ بے نفس، بے لوث اور کھرے انسان ہیں، کسی سے لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ شاید کسی ہائی کورٹ کے جج نے بھی اتنے مقدمات کا فیصلہ نہ کیا ہوگا جتنے مقدمات ومسائل مولانا فریدیؒ نے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر نمٹا دیے، دونوں فریق لڑتے ہوئے کف در دہاں آتے تھے مولانا فریدیؒ پہلے ایک کو بلاتے اس کی پوری کتھا ایسی توجہ اور دلچسپی سے سنتے جیسے انھیں اس کے ساتھ پوری ہمدردی ہے، پھر اسے رخصت کر کے دوسرے فریق کو بلاتے اور اس سے بھی ساری کتھا سنتے تھے، دونوں کے بیانوں اور ثبوتوں کی روشنی میں مسئلے کی حقیقت واضح ہو جاتی تھی اور ان کے فیصلے عموماً دونوں فریق خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے۔ خدا جانے کتنے گھر

انھوں نے بسا دیے، کتنے مسلمانوں کو عدالت میں گھسٹنے سے بچالیا اور کتنے خاندانوں کی پرانی عداوتوں کو ہمیشہ کے لئے دفن کرادیا۔ امروہہ کے عوام میں ایک اصطلاح تھی کہ ''اچھا تو یہ فیصلہ اب سپریم کورٹ میں ہوگا'' اور اس سے مراد مولانا فریدیؒ کی عدالت ہوتی تھی۔ امروہہ میں بہت سے علماء ہوئے ہیں اور اپنے اپنے میدانوں میں سب کے کارنامے منفرد ہیں، مگر مولانا فریدیؒ کی نظیر ملنا دشوار ہے، ایک تو یہ کہ وہ صرف قلم کے دھنی نہیں تھے، محض زبانی وعظ بھی نہیں کرتے تھے، سراپا حرکت وعمل تھے اور اپنی معذوری کے باوجود ایسے ایسے کوردہ میں چلے جاتے تھے جہاں کوئی جانا پسند نہ کرے گا۔ عوام کے ہر طبقے میں ان کی مقبولیت یکساں تھی۔ بالکل بے پڑھے لکھے گنوار اور کُندۂ ناتراش لوگوں سے بھی وہ اس طرح ملتے تھے کہ اپنے علم وفضل یا بزرگی یا شہرت یا کسی اور طرح کی برتری کا اظہار کیا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔

بے نفسی اور سادگی

مولانا فریدیؒ بے نفسی اور فنائیت کی سچی تصویر تھے۔ لباس میں، کھانے پینے میں، کسی چیز میں کسی طرح کا تکلف یا اہتمام نہ تھا۔ اکثر صرف کُرتے اور تہبند میں ہی شہر اور دیہات کے گشت پر چلے جاتے تھے، ورنہ ایک کرتہ اور ایک پاجامہ، ایک ٹوپی اور ایک جوڑی چپل ان کی کل کائنات تھی۔ لباس میں اکثر پیوند بھی لگا لیا کرتے تھے، انھیں اس سے غرض نہ تھی کہ یہ پیوند بھدّا لگے گا یا کپڑا دوسری قسم کا ہے۔ اکثر میری والدہ یا پھوپھی مرحومہ ان کے لئے ایک دو جوڑے کپڑے سی کر بھیج دیتی تھیں اگر ان کے پاس جو لباس ہے وہ اس لائق ہوتا تھا کہ دس پندرہ دن اور چل جائے گا، تو نیا جوڑا کسی ضرورت مند کو، عموماً کسی طالب علم کو دے دیتے تھے۔ ان کے سامان میں ایسا کوئی بکس یا صندوق نہ تھا جسے ''کپڑوں کا صندوق'' کہا جاسکے۔ جو صندوق تھے ان میں بھی کاغذ اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ انسان کو روزمرّہ کی ضرورت کے لئے بیسیوں اشیاء درکار ہیں، ان کے سامان میں نہ کوئی برتن تھا، نہ بستر تھا، بس وضو اور طہارت کے لئے دو لوٹے تھے۔ مسجد کی چٹائی ہی ان کا بستر تھا گرمیوں میں فرش کو پانی ڈال کر ٹھنڈا کرلیا جاتا تھا، جاڑوں

میں ایک گدّا نیچے بچھا لیتے تھے، ایک چھوٹا سا گاؤ تکیہ تھا اس پر سر رکھ کر لیٹ رہتے تھے۔ پچھلے پہر رات کو اٹھ کر وضو کر کے تہجد پڑھتے تھے، پھر کچھ ذکر و شغل ہوتا تھا، فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے تھے۔ آٹھ بجے کے قریب ناشتہ کرتے تھے، عموماً باسی روٹی کھا لیتے تھے، کبھی بسکٹ اور چائے بازار سے منگا کر خود بھی ناشتہ کرتے اور حاضر الوقت حضرات کی ضیافت بھی اسی سے ہو جاتی تھی۔

خالص ترک

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ ''مجھے پہلے بھی دنیا جمع کرنے کی رغبت نہ تھی اور پھر میرا پیوند ایسی جگہ ہوا کہ بابا صاحبؒ کی نظر میں دونوں عالم ہیچ تھے، خالص ترک تھا۔'' اس ''خالص ترک'' کا مفہوم مولاناؒ کو دیکھ کر سمجھ میں آ سکتا ہے، وہ ترک و تجرید و تفرید کا ایک نادر روزگار نمونہ تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا بھی یہ حال تھا کہ کبھی کئی کئی وقت فاقہ ہو جاتا تھا، اور کریر کے پھل ابال کر کھائے جاتے تو ان میں نمک بھی نہ ہوتا تھا، مگر داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ان کی خانقاہ میں آتا تھا اسے کچھ نہ کچھ ضرور دیا جاتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا، کتنی بیوائیں اور غریب لوگ اور طالب علم ایسے تھے جن کی وہ برابر مدد کرتے تھے اور دوسروں سے بھی ان کو کچھ نہ کچھ دلاتے رہتے تھے۔ ایک بڑے نامی گرامی خاندان کی بیوہ تھیں جن کے حالات اب ناگفتہ بہ ہو گئے تھے وہ اپنا حال مولانا فریدیؒ کو لکھا کرتی تھیں، اور یہ پابندی سے ان کو کچھ نہ کچھ بھیجتے تھے۔ انتقال سے چند روز قبل بھی ان کو منی آرڈر بھجوایا۔ جو طالب علم امروہہ سے فارغ ہو کر جا چکے تھے ان کی بھی خیر و خبر رکھتے تھے اور ان میں سے جس کی حالت خستہ ہوتی تھی اسے منی آرڈر سے کچھ روپیہ بھیجتے رہتے تھے۔ مولانا کے ایک عزیز نے ان کے مرض الموت کے زمانے میں پانچ سو روپے بطور نذر بھیجے، وہ انھوں نے چند پرانے طالب علموں کو بھجوا دیئے۔ غالباً یہ خیال کیا کہ میرے انتقال کی اطلاع پا کر وہ امروہہ آنے کو تڑپیں گے اور تنگ دستی کی وجہ سے آ نہ سکیں گے۔

غنائے نفس

قناعت اور توکل اور غنائے نفس کا مفہوم بھی مولانا فریدیؒ کی ذات میں مجسم ہو گیا تھا، انھیں کبھی کسی چیز کی خواہش کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ نہ کسی چیز کے نہ ہونے پر مغموم پایا گیا، پیسہ اگر پاس ہوا تو کبھی ایک لمحے کے لئے یہ خیال نہ کرتے تھے کہ اس کی ضرورت کل کو بھی ہو سکتی ہے۔ صرف ایک مد ایسی تھی جس کے لئے بعض اوقات کسی سے قرض بھی لے لیتے تھے، یعنی کتابوں کی خریداری پر اپنی حیثیت اور مالی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتے تھے، جس زمانے میں مدرسہ جامع مسجد میں درس دیتے تھے دوپہر کو کھانا کھانے کے لئے میری والدہ کے پاس محلّہ قریشیان میں آتے تھے، راستے میں ایک دو دکانیں پڑتی تھیں جن پر کبھی کوئی پرانی کتاب بھی نظر آجاتی تھی جیب میں جو دو چار روپے ہوتے تھے وہ دے کر کوئی نہ کوئی کتاب لئے ہوئے آتے تھے پیسے نہ ہوئے تو قرض لے لیتے تھے۔ میرے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتی علیہ الرحمۃ (سجادہ نشین پنجم حضرت شاہ عبدالہادی وخواجہ شاہ عبدالباری قدس سرہما) کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں چوری ہو گئیں، اوران میں سے بعض کتابیں مولانا فریدیؒ کو رڈی میں یا کباڑیوں میں ملیں تو خرید کر لاتے اور نانا صاحبؒ کو دے دیتے تھے۔

کتابوں سے عشق

محلے کے ایک بچے کو جو یتیم تھا اور دماغی طور پر ماؤف، یہ سنک تھی کہ کتابوں کو ضائع کرتا تھا۔ مولانا فریدیؒ جب اپنے گھر میں طہارت کے لئے یا کسی اور ضرورت سے داخل ہوتے تو یہ ان کے پیچھے دبے پاؤں چپکے سے گھر میں آکر بند ہو جاتا تھا اور کتابیں اٹھا کر چھت پر لے جاتا، وہاں بیٹھا انھیں پھاڑتا رہتا تھا، اس طرح اس نے بہت سی نادر کتابیں تباہ کر دیں۔ مولانا فریدیؒ کو اگر دنیا میں کسی چیز سے واقعی اور گہرا تعلق تھا تو کتابوں ہی سے تھا، انھیں اس کا کتنا صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا مگر صرف اس لئے برداشت کر لیتے تھے کہ وہ معذور ہے اور یتیم ہے۔

اسی طرح انھوں نے اپنی کتابیں دوسروں کو پڑھنے کے لئے دیں تو بہت سے لوگوں نے واپس نہ کیں، مگر وہ کسی بھی موضوع پر کام کرنے والوں کی ہر طرح امداد کرتے تھے اور اپنے پاس جو کچھ مواد ہوتا تھا وہ اس کے حوالے کر دیتے تھے۔

ذوق مطالعہ

جب تک بینائی نے ساتھ دیا وہ عشاء کی نماز کے بعد لالٹین سرہانے رکھ کر اس کی مدھم روشنی میں دیر تک مطالعہ کیا کرتے تھے اسی سبب سے بینائی کمزور ہوگئی۔ انھیں رتوندہ بچپن سے آتا تھا، اس کا سبب یہ کہ بچپن میں غذا بھرپور نہیں ملی وٹامن اے کی کمی رہ گئی۔ رات کو لالٹین یا ٹارچ ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں علی گڑھ جا کر ایک آنکھ کا آپریشن کروایا۔ وہ ناکام ہوگیا۔ ناکامی کے تین اسباب تھے:

ایک تو جن لوگوں کو رتوندہ آتا ہے ان کا آپریشن دشوار ہوتا ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے۔ دوسرے مولانا نماز نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ سجدے کی حالت میں دورانِ خون آنکھوں کی طرف ہو جاتا ہے آپریشن کے بعد یہ بات سخت مضر ہے، مگر انھوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی، حسب معمول اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریزی کرتے رہے۔ تیسرے یہ کہ ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہ پڑھیں، ورنہ آپریشن خراب ہو جائے گا، مگر مولانا فریدیؒ بغیر مطالعہ کئے نہیں رہ سکتے تھے، ایک بار دیکھا گیا کہ وہ چادر کے اندر چھپ کر ٹارچ کی مدد سے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں بھلا آپریشن کیا کامیاب ہوتا۔

مولانا فریدیؒ کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ ''مولانا فریدیؒ کو علم سے وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے''۔

علمی سفر

ان میں تحقیق کا مادہ فطری تھا، ہر بات کی کھوج خوب لگاتے تھے اور ایک لفظ کی تحقیق

کے لئے میلوں کا سفر کرنے چلے جاتے تھے۔ انھوں نے متعدد قصبوں اور دیہاتوں کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں کو بھی کھنگال ڈالا تھا اور ایسی جگہ سے کتاب نکال کر لاتے تھے جہاں سان گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ میرٹھ، موانہ، کھتولی، پھلت، پھلاودہ، نانوتہ، گنگوہ، سہارنپور، رام پور منہیاران، مرادآباد، رام پور، سیتاپور، لاہرپور، خیرآباد، لکھنؤ، چاند پور، گلاوٹھی، خورجہ اور خدا جانے کہاں کہاں وہ کتابوں کی تلاش میں گھومے ہیں، اور کیسے کیسے گوہر آبدار نکال کر لائے ہیں۔ کتب خانوں کے مالک بھی ان کی سادہ و بے ریا شخصیت کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے، اور عموماً انھیں کتابیں دیکھنے بلکہ گھر لے جانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے۔ رمضان میں چند روز کے لئے رام پور جاتے تھے وہاں قاضی شہر کا قدیم اور قابل قدر کتب خانہ ہے، قاضی صاحب ہر شخص کو کتابیں نہیں دکھاتے تھے، مگر انھیں اپنے کتب خانے کی چابیاں دے دیتے تھے، اور فجر کی نماز کے بعد ظہر تک اور کبھی عصر تک ان کے کتب خانے میں بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کی دریافت

غالباً ۱۹۴۷ء کا قصہ ہے، چاند پور کے ایک بنئے نے ہماری جائیداد کا کچھ حصہ خرید لیا تھا، یا کچھ اور بات تھی، مولانا فریدیؒ اس سے ملنے کے لئے چاند پور گئے اس وقت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ بقید حیات تھے ان سے ملے اور ان کا کتب خانہ دیکھا اسی میں ایک قلمی کتاب ملی جس کے دو حصے تھے، پہلے حصے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ خطوط تھے جو شاہ محمد عاشق پھلتی کے فرزند شاہ عبدالرحمٰن پھلتیؒ نے جمع کئے تھے اور دوسرے حصے میں وہ مکتوبات تھے جو اپنے بیٹے کو وفات پانے کے بعد خود شاہ محمد عاشقؒ نے فراہم کئے تھے۔ یہ ایک نایاب مجموعہ تھا جس کا کوئی دوسرا نسخہ تاحال معلوم نہیں ہے۔ مولانا فریدیؒ نے اس وقت تو اس کا مطالعہ کیا اور کچھ نوٹ سرسری طور پر لئے۔ پھر مولانا چاند پوریؒ کے انتقال کے بعد ان کے لائق فرزند نے یہ نسخہ مولانا فریدیؒ کو گھر لے جا کر نقل کرنے کے لئے دے دیا۔ یہ ذرا بدخط اور مغشوش بھی تھا، اسے پڑھنے اور صحیح نقل کرنے کے لئے بہت محنت کی ضرورت تھی، مولانا فریدیؒ مدرسے سے آکر ظہر کی نماز

کے بعد اپنے گھر میں بند ہوکر زمین پر بیٹھتے تھے اور اسے نقل کرتے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا، او رگھر میں بجلی پنکھا کچھ نہ تھا، ہوا بھی وہاں گزر نہ کرتی تھی، مگر یہ دنیا ومافیہا سے بے خبر اس کے ایک ایک لفظ کو صحت کے ساتھ لکھنے میں محو رہتے تھے، اتنا پسینہ آتا تھا کہ کبھی وہ جگہ بھی تر ہو جاتی تھی جہاں بیٹھے ہوتے تھے۔ اس طرح انھوں نے ۱۹۶۵ء میں یہ مسودہ پورا نقل کیا۔ اس میں جو خطوط سیاسی موضوعات پر تھے وہ (۱۹۵۰ء میں) مع اردو ترجمہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کو دے دیئے تھے جنھوں نے اپنے مقدمہ وحواشی کے ساتھ انہیں ''شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات'' کے نام سے چھپوایا، باقی مکتوبات تین سو سے زائد وہ ہیں جو علمی ودینی موضوعات پر ہیں، بصارت سے معذور ہونے کے باوجود مولانا فریدیؒ نے انھیں پڑھوا کر ایک ایک لفظ سنا، بار بار غور کر کے متن کی پوری صحت کی پھر ان کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ املا کرایا، تمام مکتوب الیہم کے حالات جمع کر کے لکھوائے اور مکتوبات میں جو ایسے مواقع آئے ہیں جن کی تشریح کی ضرورت تھی ان پر حواشی لکھوائے، یہ سب چار جلدوں کا مواد ہوگیا۔ اس کی طباعت واشاعت کے لئے حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) سے بات ہوئی تھی اور انھوں نے اشاعت کا ذمہ لیا تھا۔ مگر کسی نہ کسی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی رہی اور مولانا فریدیؒ کو آخر وقت تک اگر کسی بات کی حسرت رہی تو یہی تھی کہ وہ ان مکتوبات کو کتابی صورت میں چھپا ہوا دیکھ لیتے۔ مگر خود فرماتے تھے کہ ''انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوا کرتی۔'' اب ان خطوط کو شائع کرانے کی ذمہ داری اس ناچیز پر آپڑی، الحمدللہ کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کے خاص تربیت یافتہ مولانا محمد کلیم صدیقی پھلتی زید مجدہٗ کی اعانت سے مکتوبات کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اختصاصی موضوعات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ او ان کے خاندان کے باکمال حضرات سے بھی مولانا فریدیؒ کو خصوصی قلبی تعلق تھا، اس موضوع پر جتنا کام انھوں نے کیا ہے وہ برصغیر میں اور کسی نے نہیں کیا۔ ان کے اختصاصی موضوعات تھے:

اکابر دیوبند، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے نامور اخلاف، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کا خاندان، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک جہاد۔

مطالعہ و تحقیق میں مولانا فریدیؒ کے علمی اسفار کے علاوہ ان کی غیر معمولی قوت حافظہ کو بھی بڑا دخل تھا، ان کے ہوش و حواس اور قوت حافظہ آخری لمحے تک درست رہی۔ ان سے ملنے کے لئے ہزاروں انسان آتے تھے، دوسرے شہروں سے پوری پوری جماعتیں آتی تھیں، بعض حضرات سال دوسال کے بعد ملتے تھے، مگر کمال یہ تھا کہ مولانا صرف ''السلام علیکم'' سُن کر آواز سے پہچان لیتے تھے، کبھی نام دریافت فرما لیتے، اور نام سے سمجھ جاتے تھے، اس سے زیادہ تحقیق کی ضرورت شاذ ہی پیش آئی ہے۔ بعض کتابیں انھوں نے برسوں پہلے کبھی پڑھی تھیں مگر حافظے میں یہ محفوظ تھا کہ ان میں کیا لکھا ہے؟ ایک بار انھوں نے کسی بات کا تذکرہ ''انوار العیون'' کے حوالے سے کیا، میں نے اسی زمانے میں وہ کتاب پڑھی تھی، عرض کیا کہ اس میں تو یہ بات نہیں ہے! نہایت میٹھے لہجے میں فرمایا: ''اب پھر دیکھنا'' دیکھا تو واقعی اس میں وہی لکھا تھا جو مولانا نے فرمایا تھا۔ کبھی پنسل سے کبھی قلم سے دوران مطالعہ نوٹس بھی لکھتے رہتے تھے ایسے سیکڑوں پُرزے ان کے کاغذوں میں محفوظ ہیں۔ مطالعے میں ان کی نظر مسائل کی جزئیات پر بہت گہری رہتی تھی اور مختلف کتابوں کے مطالعے سے نتائج کا استنباط خوب کرتے تھے۔ تحریر میں احتیاط بھی بہت تھی، کوئی ایسا لفظ نہ لکھتے تھے جس میں تاویل کی گنجائش رہ جائے۔

عقائد اور مسلک

اپنے عقائد میں وہ علمائے دیوبند کے مسلک پر تھے، مگر کسی سے الجھتے نہ تھے، دوسروں کی باتوں کو بھی پورے تحمل سے سنتے تھے، اور ایسی کوئی بات نہ کہتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو، البتہ اگر کوئی مخالف مسلک کا آدمی عوام میں فتنہ پھیلاتا تھا تو اس کا جم کر مقابلہ کرتے تھے۔

انھیں تمام اولیاء اللہ سے گہری عقیدت تھی خصوصاً اپنے سلسلے کے مشائخ سے والہانہ تعلق تھا۔ مولانا فریدیؒ حج کر کے آئے تو میرے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتی علیہ الرحمۃ نے

انھیں دو روپے عطا کیئے، بڑی عقیدت سے قبول کر کے فرمایا کہ میں انھیں خرچ نہیں کروں گا برکت کے لئے پاس رکھوں گا۔ حضرت شاہ عضدالدین جعفری کی خانقاہ میں ہمیشہ جاتے تھے اور جلسوں کی صدارت فرماتے تھے۔ میاں موجؒ کے سجادہ نشین میاں شاہ علاء الدینؒ اور ان کے فرزند میاں شاہ معین الدین عرف بابومیاںؒ سے بہت محبت کرتے تھے باہر کا کوئی مہمان آتا تھا تو تاکید کرتے تھے کہ انھیں بابومیاںؒ سے ملواؤ۔ حضرت شاہ آفاق احمدؒ (ردولی) حضرت شاہ محمد الحسینی (گلبرگہ) حضرت عبیداللہ شاہ (سجادہ نشین شیخ محبّ اللہ الہٰ آبادی) اور حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی سے نہایت ادب واحترام کا معاملہ کرتے تھے۔

میرے نانا صاحب حضرت شاہ سلیمان احمد چشتیؒ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ کے شاگرد تھے۔ اور جامع مسجد کے مدرسہ سے ہی فراغت کی سند حاصل کی تھی مگر بعض مسائل میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔ مولانا فریدیؒ روز دوپہر کو کھانا کھانے آتے تھے تو کبھی نانا صاحب ان کے پاس آکر بیٹھ جاتے اور کسی اختلافی مسئلے پر گفتگو شروع کر دیتے۔ مولانا فریدیؒ ان کا بے حد احترام کرتے تھے، میری والدہ کہتی بھی تھیں کہ ان سے کھانے کے وقت ایسی باتیں نہ چھیڑا کریں ممکن ہے ناگوار ہو، مگر مولانا فریدیؒ نے کبھی ذرہ برابر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا، نہایت ادب اور احترام سے ان کی باتیں سنتے تھے، کبھی بہت ہی اختصار کے ساتھ کوئی جواب دے دیتے تھے۔ مولانا فریدیؒ کے جانے کے بعد اکثر نانا صاحبؒ میری والدہ سے فرماتے تھے: ''تمھارے خاندان میں یہ ایک فرشتہ پیدا ہو گیا ہے۔'' کبھی مجھ سے یوں فرماتے تھے: ''یہ ایک عجیب وغریب چیز پیدا ہوگئی ہے، اس کی قدر کرتے رہنا۔'' (اور لفظ عجیب وغریب کو خاص طور پر زور دے کر کہتے تھے)۔

مولانا فریدیؒ میرے اکثر مضامین پڑھوا کر سنتے تھے اور ان میں کوئی لفظ بھی اگر نادرست ہوتا تو اسے یاد رکھتے تھے، ملاقات ہونے پر اس کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ بعض مضامین میں کوئی بات صریحاً ان کے عقائد کے خلاف ہوتی تھی مگر اس پر کبھی مجھ سے مواخذہ

نہیں کیا میں بھی کبھی اتنی گستاخی کرتا تھا کہ ان سے اختلاف کر کے اپنی دلیلیں پیش کرتا تو بہت محبت سے مسکرا کر سنتے رہتے تھے۔

۱۹۴۷ء سے قبل جب جنگ آزادی اپنے شباب پر تھی وہ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے اس لئے کہ جمعیۃ علماء کانگرس کے ساتھ تھی۔ ایک بار ابوالنظر حکیم سید طفیل حسن رضوی کے مکان پر ایک جلسہ جناب رئیس الدین فریدیؒ (ایڈیٹر روزانہ ہند کلکتہ) کی صدارت میں ہوا ابوالنظر مرحوم مسلم لیگ کے ہم نوا ہو گئے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے ایک تقریر کانگرس کے حمایت میں لکھ کر مجھے یاد کرادی اور جلسے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ میری عمر ۱۱/۱۲ رکی ہوگی وہ تقریر سن کر لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ مولانا فریدیؒ پس پردہ بول رہے ہیں، اس پر کچھ چہ می گوئیاں بھی ہوئیں، ایک بار محلّہ قریشی میں مسلم لیگ کے کارکنوں نے انھیں گھیر لیا اور اتنا ستایا کہ وہ رونے لگے۔ وہ ستانے والے تو سب بارہ باٹ ہو گئے اور ان کے گھروں میں خاک اڑنے لگی، مگر مولانا فریدیؒ زندگی بھر نظریۂ پاکستان سے متفق نہ ہو سکے۔ تقسیم ملک سے پہلے بھی ہمارا خاندان تو ہمیشہ پنجاب ہی میں رہا۔ کچھ افراد پاکستان بننے کے بعد چلے گئے، وہاں سب عزیز بہت چاہتے تھے کہ مولانا فریدیؒ ایک بار پاکستان آجائیں مگر انھوں نے کبھی ہامی نہ بھری۔ زندگی کے آخری سال میں آمادہ ہو گئے تھے اور بعد رمضان جانے کا ارادہ تھا مگر موت سبقت کر گئی۔

انتقال سے چند ماہ پیشتر شہر کے ایک وکیل صاحب ان کی عیادت کے لئے آئے اور کچھ سیاسی گفتگو کرتے رہے، اسی میں انھوں نے جمعیۃ العلماء کے سیاسی کردار پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی، مولانا فریدیؒ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے سامنے کوئی علماء دیوبند کی بے جا مذمّت کرے، اس وقت بیمار بھی تھے۔ دل و دماغ پر اتنا بوجھ پڑا کہ بخار ہو گیا جو کئی دن تک چڑھا رہا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو بتایا کہ فلاں وکیل صاحب نے ایسا کہا اس کی مجھے اتنی ناگواری ہوئی کہ بخار آ گیا۔ میں نے کہا کہ آپ کو دوسروں کے عقائد اور مسلک کا اتنا اثر نہیں لینا چاہئے، پوری تاریخ اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا، جب امت کسی ایک سیاسی مسلک پر متفق

ہوگئی ہو، ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم تو غلطی پر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو بدترین کافروں، منکروں اور مشرکوں کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ باتیں سن کر ان کی طبعیت بحال ہوئی۔

تبلیغِ دین

ان کی وجہ سے جمعیۃ علماء کو امروہہ اور اس کے آس پاس علاقوں میں ہمیشہ بہت تقویت حاصل رہی، اس کا ہر کام بڑی لگن اور جانفشانی سے کرتے تھے۔ اسی طرح تبلیغی جماعت کے وہ نہایت سرگرم فعال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۷ء سے وفات تک تقریباً ۴۲ سال امیر جماعت رہے سیکڑوں جماعتیں بنابنا کر دور ونزدیک بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی جاتے تھے انھوں نے نوجوانوں میں دین کا عجیب خاموش درد پیدا کر دیا تھا اور حیرت یہ ہے کہ نوجوان، خاص طور پر انگریزی مدارس کے تعلیم یافتہ نوجوان، ان کی طرف بہت آتے تھے ہر شخص پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہو جاتا تھا۔ انھوں نے بے شمار مسجدوں کو آباد کرایا، چھوٹے چھوٹے دیہات میں جہاں مسجد نہ تھیں مسجد تعمیر کروائی اور مسجد تھی تو اس میں مدرسہ شروع کرایا۔ آج کتنے ہی مدارس ایسے ہیں جو مولانا فریدیؒ کے قائم کئے ہوئے بہت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ دیہاتیوں کے سامنے ایسی پر اثر تقریر کرتے تھے جس میں علمیت کا بوجھ بالکل نہ ہوتا تھا اور بات دل میں پیوست ہو جاتی تھی۔

۱۹۶۹ء میں میرے ساتھ حیدرآباد جارہے تھے، ریل میں کھڑکی کے پاس بیٹھے تھے میوات کے علاقے میں کہیں جنگل میں گاڑی رک گئی وہاں پندرہ بیس آدمی پیدل جارہے تھے انھوں نے دور سے مولانا فریدیؒ کو دیکھ لیا اور ریل کے پاس آکر ان سے باتیں کرنے لگے سب کو حیرت تھی کہ یہاں جنگل میں بھی ان کے چاہنے والے نکل آئے۔ نماز پڑھنے کے لئے کچھ دیر تک تحری کرتے رہے، قبلے کا صحیح اندازہ نہیں ہو پارہا تھا، حیدرآباد پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ ایک قطب نما منگوایا اور اسے واپسی کے سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔

معمولات

مولانا فریدیؒ کے معمولات تہجد کے وقت سے شروع ہوتے تھے اور رات کو گیارہ بارہ

بجے تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا، مگر ذکر یا تسبیح وغیرہ وہ کسی کے سامنے نہ پڑھتے تھے۔ مراقبہ بھی کرتے تھے تو اپنے مکان میں بند ہو جاتے تھے۔ ایک بار میں کسی ضرورت سے ان کے پاس گیا میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، آواز میں ایسی کیفیت تھی گویا نشے میں ہیں اس وقت انھوں نے مجھ سے ایک دو باتیں ایسی کہیں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یہ یقین ہو گیا کہ ان کی کشف کی کیفیت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ عموماً وہ اپنی کسی بات سے یا کسی ادا سے یہ اظہار نہ ہونے دیتے تھے کہ وہ کوئی ولی اللہ یا درویش یا صاحب باطن انسان ہیں، عام آدمی کا سا برتاؤ رکھتے تھے بے شمار آدمی عورتیں اور بچے ان سے دعاء کرانے یا تعویذ لینے آتے تھے، تعویذ کسی کو نہ دیتے تھے۔ اکثر پانی دم کر کے دے دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی ایسی کیفیت ہوتی تھی جس میں طبی علاج کی ضرورت ہو تو طبیب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور عموماً حکیم صیانت اللہ صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے۔ لوگ دعا کی درخواست کرتے تھے تو بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ انھوں نے کسی کے لئے ہاتھ اٹھا کر، اس کے مقصد کی وضاحت کر کے یا اس کا نام لے کر اس کے سامنے ہی دعا کر دی ہو۔ نماز کے بعد خدا جانے اپنے رب سے کیا مانگتے ہوں گے اور کیا پاتے ہوں گے؟ مگر ان کا دعا دینے کا ای تعغنداز ہی مختلف تھا، باتوں باتوں میں دعا دیتے تھے۔

قدرت اللہ شہاب نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے:

''اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اس ارادے سے کیا جائے کہ بے تکلف افعال صالحہ کا صدور ہونے لگے تو وہی مشقت ہر ہر فعل کی معاون و مددگار ہو جائے گی اور رسوخ کامل کا راستہ وا ہو جائے گا۔ یہی استقامت سب سے بڑی کرامت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و رضا کا سایہ ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں، یعنی ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں، ان کا ارادہ بھی دعا بن جاتا ہے، ان کی خواہش بھی دعا ہوتی ہیں، چوں کہ ان کی اپنی خواہشات کا دائرہ سمٹ سمٹا کر صفر کے برابر ہو گیا

ہوتا ہے اس لئے ان کی دعائیں، ان کے ارادے اور ان کی خواہش زیادہ تر دوسروں کے لئے ہوتی ہیں جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے لئے ان کی صرف ایک ہی دعا اور خواہش ہوتی ہے وہ حسن خاتمہ کی ہوتی ہے''۔ (شہاب نامہ ۵ا۷ طبع لاہور ۱۹۸۸ء)

مولانا فریدیؒ کے پاس اگر کوئی شخص آتا اور مثلاً کسی مفقود الخبر کے ملنے کی دعا کرنے کو کہتا تو اس کا حال پوچھتے رہتے، اس سے پوری ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کرتے، کب غائب ہوا؟ کیوں گیا؟ کہاں جاسکتا ہے؟ اس طرح کی باتیں کرتے کرتے اس سے درمیان میں کہہ دیتے ''اچھا اللہ مددگار ہے، جب وہ شخص آجائے تو مجھے بھی بتانا'' بس یہی دعا ہوگئی۔ جسے عرف عام میں ''کرامت'' کہا جاتا ہے اس کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو بلامبالغہ ایک پوری کتاب تیار ہوسکتی ہے مگر مولانا فریدیؒ کو اخفائے حال کا اتنا شدید اہتمام تھا کہ ان احوال وکیفیات کو ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا تھا جس کو کوئی تجلی نظر آگئی وہ پھر ان کا دل وجان سے عقیدتمند ہوجاتا تھا۔

معمولات اور غذا

ان کے کچھ معمولات ہفتہ وار تھے، مثلاً ہر جمعرات کو عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے تھے اور پھر عشاء کے وقت تک وہاں رہتے تھے، اس دوران میں جماعتوں کی تشکیل کرکے انھیں اطراف وجوانب میں روانہ کرتے تھے۔ رات کا کھانا ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد کھاتے تھے اور دوپہر کا نماز ظہر سے قبل۔ کھانے میں پرتکلف چیزوں سے مطلق رغبت نہ تھی؛ بلکہ بے دلی سے کھاتے تھے۔ دودھ کبھی نہیں پیا، اسی طرح گھی استعمال نہ کرتے تھے۔ مرغ سے قطعاً دلچسپی نہ تھی۔ گوشت بہت تھوڑا کھالیتے تھے، مگر ان کی مرغوب غذا دال چاول تھی، اس کے ساتھ پودینے یا کوتھمیر اور ہری مرچ کی چٹنی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ کھانے میں احتیاط بھی بہت کرتے تھے، مگر اس طرح کہ کسی کو محسوس نہ ہو ایک صاحب کسی خاص تہوار کے موقع پر طرح طرح کے لذیذ کھانے ہر سال بھیجا کرتے تھے مگر مولانا فریدیؒ نے ان کے گھر کا ایک حبہ بھی کبھی نہیں کھایا،

اس لئے کہ ان کی آمدنی میں کچھ شبہ تھا۔ مگر ان سے وہ کھانے خوش دلی سے وصول کر لیا کرتے تھے۔ بیماری کے زمانے میں ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انھیں چوزے کی یخنی بنا کر پلائی جائے۔ کئی چوزے منگوا کر دو ایک گھر میں رکھوا دیے گئے تھے وہاں سے ایک چوزہ ذبح کر کے لایا جاتا اور اس کی یخنی کا پانی ایک پیالہ میں ان کو یہ کہہ کر دیا جاتا تھا کہ یونانی دوا ہے، ذائقہ خراب تھا اس لئے وہ پہچان نہ پاتے تھے۔ ایک بار نہ جانے کس طرح انھیں بھنک لگ گئی کہ چوزے کی یخنی دی جارہی ہے بہت ناگواری کے ساتھ فرمایا: ''میں چوزے کھاؤں گا؟ ہزاروں مفلس انسان ایسے ہیں جنھیں دوا بھی میسر نہیں۔'' بڑی دشواری سے ان کو وہ ایک پیالی پلائی جاتی تھی۔

سالانہ معمول یہ تھا کہ رجب اور شعبان میں جامع مسجد کے طلبہ کو درس دے کر امتحان کی تیاری کراتے تھے۔ رمضان میں پہلے تو برسوں یہ معمول رہا کہ عشرۂ اخیرہ میں اپنی مسجد میں معتکف ہوجاتے تھے، اب کئی برس سے اعتکاف میں نہیں بیٹھتے تھے، سہارنپور میں اعتکاف کرتے ہوں تو اس کا علم نہیں، کچھ برسوں سے معمول یہ ہوگیا تھا کہ چند روز کے لئے رام پور جاتے اور قاضی شہر کے کتب خانے میں مطالعہ کرتے، وہاں سے اکثر میرٹھ، دیوبند، پھلت، پھلاؤدہ وغیرہ اطراف کا سفر کرتے اور آخری عشرہ میں سہارنپور پہنچ جاتے تھے جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہتے، شیخ الحدیث ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ دسترخوان بچھتا تو سب سے پہلے مولانا فریدیؒ اور ان کے رفقاء کو آواز دی جاتی تھی۔ شیخ الحدیث انھیں اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور برابر اپنے دست مبارک سے انھیں کچھ دیتے رہتے۔ رخصت کرتے وقت بھی شیخ انھیں کچھ نہ کچھ مرحمت فرماتے تھے، ایک بار بہت اصرار کر کے دوسو روپے عنایت فرمائے۔ ایک بار مولانا فریدیؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ دنیا کا قاعدہ ہے مرید پیروں کو نذر دیتے ہیں، مگر ہمارے پیر ہمیں نذر دیتے ہیں۔ حضرت شیخ نے خود ہی انھیں اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور بہت تاکید کی کہ یہ خلافت یونہی نہیں دے رہا ہوں اس کا نفع لوگوں کو پہنچاؤ۔ مگر مولانا فریدیؒ کا ذوقِ اخفا یہ اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی کو مرید کریں۔ دوسروں کی خدمت

میں بھیج دیا کرتے تھے۔ انھیں مولانا فتح محمد میواتیؒ اور مولانا سید مقبول حسنؒ نے بھی بلا طلب خلافت عطا فرمادی تھی، موخرالذکر کے لئے تو مولانا فریدیؒ کو یہ کہتے سنا گیا کہ ''میں ان کا معتقد ہوں اور وہ میرے معتقد ہیں''۔

مولانا فریدیؒ اگر دست بیعت قبول کرتے تو یقیناً ان کے لاکھوں مرید ہوتے۔ سارا شہر کیا، قرب وجوار کے کئی اضلاع ان کے گرویدہ تھے، شہری ہو یا دیہاتی، عالم ہو یا جاہل، مدرسہ اور جماعت سے تعلق رکھنے والا ہو یا کالج اور یونیورسٹی کا زائیدہ، تاجر ہو یا نوکر پیشہ، کسان ہو یا اہل حرفہ، جوان ہو یا بچہ، ان کے عشاق ہر طبقے میں اور ہر جگہ موجود تھے۔ اس کا ہمیں بھی اندازہ نہ تھا کہ یہ دلوں پر ایسی حکومت کررہے ہیں، کچھ اندازہ ہوا تو ان کے جنازے کا جلوس دیکھ کر ہوا، جس میں چھ سات سال کے بچے تک شامل تھے، ہزارہا خواتین ان کی میت کا دیدار کرنے آئیں، کتنے ہی بوڑھے اور اپاہج لوگ دوسروں کے سہارے چل کر ان کی میت پر آئے، ہجوم کا یہ عالم ہوگیا کہ جس کے پیر سے جوتا نکل گیا وہ پھر اسے پہن نہیں سکا، شہر میں جگہ جگہ چھوٹے ہوئے جوتوں کے ڈھیر لگادیئے گئے تھے۔

حج بیت اللہ

خاتمۂ زمینداری کے جو بانڈ ملے تھے ان میں سے اپنے حصے کے بانڈ فروخت کرکے وہ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس وقت تک کچھ بینائی موجود تھی۔ ارکان حج اور طواف وزیارت کے بعد ان کا باقی وقت مدرسہ صولتیہ کے کتب خانے میں بسر ہوتا تھا، وہاں سے بھی انھوں نے کئی نوادر برآمد کئے انہی میں وہ مثنوی ''مونس مہجوراں'' بھی تھی جس میں حضرت حافظ ضامن شہید علیہ الرحمۃ کا حال نظم ہوا ہے اسے مولانا فریدیؒ ہی نے دریافت کیا تھا۔ حج سے واپسی میں جو سامان ان کے ساتھ تھا اس میں آب زمزم، کھجور اور چند تسبیحوں کے علاوہ ایک فاؤنٹن پین تھا جو انھوں نے اپنی ضرورت سے خریدا تھا اور ایک اسٹوو تھا جس کی فرمائش میرے ماموں صاحب نے کردی تھی۔

سند امتیاز

حکومت ہند عربی وفارسی کے اسکالرز کو سند امتیاز دیتی ہے، اس کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سالانہ پنشن بھی تاحیات ملتی ہے (یہ اب پچاس ہزار ہوگئی ہے) مولانا فریدیؒ کے علمی مرتبے کو دیکھتے ہوئے اور یہ خیال کر کے کہ ان کا اب کوئی ذریعۂ آمدنی بھی نہیں ہے۔ مہمانوں کا اور طلبہ کا سلسلہ روز افزوں ہے، میں نے انھیں تو قطعاً بھنک بھی نہیں لگنے دی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے وائس چانسلر سے اُن کا نام حکومت کو بھجوایا اور ایک خط حکیم عبدالحمید صاحب سے لکھوایا، چنانچہ ۱۹۸۱ء میں ان کو یہ سند امتیاز مل گئی، مگر مجھے بہت اندیشہ تھا کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیں گے۔ حسن اتفاق سے اسی سال حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کو بھی یہ سند ملی تھی، میں نے ان کا حوالہ دیا، اور بعض دوسرے حضرات سے کہلوایا کہ مولانا اسے قبول کرلیں۔ وزارتِ تعلیم سے کلکٹر مرادآباد کے نام برقیہ آیا کہ مولانا فریدیؒ کو جا کر مبارک باد دو کہ انھیں سند امتیاز ملی ہے، کلکٹر نے پہلے امروہہ کے ایس ڈی ایم کو بھیجا، وہ یہ سوچ کر آیا ہوگا کہ وہاں شادیانے بج رہے ہوں گے، اور مٹھائیاں بٹ رہی ہوں گی، دیکھا تو مسجد کی پرانی چٹائی پر ایک درویش بیٹھا ہوا ہے اور چند معتقدین حسبِ معمول جمع ہیں، اس نے بڑی گرم جوشی سے مبارک باد دی، مگر یہاں تو ابھی یہی زیرِ غور تھا کہ اسے قبول بھی کریں یا نہیں؟ وہ یہ کہتا ہوا گیا کہ ''انھیں تو کوئی خوشی نہیں معلوم ہوتی''۔ میرے دل میں بعد کو یہ خیال آیا کہ ہماری لاکھوں روپے کی زمینداری ختم ہوگئی اور اس کے بانڈ کوڑیوں کے مول بک گئے، ہمارے ڈیرے پر گاؤں والوں نے زبردستی قبضہ کرلیا، اور ۶۶ ربیگھہ کا قلمی آموں کا باغ بھی کوڑیوں میں نیلام ہوگیا، اب اگر حکومت سے علمی خدمات کے صلے میں کچھ مل رہا ہے تو اسے رد کرنا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟ خدا کی شان کہ کچھ دن کے بعد یہی الفاظ مولانا فریدیؒ کی زبان پر خود بخود آ گئے، اور فرمایا کہ میں نے اسے ڈیرے اور باغ کا معاوضہ سمجھ لیا ہے۔

اب یہ مرحلہ سامنے آیا کہ ۲۰ر مارچ ۱۹۸۲ء کو راشٹر پتی بھون میں رسمی جلسہ ہونا تھا، جس

میں راشٹر پتی کے ہاتھوں شال اور سند وصول کی جاتی۔ میں نے بار بار کہہ کر مولانا کو آمادہ کیا کہ وہ اس جلسے میں تشریف لائیں۔ راقم الحروف اور خواجہ حسن ثانی نظامی انھیں ساتھ لے کر ایوانِ صدرات تک گئے، مولوی محبّ الحق ان کے ساتھ امروہہ سے آئے تھے۔ انھوں نے نہایت وقار کے ساتھ شال اور سند وصول کی، جلسے کے بعد دوسرے ملحقہ ہال میں چلے گئے، کیونکہ ادھر کیمرے وغیرہ بہت کھٹک رہے تھے۔ اندرا گاندھی سب اسکالروں سے ملاقات کر رہی تھیں، میں نے کہا کہ عربی فارسی کے علماء سے بھی مل لیجئے، تو وہ اس ہال میں گئیں جہاں مولانا فریدیؒ بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے، جیسے ہی مولوی محبّ الحق نے بتایا کہ اندرا گاندھی اس طرف آ رہی ہیں، مولانا ایک ہاتھ میں اپنا جھولا اور دوسرے میں بید لے کر کھڑے ہو گئے؛ تاکہ ان کے آنے پر اٹھنا نہ پڑے اور دونوں ہاتھ بھی خالی نہ رکھے؛ تاکہ وہ مصافحہ نہ کر سکیں۔ انھوں نے یہ ایوارڈ میری پاسداری میں قبول کر لیا تھا ورنہ ایک دو بار جب غصہ آیا تو فرمایا: یہ تم نے اچھا نہیں کیا''۔

نفس گیرا

جن دنوں ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی اور نس بندی کا ہنگامہ گرم تھا، امروہہ میں عربی مدرسے کا ایک طالب علم لحاف میں روئی بھروانے بازار گیا تھا اسے تحصیل کے عملے نے پکڑ کر اس کی نس بندی کر دی۔ ایسے بہت سے واقعات ہو چکے تھے مگر اس طالب علم کا یہ واقعہ مولانا کے علم میں آیا تو بے چین ہو گئے۔ ایسے حالات میں ان کی بھوک بند ہو جاتی تھی اور کئی کئی دن کھانا نہیں کھاتے تھے۔ فوراً سہارنپور روانہ ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمۃ سے دعا کی درخواست کی۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بہت دیر تک حضرت شیخ کے ساتھ حجرے میں بند رہے اور جب برآمد ہوئے تو داڑھی آنسوؤں سے تر تھی، بس دعا کرا کر امروہہ واپس آ گئے۔ مولانا فریدیؒ نے کبھی کسی کے لئے بددعا کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، بہت ہی زیادہ غصہ آتا تھا تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں اس شخص کو کہیں بددعا نہ دیدوں''۔ حضرت شیخ سے ملاقات کے بعد ایک دن امروہہ میں خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب آئے ہوئے تھے، وہ حسب معمول مولانا

فریدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ اندرا گاندھی سے ملتے رہتے ہیں میرا ایک پیغام ان تک پہنچا دیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ میں ان سے ملتا تو نہیں رہتا؛ البتہ کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی جلسے میں وہ بھی ہوں اور میں بھی موجود ہوں، تو سرسری ملاقات ہو جاتی ہے۔ فرمایا خیر وہ جب بھی ملیں تو آپ میرا پیغام پہنچا دیں گے کہ ''حکومت فسق و فجور کے ساتھ تو چل جاتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں چلتی''، اگر انھوں نے یہ مظالم بند نہ کئے تو ان کا تختہ پلٹ جائے گا۔ حسن ثانی صاحب کو یہ پیغام پہنچانے کا موقع تو نہ ملا، مگر اس درویش خدا مست کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ایسے نشانے پر لگے کہ ایمرجنسی کے بعد جو عام انتخابات ہوئے ان کے نتیجے میں کانگریس (آئی) کو پورے شمالی ہندوستان میں ایک سیٹ بھی نہ مل سکی۔ اور خود اندرا گاندھی جیسی شخصیت کو راج نراین جیسے مسخرے نے شکست فاش دے دی۔ اس فتح و شکست کے اور ہزاوں اسباب و علل ہو سکتے ہیں مگر یہ واقعہ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے، اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک قوی سبب یہ بھی تھا:

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دل صاحب دلے نامد بہ درد

ایک بار انھیں کوئی کتاب ملی اس کا حال مولانا ابوالحسن زید فاروقی کو خط میں لکھا اور مجھ سے فرمایا ''تم دیکھنا مولانا زید میاں اس کتاب کی وجہ سے امروہہ تک آئیں گے''۔ کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا زید میاں نے قاضی سجاد حسین صاحب کی معرفت مجھے پیغام بھجوایا کہ میں امروہہ جانا چاہتا ہوں، چنانچہ تاریخ طے کی گئی، مولانا زید میاں، قاضی سجاد حسین صاحب اور یہ خاکسار موٹر سے امروہہ گئے، مولانا زید میاں کے اکلوتے جواں مرگ صاحبزادے ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی ڈرائیو کر رہے تھے۔ زید میاں کئی گھنٹے امروہہ میں رہے اور اس کتاب سے اپنے مفید مطلب اقتباسات حاصل کئے۔

آخری علالت

رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں انھوں نے اپنے سب معمولات سفر وغیرہ

حسبِ عادت پورے کئے مگر کمزوری تھی، اس پر کچھ لوہ کا اثر ہوا اور بخار رہنے لگا۔ اسہال کی شکایت بھی ہوگئی، دوا ہمیشہ یونانی ہی استعمال کرتے تھے، اور علاج یا حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا ہوتا تھا، یا حکیم صیانت اللہ صاحب اور ان کے صاحبزادے حکیم شعیب اختر کا۔ علاج سے فائدہ بھی ہوا، مگر وہ تبلیغی دورے نہ چھوڑتے تھے، دیہات کا سفر ویسے بھی نہایت تھکانے والا ہوتا ہے، کہیں مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنے جا رہے ہیں، کہیں مسجد کا افتتاح کر رہے ہیں، کہیں فارغ طلبہ کو سند اور دستار دینی ہے، کسی مدرسے کی شوریٰ کا جلسہ ہے، کسی مخلص کے گھر کوئی تقریب ہے، اس کی دلداری منظور ہے، غرض کوئی نہ کوئی بہانہ سفر کا نکلتا تھا، اور وہ اس کمزوری ومعذوری کے باوجود سفر کے لئے آمادہ ہوجاتے تھے، دیہاتی بسوں میں سفر کرنا، کہیں رکشا میں، کہیں پیدل، کہیں بیل گاڑی میں، گاؤں کے کواوبڑ کھابڑ راستے، چلچلاتی ہوئی دھوپ، سائیں سائیں کرتی ہوئی لوہ، کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور جہاں مسجد اور مدرسے کا یا تبلیغی جماعت کا کوئی کام ہوتا تھا، وہاں ہر طرح کی مشقت برداشت کر کے پہنچ جاتے تھے اس رمضان کے بعد انہیں مکمل آرام اور دوا کی ضرورت تھی مگر اس کا موقع نہ ملا اور رہ رہ کر بخار آتا رہا۔

مجھے ستمبر ۱۹۸۸ء میں گویانا (جنوبی امریکا) ایک کانفرنس میں جانا تھا اور اس کی تیاری خاصی ہوگئی تھی کہ خود مجھے اگست میں نمونیا ہوگیا اور یہ سلسلہ خاصا طویل رہا اس کی وجہ سے وہ سارا پروگرام منسوخ کردیا، اور بعد کو اندازہ ہوا کہ اگر میں ملک سے باہر چلا جاتا تو آخر وقت میں مولانا فریدیؒ کی خدمت سے محروم رہ جاتا۔ ﴿عَسٰۤی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ میں اسے بھی مولانا فریدیؒ کی کرامت ہی سمجھتا ہوں۔

مولانا فریدیؒ ڈاکٹری علاج کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہوتے تھے۔ بعض مخلصین نے اپنے خطوط میں مشورہ دیا کہ ڈاکٹری علاج سے پرہیز مناسب نہیں ہے۔ اِدھر برادر عزیز ڈاکٹر توفیق احمد نظامی علی گڈھ سے آگئے اور انھوں نے بھی اصرار کیا، تب ۸/اگست ۱۹۸۸ء سے ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا، اس سے فائدہ بھی ہونے لگا تھا، مگر کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی رہیں

جو طبی اُصول کے خلاف تھیں، بس اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کی عمر اتنی ہی تھی اور رفیق اعلیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا تھا، انسانی تدبیریں ایک لحہ بھی کم و بیش نہ کر سکتی تھیں۔

وفات

۵؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ء منگل کی صبح ۸؍بج کر ۴۵ منٹ پر علم وفضل فقر و درویشی، ایثار و اخلاص، ارشاد و ہدایت، مرحمت و شفقت کا یہ پیکر مجسم اس عالم اسباب وظواہر سے روپوش ہو گیا۔ ﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ مگر ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں کے دلوں کو اس کی یاد ہمیشہ گرماتی رہے گی اور تبلیغ دین و اقامت شریعت و احیائے سنت کے لئے انھوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ اپنے برگ و بار لاتی رہیں گی۔

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ
فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

ترجمہ :- اب تمہارے بعد جس کا جی چاہے مر جائے، مجھے تو تمہاری جدائی کا ہی دھڑکا لگا ہوا تھا۔

مجھے دہلی میں سوا نو بجے یہ دلدوز خبر ملی اور فوراً موٹر سے روانہ ہو گیا۔ اس دن گڑھ مکتیشر کے پاس نو چندی میل پٹری سے اتر گئی تھی اس لئے دہلی سے جانے والی ریلیں بند تھیں۔ مولانا کے انتقال کی خبر نہ ریڈیو سے آئی نہ کسی اخبار میں چھپی، پھر بھی مرادآباد، رام پور، سنبھل، حسن پور، علی گڑھ، دہلی کے علاوہ قرب وجوار کے دیہات سے ہزارہا عقیدت مند اس طرح امروہہ پہنچ گئے جیسے مولانا کے انتقال کی خبر کسی فرشتے نے پھونک دی ہو، سیکڑوں آدمی تو میت کا دیدار کر کے اور فاتحہ پڑھ کر ہی شام تک واپس ہو گئے۔ دس ہزار سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور جنازے کی مشایعت کرنے والوں کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ہزاروں افراد کو کاندھا دینے کا موقع ہی نہیں ملا، کیونکہ جنازے تک پہنچنا دشوار تھا۔ جلوس میں جس کی جوتیاں پیر سے نکل گئیں وہ انھیں دوبارہ نہیں پہن سکا۔ جلوس کے راستے پر صبح کو جا بجا چھوٹی ہوئی

جوتیوں کے ڈھیر پائے گئے۔

مولانا فریدی جیسی جامع کمالات ہستی روز روز پیدا نہیں ہوتی بقول میر:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتے ہیں

انھوں نے ایسی پاکیزہ، مثالی اور مجاہدات سے بھرپور زندگی گزاری ہے کہ ایک تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا۔ ''ان کا بہروپ بھرنا بھی آسان نہیں، کوئی شخص اگر نقل کرنے کے لئے بھی مولانا فریدی بننا چاہے تو کامیاب نہ ہو سکے گا''۔

اللہ تعالیٰ ان کے مراتب بلند کرے، اپنی خاص رحمتوں سے مالا مال فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کے نام کو اور کام کو زندہ رکھ سکیں۔ آمین

(ماخوذ از ''نسیم سحر'' مجموعہ کلام مولانا فریدیؒ)

مولانا عمر دراز بیگ صاحبؒ

از : مولانا حفظ الرحمٰن رام پوریؒ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی مجلس شوریٰ کے قدیم ممبر حضرت مولانا عمر دراز بیگ صاحب تقریباً سوا سو سال کی عمر دراز پا کر بروز شنبہ ۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ مطابق ۷؍ جنوری ۸۹ء کو اپنے پس ماندگان کو ہمیشہ ہمیش کیلئے سوگوار چھوڑ کر مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نے تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، اپنے والد محترم مولانا محمد اسماعیل مرحوم کی مانند انتہائی متقی اور پرہیز گار شخص تھے۔ تحریک خلافت میں پوری تندہی کے ساتھ شریک رہے، ماہنامہ حرمین اور روزنامہ جدت کے مدیر رہے، آپ کے اوپر مختلف سیاسی دور آئے لیکن اکابر دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند سے جو والہانہ وابستگی تھی اس میں کوئی اضمحلال نہ آسکا، دارالعلوم دیوبند کو نشر واشاعت میں ایک آدمی کی ضرورت پڑی تو آپ نے کئی ماہ تک اعزازی طور پر کام انجام دیا، لیکن بعض اعذار کی وجہ سے آپ کو مرادآباد واپس آنا پڑ گیا، جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی دور میں آپ نے عہدۂ نظامت کو بحسن وخوبی نبھایا، اور جمعیۃ علماء یوپی کے پانچ سال متواتر ناظم رہ کر دینی وقومی خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ ان کو مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔ (ندائے شاہی جنوری ۱۹۸۹ء)

مولانا سعید احمد صاحب سلطان پوریؒ

مولانا سعید احمد صاحب سلطان پوری آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند کا چند روز قبل انتقال ہوگیا، موصوف ایک عرصہ سے جمعیۃ علماء ہند کے آرگنائزر تھے اور جمعیۃ علماء ہند کی ہر پالیسی کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے متوسلین میں سے تھے اور انھیں کے اشارہ پر اپنی دوسری مصروفیات کو خیر باد کہہ کر اپنی زندگی جمعیۃ کے لئے وقف کردی اور آخیر وقت تک جمعیۃ سے وابستہ رہے، چند روز قبل علالت کے باعث اپنے آبائی وطن سلطان پور منتقل ہوگئے تھے، اور وہیں انتقال فرمایا۔ (ندائے شاہی جنوری ۱۹۸۹ء) ❍❖❍

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ

ولادت: ۲۶ رمحرم الحرام ۱۳۳۹ھ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۲۰ء بمقام شیخ پورہ ضلع بلیا یوپی

فراغت: از مظاہر علوم ۱۳۶۰ھ، وفات: ۱۵ر فروری ۱۹۸۹ء

از: مولانا حفظ الرحمٰن رام پوری

۱۵ر فروری ۱۹۸۹ء کو تقریباً ۱۲ر بجے دن میں دارالاہتمام میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک صاحب تشریف لائے اور انھوں نے ایک جانکاہ خبر سنائی کی آج حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین دہلی اس دارفانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ مدرسہ کاشف العلوم کے شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ جماعت تبلیغ کے روح رواں تھے اور عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے، بہت مخلص شب بیدار، ذاکر وشاغل عالم دین تھے، جنھوں نے دارالعلوم دیوبند کے علاوہ متعدد مدارس عربیہ سے سند فراغت حاصل کی تھی۔ اور پوری عمر درس قرآن وحدیث میں مشغول رہے، انتقال کی رات بخاری شریف ۱ر بجے تک پڑھائی۔ پھر آرام کے لئے بستر پر تشریف لے گئے، صبح ۳ر بجے جب خادم تہجد کے لئے پانی لے کر حاضر ہوا تو مولانا اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کر چکے تھے، بعد نماز ظہر ۳ر بجے حضرت مولانا انعام الحسن صاحب (حضرت جی) دامت برکاتہم امیر جماعت تبلیغ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے متصل قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ مولانا کی وفات حسرت آیات پر پورا ملک سوگوار ہے اور مولانا کے انتقال سے عملی اور علمی دنیا میں نہ پر ہونے والا خلا تصور کرتا ہے، ملک وبیرون ملک کے تمام علماء اور وہ تمام حضرات جو تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں وہ سب مولانا کے پسماندگان میں شامل ہیں اور سبھی تعزیت کے مستحق ہیں، اس لئے ادارہ ندائے شاہی ان سب کے غم میں برابر کا شریک ہے اور ان کی خدمت میں پیغام تعزیت پیش کرتا ہے۔ (ندائے شاہی مارچ ۱۹۸۹ء)

❍❖❍

حضرت مولانا اِرشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند

(ولادت: ۱۹۲۱ء بمقام کوڑھا ضلع فیض آباد یوپی، وفات: ۱۸/رجب ۱۴۰۹ھ بمقام دیوبند)

دارالعلوم دیوبند کے مبلغ حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب بعض امتیازی خوبیوں کی بنا پر اپنی الگ شان رکھتے تھے، ہم نے اپنے بچپن میں موصوف کو بکثرت حضرت فقیہ الامت مولانا محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں دیکھا، موصوف کے سوالات اور پھر ان پر جرح حاضرین کے لئے بڑی دلچسپ ہوتی تھی۔ اس وقت تو ان کی اصلاحی خدمات کا اس قدر اندازہ نہیں ہوا؛ لیکن بعد میں جب ملک کے متعدد مقامات میں جانا ہوا تو اندازہ ہوا کہ اس مرد درویش نے کیسے کیسے جوکھم اٹھا کر دور دراز علاقوں تک مسلک حق کی ترجمانی کا فریضہ کامیابی کے ساتھ انجام دیا اور بدعت کے بیخ و بن ادھیڑ کر رکھ دئے۔ آج بھی موصوف کی خدمات کے روشن نقوش ملک کے طول وعرض بالخصوص وسط ہند اور جنوبی ہند کے شہروں اور قصبات میں پائے جاتے ہیں۔ یوں تو سبھی باطل فرقوں کے تعاقب میں حضرت مولانا نے قابل قدر خدمات انجام دیں لیکن خاص کر فتنۂ رضا خانیت کی بخیہ ادھیڑنے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا، اور اس معاملہ میں آپ کے یہاں رورعایت اور مصلحت کا کوئی خانہ نہ تھا، جب آپ مسلک حق کی تائید اور بدعات کی تردید پر بولنے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر ہے جس کی گرج کے سامنے کوئی بدعتی ٹھہرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔

آپ چوں کہ مبلغ تھے اس لئے زندگی کا اکثر حصہ ملک کے طول وعرض کے اسفار میں گذرا لیکن پے در پے اسفار میں بھی آپ کا نماز باجماعت کا اہتمام حیرت انگیز طور پر قابل رشک تھا۔ آپ سفر کا نظام اس طرح بناتے تھے کہ مسجد کی جماعت حتی الامکان نہ چھوٹنے پائے،

اور اپنی مرضی کی سواری ہوتو پھر تو جماعت چھوٹنے کا سوال ہی نہ تھا، سفر میں تاخیر گوارا تھی لیکن جماعت چھوٹنا گوارا نہ تھا، اور دیو بند کے قیام کے زمانہ میں مدنی مسجد یا دار العلوم کی قدیم مسجد میں امام کے عین پیچھے نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے اور اذان کے وقت ہی مسجد میں تشریف لاکر تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے تھے، بلاشبہ آپ کا یہ عمل حدیث نبوی "رَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ" (جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو) کا مصداق تھا۔

آپ عرصۂ دراز سے شوگر کے مرض میں مبتلا تھے، ڈاکٹروں نے بتایا کہ غلہ جات روٹی چاول وغیرہ اس مرض میں نقصان دہ ہے چناں چہ پھر پوری عمر روٹی چاول سے پرہیز کیا اور خالص گوشت اور مغزیات وغیرہ کے سہارے زندگی گذار دی، موصوف کا یہ پرہیز بھی ضرب المثل بن گیا، جو ان کی مضبوط قوت ارادی کی دلیل تھا۔ بہر حال موصوف بڑی خوبیوں کے آدمی تھے سنت کے حد درجہ عاشق اور بدعات سے انتہاء درجہ میں نفور تھے۔ اللہ تعالی نے موت بھی آسانی کی عطا فرمائی، کوئی نماز قضا نہیں ہوئی عصر کی نماز کی تیاری کے لئے استنجاء کو تشریف لے گئے تھے وہیں دل کا دورہ پڑا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، رحمہ اللہ تعالی رحمۃً واسعۃً۔

گوشۂ شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(ولادت: ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء وفات: ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء)

آہ! حضرۃ الشیخ عبدالجبار الاعظمیؒ

از: مولانا حفظ الرحمٰن رام پوریؒ

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۱۴۰۹ھ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے لئے ایک ابتلاء و آزمائش اور غم و اندوہ کا سال ہے...... ۲۷ر صفر کو سابق مہتمم حضرت مولانا مظفرالدین صاحبؒ کے برادر مدرسہ شاہی کی مجلس عاملہ و شوریٰ کے مخلص و ہمدرد ممبر جناب الحاج غضنفرالدین صاحب داغ مفارقت دے گئے۔ ۵ر ربیع الاول کو جامعہ اپنی مجلس شوریٰ کے اہم صائب الرائے حق گو ممبر عارف باللہ مؤرخ زماں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے محروم ہوگیا۔

اور ۲۷ر جمادی الاولیٰ کو مرادآباد کے معمر ترین بزرگ جامعہ کی مجلس شوریٰ کے قدیم ممبر جناب مولانا عمر دراز بیگ صاحب اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔

ابھی ہم ان صبر آزما حالات سے گذرنے بھی نہ پائے تھے، ہماری آنکھوں کے آنسو خشک بھی نہ ہونے پائے تھے کہ یکم شعبان کو اس جامعہ پر ایسا جاں گداز حادثہ عظیم گذرا جس کے بیان سے دل پاش پاش جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ اس حادثہ جانکاہ سے جامعہ کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے وہ بھی ناقابل بیان ہے یعنی یکم شعبان ۱۴۰۹ھ کو مفسر قرآن، محدث دوراں، فخر العلماء اسوۃ الاولیاء، حامی سنت، ماحی بدعت، جامعہ کی مسند حدیث کے صدر نشیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب قدس سرہٗ العزیز اس دار ناپائیدار کو چھوڑ کر عازم فردوس بریں ہوگئے۔ نوراللہ مرقدہٗ و برد مضجعہ۔

حادثہ کا عالم یہ تھا: جن کے اٹھتے ہی جبین حادثہ جھک گئی
یک ساعت کے لئے نبض دو عالم رک گئی

۳۰/رجب ختم ہو کر یکم شعبان کا ہلال نمودار ہو چکا تھا، یوم جمعرات ختم ہو کر شب جمعہ اپنی نصف چادر لپیٹ چکی تھی، آپ کی زیر سرپرستی چلنے والا مدرسہ (واقع کچہری والی مسجد) کا اجلاس اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس جلسہ میں آں مرحوم کے متوسلین اور طلباء اور دور دراز کے علماء کرام کثیر تعداد میں آئے ہوئے تھے، حضرت مرحوم ومغفور اس تاریخی اجلاس کی صدارت فرمارہے تھے، پونے بارہ بجے کے قریب سینہ میں تکلیف محسوس فرمائی، متلی ہوئی، حرکتِ قلب تیز ہوگئی ڈاکٹر کو بلوایا گیا ڈاکٹر نے دیکھتے ہی پریشانی کا اظہار کیا، ڈی، ایل ہوسپٹل لے جاتے ہوئے صرف پندرہ منٹ کے اندر موت کا پل آپ پار کر چکے تھے، ڈاکٹر کی تشخیص تھی کہ آپ اس دنیا میں نہیں رہے...... جوں ہی جلسہ میں انتقال کی خبر سنی گئی عظیم الشان جلسہ گاہ دفعتاً ماتم کدہ میں بدل گیا۔

ہر شخص حواس باختہ معلوم ہوتا تھا، ہر طرف آہ وبکا، نالہ وفغان اور شور تھا اور در ودیوار پر اداسی کے بادل چھائے ہوئے تھے، قرب وجوار میں انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، صبح ہوتے ہوتے سارا شہر قرب وجوار کے دیہات امڈ پڑے، جامع مسجد مرادآباد میں بعد نماز جمعہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، نماز جنازہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہٗ نے پڑھائی، نماز جنازہ میں بڑا ہجوم تھا کہ مرادآباد کے در ودیوار نے کبھی اتنا اژدھام نہ دیکھا ہوگا، معلوم ہوتا تھا رام گنگا کے کنارے سارا شہر آپہونچا ہے، اس کو حضرت کے مقبول الٰہی ہونے کی علامت کہا جاسکتا ہے۔

اور **"من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ"** کا منظر سامنے تھا، اب تک ہر شخص کی زبان پر آپ کا نام جاری ہے:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

شام کو قبل عصر علماء و مشائخ کے ہاتھوں سے تکیہ کلّن شاہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی وہ شمع حدیث جس نے تقریباً نصف صدی تک علوم حدیث کی اشاعت کی رحمت الٰہی کے سپرد کی۔

آپ کا وطن پورہ معروف ضلع اعظم گڈھ اور والد ماجد کا نام حاجی عبدالرشید ہے، آپ کی ولادت ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم آبائی وطن پورہ معروف میں رہ کر حاصل کی، پھر مدرسہ مظاہر علوم سے ۱۳۴۸ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت کی اور ۱۳۴۹ء میں فنون کی تکمیل کی۔فراغت کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں معین مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، کچھ دنوں کے بعد خرابی صحت کی وجہ سے وطن واپس تشریف لے گئے، اس کے بعد ڈابھیل گجرات تشریف لے گئے، شعبان ۱۳۷۲ھ تک آپ وہاں رہے۔شوال ۱۳۷۲ھ میں مدرسہ تعلیم الاسلام آنند ضلع کھیڑا (گجرات) کے شیخ الحدیث ہوگئے۔اور شعبان ۱۳۷۹ء مطابق ۱۹۵۹ء تک تعلیم دین اور تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

۵/دسمبر ۱۹۵۷ء کو عالم اسلام کے رہنما دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت شیخ الاسلامؒ کے عازم فردوس بریں ہو جانے کی وجہ سے دارالعلوم کی مسند حدیث سونی ہوگئی۔اس کو آباد کرنے کے لئے حضرت مولانا سید فخر الدین احمد علیہ الرحمۃ شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کو مرادآباد چھوڑ کر دیوبند جانا پڑا۔آپ کے جانے سے مدرسہ شاہی کی مسند حدیث خالی ہوگئی تو مدرسہ شاہی کو شیخ الحدیث کی تلاش ہوئی اور اس کام کو مجلس شوریٰ نے مجاہد ملّت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ کے سپرد کیا۔مجاہد ملّت ہندوستان کے ہر حصہ میں آتے جاتے رہتے تھے۔گجرات میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب علیہ الرحمۃ کی محنت، کارگذاری، تبحّر علمی، ریاضت باطنی سے بخوبی واقف تھے۔مجاہد ملتؒ کے انتخاب پر حضرت شیخ الحدیث مرحوم کے لئے مجلس شوریٰ نے منظوری دی اور متعدد بار کی مکاتبت و مراسلت اور حضرت شیخ سہارنپوریؒ کے حکم پر آپ نے مدرسہ شاہی کی صدر مدرسی کو قبول فرمالیا۔

چناں چہ شوال ۱۳۷۹ھ میں آپ مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین بن کر مرادآباد تشریف لائے۔ اور تا یوم وفات انہی عہدوں پر فائز رہے۔

حضرت شیخ مرحومؒ مکمل ۳۰ رسال جامعہ کے شیخ الحدیث رہے۔ اس ۳۰ رسالہ مدت میں تشنگانِ علوم نبوت نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ آپ کا درسِ بخاری مدلل ہوتا تھا، طلباء کے شکوک وشبہات آپ کی تقریر سے خود بخود دور ہو جاتے تھے۔ اس پر بھی اگر کوئی اشکال باقی رہ جاتا اور طلباء اشکالات پیش کرتے تو خندہ پیشانی اور محبت سے ان کے اشکالات کے جواب دیتے۔ آپ کی تصنیفات میں منجملہ دیگر کتابوں کے ''امداد الباری شرح بخاری شریف'' اہم ترین کتاب ہے۔ جو طلباء ومدرسین کے لئے یکساں مفید ہے۔

آپ نے اپنی اولاد نسبی میں پانچ صاحبزادے چھوڑے ہیں۔ جہاں آپ کی اولاد کو اپنے بزرگ والد کی مفارقت کا غم ہے وہیں جامعہ کو اپنے عظیم ترین شیخ الحدیث کے محرومی کا قلق ہے۔

آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں کہوں ہائے دل

مولانا مرحوم کی چالیس سالہ خدمات کے تذکرہ کے لئے سیکڑوں صفحات درکار ہیں۔ ان کی زندگی کے اصل باقیات الصالحات وہ ہزاروں طلباءِ علم ہیں جو آپ کے دور میں اطراف ملک سے مدرسہ شاہی میں آکر مستفید یا فارغ التحصیل ہوئے اور شیخ کی شفقت ان کو حاصل رہی۔

دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا کی قربانیوں اور ایثار وخلوص قبول فرما کر آخرت کے اعلیٰ مدارج سے نوازے۔ اور مدرسہ شاہی کی ہر قسم کے شرور سے حفاظت فرما کر اس کو اپنی تاریخی روایات کے ساتھ دائم قائم رکھے۔ آمین

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۸۹ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ

از: جناب افتخار احمد فریدیؒ مرادآباد

تیرہویں صدی ہجری میں امام المحدثین حضرت مولانا سید شاہ عالم علی صاحبؒ کے ذریعہ سرزمین مرادآباد میں دین کی جو بہار لگی تھی آج حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ کی وفات سے ایسا محسوس ہوتا ہے، یہ آخری بہار تھی۔

مدرسہ شاہی میں حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہویؒ حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ کے بعد اس دیار میں حضرت مولانا کی ذات گرامی سے رہبری مل رہی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی جانشینی میں درس حدیث اور اس کی شرح میں اپنے کو لگا ڈالا تھا کہ اکثر وقت اسی میں غرق رہتے تھے صحت کی حد درجہ خرابی، معذوری کمزوری کے عالم میں اپنے اکابر کے نقش قدم پر کارفرما تھے۔

وفات کے دن ہی سفر سے واپسی ہوئی تھی۔ وطن عزیز اعظم گڑھ اور خانوادے سے دوری، عالم غربت میں زندگی گذاری۔ غربت و مسکینی کا وہ شرف جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ، مشائخ عظامؒ سے ورثہ میں پایا تھا۔ اسی کو کلیجہ سے لگائے رکھا، آخر وہ دن آ گیا، اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے ہر دل کو تڑپا دیا، ہر آنکھ آنسوؤں سے بھر گئی، جامع مسجد مرادآباد میں جمعۃ الوداع کا سا اژدحام! ہر شخص درد و غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس وقت کی نسبت عالی کا شرف حاصل کرنے کے لئے مدرسہ والے، تبلیغ والے، خانقاہ والے ہر مسلمان کے لئے عزم و ہمت واتباع کا میدانِ عمل پکار رہا ہے۔ دعا کرو، صاحبزادگان، مریدین، شاگردان کے نقش قدم پر چلیں۔ قبرستان والی مسجد متصل کچہری کا مدرسہ جہاں حضرت کی قبر مبارک بنی ہے وہ مدرسہ اس

کے پڑھنے والے پڑھانے والے اس کے معین و مددگار حضرت اقدس کی راہ پر چلیں۔ مسجد شاہی میں ترجمہ قرآن پاک کا فیض عام حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ کے بعد حضرت مولانا سے جاری رہا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے پورے رمضان المبارک کے اعتکاف کی بہار بھی زندگی کے آخری رمضان تک لگائے رہے مسجد شہداء جامع الہدیٰ گلشہید ہر سال سرسبز وشاداب رہا۔

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۸۹ء)

علم وعمل کا آفتاب جو غروب ہو گیا

از: مولانا بشیر احمد گونڈوی سابق مدیر مسؤل ندائے شاہی

رجب المرجب ۱۴۰۹ھ کا مہینہ ختم ہو چکا تھا شعبان المعظم کا چاند نمودار ہوا اور غروب ہو گیا یعنی شعبان کی پہلی تاریخ لگ چکی تھی آسمانوں پر ستاروں کی مجلس شبینہ خوب آراستہ ہو چکی تھی صبح صادق کے برآمد ہونے میں کافی دیر تھی بلکہ رات کو اپنے زلفوں کو پھیلائے ہوئے چند ہی لمحے ہوئے تھے، کائنات میں ہما ہمی پائی جا رہی تھی۔

جامعہ قاسم العلوم الاسلامیہ کا روایتی اجلاس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے مؤقر شیخ الحدیث وصدر المدرسین کی زیر صدارت منعقد ہو چکا تھا، فدایان اکابر جوق در جوق بھاگے چلے آرہے تھے، دور تک تنا ہوا شامیانہ لپک لپک کر ہر ایک کا استقبال کر رہا تھا اور اپنے جگر میں ہر ایک کو جگہ دے کر وسعت ظرفی کا ثبوت پیش کر رہا تھا، یکا یک بجلی کی طرح یہ خبر پھیل گئی کہ مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث جو ابھی کچھ دیر پہلے ایک درخشاں چہرہ ایک نورانی، شیریں تبسم اور پراسرار زندگی کی نگاہ دل نواز لئے ہوئے تاریکیوں کو دور اور اضطرابات کو کافور کر رہے تھے، بے شمار علماء وصوفیاء وزعماءِ ملت کا اکرام کر رہے تھے ابھی لوگ دستر خوان سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ خود آن کی آن میں جنت نعیم کو سدھار گئے اور اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حقیقت یہ ہے کہ برجوں والے آسمان کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے جس سے روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ کے متوسلین اور متعلقین سے پوچھئے کہ حضرت کی دلنواز اور شیریں آواز اور ایسی آواز جو سراسر شفقت اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی ہوتی اور آخرت کو سنوارنے کا ایک کیمیائی نسخہ ہوتی، ایسی آواز جس میں ہمت افزائیاں اور

سرفرازیاں ہوتیں، ایسی آواز جو ہر ایک کی مایوسیوں میں عزم واستقلال کا سبق دیتی۔ یقیناً یہ ساری آوازیں قصر معرفت کے روزن اور منور جھروکوں اور دریچوں سے چھن چھن کر آرہی تھیں۔

ان کی نگاہیں دل کو اس طرح موہ لینے والی، گفتگو ایسی شریں اور انداز تخاطب ایسا مشفقانہ کہ دنیا کی ساری راحتیں اور سکون گویا ان کی نظر عنایت میں سما کر رہ گیا تھا۔ اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے۔ آج ان کی محفل اور مجلس علم وفضل (بصورت مطالعہ) اپنی پوری شان تاثیر سے بے نقاب ہوکر ہمارے سامنے آچکی ہے۔ ہر ہفتہ کی وہ دوروزہ محفل ذکر جو بعد نماز عصر نہایت ہی سادگی اور متانت سے منعقد ہوتی تھی اس کا کیا ہی سہانا منظر اور بہترین سماں ہوتا تھا۔

احقر کی تقرری مدرس عربی اور ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کے مدیر مسئول کی حیثیت سے مدرسہ شاہی میں ۵/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ کو ہوئی، اس کے چند ہی روز بعد استاذی مرشدی ومولائی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی مدظلہ العالی کا ایک مکتوب موصول ہوا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کرتے رہنا، مگر اپنی بے شمار مشغولیات، مصروفیات اور بدنصیبی کی بنا پر حضرت والا سے چند ہی بار شرف ملاقات حاصل کرسکا؛ لیکن اس حقیقت کے اظہار میں کوئی عار نہیں کہ عوام وخواص سارے کے سارے حضرت سے ملاقات کرنے کو باعث فخر سمجھتے تھے اور ان کے قلوب حضرت کی ملاقات سے خوب خوب متأثر ہوتے۔ بلاشبہ حضرت موصوف کا ان کے ساتھ شفقت اور حسن سلوک ان کے دلوں پر تیر محبت کا زخم لگارہا ہے اور متوسلین ومتعلقین کی روحوں کے لئے یقیناً ناسور اور دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارا ثابت ہوتا ہے۔ جس قدر جس کو بھی ان کی مجلس فیض وافادہ میں حاضری کا موقع ملا اسی قدر اس کی روح کا زخم گہرا ہوتا جارہا ہے اور دل کی تپش بڑھتی جارہی ہے، حضرت شیخ الحدیث تو ہم میں نہ رہے لیکن علوم وفنون بالخصوص علم حدیث میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور توفیق ایزدی کی رفاقت سے گراں قدر علمی تنقیحات اور نادر تحقیقات کو یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے، ان کا اخلاص واستقلال، توکل واعتماد، زہد وقربانی، درد دل اور سوز دروں کی کیفیات قلب وجگر کو بار بار گد

گداتی ہیں۔ احقر یہاں آنے سے قبل بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کی نیک شہرت، علم پروری، اصاغر نوازی، عظیم علمی و تصنیفی کارناموں اور کسی حد تک مجلسی افادات سے بے خبر نہ تھا؛ کیوں کہ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ایک سال مدرسہ شاہی میں کتب متوسطہ کی تعلیم کا موقع پا چکا تھا۔

ان کے علوم و معارف اور دینی و علمی کمالات کا آئینہ ان کی سیرت و کردار اور تبلیغی و تصنیفی خدمات کے نادر نمونے ہیں جو معاشرہ خاص کر طبقہ علماء میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں جس کا انداز ان کی تبلیغی و درسی تقریروں اور تصنیفات میں امداد الباری شرح بخاری، تحفۂ مودودیہ اور معیار الحق و دیگر رسائل سے لگایا جا سکتا ہے۔

تحصیل علم کے بعد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے خدمت اشاعت علم دین، درس و تدریس کے بہت سارے مواقع عطا فرمائے اور اپنے لائق و فائق اساتذہ کی طرح انھیں بھی قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔ اور طالبان علوم نبوت کے مرجع بنے۔ مدرسہ شاہی جیسے مرکزی ادارہ کے مسند شیخ الحدیث کو زینت بخشی اور اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف کا تقریباً تیس سال تک درس دیتے رہے۔ آپ کا حلقہ درس اور حلقہ ارادت روز بروز وسیع ہوتا چلا گیا، چنانچہ ملک و بیرون میں آپ کے تلامذہ اور متوسلین کا ایک جال بچھا ہوا ہے، آپ کے شاگردوں اور متوسلین کا حال یہ ہے کہ آپ کی جانب انتساب کو فخر اور امتیاز کا باعث تصور کرتے ہیں۔

قناعت و استغناء کا عالم یہ تھا کہ بڑی بڑی ملازمتوں وعدوں اور عہدوں کی طرف عدم توجہی کو اپنے لئے لازم قرار دیا اور تقریباً دس سال سے حسبۃً للہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے فضل و کرم کے ایسے دھارے کھول رکھے تھے کہ پوری عمر انعامات ربانی اور تجلیات الٰہی ﴿وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہے۔

حضرت شیخ الحدیث ۱۹۰۷ء کو اعظم گڈھ کے ایک مشہور قصبہ پورہ معروف میں پیدا ہوئے آپ انصاری خاندان کے چشم و چراغ تھے، ابتدائی تعلیم حافظ عبد القادر صاحب سے

حاصل کی اور پھر مدرسہ معروفیہ میں داخل ہو کر شرح وقایہ تک تعلیم مکمل کی اس بعد احیاء العلوم مبارک پور اور دار العلوم میں زیر تعلیم رہے اور پھر مظاہر علوم سہارنپور کا قصد کیا اور وہاں آپ نے چار سال تعلیم میں صرف کئے ۱۳۴۸ھ میں فراغت حاصل کر کے ۱۳۴۹ھ میں فنون کی تکمیل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نے بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی، اس کے علاوہ آپ نے حضرت مولانا اصغر حسین میاں صاحب سے روحانی و باطنی فیوض حاصل کئے۔

۱۳۴۹ھ میں علوم کی تکمیل کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں آپ معین مدرس ہو گئے اسی زمانہ میں آپ سے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہٗ نے بھی شرف تلمذ حاصل کیا، چند دنوں کے بعد آپ قصبہ ادری ضلع اعظم گڈھ میں چھ ماہ مدرسہ قاسم العلوم ہریا ضلع دیوریا میں چھ برس اور پھر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی مشہور علمی یادگار جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں چار یا چھ سال اور دو سال مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں مختلف علوم وفنون کے ساتھ درس حدیث دیا۔ اس کے بعد تقریباً سات سال آنند (گجرات) میں رہتے ہوئے اشاعت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، اور مخالفین سے مناظرے بھی کئے۔ جب حضرت مولانا فخر الدین صاحب بحیثیت شیخ الحدیث مستقل طور دار العلوم دیوبند میں منتقل ہو گئے تو دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ کے ایماء پر اپنے پیر ومرشد حضرت شیخ الحدیثؒ کے مشورہ سے ۱۳۷۹ھ میں مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین قرار پائے اور تادم حیات انھیں عہدوں پر فائز رہے۔

علم کے زوال اور امت کے تنزل کے لئے کیا یہ واقعہ کم ہے کہ علم وعمل کی ایک روشن

قندیل بجھ گئی، تصوف وطریقت کا ایک شہ سوار عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف منتقل ہوگیا، طلبہ ایک مشفق اور لائق استاذ سے، عوام ایک مربی ورہنما سے اور شاہی کے منتظمین ایک فائق سربراہ سے محروم ہوگئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

واقعہ یہ ہے کہ اس قحط رجال کے دور میں مدرسہ شاہی کو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ جیسا حق گو، ہر دل عزیز محدث ملنا مشکل ہے، مدرسہ شاہی حضرت مولانا عبدالباری صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور حضرت شیخ کے دوسرے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں اور اعزاء واقارب، متعلقین ومتوسلین کے غم میں برابر شریک ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ راحت اور اعلی علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل وجزائے جزیل سے نوازے اور مدرسہ شاہی کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۸۹ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفیؒ

مولانا محمد عثمان معروفیؒ سابق مدیر ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحبؒ ولد الحاج عبدالرشید صاحب پورہ معروف ضلع اعظم گڈھ میں ۱۳۲۵ھ، ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے، حافظ عبدالقادر صاحب معروفی متوفی ۱۳۹۸ھ سے قرآن کریم پڑھ کر مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب مئوی متوفی ۱۳۶۳ھ سے شرح وقایہ تک کتابیں پڑھیں مولانا مئوی آپ پر بے حد مہربان تھے اس کے بعد احیاء العلوم مبارک پور میں سوا برس حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری متوفی ۱۳۸۷ھ اور مولانا محمد صدیق صاحب برئی پوری متوفی ۱۳۹۲ھ سے تحصیل علم کیا اور حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری متوفی ۱۳۶۱ھ سے میبذی پڑھی پھر دار العلوم مئو میں مولانا عبداللطیف نعمانی متوفی ۱۳۹۳ھ سے میر زاہد اور مولانا صابر صاحب مئوی متوفی ۱۳۶۹ سے مشکوٰۃ شریف پڑھی اس کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں چار سال رہ کر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے شرح عقائد و مشکوٰۃ شریف مولانا عبدالشکور صاحب پشاوری سے حمد اللہ قاضی مبارک اور جلالین شریف، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری پشاوریؒ مجاز حضرت تھانوی سے شمس بازغہ مسلم الثبوت، توضیح وتلویح، طحاوی اور ترمذی شریف، مولانا محمد منظور صاحب سہارنپوری سے ہدایہ آخرین اور مسلم شریف، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب متوفی ۱۴۰۲ھ سے بخاری شریف جلد اول کا اکثر حصہ اور ابوداؤد شریف، مولانا عبداللطیف صاحبؒ متوفی ۱۳۷۳ھ ناظم

مظاہر علوم سہارنپور سے بخاری شریف جلد اول کا ابتدائی حصہ اور جلد ثانی، شاطبیہ اور تیسیر اور قاری عبدالعزیز سے مشق ترتیل اور جزری پڑھ کر ۱۳۴۷ھ، ۱۹۲۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد یہاں ایک سال معین مدرس رہے۔ یہاں مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی مجاز حضرت تھانویؒ نے آپ سے پنج گنج پڑھی، پھر آپ بیمار ہوکر گھر چلے آئے اور یہاں آپ کی ایک تقریر سے متأثر ہوکر موضع ادری کے ایک مدرسہ میں وہاں کے لوگوں نے مدرس بنا دیا مگر یہاں چند ماہ سے زیادہ آپ نہ رہ سکے اور مدرسہ قاسم العلوم ہریا بھٹنی دیوریا میں چھ برس مشکوۃ وجلالین تک تدریسی خدمت انجام دی، پھر یہاں سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت بلائے گئے یہاں بھی چھ برس کے قریب رہے اور حدیث کی مروجہ سبھی کتابوں کا درس دیا خاص کر ترمذی، مسلم اور بخاری شریف جلد اول پھر اہلیہ کی علالت کے باعث ڈھائی برس مکان پر رہے تو اتنے دنوں احیاء العلوم مبارک پور والوں نے اپنے یہاں باصرار مدرس بنالیا یہیں راقم الحروف نے ہدایہ، ملاحسن، نخبۃ الفکر اور مشکوۃ شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی اس دوران ڈابھیل سے خطوط، ٹیلی گرام اور وفود آپ کو لینے کے لئے آتے رہے ادھر اہلیہ بھی روبصحت ہوگئیں اسلئے ۱۳۶۷ھ میں احیاء العلوم سے پھر ڈابھیل چلے گئے۔

جب ضلع کھیڑا کے علاقہ کھڑال وغیرہ میں فتنۂ ارتداد پھیلا کتنے مرتد ہوگئے، اور لاکھوں مسلمانوں کے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہوا، تو جمعیۃ علماء بالخصوص مولانا شمس الدین صاحب بڑودویؒ مجاز حضرت شیخ الاسلام کے مشورہ سے جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام آنند ضلع کھیڑا میں مدرس رکھے گئے دن میں بخاری، ترمذی اور جلالین کا درس دیتے اور شب میں تبلیغی دورہ کرتے آپ کے وعظ وتبلیغ سے ضلع کھیڑا اور بھروچ کے بہت سے علاقے تائب ہوئے اور بدعات ورسومات فاسدہ کو خیر باد کہہ دیا ۱۳۷۴ھ، ۱۹۵۵ء میں عظیم الشان تعلیمی کنونشن بمبئی میں ہوا اس وقت آپ کی تعلیمی وتبلیغی سرگرمیاں آنند کے اطراف میں جاری تھیں، یہاں ابھی کل سات برس گذرے تھے کہ ۱۲/ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ، م ۱۹۵۷ء کو حضرت مولانا مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کا

انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ مولانا فخر الدین احمد صاحب متوفی ۱۳۹۲ھ مستقل شیخ الحدیث بنادیے گئے اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں شیخ الحدیث کی جگہ خالی ہوگئی تو مرادآباد سے بکثرت آپ کے پاس خطوط پہنچے حتی کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۴۰۳ھ اور حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ متوفی ۱۳۸۷ھ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے خطوط وٹیلیگرام پہنچے پھر حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کا خط لے کر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ متوفی ۱۳۸۲ھ تشریف لے گئے۔ اس واسطے آپ اپنے شیخ محترم سے مشورہ کرنے سہارنپور گئے اہل مرادآباد کا ٹیلیگرام پہنچا کہ مرادآباد ہوکر سہارنپور جائیں جب مرادآباد پہنچے تو ایک وفد جس کے سربراہ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب تھے انھوں نے بتاکید فرمایا کہ اب آپ کو مدرسہ شاہی مرادآباد کو سنبھالنا ہے اس تاکید اور اپنے شیخ محترم کے ایماء سے استخارہ پر مرادآباد کو ترجیح دی۔

جب مرادآباد کے لئے آنند سے رخصت ہونے لگے تو وہاں کا عجب منظر تھا، لوگ آپ کو پکڑ کر رو رہے تھے اور عورتیں آپ کی اہلیہ کو پکڑ کر رو رہی تھیں۔ مختلف وفود آپ کی خدمت میں آئے کہ آپ کو کوئی شکایت یا تکلیف ہو تو ہم دور کریں گے لیکن آپ یہاں سے نہ جائیں۔ آپ نے فرمایا مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں مولانا فخر الدین احمد صاحب کے حکم کے سامنے مجبور ہوں۔

آنند کا اسٹیشن رخصت کرنے والوں سے بھر گیا۔ رخصت کرنے والے بڑودہ تک پہنچے یہاں بے پناہ اژدحام ہوگیا۔ جب آپ مستقل طور پر مرادآباد آگئے۔ تو وڈالی ضلع سابر کانٹھا سے ایک وفد آیا کہ گجرات کو آپ کی سخت ضرورت ہے مگر مرادآباد والوں نے کہدیا کہ ہم مولانا کے راستے میں بچھ جائیں گے۔ مگر یہاں سے جانے نہ دیں گے۔ اس طرح گجرات کے مختلف علاقوں سے وفود آئے۔ ''فلاح دارین'' ترکیسر کے ایک ذمہ دار نے کہا کہ آپ ہمارے مدرسہ میں آجائیں آپ کو ایک شاندار بلڈنگ کا مالک بنادیا جائے گا۔ مزید دو ملازم، ایک کار موٹر اور جتنی تنخواہ کہدیں، وہ سب منظور، لیکن آپ نے مال واعزاز کو ٹھکرا کر شاہی مرادآباد کو ترجیح دی۔

یہاں مستقل طور پر بخاری شریف آپ کے زیر درس رہی۔ کبھی کبھی مسلم شریف، ترمذی اور بیضاوی شریف بھی پڑھاتے رہے۔ اور لوجہ اللہ شاہی مسجد میں قرآن کریم کی تفسیر ایک گھنٹہ بیان فرماتے تھے جس میں دور دور سے لوگ آکر شریک ہوا کرتے تھے، ۱۳۴۸ھ سے ۱۴۰۹ھ تک مسلسل ۶۱ ربرس مختلف مدارس میں آپ نے انتہائی کامیاب تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیں، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ساتواں مدرسہ تھا، جس کی تیس برس سے زائد خدمت کرتے ہوئے چوراسی برس کی عمر میں جمعہ کی شب میں یکم شعبان ۱۴۰۹ھ، ۱۰ مارچ ۱۹۸۹ء کو کلمہ طیبہ کی ضرب لگاتے ہوئے جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ دوسرے روز بعد نماز جمعہ جامع مسجد مرادآباد میں نماز جنازہ ہوئی، اور لاکھوں افراد کے اژدحام میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی رحلت سے مرادآباد میں کہرام مچ گیا، خود شہر کوتوال بآواز بلند روتا رہا، سوگ میں تمام سرکاری وغیر سرکاری دفاتر بند کر دئے گئے، تمام ہندو مسلم دوکانیں بند رہیں۔ اطراف کے تمام مدارس اسلامیہ میں تعطیل کر دی گئی۔

بیعت و خلافت

تصوف و سلوک کی منزل طے کرنے کے لئے پہلے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ کی خدمت میں پہنچے، پھر حضرت شیخ الاسلامؒ کی خانقاہ ٹانڈہ تشریف لے گئے۔ اور حضرت مدنیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کا ارادہ کر لیا۔ لیکن حضرت کی ایک تقریر سے گھر کی خامی سامنے آگئی جس کو بیعت سے پہلے دور کرنا ضروری سمجھا، ادھر قدرت کا کچھ اور ہی فیصلہ تھا، چنانچہ اپنے استاذ محترم حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی، جب کہ آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں آپ مدرس تھے۔ اور آنند کی مدرسی کے آخری دور میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ شیخ نے مخصوص مجلس میں خلافت عطا کرتے ہوئے اپنی ٹوپی مرحمت فرمائی۔ آپ نے روتے ہوئے کہا کہ میں نالائق ہوں۔ تو حضرت نے تسلی دی۔

وعظ وتذکیر

آپ کا وعظ عام فہم، دلچسپ، عالمانہ اور انتہائی مؤثر ومفید اور عبرت انگیز ہوا کرتا تھا، وعظ کے درمیان کبھی کبھی گریہ طاری ہوجاتا تھا جس سے سامعین بھی رو پڑتے تھے۔ جب بھی آپ کے وعظ کا اعلان ہوتا تو پروانوں کی طرح بے پناہ مجمع ہوجاتا تھا، جہاں کہیں ایک بار کسی جلسے میں بلائے گئے۔ تو پھر بار بار بلائے جاتے تھے ملک کے طول وعرض میں بلکہ بیرون ملک بھی آپ کے بیشمار مواعظ وتقاریر سے خلق کثیر کو نفع عظیم پہنچا گجرات میں ایک مقام پر ڈاڑھی کے موضوع پر تقریر کردی جس کے اثر سے ایک سو بیس آدمیوں نے اپنے چہرے پر داڑھیاں رکھ لیں۔ پورہ معروف میں جب تک رہتے تھے عصر سے مغرب تک متوسلین ومعقدین کو رشد وہدایت کی تلقین وتذکیر سے نوازتے رہتے تھے۔ اور مجلس میں قدم رکھنے کو جگہ نہ ملتی، کتنے لوگ دروازے سے باہر بیٹھے رہتے تھے۔ مرادآباد کی ایک مسجد میں رمضان المبارک میں معتکف ہوجاتے اور بعد عشاء روزانہ وعظ فرماتے، مسجد آپ کے مریدین ومتوسلین اور خلفاء سے بھری رہتی تھی، یہی طریقہ رمضان شریف میں آپ کے شیخ ومرشد کے یہاں بھی تھا۔ جماعت تبلیغ سے بھی آپ وابستہ تھے، اجتماعات میں مدعو ہوتے اور تفصیلی بیان فرماتے تھے، بغرض تبلیغ افریقہ، فرانس، برطانیہ کا بھی کئی بار سفر کیا۔

تعلق شیخ

با ایں ہمہ جب تک آپ کے شیخ مرشد حیات تھے تب تک حضرت شیخ کی صحبت میں رمضان شریف کے مبارک ایام سہارنپور میں گذارنے کا معمول تھا، شیخ کی توجہ بھی آپ پر بہت تھی، گاہے گاہے حاضرین کے سامنے تقریر کا آپ کو بھی حکم ملتا رہتا تھا۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت مدنیؒ سے تعلق

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ سے آپ کا گہرا تعلق تھا، کبھی کبھی رمضان کا آخری عشرہ حضرت مدنیؒ کے یہاں ٹانڈہ جا کر گذارتے، غالبًا ۱۳۷۱ھ میں ٹانڈہ تشریف لے گئے۔ راقم الحروف بھی تھا۔ سخت گرمی کا موسم جون کا مہینہ تھا، کسی نے حضرت شیخ الاسلامؒ کو پنکھا جھل دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ بہت سے اہل علم اور بعض شیخ الحدیث بھی ہیں (اشارہ آپ کی طرف تھا) یہ لوگ بتائیں کہ آنحضور ا کو پنکھا کیوں نہیں جھلا گیا۔ جب کہ صحابہ کرامؓ آپؐ پر جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ پھر آپ کو پنکھا جھل کر آرام کیوں نہیں پہنچایا جب کہ عرب کی سخت گرمی اور لو مشہور ہے اور اگر پنکھا جھلا ہے تو اس کو کسی ضعیف ہی حدیث سے ثابت کیا جائے۔ اس سلسلہ میں کوئی حدیث کیوں نہیں مروی ہے۔ جب کہ پیشاب و پاخانہ تک کی روایتیں مذکور ہیں۔ مولانا عبدالجبار صاحب نے کچھ دیر سوچ کر ''اعلام واقدی'' کے حوالہ سے بتایا کہ حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی پہلوان کو اپنے دامن سے پنکھا کیا ہے۔ جب کہ وہ قتل کرنے آیا تھا، لیکن آپ کے رعب سے غش کھا کر گر پڑا تھا۔ جب ایک غیر مسلم کو اس طرح آرام پہنچایا گیا تو اپنے بزرگوں کو بدرجۂ اولی پنکھا جھلا سکتا ہے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ آنحضورؐ کو پنکھا جھلنے کی کوئی راویت کیوں نہیں منقول ہے؟ پھر فرمایا کہ اسلام آرام پسندی کی تعلیم نہیں دیتا۔ روح اسلام یہ ہے کہ مسلمان آرام طلب نہ ہو، جفاکش اور مجاہد ہوتا کہ جہاد میں شدائد و مصائب کے وقت صابر و ثابت قدم رہے۔

اکثر دینی جلسوں میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا اور آپ کا ساتھ ہو جاتا تھا۔ حضرت آپ کو تقریر کا حکم دیتے اور خود مریدین و متوسلین کے رشد و اصلاح میں اور اِرادت مندوں کے بیعت کرنے میں لگ جاتے۔ قیام آنند کے زمانے میں ایک بار ٹرین پر ساتھ ہو گیا۔ مولانا اسعد صاحب اور مولانا بایزید صاحب حضرتؒ کا پاؤں دبا رہے تھے۔ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا، حضرتؒ نے روک دیا، آپ نے کہا کہ میں بہت اچھا بدن دابنا جانتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ

بدن دابنا تو میں جانتا ہوں۔ حضرت شیخ الہندؒ کا بدن دابنے اور سر میں تیل ملانا سیکھنے کے لئے میں فلاں فلاں جگہ گیا۔ آیئے آپ کو بھی سکھا دوں اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر دابنے لگے۔ آپ نے ہاتھ سکوڑ لیا؛ لیکن باصرار دونوں ہاتھ داب کر طریقہ بتا ہی دیا، پھر کمر کا درد دور کرنے کا طریقہ عملاً بتانا چاہا تو آپ دور ہٹ گئے۔

ایک بار حضرت مدنیؒ ایک دینی جلسہ میں کوپا گنج تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے دو صاحبزادے مولوی عبدالباری ومولوی محفوظ الرحمٰن کا نکاح حضرت مدنیؒ سے پڑھوایا۔ اسی سادگی سے اپنے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی۔

احتیاط وتقویٰ

آپ تقویٰ وطہارت، صفائی معاملات اور مشتبہات سے بچنے میں بے مثال تھے۔ اگر کوئی چیز مشتبہ معلوم ہوتی تو اس کو ہرگز تناول نہ کرتے، کسی کے یہاں سودی کاروبار ہوتا تو اپنی فراست ایمانی سے بھانپ لیتے اور اس کی دعوت سے اجتناب کرتے۔ تحقیق کے بعد اس کا سود لینا ظاہر ہو جاتا۔

بنوٹ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو "بسطةً فی العلم والجسم" سے نوازا تھا، آپ طویل القامت عظیم الجثۃ اور جسمانی حسن و جمال کے ساتھ طاقتور اور شہزور بھی تھے۔ بنوٹ کا فن بھی سیکھا تھا؛ تاکہ بوقت ضرورت اس سے کام لے سکیں۔ چنانچہ آپ کسی طاقت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ فن بنوٹ کے ماہر استاذ الاساتذہ حاجی محمد اسماعیل معروفی متوفی ۱۳۷۳ھ سے یہ فن آپ نے سیکھا تھا، بنوٹ کھیلتے ہوئے کبھی اپنا گھٹنا نہیں کھلنے دیا۔ ایک بار ڈابھیل میں راستہ پر ایک بھاری پتھر تھا جس کو بہت سے لوگوں نے ہٹانا چاہا مگر جگہ سے ہلا نہیں، آپ نے بسم اللہ کر کے اس کو گھسیٹا اور بہت دور کر دیا۔ طاقت کے لئے آپ مومیائی بھی استعمال کرتے تھے۔

کشف وکرامت

آپ سے بکثرت کرامتوں کا بھی ظہور ہوا۔ بار بار ایسا ہوا کہ آپ پلیٹ فارم پر اطمینان سے نماز پڑھ رہے ہیں اور ٹرین آپ کے انتظار میں کھل نہیں رہی ہے، نماز کے بعد جوں ہی آپ سوار ہوئے وہ فوراً چل پڑی۔ ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء میں حمید پور اعظم گڑھ میں آپ ایک دینی جلسہ میں مدعو تھے، وہاں سے ایک غیر مسلم تیلی کی ٹیکسی سے چالیس روپے کرایہ پر پورہ معروف لوٹنا طے تھا، راستہ ناہموار تھا، جب آپ سوار ہوئے تو ٹیکسی مالک نے کہہ دیا ہماری ٹیکسی چل نہیں رہی ہے اس کو مزید کرایہ دیا گیا، پھر بھی تیار نہ ہوا۔ آپ کی بھی زباں سے نکل گیا کہ اب تمہاری ٹیکسی نہیں چلے گی، اور رکشہ سے واپس آئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ ٹیکسی وہاں سے چل ہی نہ سکی۔ بڑے بڑے کاریگروں نے دیکھ کر بتایا کہ گاڑی میں کوئی خرابی نہیں ہے، خدا ہی جانے کیوں نہیں چلتی۔

ایک لطیفہ ملاحظہ ہو

رمضان شریف میں آپ ٹانڈہ حضرت شیخ مدنیؒ کے یہاں جارہے تھے، ہم چند خدام بھی ساتھ تھے، بعد تراویح چھ کلومیٹر پیدل کھورہٹ اسٹیشن پہنچے، وہاں نماز تہجد پڑھ کر سحری کھانے لگے، اچانک ٹرین آگئی۔ آپ نے فرمایا کہ سارا سامان سمیٹ کر جلدی سے لے آؤ اور خود برق رفتاری سے ٹکٹ لینے چلے گئے۔ ٹکٹ ماسٹر نے کھڑکی بند کرتے ہوئے کہا کہ اب قانوناً ٹکٹ دینے کا وقت ختم ہو گیا ہے، اور خود دروازہ بند کر کے باہر چلا آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ قانون تم ہی جانتے ہو، میں بھی جانتا ہوں، اب تم سے ٹکٹ نہیں مانگوں گا، تم اگلی ٹرین آتے آتے اپنا انجام دیکھ لوگے، جس کو میں بتانا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر دروازہ کے پاس رومال بچھا کر چھڑی پٹختے ہوئے بیٹھے اور تسبیح پڑھنے لگے، ٹکٹ ماسٹر بے حد مرعوب اور خائف ہو گیا کہ آپ کے عمل سے خدا جانے میرا کیا انجام ہونے والا ہے۔ نہایت ادب سے کہنے لگا آپ خفا نہ ہوں، اندر سے ٹکٹ لا کر دیا۔

آپ نے فرمایا کہ ٹکٹ دے کر تم اپنے اوپر احسان کر رہے ہو، ہمارے اوپر تمہارا کوئی احسان نہیں ہے۔ پھر جوں ہی ٹرین پر بیٹھے گاڑی چل پڑی۔

دسیوں بار آپ کو حج وزیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی، اور خواب میں بار بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

پیر کی تکلیف

ایک بار تقریر کرنے علی گڑھ گئے وہاں آپ کا رکشہ کسی چیز سے ٹکرا گیا، آپ گر پڑے جس سے کولھے کی ہڈی نکل گئی۔ پچیس ہزار روپیہ علاج پر صرف ہوئے۔ بار بار کولھے کو بٹھایا گیا، اندر چاندی کی گھنڈی لگائی گئی مگر سب بے سود۔ اخیر وقت تک آپ پیر سے معذور رہے، بغل میں لکڑی کا سہارا لے کر کچھ چل پھر لیتے تھے۔ کچھ دور چلنے کے لئے ایک مخصوص گاڑی بنوائی تھی جس پر چلائے جاتے تھے، اس کے باوجود پڑھانے، سفر کرنے اور وعظ وتقریر کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، آپ کے شیخ ومرشد بھی ایک عرصہ تک پیر سے معذور اور چلنے پھرنے سے مجبور تھے کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ کی یہ نسبت خاص طور سے آپ کی طرف اور مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ متوفی ۱۴۰۹ھ کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ پیر کے علاج میں کافی خرچ ہوا اور آپ مقروض نہ ہوئے۔ تو درس حدیث پر تنخواہ لینا بھی چھوڑ دیا کہ بس خدا ہی کارساز ہے۔

تصنیف وتالیف

آپ ایک جید عالم، منقولات ومعقولات پر عبور رکھتے تھے۔ ہر فن کے درس میں مالۂ اور ماعلیہ کے ساتھ سیر حاصل بحث کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بغیر مطالعہ میرے نزدیک درس دینا درست نہیں۔ اس کے ساتھ آپ بہترین مصنف ومؤلف بھی تھے۔ آپ کی نہایت کامیاب اور مشہور تالیف ''امداد الباری شرح بخاری'' جو بہت ہی مفصل اور مفید ہے اس میں اس قدر اقوال اکٹھا کر دیئے گئے ہیں جو یکجا کہیں اور نہ ملیں گے افسوس کہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پھر بھی اس کی ضخیم ضخیم چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پانچویں جلد تین سو سے زائد

صفحات پر مرتب ہو چکی ہے۔ دوسری ردقادنیت میں معیار الحق نامی کتاب لکھی ہے۔ تیسرا لا جواب کتابچہ تحفۂ مودودیہ ہے۔

خلفاء ومجازین

آپ نے اپنے مریدین کو بہت ٹھونک بجا کر خلافت دی اس لئے خلفاء کی فہرست مختصر ہے جو درج ذیل ہے۔

(۱) مولانا اسرار الحق صاحب معروفی مقیم مہسانہ گجرات (۲) مولانا نعمت اللہ صاحب بنگال (۳) مولانا نجم الحق صاحب اُستاذ حدیث گجرات (۴) مولانا زین العابدین صاحب معروفی شیخ الحدیث مظہر العلوم بنارس (۵) مولانا حمایت علی صاحب کولہا پور مہاراشٹر (۶) مولانا محمد صابر صاحب رام پور (۷) محترم حکیم جی صاحب گجرات (۸) مولانا شہر الدین صاحب گجرات۔

راقم الحروف کا تعلق

آپ راقم کے شفیق استاذ تھے، شرح عقائد، ملاحسن، ہدایہ، نخبۃ الفکر اور مشکوٰۃ شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ احیاء العلوم مبارک پور میں ایک گھر میں رہنے کا موقع ملا، تہجد کے لئے وضو کا پانی راقم لایا کرتا۔ قرب وجوار میں آپ جب بھی تشریف لاتے، ضرور ملنے کے لئے حاضر ہوتا، حتی الامکان آپ کے ہر وعظ میں شرکت کرتا، مزاج پرسی کے لئے تین بار مرادآباد پہنچا، اپنی تمام تالیفات ہدیہ کیں، احقر کی تالیف، ''بابری مسجد'' انتقال سے چند منٹ پہلے پڑھوا کر سن رہے تھے کہ حالت متغیر ہوگئی اور ذکر کرتے ہوئے رحلت فرما گئے۔

غفرہ الواجد الماجد

۱۴۰۹ھ

(ندائے شاہی مئی ۱۹۸۹ء)

تاریخی لوح سعید

۱۴۰۹ھ

نحمد الحی الوکیل العظیم ونصلی علی النبی الکریم

۱۹۸۹ء

آہ مولانا عبد الجبار صاحب ماہر محدث جلیل شاہی مرادآباد ☆ غفرہ الواجد الماجد

۱۹۸۹ء ۱۴۰۹ء

اعوذ باللّٰہ القیوم العلیم من الشیطان الرجیم ☆ بسم اللّٰہ الوالی الرشید الرحمن الرحیم

۱۹۸۹ء ۱۴۰۹ھ

یقول الماجد وسقاھم ربھم شرابا طھورا ☆ اکرام المجیب اللطیف علیکم ادخلو الجنۃ

۱۴۰۹ھ ۱۴۰۹ھ

ان اللّٰہ الجبار برفع العلم یرفع العلماء ☆ موت العالم محب الانام موت العالم

۱۴۰۹ھ ۱۴۰۹ھ

مولانا عبد الجبار صاحب عزیز محدث کبیر شاھی مرادآباد

۱۹۸۹ء

رحمہ الخالق الحمید الکریم ☆ نور مرقدہ البصیر العظیم ☆ بردمضجعہ اللطیف العزیز

۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء ۱۴۹۰ھ

جواھر محمد عثمان اعظمی محمد عثمان معروفی کان اللہ لہ الوالی

۱۹۸۹ء ۱۴۰۹ھ

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۸۹ء)

مولانا عبدالصمد صاحب وانکانیریؒ

از: مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوری

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا عبد الصمد صاحب وانکانیری ۱۶ر مئی ۱۹۸۹ء کو تقریباً ۷۵ر سال کی عمر میں معمولی علالت کے بعد انتقال کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالصمد صاحب وانکانیر، سورت، گجرات میں ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی اور اس کے بعد دارالعلوم دیوبند آ گئے اور نہایت ہی محنت اور لگن سے تعلیم میں مصروف ہو کر دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔اس کے بعد مختلف جگہوں پر رہ کر دین حنیف کی اشاعت وتبلیغ کرتے رہے۔جب شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بیعت وارشاد کا تعلق ہوا تو ہر وقت آپ ہی کی یاد ان کے دل میں سمائی رہتی۔

اور بار بار حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اس کے علاوہ حضرت مدنیؒ نے جب تک اپنے وطن مالوف ٹانڈہ میں رمضان المبارک گذارا تو آپ ساتھ ساتھ رہے۔

۱۹۵۶ء ۱۹۵۷ء (حضرتؒ کے زندگی کے آخری دو سال) میں حضرت نے بانسکنڈی آسام میں جب ماہ مبارک میں قیام فرمایا تو وہاں بھی آپ ساتھ رہے اور وہیں اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے۔حضرت مدنیؒ کے مزاج شناس اور ان کے اخلاق واطوار کے امین سمجھے جاتے تھے۔آپ کے ارادت مندوں، متعلقین اور محبین میں بڑے بڑے علماء، حکومت کے افسران عوام وخواص سب شامل ہیں زندگی بھر اپنے شیخ کی ترجمانی فرمانے کے ساتھ دارالیتامی بھڑوچ کی شکل میں بھی یادگار وذخیرہ آخرت کے طور پر تعمیر کروائی جو موجودہ زمانہ میں

زندگی کے تمام شعبہ جات کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالنے میں رہنمائی اور مدد کرتا رہے گا۔

عرصہ دراز سے آپ جمعیۃ علماء صوبہ گجرات کے صدر رہے اور جمعیۃ سے وابستہ ہو کر تادم حیات قوم وملت کی خدمات انجام دیتے رہے اور جمعیۃ علماء ہند کے مقاصد کو تکمیل کی آخری منزل تک پہنچایا۔

مدرسہ شاہی کے مہتمم مولانا رشید الدین صاحب حمیدی سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ آپ مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کے اہم رکن ہونے کے ساتھ حد درجہ بہی خواہ بھی تھے، اسی بنا پر آپ مدرسہ شاہی بار بار تشریف لاتے، نومبر میں ہونے والے سہ سالہ اجلاس میں بھی نہایت ہی ذوق شوق کے ساتھ شرکت فرمائی اس کے جب رجب کی اواخر میں حضرت مہتمم صاحب گجرات تشریف لے گئے تو خاص طور سے آپ سے ملاقات اور دارالیتامی کے جلسہ میں شرکت کے لئے بھڑوچ بھی گئے۔

دارالیتامی کی تعلیم کی طرف جس قدر محنت ولگن کے ساتھ آپ کی توجہ تھی، یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ چند سالوں میں وہ گجرات کے بڑے مدارس میں اچھا مقام حاصل کر لے گا۔ اللّٰہم زوفزد، گذشتہ دوسال سے آپ کی خواہش وکوشش یہ تھی کہ فدائے ملت صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دارالیتامی بھڑوچ کی نوتعمیر مسجد میں رمضان گذاریں لیکن محترم صدر جمعیۃ علماء ہند نے لوگوں کے مشورے سے دیوبند میں اعتکاف کو ترجیح دے کر یہ فرمایا آئندہ سال دیکھا جائے گا۔ ابھی رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہوا تھا، کہ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب وانکانیری ۱۱ر شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ کو بے شمار نیک تمناؤں اور ارادوں کو ساتھ لئے سیکڑوں جاں نثار محبین و متعلقین کو سوگوار چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے جنت نعیم کی راہ اختیار کر لی۔ مدرسہ شاہی میں مولانا موصوف کے لئے ایصال ثواب کر کے مغفرت اور رفع درجات کے لئے دعا کی گئی۔

(ندائے شاہی جون ۱۹۸۹ء)

نواب سید محمد یحییٰ صاحب منصور پوریؒ

ہمارے خاندان کے سرپرست اور بزرگ نواب سید محمد یحییٰ صاحب منصور پوریؒ گذشتہ ۲۳ر ستمبر ۱۹۸۹ء کو مظفر نگر کے ایک اسپتال میں رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نہایت وضع دار، باوقار اور اکابر و اسلاف سے سچی عقیدت و محبت رکھنے والے شخص تھے، اور اس وقت خانوادۂ سادات منصور پور کی سب سے بزرگ شخصیت تھے، راقم الحروف کے حقیقی دادا سید محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو احقر کی ولادت سے قبل ہی وفات پاچکے تھے، اِس لئے ان کی زیارت سے محرومی رہی؛ لیکن مرحوم کے بڑے بھائی نواب سید محمد یحییٰ صاحبؒ باحیات تھے، جن کو ہم سب ''ابا'' کہا کرتے تھے، دادا کی وفات کے بعد موصوف ہی نے اپنے بھتیجوں اور اُن کی اولاد کی سرپرستی فرمائی، موصوف اگرچہ باقاعدہ عالم نہ تھے؛ لیکن بزرگوں سے تعلق اور نیازمندی کی بدولت تقویٰ وطہارت، دین داری، اوراد و وظائف اور جماعت کی پابندی جیسی صفاتِ عالیہ سے متصف تھے، موصوف کو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ، اور بالخصوص فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اور امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی سے گہرا تعلق تھا، ان حضرات کو باصرار منصور پور بلاتے اور دل وجان سے خاطر تواضع کر کے مسرور ہوتے، اور ویسے بھی جب موقع ملتا ان حضرات سے ملنے کے لئے دیوبند اور سہارنپور کا سفر فرماتے اور کئی کئی دن قیام فرماتے تھے، جب تک صحت وطاقت رہی، ماہ

مبارک میں بالالتزام منصور پور کی مسجد میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ساتھ اعتکاف کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے مگر درمیان میں ناسازگی طبع کی بنا پر واپس آنا پڑا، ہم لوگ جب امروہہ سے دیوبند منتقل ہوگئے تو نواب صاحب کی دیوبند آمد ورفت مزید بڑھ گئی، یہاں ہم لوگوں کی علمی مصروفیات کو دیکھ کر موصوف کی مسرت کی کوئی انتہا نہ ہوتی، دل سے دعائیں دیتے اور انتہائی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے۔ موصوف کو بزرگوں میں سب سے زیادہ انسیت حضرت فقیہ الامت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے تھی، حضرت مفتی صاحب جب آنکھ بنوانے کی غرض سے کلکتہ تشریف لے گئے تو نواب صاحب نے بھی اپنی آنکھ کے آپریشن کے لئے کلکتہ چلنے کی خواہش فرمائی، جسے حضرت مفتی صاحبؒ نے قبول فرمالیا چنانچہ حضرتؒ کے ساتھ آپ کلکتہ گئے اور آنکھ بنوا کر واپس آئے۔

نواب صاحب اگرچہ ضابطہ کے نواب نہ تھے مگر اپنی نفاست طبع اور پر ذوق طبعیت کی وجہ سے بچپن ہی سے نواب کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے، یہ نفاست اور خوش ذوقی موصوف کی ہر ہر اَدا میں نمایاں تھی، لباس نہایت صاف ستھرا اور کلف دار پہنتے تھے، چائے کا نہایت اعلیٰ ذوق تھا، موصوف کے لئے دار جیلنگ کی بڑی پتی کی چائے بہت اہتمام سے دَم کی جاتی تھی۔ اسی طرح ذائقہ دار کھانے کے شوقین تھے۔ پان اخیر عمر تک نوش کرتے رہے مگر پیک کے دھبوں سے کپڑوں کو بچا کر رکھتے تھے۔ طبعیت میں سخاوت نمایاں تھی، قصبہ کی بیواؤں یتیموں اور ضرورت مندوں کی خفیہ طور پر خبر گیری کرتے اور موقع بموقع ان کے لئے اچھے کھانے پکوا کر بھجوایا کرتے تھے۔ دین داروں اور اکابر کی دعوت کا بڑا شوق تھا، سال میں کئی کئی مرتبہ آپ کے اصرار پر حضرات اکابرؒ منصور پور تشریف لاتے اور اس بہانے اہل منصور پور اُت کے فیوضاتِ عالیہ سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ نواب صاحب کے بعد اب یہ تسلسل اس شان سے باقی نہیں رہا، حالانکہ اکابر کی تشریف آوری کے اثرات نسلوں تک پڑتے ہیں۔ آج ہمارے خاندان میں جو کچھ بھی دین داری یا عقیدے کی پختگی ہے وہ اکابر سے تعلق ہی کا ثمرہ ہے۔

ہمارے آبا، واجداد کا تعلق حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ اور حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے تھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی آمد ورفت رہی، اسی آمد ورفت نے پورے خانوادہ کو بہت سی بدعات وخرافات سے محفوظ رکھا، اور دین داری کے جذبات کی آب یاری کی، خدا کرے یہ تعلق آئندہ بھی برقرار رہے۔

نواب صاحب موصوف اخیر میں چند روز ''برین ہمریج'' کی وجہ سے صاحب فراش رہے، احقر کو بھی اس وقت اسپتال میں مسلسل خدمت کا موقع ملا، وفات کے دن تہجد کے وقت ہی سے شدید بے چینی تھی، آکسیجن لگا ہوا تھا۔ صبح ۹؍ بجے کے قریب حالت غیر ہونے لگی، احقر قریب ہی سورۂ یٰسین شریف پڑھنے لگا جب ﴿سَلاَمٌ قَـوْلاً مِـنْ رَّبٍّ رَّحِيْـمٍ﴾ پر پہنچا تو موصوف کی روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن شام کو منصور پور کے آبائی قبرستان میں مقبرۂ نواب خانجہاں کے چبوترے پر مشرقی جانب تدفین عمل میں آئی۔ جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں خاندان کے علاوہ علاقہ کے عوام وخواص بڑی تعداد میں شامل ہوئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور درجات بلند سے بلندتر فرمائے۔ آمین۔

موصوف کی نرینہ اولاد کوئی نہ تھی بس ایک اکلوتی صاحبزادی ہیں، جو سیکری ضلع مظفرنگر کی معزز شخصیت جناب حاجی نور اللہ صاحب سے منسوب ہیں، اللہ تعالیٰ موصوفہ کو مع خاندان بعافیت صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے، آمین۔

(محمد سلمان منصورپوری)

اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ

(ولادت: ۱۳۰۰ھ وفات: ۱۴ر ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ)

تحریک شیخ الہند کی آخری یادگار، مجاہد حریت حضرت مولانا عزیر گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۴ر ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۵ر نومبر ۱۹۸۹ء کو اپنے وطن ''میاں گاواں کیل'' سخا کوٹ آزاد قبائل پاکستان میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب دار العلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد رشید اور خادم خاص تھے۔ موصوف نے اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر تحریکات آزادی میں عظیم الشان خدمات انجام دیں، اور آپ کے ساتھ مالٹا میں طویل قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، مالٹا سے واپسی کے بعد آپ نے دیوبند ہی میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ارشاد پر روڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں مدرس ہوگئے، وہیں کے زمانۂ قیام میں ایک انگریز میم نے جس کا تعلق برطانیہ کے شاہی خاندان سے تھا اسلام قبول کیا، اور شریعت مطہرہ کی مکمل اتباع کا عہد کرتے ہوئے آپ کے ساتھ رشتۂ زوجیت قائم کیا اور تادم حیات نہایت ورع وتقویٰ کے ساتھ آپ کے ساتھ رہیں۔ تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے علاقہ میں لوٹ گئے، اور وہیں رہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب نہایت جفاکش شخص تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنی تحریک کے خفیہ پیغامات دور دراز مقامات پر ارسال کرنے کے لئے آپ ہی سے کام لیتے تھے۔ شیخ

الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ آپ کا تعارف کراتے ہوئے ''نقش حیات'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا عزیر گل صاحب قصبہ زیارت کا کا صاحب کے باشندے، دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے خادم خاص ہیں، مشن (تحریک) کے ہمیشہ سے ممبر رہے۔ اور نہایت مہتم بالشان اور خطرناک امور کو انجام دیتے رہے، صوبہ سرحد اور آزاد قبائل (یاغستان) میں سفارت کی خدمات عظیمہ انہوں نے بہت انجام دی ہیں۔ عموماً حضرت شیخ الہندؒ پہاڑی علاقوں میں اپنے ہم خیال وہم نوا لوگوں کے پاس انہیں کو بھیجا کرتے تھے، دشوار گذار اور خطرناک راستوں کو قطع کر کے نہایت راز داری اور ہمت واستقلال کے ساتھ یہ برابر آتے جاتے رہے ہیں، پہاڑی علاقوں اور ہولناک جنگلوں کو رات دن قطع کرتے رہے۔ حاجی صاحب ترنگ زئی اور علماء سرحد ویاغستان کو مشن کا ممبر بنایا، اوران کے پاس خطوط وپیغام پہنچانا ان کا اور مولانا عبیداللہ سندھی کا فریضہ تھا۔ جس کو ان دونوں حضرات نے اوقات مختلفہ میں انجام دیا، باوجودیکہ سی آئی ڈی ان کے پیچھے لگی رہی مگر انہوں نے کسی کو ان کا پتہ چلنے نہیں دیا، بارہا ان کو بھیس بدلنا اور انجان علاقوں میں گذرنا پڑا مگر نڈر ہو کر ان کو قطع کیا، ہر قسم کے خطرات میں بلاخوف وخطر اپنے آپ کو ڈالتے رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے نہایت مخلص فدائی ہیں، کسی قسم کی طمع اور غرض نفسانی نہیں رکھتے۔ نہ حضرت سے جدا ہوئے، لوگوں نے بہت کوششیں کیں کہ یہ جدا ہو جائیں مگر انہوں نے گوارا نہ کیا، اور ہمیشہ عاشقانہ ولولوں کے ساتھ حاضر خدمت رہے۔ حتی کہ مالٹا کی اسارت میں بھی نہایت دلجمعی سے شریک ورفیق رہے، ہر قسم کی خدمت کو اپنے لئے خوش نصیبی سمجھا کئے''۔ (نقش حیات ۲/۱۹۱)

حکومتِ برطانیہ کی سی آئی ڈی کے ریکارڈ میں آپ کو حکومت کے باغی کی صورت میں نامزد کیا گیا ہے، چناں چہ خفیہ رپورٹ میں آپ کے متعلق یہ پیراگراف درج ہے:

''عزیر گل پسر شہید گل کا کا خیل پٹھان درگاتی شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا ہے، بڑا آتشیں مزاج ہے، جب وہ دیوبند میں طالب علم تھا، اسی وقت سے مولانا محمود حسن کا پکا مرید

ہوگیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے، ہجرت کا بڑا خواہش مند ہے، ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اکسایا ہے کہ وہ جہاد کے لئے ہجرت کر جائیں''۔

وہ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، اور ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود حسن کے ہمراہ عرب گیا تھا، اس کے سفرِ حجاز سے قبل مولانا محمود حسن نے اس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا؛ تا کہ حاجی سیف الرحمٰن صاحب اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کر سکے کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کا ہے، نیز لڑائی کا اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ حضرت مولانا کے ہمراہ اس وقت بھی ٹھہرا رہا، جب کہ ان کے اکثر پیرو مریدین ہندوستان کو واپس کروائے گئے، یہ کہا جاتا تھا کہ عزیر گل انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان لے کر عنقریب ہندوستان آئے گا، اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا؛ لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکہ میں شریف مکہ کے حکم سے ۲؍دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کرلیا گیا، اور جدہ کو بھیج دیا گیا، جہاں سے ۱۲؍جنوری ۱۹۱۷ء کو اسے مصر روانہ کر دیا گیا، جنودِ ربانیہ کی فہرست میں مولوی عزیر گل کا نام لے کر اسے کرنل دکھایا گیا ہے''۔ (تحریک شیخ الہند ترجمہ از رپورٹ انڈیا آفس لندن ص ۳۲)

حضرت مولانا عزیر گل صاحب اس دور میں تحریک شیخ الہندؒ میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے والے آخری فرد تھے، آپ کی وفات سے عزیمت واستقلال اور جہد واستقامت کی ایک علامت دنیا سے روپوش ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور دینی خدمات کے بہتر صلہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

راقم الحروف کو تحریک شیخ الہند کی نسبت سے حضرت مولانا عزیر گل صاحب کی زیارت کا شوق تھا، چناں چہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں پاکستان کے ایک سفر کے دوران جو استاذ مکرم حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی معیت میں ہوا تھا، حضرت مولانا عزیر گل صاحب کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا، اس وقت مولانا مرحوم صاحب فراش تھے، بینائی ختم ہوچکی تھی، آواز میں بھی نہایت ضعف تھا؛ لیکن دماغ مستحضر اور یادداشت تازہ تھی۔ ہم

لوگوں کی ملاقات پر بشاشت کا اظہار فرمایا اور خیر خیریت پوچھی اُس کے بعد لیٹے لیٹے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ اسی وقت اندازہ ہو رہا تھا کہ اب شاید آپ کی زیارت نہ ہو سکے گی۔ چناں چہ وہ حادثہ رونما ہو کر رہا جس کا خدشہ تھا اور حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ اپنے ساتھ ہزاروں تاریخوں کو لے کر راہی ملک بقا ہوئے اور تحریک آزادی کا ایک روشن ورق آپ کی زندگی پر پورا ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ رحمه الله تعالى رحمة واسعةً.

رفتگاں

۱۹۹۰ء - ۱۹۹۱ء

- حضرت مولانا محمد احمد صاحب جون پوریؒ
- حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب اعظمیؒ
- حضرت مولانا معرج الحق صاحب دیوبندیؒ
- حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھیؒ
- حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ

حضرت الحاج مولانا محمد احمد صاحب جون پوریؒ

از : مولانا عثمان احمد صاحب قاسمی جون پوری

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

اخی المعظم حضرت مولانا احمد صاحب مہتمم مدرسہ بدرالاسلام شاہ گنج جون پور ۲۱ / ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ میں اپنے وطن مالوف موضع لپری ضلع جون پور میں میں پیدا ہوئے بچپن کے دس سال والد محترم مولانا شاہ سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ کے زیر سایہ رہے۔ قرآن شریف ختم کر کے مدرسہ بدرالاسلام شاہ گنج آئے۔ یہاں اردو فارسی اور عربی کی کتابیں اخونا المعظم حضرت مولانا جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور انھیں کے زیر تربیت رہے۔ ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند گئے دوسال دیوبند میں رہے ۱۹۴۸ء میں دورۂ حدیث شریف حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ سے پڑھا اور حضرت ہی کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ حضرت مدنیؒ کی خصوصی توجہ مولانا مرحوم پر تھی۔ ۱۹۴۹ء میں مدرسہ بدرالاسلام شاہ گنج میں درجہ عربی کے استاذ مقرر ہوئے۔ طلباء کی نگرانی اور نمازوں کی امامت آپ ہی کے ذمہ تھی، مولانا مرحوم فطری طور پر بہت منتظم واقع ہوئے تھے۔ آپ کی انتظامی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے مولانا جمیل احمد علیہ الرحمہ مہتمم بدرالاسلام نے مدرسہ کا اکثر وبیشتر کام اور اہم ذمہ داریاں آپ کے سپرد کردی تھیں، آپ کے علم وہنر، فہم وبصیرت اور دیگر خوبیوں کو دیکھتے ہوئے مولانا جمیل احمد علیہ الرحمہ کا یہ خراج تحسین آپ کو دوسروں کی تحسین سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس نظم کے تین شعر یہ ہیں۔

جن سے ضیا پاش تھا مدرسہ شاہ گنج ❖ احمد خضر آج طریق حرم کو چلے

پیکرِ علم و ہنر نکتہ رس و دیدہ ور ❖ کاشفِ سرّ دقیق آج حرم کو چلے
صاحبِ جود و عطا معدن مہر و وفا ❖ طالب دیں پرشفیق آج حرم کو چلے

اسی بحر پر قافیہ بدل کر مولانا علیہ الرحمہ نے ایک نظم اور لکھی تھی جس کے دوشعر حسبِ ذیل ہیں:

عارف اسرار دیں احمد شمع یقیں ❖ جن سے تھے سب مستفید آج مدینہ چلے
شفقت بے انتہاء سارے تلامذہ پر ❖ علم وہنر کی کلید آج مدینہ چلے

مولانا علیہ الرحمہ کے ان اشعار سے بخوبی جانا سکتا کہ آپ کتنی خوبیوں اور کیسی کیسی صفاتِ حسنہ کے مجموعہ تھے؟ آپ کی مخلصانہ خدمات اور فہم وفراست کا تجربہ کرنے کے بعد ہی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو یہ سند عطا فرمائی تھی۔

۱۹۶۳ء میں جب مولانا جمیل احمدؒ کی وفات ہوگئی تو ایک سراسیمگی اور پریشانی کا عالم تھا۔ دامن صبر قریب تھا کہ ہاتھوں سے چھوٹ جائے۔ ہر طرف یاس وحسرت اور غم وحزن کے بادل چھا گئے تھے ایسے نازک وقت میں جب کہ ارباب مدرسہ بہت غم زدہ تھے، مولانا احمد صاحب علیہ الرحمہ زخمی دلوں کے لئے مرہم بن گئے اور مدرسہ کے نظم کو اتنی خوبی اور ایسی فہم ودانائی کے ساتھ چلایا کہ کوئی چیز اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرسکی اور حقیقت میں مولانا علیہ الرحمہ کے عکس جمیل ثابت ہوئے اور اس عالم غم وحزن میں مدرسہ کو ہر گزند سے محفوظ فرمایا، اور بڑے عزم وارادہ کے ساتھ دین کی کشتی کو آگے بڑھایا۔ آپ کے زمانۂ اہتمام میں طلباء کی تعداد کے ساتھ مدرسہ کی مالیات میں بھی اضافہ ہوا۔ مدرسہ کی رفتارترقی تیز ہوگئی۔ آپ نے درجۂ حفظ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، جس کی وجہ سے ہر سال حفظ سے فارغ ہونے والے طلباء کی ایک جماعت حافظ بن کر نکلنے لگی، طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر آپ نے خاموشی کے ساتھ بلاکسی تحریک چندہ کے ۱۹۶۸ء میں مدرسہ میں تعمیری کام شروع کرادیا۔ مسجد کے مشرق میں تالاب کے حاشیہ پر ستونوں کے ذریعہ ایک عظیم الشان عمارت بنوائی جس سے جامع مسجد کا صحن

وسیع ہوگیا اور طلباء کے رہنے کے لئے دس کمرے نکل آئے۔ مسجد کے شمال وجنوب میں دو درس گاہیں بنوائیں اور مسجد سے متصل ایک مہمان خانہ تعمیر کرایا۔ اس عمارت کے بن جانے سے مسجد اور مدرسہ کی شان وشوکت میں بہت اضافہ ہوا۔ اور مسجد ہر طرف سے محفوظ ہوگئی، ۱۹۸۱ء میں مدرسہ کی قدیم عمارت کا ہال مسجد کا راستہ مسقّف کرا کے کشادہ کرا دیا، اور مدرسہ کا نہایت خوب صورت گیٹ بنوایا، جس کے دوخوب صورت منارے، اپنے حسن وجمال کے ساتھ اپنے بنوانے والے کے ذوق لطیف کا رات دن اعلان کرتے رہتے ہیں۔ قدیم مہمان خانے کے اوپر ایک اور مہمان خانہ تعمیر کرایا جو مدنی مہمان خانہ کے ساتھ موسوم ہے۔ ۱۹۸۳ء میں مدرسہ کا کتب خانہ تعمیر کرایا اور جامع مسجد کو از سرِنو نیا جامہ پہنا کر ایسا آراستہ اور مزین کر دیا کہ مسجد نئی ہوگئی۔ مسجد کی کہنگی اور خستگی بالکل ختم ہوگئی، اسی کے ساتھ ایک طویل وعریض سائبان صحن مسجد میں بنوایا۔ جس سے نمازیوں کو بارش اور دھوپ سے نجات ملی۔ جب مسجد نے نیا جامہ زیب تن کیا تو راقم نے قطعہ مولانا علیہ الرحمہ کی خدمت میں نذر کیا تھا، جو حسبِ ذیل ہے:

مسجد خستہ حال کو رشک چمن بنا دیا ❖ حسن وجمال میں اسے پھر سے دلہن بنا دیا
نور ہی نور ہر طرف پھیلی ہو جیسے چاندنی ❖ نکہتِ گل سے صحن کو مُشکِ ختن بنا دیا

مولانا علیہ الرحمہ کا یہ وہ کارنامہ ہے جو تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا جائیگا، وقت کا مورخ آپ کے ان خدمات جلیلہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ آپ کو فیاضِ ازل نے تعلیم وتربیت کے ساتھ یہ جذبہ بھی حصہ وافر میں عطا فرمایا تھا کہ طالب علم جہاں زیور علم سے آراستہ ہو وہیں اُس کو اَدب واخلاق اور دوسری اعلیٰ صلاحیتوں کا بھی حامل بنایا جائے تاکہ وہ قوم کے لئے نمونہ بن سکے۔

اہتمام کی ذمہ داریوں کے ساتھ بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں بھی پڑھاتے رہے۔ تفسیر کی مشہور کتاب جلالین شریف کا درس تقریباً ۳۰ ؍سال سے آپ ہی کے یہاں ہوتا رہا۔ آخری بار جلالین شریف ۱۹۸۹ء میں مولوی مصعب جونپوری اور مولوی آزاد اعظمی کی جماعت کو پڑھایا۔

آپ کی صحت دوسال سے خراب رہنے لگی تھی۔ ذیابیطیس کا عارضہ تھا جو رفتہ رفتہ غالب آتا گیا، جس کی وجہ سے گردے متأثر ہو گئے تھے، پھر کوئی علاج کارگر نہیں ہوا، آخر چودہ ماہ کی طویل علالت کے بعد ۶۳ رسال کی عمر میں ۲۴ رجنوری ۱۹۹۰ء چہارشنبہ ۵ ربجے صبح روح عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف پرواز کر گئی۔ علماء وحفاظ کی ایک جماعت نے غسل دیا، ایک بار نماز جنازہ مدرسہ بدرالعلوم میں مولانا شبیر احمد صاحب پڑھائی اور پھر دوسری نماز جنازہ مولانا علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے مولانا حافظ حمزہ صاحب قاسمی نے وطن مالوف موضع لپری میں پڑھائی اور وہیں مقبرہ صالحین میں مدفون ہوئے۔ جنازہ میں بہت اژدہام تھا جو عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے ۴۱ رسال مدرسہ بدرالاسلام کی خدمت کی جس میں آخر کے ۲۷ رسال اہتمام کی ذمہ داریوں کے ساتھ گذارے، پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دوصاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔

(ندائے شاہی مارچ ۱۹۹۰ء)

حضرت مولانا ضمیر احمد اعظمیؒ

ولادت: ۱۳؍ربیع الاول ۱۳۴۳ھ ۱۳؍اکتوبر ۱۹۲۴ بمقام حاجی پور ضلع اعظم گڈھ یوپی

وفات: ۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ ۱۵؍اپریل ۱۹۹۰ء بمقام دہلی، تدفین: مزار قاسمی دیوبند

از: مولانا شفیق احمد قاسمی مدرسہ کرامتیہ جلال پور فیض آباد

مدرسہ اسلامیہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور ضلع فیض آباد کے صدرالمدرسین و جامعہ شرقیہ اسلامیہ ''شرقیہ نگر'' لونیہ ڈیہہ اعظم گڈھ کے شیخ الجامعہ اور ملک کی عظیم علمی و دینی شخصیت حضرت مولانا ضمیر احمد اعظمی ثم جلال پوری کا طویل علالت کے بعد ۱۵؍اپریل ۱۹۹۰ء کو ۸؍بجے شب دہلی میں انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دہلی سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جسد خاکی کو دیوبند لے جایا گیا اور ۱۶؍اپریل ۱۹۹۰ء کو مزار قاسمی میں تدفین ہوئی۔ انتقال کے وقت حضرت مولانا کی اہلیہ اور بڑے صاحب زادے قاری اظہر صاحب ساتھ تھے۔

حضرت مولانا کے پس ماندگان میں اہلیہ، دولڑکے اور پانچ لڑکیاں شامل ہیں اور حضرت مولانا نے اپنے پیچھے عقیدت مندوں اور شاگردوں کا ایک طویل سلسلہ چھوڑا ہے۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کو قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے علوم و معارف پر خصوصی دسترس حاصل تھی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دارالعلوم دیوبند کے لئے مولانا کی خدمات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی، اور بعد میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا کے لئے دارالعلوم کے نیابت اہتمام کی بھی خصوصی پیش کش کی تھی؛ لیکن حضرت مولانا جلال پور اور قرب و جوار کو اپنے فیض سے سیراب کرتے رہے۔ آخرکار انتقال کے بعد دیوبند ہی میں اپنے اکابر کے جوار اور حضرت شیخ الہندؒ کے قدموں میں جگہ پائی۔ تمام ہی متعلقین سے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ندائے شاہی جون ۱۹۹۰ء)

❍❖❍

مجاہد جنگ آزادی وفاء الرحمٰن جامعیؒ

از: مولانا عبدالمعید قاسمی سنبھلی

وفاء الرحمٰن جامعیؒ صاحب ٹانڈہ کے ایک ممتاز اور ذی حیثیت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔علم وفن اور ملک وقوم کی مایہ ناز خدمات انجام دے کر قصبہ کا نام روشن کیا۔آپ کے کارنامے اور قربانیاں قومی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

جامعی صاحبؒ کے والد صاحب مولانا عبدالرحمٰن ٹانڈہ کے پہلے عالم فاضل تھے۔جن کا شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا تھا۔دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دوران حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ابن حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے دولت کدہ سے خاص ربط اور وابستگی تھی۔مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو گود میں کھلانے کا شرف حاصل ہوا۔مولانا عبدالرحمٰن کے ہم سبق حضرات میں میاں اصغر حسین صاحبؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔موصوف حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔

انگریزوں کی ظلم وزیادتی اور غلامی کی لعنتوں کے احساس سے جن لوگوں کے دل بے چین تھے اور ان کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات بیدار تھے،ان میں سے جامعی صاحب کی بھی ایک شخصیت تھی۔

ہندوستان میں جن حضرات نے جنگ آزادی لڑی اور ان کے کارناموں اور جدوجہد سے ہمارا ملک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوا۔ایسے ہی لوگوں میں سے جناب جامعی صاحبؒ کی بھی ایک ذات تھی۔

ہوش سنبھالنے کے بعد سے آزادی تک آزادی وطن کے لئے مصائب ومشکلات وتکالیف میں مسلم وقومی لیڈروں کے ساتھ مجاہدانہ زندگی گذاری۔ سیاسی میدان میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ، شفیق الرحمٰن قدوائیؒ وغیرہ حضرات کے دوش بدوش رہ کر کام کیا۔ انگریزی استیلاء واقتدار کے خلاف جنگ آزادی میں نمایاں خدمات اور قابل قدر کام انجام دیئے اور ملک کے ایک سرگرم لیڈر ہونے کا سہرا آپ سے سر بندھا۔

جامعی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ ۱۰/مارچ ۱۹۱۵ء کی پیدائش ہے، بچپن ہی میں والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔

اپنے بڑے بھائی جناب مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب کی تربیت میں آ گئے، موصوف نے تعلیم وتربیت پر کڑی نظر رکھی، آپ کی نگرانی میں پروان چڑھے۔ تعلیم کا آغاز جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ سے ہوا، اردو اور ابتدائی فارسی سے گلستاں و بوستاں، میزان الصرف وغیرہ کتب جامعہ رحمانیہ میں پڑھیں، اور بھی مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دار العلوم دیوبند چلے گئے وہاں تین سال تک علم حاصل کیا؛ لیکن درس نظامی کی تکمیل نہ کر سکے۔ رام پور سے کامل کا امتحان الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیا۔

جناب حکیم عطاء الرحمٰن صاحب جامعہ طبیہ دہلی میں اُستاذ تھے، تو ۱۹۳۵ء میں جامعی صاحبؒ کو دہلی کالج مدرسہ عالیہ فتح پوری میں داخل کرایا۔ علاوہ ازیں ادیب فاضل کے امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کئے۔

جامعی صاحب نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ڈاکٹر ذاکر حسین کی سرپرستی اور نگرانی میں جامعہ ملیہ میں کام کیا۔ آزادی ملک کی جدوجہد کے ساتھ جامعہ ملیہ کے شعبہ تعلیم بالغاں کا مکمل انتظام آپ کے سپرد تھا۔ حکومت برطانیہ کے عہد میں پولیس کی لاٹھیوں کی ضربیں برداشت کیں۔ ۱۹۳۹ء میں سیوا گرام۔ واردھا ایجوکیشن میں مسٹر گاندھی کی سرپرستی میں ۴۱/دن آزادی وطن کی اور سوشل کاموں کی ٹریننگ حاصل کی۔

۱۰؍اگست ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک میں قرولباغ کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے آپ نے جلوس کی قیادت اور رہنمائی کی۔ کھاری باولی دہلی میں انگریز پولیس کی اندھادھند فائرنگ میں جامعی صاحبؒ کے پاؤں میں گولی لگی۔ اور آپ کے دو ساتھیوں نے گولی کھاتے ہی جام شہادت نوش کیا۔ اس دوران گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری ہوا تھا۔ جامعی صاحبؒ زخم خوردہ حالت میں تین ماہ تک روپوش رہے پھر کانگریس اور جمعیۃ علماء کے لیڈروں کی ہدایت اور ان کی نگرانی میں انڈرگراؤنڈ رہ کر ۸؍ماہ دہلی اور یوپی کے اضلاع میں ملی وقومی خدمات انجام دیں۔

خاص طور سے لیڈروں کے خفیہ پروگرام اور پیغامات ایک جگہ سے دوسری جگہ دور دراز مقامات تک بھیس بدل کر پہنچاتے۔ اس پروگرام میں خاص کر قابل ذکر شفیق الرحمن قدوائی اور مسٹر آصف علی خاں وغیرہ ہیں۔

ملک آزاد ہونے کے بعد دہلی کے ناقابل بیان ہنگاموں کی وجہ سے اپنے وطن ٹانڈہ ضلع رام پور آکر اطمینان کا سانس لیا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد ٹانڈہ ضلع رام پور سے اسٹیٹ اسمبلی (ایم ایل اے) کا کانگریس ٹکٹ سے الیکشن لڑا اور کامیابی حاصل کی۔ قوم نے ووٹ اور سپوٹ سے نوازا اور قوم کی ہر قسم کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ رہیں۔ ایم ایل اے کے علاوہ آزادی ملک کے بعد سے چیئرمینی میونسپل بورڈ کے چیئرمین کے الیکشن لڑے اور ہمیشہ کامیابی سے ہم کنار ہوئے، اور ۲۶؍سال تک چیئرمین رہے۔ موصوف ہمیشہ کانگریس اور جمعیۃ علماء سے منسلک رہے؛ بلکہ دونوں جماعتوں کے سرگرم لیڈر شمار کئے جاتے تھے، ضلع کانگریس کمیٹی رام پور اقلیتی شعبہ کے صدر اور ضلع کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری رہے اور کئی سماجی، تعلیمی اور سوشل جماعتوں کی ذمہ داری اور خدمات انجام دیں۔ ریاستی انجمن ترقی اردو اترپردیش کے بھی تقریباً تیس سال تک جنرل سکریٹری، سکریٹری اور خازن رہے۔

اوصاف

روتے ہوئے کو ہنسا دینے والے، ہر موضوع پر بہترین گفتگو کرنے والے، دلچسپ اور

دل آویز باتیں کرتے، کیا بوڑھے، کیا مرد، کیا عورتیں سب ہی ان کو سنتے اور سب ہی سناتے۔

صاحب علم ومعلومات تھے، خوش مزاج متواضع، مہمان نواز، ان کا تذکرہ ناتمام رہ جائے گا، اگر ان کی مہمان نوازی اور مہمانوں کی دل جوئی وتواضع اور لاجواب چائے کا ذکر نہ ہو۔ گویا فیاض اور مہمان نوازی میں بے نظیر تھے، دسترخوان وسیع تھا، جس مجلس میں خوب گرما گرم بحثیں ہوتیں اور نوبت ذاتیات تک آجاتی تو اکثر ثالث آپ ہی ہوتے۔

جامعی صاحبؒ کی طبعیت میں استقامت سنجیدگی تھی۔ علم دوست اور علماء کے نہایت قدرداں تھے۔ قلم میں بہت روانی تھی۔ چند کتابچے بھی شائع کئے اور اخبارات ورسائل میں بھی مضامین چھپتے رہے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۸۴ء الجمعیۃ ویکلی دہلی میں ایک مضمون بعنوان ''ذاکر حسین ایک جائزہ'' شائع ہوا۔ اس سے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

> جامعی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ''مجھے تقریباً دس سال ڈاکٹر ذاکر حسین کی سرپرستی ورہنمائی میں کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ شفیق الرحمن قدوائی نے قرول باغ دہلی میں تعلیم بالغاں کا ایک مرکز قائم کیا تھا، جو ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں ختم ہوگیا۔ اول دن سے آخر تک تمام تر ذمہ داریاں میرے ذمہ تھیں، اس سلسلہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین کے حسن معاملگی وشفقت وتدبر کے بے شمار تجربے حاصل ہوئے اس وقت ڈاکٹر صاحب رئیس الجامعہ تھے، سب سے زیادہ تنخواہ پچھتر روپے ماہوار آپ ہی کی تھی۔ شاید آزادی ملک تک پوری تنخواہ کبھی نہیں ملی''۔

جامعی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ چند اقتباسات ایسے ہیں کہ انہیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

> ''متعدد بار ایسا ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اچانک شفیق صاحب کے پاس آموجود ہوئے، چونکہ شفیق صاحب ڈاکٹر ذاکر حسین کے قریب ترین ساتھی ہونے کے ساتھ بے تکلف بھی تھے، اور میں بھی ان کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مجھ

سے معلوم کرتے کہ کھانے کو کچھ ہے؟ میں خاموش رہتا۔تو وہ فرماتے کہ ایک پیسہ لو اور مسور کی دال لے آؤ اور اس کا سوپ بنالو۔اس وقت مسور کی دال ایک پیسہ کی آدھ پاؤ آجاتی تھی۔دفتر کے نیچے پر چون کی دکان تھی، میں دال لا کر پانی کھولا کر پکالیتا۔ڈاکٹر ذاکر حسین فرماتے کہ لوہے کا ایک ٹکڑا خوب گرم کر کے دال میں ڈالو اور بزرگانہ انداز میں اس کا فلسفہ بیان فرماتے ہوئے سمجھاتے کہ معمولی سے گھی سے تندرستی تو سنبھلنے سے رہی۔ہاں بگھار کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ دال کا بادی پن نکل جائے،اور یہ کام لوہے کا ٹکڑے سے بخوبی پورا کیا جاسکتا ہے۔جامعی صاحبؒ لوہے کا ٹکڑا تلاش کر کے لاتے اور مذکورہ طریقہ سے دال بگھارتے پھر تینوں شخص تناول فرماتے''۔

اس واقعہ سے جہاں ڈاکٹر صاحب کے کارکنوں کے ساتھ پرخلوص برتاؤ اور سادگی واضح ہوتی ہے وہاں جامعی صاحبؒ کے وطن سے دور رہ کر مجاہدانہ زندگی کے ساتھ قناعت اور صبر وتحمل کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

جامعی صاحبؒ کو تاریخ ٹانڈہ میں بلند تر اہمیت حاصل ہے۔جامعہ اسلامیہ رحمانیہ کو آپ ہی کی حقیقی سرپرستی حاصل تھی، یقیناً آپ جامعہ رحمانیہ کے روح رواں تھے۔جامعی صاحبؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ سیاسی سرگرمیوں میں گذرا ہے۔سیاسی میدان میں جمعیۃ علماء ہند سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے والہانہ محبت وعقیدت تھی،اور حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی مدظلہ کے شیدائیوں میں سے تھے۔ساتھ ہی علمی ذوق بھی رکھتے تھے۔ آپ کے تین لڑکے ہیں:

(۱) مسعودالظفر ،الجمعیۃ کے صدر دفتر مسجد عبدالنبی دہلی میں قیام تھا۔

(۲) محمودالظفر ،الجمعیۃ اتر پردیش کے آفس سکریٹری رہے۔

(۳) ایک صاحبزادے زیر تعلیم ہیں۔

جنگ آزادی کے صلہ میں حکومت ہند کی طرف سے بطور اعزاز تمغہ حاصل ہوا۔اور جہاں ملک میں مجاہدین آزادی کو وظیفہ ملتا ہے آپ کو بھی ملتا تھا اور اتر پردیش بس سروس سے بطور اعزاز بغیر کرایہ سفر کی اجازت حاصل تھی۔

اچانک دردگردہ ہوا، اور بہترین علاج وتیمارداری کے باوجود دنیائے فانی سے پانچ دن کی علالت کے بعد رخصت ہوگئے وقت موعود دردگردہ کی شکل میں آگیا ۵/جون ۱۹۹۰ء صبح نو بجے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کے بڑے بھائی حکیم ومولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان عیدگاہ ٹانڈہ میں سپردِ خاک کردیا گیا، اللہ تعالیٰ درجاتِ عالی سے سرفراز فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۱۹۹۰ء)

مولانا قاری امیر علی صاحب نگینویؒ

مولانا قاری امیر علی صاحب جامع مسجد مرادآباد کے پنج وقتہ نمازوں کے امام تھے، فن تجوید وقرأت میں امتیازی مقام پر فائز تھے، آپ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے نامور فیض یافتگان میں سے تھے، یہاں آپ نے عربی درسیات کے علاوہ سبعہ وعشرہ کی مکمل تعلیم حاصل کی ہے۔ بعد میں آپ نے مدرسہ امدادیہ اور حیات العلوم سے وابستہ رہ کر سیکڑوں شاگردوں کو تجوید وقرأت کی تعلیم دی، آپ کے پڑھنے کا انداز نہایت سبک اور مسحور کن تھا، الفاظ کا حسن ادا بس سننے ہی سے تعلق رکھتا تھا، جس وقت آپ نماز میں قرأت فرماتے تو سامعین کی یہ خواہش رہتی کہ آپ کی قرأت طویل ہو؛ لیکن عموماً آپ مختصر قرأت کو ترجیح دیتے، تقریباً نصف صدی تک آپ نے امامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دئے۔ ۱۳/ستمبر ۱۹۹۰ء کو وفات ہوئی اور جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے۔ رحمه الله تعالیٰ رحمةً واسعةً.

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۰ء مع اضافہ)

قاضی عابد علی وجدی الحسینیؒ بھوپال

موصوف بھوپال کے قاضیٔ شہر اور جامعہ اسلامیہ ترجمہ والی مسجد کے شیخ الحدیث تھے، علمی گیرائی کے ساتھ ساتھ شعر وادب کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے، احقر نے بچپن میں جب کہ جامع مسجد امروہہ میں قیام تھا، قاضی صاحب موصوف کی متعدد مرتبہ زیارت کی، موصوف ختم بخاری شریف کے جلسہ میں عموماً تشریف لایا کرتے تھے، ۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۴؍اکتوبر ۱۹۹۰ء میں وفات ہوئی۔

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۰ء مع اضافہ)

علامہ رفیق احمد بھیسانیؒ

موصوف عرصۂ دراز تک مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے شیخ الحدیث رہے، وعظ وخطابت کے ذریعہ ملک وبیرون ملک دینی اور دعوتی خدمات انجام دیں، آپ کے فیض یافتہ افراد دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جو آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، ۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۶؍اکتوبر ۱۹۹۰ء کو وفات ہوئی۔ آپ کے تفصیلی حالات ''تذکرہ رفیق الامت'' (مرتبہ: مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی) میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۰ء مع اضافہ)

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ

(ولادت: ۹؍ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۳ء بمقام خانقاہ مونگیر)

موصوف دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے فعال رکن، امارتِ شرعیہ بہار کے امیر شریعت، ملت اسلامیہ کے مقتدر ادارہ ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے جنرل سکریٹری اور خانقاہ رحمانی مونگیر کے روح رواں تھے، اسلامی غیرت وحمیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، بالخصوص شاہ بانو کیس کے موقع پر آپ کی فعال قیادت نے جس ثبات قدمی کا ثبوت دیا وہ آپ کی زندگی کا تاب ناک موڑ ہے۔ ۱۹؍ مارچ ۱۹۹۱ء مطابق ۳؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ آپ سے متعلق تفصیلی حالات ''حضرت امیر شریعت نقوش وتأثرات'' (مرتبہ: مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی) میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ (ندائے شاہی مئی ۱۹۹۱ء مع اضافہ)

حضرت مولانا مسعود الٰہی صاحب میرٹھیؒ

موصوف حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفۂ اجل تھے، اور نہایت منکسر المزاج اور سادہ بزرگ تھے، آپ کی ہر ہر ادا سے عجز ومسکنت کا اظہار ہوتا تھا، پوری زندگی نہایت غربت اور کس مپرسی میں گذار دی، موصوف کبھی کبھی ہمارے وطن منصور پور کو بھی اپنی تشریف آوری کا شرف بخشتے تھے، ہمارے خاندانی بزرگ نواب سید محمد یحییٰ صاحب مولانا موصوف کے مخلص نیاز مند تھے، اس کے علاوہ سہارن پور میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی مجالس میں بھی مولانا مسعود الٰہی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، غالباً اپریل ۱۹۹۱ء میں آپ کی وفات ہوئی، اس لئے کہ ندائے شاہی مئی ۱۹۹۱ء کے شمارے میں آپ کی وفات کا اجمالی ذکر ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔ (ندائے شاہی مئی ۱۹۹۱ء)

○❖○

حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

(ولادت: ۱۳۲۸ھ وفات: ۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ)

دار العلوم دیوبند کے قدیم رکن مجلس شوریٰ ملک کے صفِ اول کے مصنف اور انشاء پرداز حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی ۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۳۱؍مارچ ۱۹۹۱ء کو وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاضی صاحب موصوف دار العلوم دیوبند کے ان نامور فرزندوں میں سے تھے جن پر بھرپور اعتماد کیا جاتا تھا، اور قدیم جدید سبھی علوم سے وابستہ افراد قاضی صاحب کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، اور ان کی رائے کو ہر طبقہ میں اہمیت دی جاتی تھی، اسی بنا پر اجلاس صدسالہ کے بعد جب فضلاء دیوبند کی عالمی مؤتمر قائم کی گئی تو قاضی صاحب کو جنرل سکریٹری نامزد کیا گیا، اور اخیر تک اس منصب پر فائز رہے۔ آپ نے متعدد مفید کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سیرت طیبہ اور قصص القرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (ندائے شاہی مئی ۱۹۹۱ء مع اضافہ)

○❖○

مولانا مفتی عبدالوہاب صاحبؒ

موصوف مدرسہ شاہی کے سابق مفتی تھے، اور باوقار اور ذی علم شخصیت کے حامل تھے، مرادآباد کے چندروزہ قیام میں آپ نے جو نقوش چھوڑے، بہت سے لوگ آج بھی انہیں یاد رکھتے ہیں۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور ہندوستان سے جنوبی افریقہ منتقل ہونے کے چند سال بعد ایک سڑک حادثہ میں آپ کی شہادت ہوئی۔

(ندائے شاہی فروری ۱۹۹۱ء)

ایک عظیم استاذ کی رحلت

(تذکرہ: استاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ)

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لاساقی

۶ر صفر المظفر ۱۴۱۲ھ کا سورج اس حال میں طلوع ہوا کہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی نصف صدی سے زائد تک خدمت انجام دینے والا ایک مخلص جاں نثار خادم اور بے شمار فرزندانِ دارالعلوم کا عظیم اور استاذ دارِ فانی سے ابدی مفارقت کے لئے رختِ سفر باندھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ حاضرین کی توجہات جانے والے کی نبضوں پر مرکوز تھیں، سانس کے ساتھ ساتھ منٹ اور سیکنڈ گنے جارہے تھے، دن کے دس بجتے بجتے کوچ کی گھڑی آ پہنچی، رحمت کے فرشتے دارالعلوم پر منڈلانے لگے، ملک الموت ایک صاحبِ ایمان کی روح اعزاز کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے مقررہ جگہ پر تشریف لاکر اپنا کام سرانجام دے گئے۔ اور پھر کچھ ہی لمحات کے بعد مادرِ علمی کے بام ودر اس حسرت آمیز، غم واندوہ سے بھرپور اعلان سے گونجنے لگے کہ:

’’استاذ الاساتذہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘۔

اعلان کیا تھا، ایک ارتعاش تھا جس نے سننے والوں کو دم بخود کردیا۔ کتنی ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا، کتنے لوگ سن کر بے اختیار ہوگئے، ماضی کے اوراق پلٹنے لگے، جانے والے کے امتیازی اوصاف ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔ آج صرف ایک شخص کا وصال نہیں

بلکہ ایک دور کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ جرأت و ہمّت کا پیکر، بزرگانہ اقدار و اصول کا امین، دارالعلوم کی عظمت کا پاسبان اور اس سے بڑھ کر محبت دارالعلوم سے پوری طرح سرشار ایک بے لوث خدمت گار دارالعلوم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کی ۸۴ بہاریں دیکھیں۔ ۱۳۲۸ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم سے ایسے وابستہ ہوئے کہ جوانی سے لے کر آخر لمحات تک اسی کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے۔ دارالعلوم سے آپ کی وابستگی کا عرصہ کم و بیش ۵۰/سال پر محیط ہے۔ جس میں آپ تقریباً دس سال تک نیابت اہتمام اور آخری دس سال صدارت تدریس کے پُر وقار عہدے پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ تعلیمات اور دارالاقامہ کے شعبے بھی بڑی مدت تک آپ سے متعلق رہے۔ مختلف علوم کے علاوہ فقہ اسلامی اور قدیم عربی ادب پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ فقہ کی ادق ترین کتاب ہدایہ تو گویا آپ کی دلچسپی کا سامان تھی۔ دسیوں سال آپ نے نہایت نکتہ رسی اور بذلہ سنجی کے ساتھ اس کتاب کا درس دیا۔ اور اپنی فقہی بصیرت کا لوہا منوالیا۔ حماسہ اور سبعہ معلقہ کے مشکل اور مغلق اشعار اور ان کے معانی آپ کے نوک زبان پر رہتے تھے۔ طلبہ سے محنت لینے اور معانی کو دل تک اُتارنے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے اگرچہ کوئی تصنیف ترکہ میں نہیں چھوڑی لیکن ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے آپ کے ہزاروں بالواسطہ اور بلا واسطہ شاگرد آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔

حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اصول پسندی سے عبارت تھی۔ ایثار و قربانی اور جرأت و شجاعت کا نمونہ تھی۔ مادر علمی سے محبت آپ کے رگ و پے میں بسی تھی۔ دارالعلوم کے مفاد کی حفاظت کے لئے آپ نے بارہا اپنی اَنا کو قربان کیا۔ احقاق حق کے لئے اپنے دیرینہ رفیقوں سے قطع تعلق کیا۔ ہنگاموں کو فرو کرنے کے لئے اپنی جان جوکھم میں ڈالی۔ خطرناک سے خطرناک حالات میں بھی اکیلے میدان میں آنے سے نہیں گھبرائے مرورِ زمانہ کی وجہ سے طلبہ میں استعدادوں کا انحطاط اور پڑھنے میں کوتاہی آپ کے لئے وہ ناسور تھا

جس نے آپ کو اخیر عمر میں سب سے زیادہ پریشان کئے رکھا۔ کثرتِ تعداد کے مقابلہ میں حضرت مولانا قوت استعداد کی طرف توجہ کا مشورہ دیتے تھے۔ اکثر ملنے والوں سے اپنے قلبی قلق کا اظہار کرتے۔ بعض مرتبہ مادرِ علمی سے انتہائی تعلق اور طلبہ سے نہایت جذبۂ خیر خواہی کی بنا پر ایسے الفاظ بھی زبان پر آجاتے جو بظاہر شکایت کا عنوان معلوم ہوتے، مگر آپ کی یہ شکایت حاشا وکلّا تخریب کے لئے نہیں بلکہ تعمیر کے لئے تھی۔

آپ دارالعلوم کو اپنے اکابر کے سابقہ نہج پر ہی چلتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی اخیر زندگی کے خیالات سے جزوی اختلاف ممکن ہے؛ لیکن انھیں رد کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ آج بھی وہ ناصحانہ جذبات نہ صرف دارالعلوم بلکہ سبھی مدارسِ اسلامیہ کے لئے لمحۂ فکریہ اور لائقِ توجہ ہیں کہ آخر ہمارے نظام میں کیا کمی آ گئی ہے کہ ہر سال بے شمار فضلاء نکلنے کے باوجود ہماری واقعی ضرورت کی تکمیل کے لئے لائق افراد میسر نہیں آپاتے۔ اور جو اکابر اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں ان کی جگہ پُر کرنے والا کوئی سامنے نہیں آتا۔

حضرت مولانا دارِ فانی سے تشریف لے گئے مگر ہم سب منتسبین دارالعلوم کے لئے زندگی کے ایسے روشن نقوش اور خیالات چھوڑ گئے ہیں جن کو سامنے رکھ کر مستقبل کے لئے بخوبی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(ندائے شاہی، ستمبر ۱۹۹۱ء)

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین

حضرت مولانا معراج الحق رحمۃ اللہ علیہ
ایک ناقابل فراموش شخصیت

از: مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

آہ کہ! استاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند ۷؍صفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء یکشنبہ سوا دس بجے دن میں راہگیرائے عالم جاودانی ہوگئے اور اپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں اور بے شمار عقیدت مندوں کو چھوڑ گئے جو ان کی یاد میں مدتوں اشک بار و دل فگار رہیں گے۔

ادھر چند مہینوں سے آپ کی صحت بتدریج گرتی جارہی تھی، عمر طبعی کا ضعف، بیماری کی گرفت اور دماغی محنت نے موصوف کو اس قدر درماندہ اور نڈھال کردیا تھا کہ علاج ومعالجہ سب بے اثر ہوکر رہ گئے تھے اور آپ کی زندگی کے یہ آخری ایام بس مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی یاد ماضی اور فکر مستقبل کے سہارے گذر رہے تھے، کہ وقت موعود آگیا جس سے کسی بھی صورت میں مفر نہیں ہے۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

ابھی چند مہینے کی بات ہے کہ ماہ رمضان میں پہلے دارالعلوم کے قابل فخر فرزند اور ملک کے نامور عالم دین، امیر شریعت بہار مولانا منت اللہ رحمانی رخصت ہوگئے ان کے بعد دارالعلوم کے ایک دوسرے لائق تر سپوت اور مشہور صاحب تصنیف فاضل مولانا قاضی زین العابدین

صاحب سجاد میرٹھی داغ مفارقت دے گئے اوراب برصغیر ہند وپاک کی مجلس علمی کے صدرنشین حضرت مولانا معراج الحق صاحب بھی چلے گئے ۔دینی وعلمی محفلیں اجڑتی جارہی ہیں اوراس وقت ملت اسلامیہ ایک زبردست خلاء کا شکار ہے۔علمی وعملی انحطاط کے اس دور میں جبکہ جانے والا اپنا کوئی بدل چھوڑ کرنہیں جاتا۔حضرت مولاناؒ کی وفات ایسا عظیم حادثہ ہے جس پر اظہار کرب والم کے سارے الفاظ بے معنٰی معلوم ہوتے ہیں ۔یہ واقعہ ہے کہ یہ حادثہ صرف مولانا مرحوم کے اعزہ کانہیں،محض ان کے تلامذہ کانہیں،تنہا دارالعلوم کانہیں بلکہ پوری دنیائے علم وفن کا حادثہ ہے۔مشہور مقولہ ''موت العالم موت العالم'' کی صداقت کا صحیح اور مکمل ادراک اسی جیسے حادثوں کے وقت ہوتا ہے۔

ولادت اور علمی نشو ونما

حضرت مولانا مرحوم ماہ رجب ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں دیوبند کے ایک محلّہ کوٹلہ میں پیدا ہوئے ۔پرائمری درجات کی تعلیم قصبہ برنالہ ''صوبہ پنجاب'' میں حاصل کی جہاں آپ کے والد بزرگوار منشی نوارالحق بسلسلہ ملازمت مقیم تھے،آگے مڈل تک کی تعلیم دیوبند میں مکمل کی اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے شعبہ دینیات میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندیؒ سے اردو فارسی،عربی ابتدائی وغیرہ کی تحصیل کی ۱۳۴۵ھ میں یہاں کی تعلیم موقوف کر کے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لے لیا۔کیونکہ آپ کے والدمحترم کا تبادلہ سہارنپور ہوگیا تھا،اور وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ سہارنپور میں ہی قیام پذیر تھے۔مظاہر علوم میں تقریباً پانچ سال زیرتعلیم رہ کرحسب ذیل کتابیں پڑھیں۔

تہذیب،نورالایضاح،کافیہ،قطبی،شرح تہذیب،اصول الشاشی،شرح جامی بحث فعل، قدوری،نفحۃ الیمن،نورالانوار،میرقطبی،سلم العلوم،کنز الدقائق،شرح وقایہ،مقامات حریری، ملاحسن،مختصرالمعانی،سبعہ معلقہ،مناظرہ رشیدیہ،حسامی،ہدایہ اولین،ہدیہ سعیدیہ۔

۱۳۴۹ھ ماہ ربیع الثانی میں دوبارہ پھر دارالعلوم میں داخل ہوگئے اوراس سال دارالعلوم

میں مختصر المعانی، حسامی، ہدایہ اولین، ملاحسن اور میبذی پڑھیں۔۱۳۵۰ھ میں دیوان متنبّی، ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، نخبۃ الفکر، سراجی اور میبذی (مکرر) کی تحصیل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں دورہ حدیث شریف کی تکمیل فرمائی۔ اور ۱۳۵۲ھ میں فنون کی حسب ذیل کتابیں پڑھ کر دارالعلوم سے فارغ ہوگئے: صدرا، شمس بازغہ، دیوان حماسہ، شرح عقائد، سبعہ معلقہ، بیضاوی، خیالی، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، شرح چغمینی، تصریح۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں مجاہد عصر، شیخ وقت، عارف باللہ، محدث کبیر، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام معقولات حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی، حضرت مولانا نبیہ حسین دیوبندی، حضرت مولانا رسول خاں صاحب سرحدی، حضرت مولانا عبد السمیع دیوبندیؒ۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس اسرارہم جیسے اساطین علم وفن اور یگانہ روزگار علماء ومشائخ ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے اور یقیناً درست ہے کہ کامل اساتذہ کے تلامذہ بھی کامل ہوتے ہیں تو حضرت صدر صاحب مغفور کے کمال علمی کی اس سے بڑی سند اور کیا ہوگی۔

یوں تو حضرت مولانا مرحوم کو اپنے سبھی اساتذہ سے تعلق خاطر تھا؛ لیکن حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت علامہ بلیاویؒ اور حضرت شیخ الادب قدس اسرارہم سے والہانہ عقیدت تھی۔ بالخصوص حضرت شیخ الادب سے تو آپ بے حد متاثر تھے اور حضرت موصوف کی بھی آپ پر خصوصی عنایت تھی اس لئے حلقہ دارالعلوم میں آپ ان کے مخصوص ومنتخب شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوئے۔

درس وافادہ

تعلیمی مرحلوں کی تکمیل کے بعد اپنے اساتذہ واکابر کے منشاء کے مطابق مسند درس

وافادہ کو زینت بخشی، سب سے پہلے مدرسہ ہاشمیہ جامع مسجد زکریا اسٹریٹ ممبئی کو اپنی علمی و دینی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۵ء تک یہاں رہ کر علوم نبوت کے جواہر پاروں سے عروس البلاد کو آراستہ و پیراستہ کرتے رہے۔ بعد ازاں اپنے اساتذہ کے مشورہ اور اہل گل برگہ کی طلب پر جنوبی ہند کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ دینیہ روضتین گلبرگہ سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں صدارت تدریس کے ساتھ اہتمام کا اہم ترین منصب بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ ان مختلف النوع دونوں اہم ترین اور نازک ترین ذمہ داریوں کو تقریباً ۴ رسال تک اس حسن وخوبی کے ساتھ نبھایا کہ آپ کی علمی وانتظامی صلاحتوں کے معترف ومعتقد خود آپ کے اساتذہ بھی ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۴۲ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلالیا گیا۔ اس وقت سے حیات کے آخری لمحہ تک دارالعلوم ہی سے وابستہ و پیوستہ رہے جو آپ کا گھر بھی تھا اور درسگاہ بھی، دنیا کے تمام علائق سے یکسو ہو کر بس دارالعلوم کو اپنی تمامتر توجہات کا مرکز بنالیا تھا اس طرح نصف صدی کی طویل مدت دارالعلوم کی خدمت اور طلبہ کی تعلیم وتربیت میں گذاردی۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام ہے تیرے کام سے
ترے ذکر سے تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

۱۹۶۲ء میں تدریس کے ساتھ نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی مولانا مرحوم سے متعلق ہوگئی جسے ۱۹۷۳ء تک بالغ نظری وتندہی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم کی ہیئت حاکمہ مجلس شوریٰ نے صدارت وتدریس کے عظیم ترین منصب کے لئے آپ کا انتخاب کیا جس پر تادم واپسیں فائز رہے۔

علمی کمال

دارالعلوم کی پچاس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت مولانا نے نحو بلاغت، ادب، منطق، فلسفہ، فقہ، تفسیر، حدیث وغیرہ ہر فن کا کامیاب درس دیا جو علوم متداولہ میں آپ کی دستگاہ اور جامعیت کی زندہ شہادت ہے لیکن اپنے خصوصی استاذ ومربی حضرت شیخ الادبؒ کی طرح آپ کا

پسندیدہ موضوع فقہ اسلامی اور قدیم عربی ادب تھا۔ فقہ حنفی کی بلند پایہ وادق ترین کتاب ہدایہ آخرین کا درس بے تکان دیتے تھے، اور اہم سے اہم پیچیدہ مباحث کی ایسی دلنشیں اور سلجھی تشریح کرتے تھے کہ طلباء کو احساس تک نہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی اہم اور سخت بحث تھی۔ اسی طرح متنبّی، حماسہ اور سبعہ معلقہ کے درس میں تحقیق لغات، حل ترکیب، اشعار کے معیار بلاغت، متعلق شعراء کے ادبی مقام اور ان کے کلام کے معانی ومفہوم پر ایسی جامع اور فاضلانہ تقریر کرتے تھے کہ باصلاحیت طلبہ جھوم اٹھتے تھے ان دونوں فنوں میں مولانا مرحوم کی انفرادیت پورے حلقہ دارالعلوم میں معروف ومسلم تھی جس میں کوئی دوسرا ان کا ہم پایہ وہم پلّہ نہیں تھا۔

حضرت صدر صاحب مغفور علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو تصنیف وتالیف کے بالمقابل افراد سازی اور مردان کار کی ساخت وپرداخت کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے بھرپور تصنیفی صلاحیت رکھنے کے باوجود جس کا اندازہ زمانہ تعلیم کی نوشتہ تقریر ترمذی سے وغیرہ سے ہوتا ہے۔ کتابوں کی تالیف اور شرح وحواشی کی تحریر کے بجائے آپنے شاگردوں کی علمی تہذیب وتربیت اور ان کو اخلاق وکردار سے آراستہ وپیراستہ کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے آپ کی اس جہد مسلسل کا نتیجہ ہے کہ آپ کے چراغ علم وحکمت سے علم وآگہی کی ہزاروں شمعیں روشن ہوگئیں جن کی ضیاپاش کرنوں سے آج دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے۔

عادات وخصائل

حق گوئی وطریقہ حق پر استقامت میں مولانا مرحوم پختہ کردار کے مالک تھے نفع ونمود کے جذبہ سے بلند ہوکر ہمیشہ سچی بات کہنے کے عادی تھے۔ آپ کا دینی مزاج بزرگان سلف کی طرح ع

زمانہ باتو نہ ساز د با زمانہ ستیز

کا حامل تھا، رائے میں پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم ہی مرعوب ہوتے تھے۔ مزاج اصول پسند تھا اس لئے بے اصولی بے حد ناگوار تھی اپنے کام میں بڑے چست اور چاق وچوبند رہتے اور دوسروں سے بھی اس کی توقع رکھتے تھے۔ سخت گیر تھے مگر سخت دل نہیں تھے، چھوٹے بچوں کے

ساتھ بڑی شفقت ومحبت اور پیار ودلار کا معاملہ کرتے وقار وسنجیدگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، شدید غصہ اور ناراضگی کے وقت بھی رکیک الفاظ زبان پر نہیں لاتے، قہقہہ مار کر ہنسنے کے بجائے زیرلب مسکرا دینے کی عادت تھی طبیعت میں نفاست اور پاکیزگی تھی، کپڑے ہمیشہ صاف ستھرے اور عمدہ استعمال کرتے تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے اوران کے تلقین کردہ اوراد ووظائف کے بڑے پابند تھے۔ آخر شب میں اٹھ جانے کا معمول تھا جس میں تخلف نہیں ہوتا تھا۔ رمضان المبارک میں ساری رات جاگنے کا اہتمام کرتے تھے۔

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں جانے والے میں

یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا مرحوم اپنے فضل وکمال اور وسیع تر علمی ودینی خدمات کے پیش نظر جس قدر دانی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ نہ ہوسکی دعا ہے کہ خدائے رحیم وکریم سے انھیں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ اپنی خصوصی رضوان ورحمت سے ہم کنار کرے اور زلات وتقصیرات کو حسنات میں تبدیل فرمادے، دارالعلوم اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم مٹ گئے ہو!
تم ساتھ تھے، تم ساتھ ہو، تم ساتھ رہو گے

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۱ء)

عارف باللہ

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھیؒ

(ولادت:۱۸۹۸ء، وفات:۱۹۹۱ء)

سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ اور عالم حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھیؒ گذشتہ ۱۲را کتوبر ۱۹۹۱ءکو اپنے مستقر الہ آباد میں رحلت فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ حضرت شاہ بدر عالم صاحبؒ الہ آبادی کے مجاز تھے۔عوام کے علاوہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے بے شمار افراد آپ سے متعلق تھے۔آپ کے ذریعہ علاقہ میں بے مثال روحانی فیض جاری تھا۔جب تک آپ سفر کے قابل رہے گاؤں میں تشریف لے جاتے اور ایسے دل نشیں انداز میں تقریر فرماتے کہ سننے والوں کے دل یادِ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے۔آپ ایک اہل دل شاعر بھی تھے آپ کی نظمیں خاص کر حمد اور نعت کے اشعار نہایت لطیف، فصاحت و بلاغت سے پر اور محبت و وارفتگی میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے مہمان نوازی اور فیاضی آپ کا خاص امتیاز تھا۔کسی بھی ملنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے۔ایک مرتبہ احقر بالقصد حضرت موصوف کی زیارت کے لئے الہ آباد حاضر ہوا تو نہایت شفقت اوا کرام کا معاملہ فرمایا اور چلتے وقت بطور تبرک مٹھائی مرحمت فرمائی۔حضرت موصوف کی وہ دل نواز شفقت برابر یاد رہے گی۔آپ کی نظمیں، تقریریں اور ملفوظات متعدد قسطوں میں طبع ہو چکے ہیں جن سے شائقین مستفیض ہوتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور انکے فیض کو جاری وساری رکھے آمین۔حضرت مولانا کے وصال کی اطلاع ملتے ہی جامعہ میں ایصال ثواب کرایا گیا۔اور ۱۵را کتوبر کو بعد نماز عشاء ایک تعزیتی جلسے میں بھی حضرت مولانا مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۱ء)

❍❖❍

حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ

جامعہ مظاہر علوم جدید سہارن پور کے ناظم اعلی حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ گذشتہ ۱۲/ جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۰/ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعہ اپنے وطنِ مالوف رائے پور میں طویل علالت کے بعد وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف علمی اور فقہی گیرائی کے ساتھ اعلی انتظامی صلاحیت کے مالک تھے، مظاہر علوم کی نشأۃ ثانیہ میں آپ کی بے لوث قربانیوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں آپ جامعہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کے منتظم اعلی بھی تھے، اس مدرسہ نے آپ کی سرپرستی میں بے مثال ترقی کے منازل طے کئے، ساتھ ساتھ آپ نے ہماچل پردیش کے دور دراز پہاڑی علاقوں میں دینی مکاتب کا نظام بھی قائم کیا تھا جو ابھی تک خیر وخوبی کے ساتھ چل رہا ہے، آپ ایک طویل مدت تک سخت ترین سحر میں مبتلا رہے، لیکن تمام تکلیفوں کو نہایت صبر کے ساتھ انگیز کرتے رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے، اور آپ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، اور آپ کے مشن کو جاری رکھے، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۱۹۹۲ء مع اضافہ)

رفتـــــــــگاں

۱۹۹۲ء

- حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ
- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
- حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ
- حضرت مولانا محمد مسعود شمیم صاحبؒ (مکہ معظمہ)
- مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ

حضرت مولانا محمد حسین بہاری

اُستاذ حدیث دار العلوم دیوبند

۶/رجب المرجب ۱۴۱۲ھ کو ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے قدیم ترین استاذ، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرمائے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا حادثہ وفات نہ صرف دار العلوم دیوبند بلکہ سبھی دینی اور تعلیمی حلقوں کے لئے بڑا نقصان ہے۔ مولانا مرحوم اپنی بعض امتیازی خصوصیات کی بنا پر حلقۂ دیوبند میں نہایت عظمت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ بڑے چھوٹوں سے یکساں مشفقانہ انداز، بے تکلفی، خوش مزاجی اور کبھی کبھی محبت آمیز غصہ کا اظہار جیسی منفرد خوبیاں اب شاید اس طور پر دیکھنے کو نہ مل سکیں گی۔

آپ ۱۳۳۱ھ میں اپنے آبائی وطن مہوا ضلع سیتا مڑھی بہار میں پیدا ہوئے، والد صاحب کا نام شیخ فرمان تھا۔ ابتدائی تعلیم دار العلوم ڈھاکہ مشرقی چمپارن میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ الشرع سنبھل میں تین سال بغرض تعلیم قیام رہا، جہاں حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب نجیب آبادیؒ اور حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر دار العلوم مئو اعظم گڑھ تشریف لے گئے، وہاں مختصر المعانی تک تعلیم حاصل کی۔ اس دوران حضرت امیر الہند مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے بھی کسب فیض کیا۔ بعد ازاں ایک سال کے لئے مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے اور اس وقت کے علماء مظاہر علوم سے استفاد کیا۔ بالآخر ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ایک سال منطق وفلسفہ کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں اور اگلے سال دورہ حدیث شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ دار العلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام

حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ الادبؒ، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا غلام رسول خاں صاحبؒ، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۴۷ھ میں فراغت کے بعد آپ دالعلوم شاہ بہلول سہارنپور میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے۔ دوسال وہاں قیام رہا۔اس کے بعد راندیر چلے گئے۔ تین سال تک وہاں اپنے علوم سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرکے آپ تقریباً ۱۳۵۴ھ میں دالعلوم صدیقیہ دہلی میں اعلیٰ تدریس کے لئے مقرر کئے گئے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں یہ مدرسہ ختم ہوگیا جس کی بنا پر ۱۳۶۷ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حکم پر آپ دالعلوم دیوبند تشریف لے آئے اور ۴۵ سال تک مسلسل مادر علمی کی خدمت انجام دیتے رہے اس طویل عرصہ میں آپ نے ابتدائی کتابوں سے لیکر دورۂ حدیث شریف کی اعلیٰ کتابوں: ابوداؤدشریف، مؤطا امام مالکؒ اور مؤطا امام محمد کا درس دیا۔

قابلِ تقلید معمولات

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ واقعۃً پرانے لوگوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے، مزاج میں سادگی اور کسرنفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی آپ کو دیکھ کر کوئی یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شخص اتنے بڑے منصب پر فائز ہے۔ تصنع اور بناوٹ سے گویا آپ کو طبعی نفرت تھی، قیام، طعام، لباس گفتگو ہر چیز میں سادگی پسند فرماتے تھے، ہر شخص کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آتے۔ اپنے سے مانوس طلبہ سے نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے۔ اخیر عمر میں آپ چھڑی کا سہارا لیتے تھے جو اس معنی کر پورے دارالعلوم میں مشہور تھی کہ وہ اپنی ضرب کا نشانہ بنانے میں کسی بڑے چھوٹے کا لحاظ نہیں کرتی۔ اور چونکہ دارلعلوم کے بڑے اساتذہ بھی حضرت مولاناؒ کے شاگرد ہیں اس لئے وہ ان کی چھڑی کے ذریعہ مشفقانہ تنبیہ کو نہ صرف بدل وجان سہتے تھے بلکہ اسے اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

شب بیداری اور سحر خیزی کے علاوہ حضرت مولاناؒ خاص کر دو چیزوں کا انتہائی اہتمام

فرماتے تھے جن میں کسی حالت میں تخلف نہیں ہوتا تھا اول مسجد میں نماز باجماعت کی پابندی، خواہ کیسی بارش ہو، سردی ہو یا گرمی کی انتہا ہو۔ جب تک آپ میں طاقت تھی، اپنے کمرے سے جو مسجد سے خاصا دور بالائی منزل پر واقع ہے، پابندی کے ساتھ ہر نماز میں مسجد تشریف لے جاتے اور مسجد کی نچلی منزل میں عموماً پہلی صف میں نماز ادا فرماتے۔ اور دوسری چیز اسباق میں پابندی۔ شاید ہی سال میں ایک دو سبق کا ناغہ ہوتا ہو وہ بھی کسی عذر کی وجہ سے، ورنہ عموماً وقت ہوتے ہی درسگاہ تشریف لے جاتے اور پورا گھنٹہ ہونے کے بعد واپس تشریف لاتے۔ احقر کو حضرت مولانا سے ہدایہ جلد رابع اور ابوداؤد شریف مکمل پڑھنے کی سعادت میسر آئی اس دوران حضرت نے جس شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا اس کا شکر ادا کرنے سے احقر قاصر ہے۔

آپ کی وفات سے دارالعلوم میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہ ہو سکے گا۔ آپکی باتیں اور مخصوص ادائیں اور چٹکلے عرصہ تک مجلسوں کا موضوع بنے رہیں گے۔ اور عالم کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے آپ کے بے شمار شاگرد آپ کی یاد میں کافی دنوں تک اپنی نظروں میں آپ کا تصور جمائے رہیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۱۹۹۲ء)

اَمیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ

رسالہ تیاری کے مراحل میں تھا کہ اخبار کے ذریعہ یہ دل خراش اطلاع ملی کہ عالم اسلام کے عظیم محدث امیر الاہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ اپنے آبائی وطن مئوناتھ بھنجن میں رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات سے عالم اسلام ایک محدث اعظم، بلند پایہ مدرس، صاحب طرز مصنف، اور ادیب، محشی اور اعلیٰ درجہ کے رہنما سے محروم ہوگیا، آج دار العلوم دیوبند اگر اپنے سچے سپوت کی جدائی پر غمگین ہے تو جمعیۃ علماء ہند اپنے ایک جاں نثار اور فدائی کی جدائی پر نوحہ کناں ہے۔ آج امارتِ شرعیہ ہند ہی اکیلی بے سہارا نہیں ہوئی؛ بلکہ عالم اسلام کی دینی سیادت کو آپ کی وفات سے نا قابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

حضرت امیر الہندؒ کی زندگی اولوا العزمی کی شاندار مثال، حق نوازی اور خودداری کی نشانی اور خدمت قوم ووطن کا خوشنما عنوان تھی۔ آپ نے اپنی ۹۳ رسالہ زندگی میں علم دین اور خاص طور پر فن حدیث کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں جو بے مثال کارنامے انجام دیئے ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ انھیں کارناموں کی بدولت آپ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم میں فنی حیثیت سے حدیث کے امام سمجھے جاتے تھے۔ حدیث کی نایاب کتابوں مصنف عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد والرقاق، سنن سعید بن منصور، سنن عبد بن حمید وغیرہ کی تصحیح وتعلیق کر کے آپ نے انھیں قابل اشاعت بنایا۔ اور رہتی دنیا تک کے لئے تشنگان علوم نبوت کی سیرابی کا سامان مہیا فرمادیا ہے۔ جب تک یہ کتابیں عالم وجود میں رہیں گی آپ کا نام روشن رہے گا، اور آپ کے لئے خیر کی دعائیں ہوتی رہیں گی۔ حضرت امیر الہند کا سانحۂ ارتحال صرف آپ کے حقیقی اخلاف اور اعزاء واقارب ہی کیلئے نہیں امت کے ہر ہر فرد کے لئے انتہائی رنج وکلفت کا باعث ہے اور ہر آدمی تعزیت کا مستحق ہے۔ ادارہ ندائے شاہی امت کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ (ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۲ء)

اَمیر الہند محدث کبیر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ

شخصیت اور کارنامے

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن بن مولانا محمد صابر بن عنایت اللہ صاحب، محلّہ پٹھان ٹولہ مئوناتھ بھنجن میں ۱۳۱۹ء، ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام اختر ہے۔ آپ کے والد محمد صابر صاحب متوفی ۱۳۶۵ھ حضرت تھانویؒ کے مرید، انتہائی متشرع، متقی، زاہد و عابد، تہجد گزار، خوش اخلاق، مہمان نواز، بےنفس اور قرآن کی بہت تلاوت کرنے والے تھے۔ تقریباً ۲۶؍سال مسجدِ محلّہ میں لوجہ اللہ ایک کثیر جماعت کو دینیات کی تعلیم دی۔ اس مذہبی گھرانے میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے تعلیم و تربیت پائی۔ اور ۴۶؍سال تک والد محترم کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھے۔ ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی۔ خاص کر حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد خاص مولانا عبد الغفار بن عبد اللہ مئوی متوفی ۱۳۴۱ھ سے دیگر کتابوں کے ساتھ ادب کی ساری کتابیں پڑھیں، آخر میں ترمذی شریف بھی ان سے پڑھی، وہ جہاں جاتے آپ بھی وہاں پہنچ جاتے وہ تدریس کے لیے گورکھپور اور پھر وہاں سے بنارس گئے تو آپ بھی ساتھ ساتھ رہے اور ان سے خوب علمی استفادہ کیا۔ مظہر العلوم ہی سے آپ نے ۱۹۱۸ء ''ملاّ'' کا اور مارچ ۱۹۱۹ء میں ''ملاّ فاضل'' کا امتحان دے کر اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ آپ نے پہلی بار شوال ۱۳۳۷ھ جولائی

۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ امتحان داخلہ میں اعلی اور امتیازی نمبر ملا۔ مہتمم صاحب کو کچھ شک ہوا۔ دوبارہ حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب متوفی ۱۳۷۴ھ نے دیوانِ متنبّی اور حماسہ میں سخت امتحان لیا تو پہلے سے بھی زیادہ نمبر دے دئے۔ دیوبند میں مولانا نبیہ حسن صاحب سے علم ہیئت، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سے جلالین اور مولانا رسول خاں صاحب سے بیضاوی پڑھی، تعلیمی مشغلہ میں ہمہ تن مشغول ہی تھے کہ مدرسہ میں فصلی بیماری پھوٹ پڑی آپ بھی سخت بیمار ہوکر اواخر صفر میں گھر چلے آئے۔ تعلیمی سلسلہ موقوف ہوگیا تو جمادی الاولی ۱۳۳۸ھ فروری ۱۹۲۰ء میں مظہر العلوم بنارس میں بمشاہرہ ۱۵/روپیہ مدرسی شروع کردی جس کا سلسلہ غالبًا ڈھائی برس رہا۔ پھر دوبارہ شوال ۱۳۳۹ھ جون ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم دیوبند جاکر دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ سے ترمذی شریف پڑھی اور ان سے زیادہ استفادہ کیا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ متوفی ۱۹۶۹ء سے مسلم شریف اور میاں اصغر حسین صاحب سے ابوداؤد شریف پڑھی۔

۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء کا زمانہ بہت ہنگامہ خیز تھا۔ ترک موالات کی تحریک شدت پکڑ چکی تھی، بدیشی کپڑے جگہ جگہ جلائے جارہے تھے۔ دیوبند سے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ ۱۵/محرم الحرام ۱۳۴۰ھ ۱۸/ستمبر ۱۹۲۱ء کو آپ کے سامنے کراچی جیل بھیج دئے گئے۔ ان حالات میں آپ کے والد محترم سخت پریشان تھے، ادھر آپ دیوبند میں بیمار بھی پڑ گئے اس لیے والد صاحب کے حکم سے مہتمم صاحب سے رخصت لے کر ربیع الاول ۱۳۴۰ھ میں گھر چلے آئے اور صحت یابی کے بعد دارالعلوم مئو میں دورے کی کتابوں کی تکمیل کی۔ دارالعلوم مئو میں مولانا کریم بخش صاحب سنبھلیؒ سے بخاری وترمذی پڑھ کر شعبان ۱۳۴۰ھ اپریل ۱۹۲۲ء میں فارغ ہوئے۔ معقولات میں صدرا، شمس بازغہ، حمد اللہ وقاضی وغیرہ بھی مولانا سنبھلیؒ صدر المدرسین مئو ہی سے پڑھیں۔ ترمذی شریف میں آپ کے تین استاذ ہیں، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا سنبھلیؒ اور مولانا عبد الغفار مئوی۔ مولانا سنبھلیؒ، مولانا مئوی اور مولانا عبد الرحمٰن بھوپالیؒ سے آپ کو اجازت ملی۔

فراغت کے بعد ہی شوال ۱۳۴۰ھ میں آپ درالعلوم مئو میں درجہ علیا کے مدرس منتخب ہو گئے۔ پھر ۱۳۴۳ھ میں مظہر العلوم بنارس کے صدر المدرسین کے منصب پر فائز ہوئے ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء میں مولانا ابوالحسن مئوی متوفی ۱۳۶۱ھ ناظم مدرسہ نے مفتاح العلوم مئو میں باصرار خدمت تدریس پر آپ کو بٹھادیا۔ یہیں سے مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور بہت جلد وہ ایک جامعہ بن کر اطراف عالم میں مشہور ہوا۔ آپ اس کے کبھی مہتمم، کبھی صدر المدرسین اور کبھی شیخ الجامعہ رہے اور ۱۳۶۹ھ تک مسلسل قال اللہ وقال الرسول کی زمزمہ سنجی فرماتے رہے، خاص طور سے بخاری وترمذی آپ کے زیر درس رہیں؛ لیکن تصنیفی وتالیفی مصروفیات کی وجہ سے ۱۳۶۹ھ میں آپ مفتاح العلوم سے مستعفی ہو گئے۔

جواہر لال کے اصرار پر ۱۹۵۲ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے آپ اپنے حلقۂ انتخاب میں ایک منٹ کے لئے کہیں نہیں گئے لیکن بہت بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ ۱۹۵۷ء تک اسمبلی کے ممبر رہے۔ اس دوران مولانا علی میاں کے اصرار پر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اعزازی طور پر بخاری شریف پڑھانے لگے۔ کچھ دنوں دارالمبلغین میں بھی درس دیا۔ اسمبلی کی ممبری ختم ہوتے ہی گھر پر تصنیفی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ جنوری ۱۹۷۳ء کو جب آپ کے رفیق خاص مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی مہتمم وصدر المدرسین جامعہ مفتاح العلوم مئو رحلت فرما گئے تو مدرسہ کے ارباب حل وعقد نے پھر آپ کو مفتاح العلوم کا مہتمم اور شیخ الجامعہ بنادیا۔ چند سال تک جامعہ کی تعلیمی وتنظیمی خدمت انجام دیں پھر بعض وجوہ کی بنا پر اس سے الگ ہو گئے۔ آپ ۱۹۵۳ء سے جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے رکن اور مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے بھی تاحیات رکن رکین رہے۔ بسا اوقات آپ ہی کے زیر صدارت مجلس شوریٰ منعقد ہوتی اور آپ کی رائے وقیع سمجھی جاتی۔ ۱۹۴۵ء میں جب آپ جامعہ مفتاح العلوم میں صدر المدرسین تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، وحضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند آپ کے پاس مئو تشریف لائے اور دارالعلوم کے لئے

صدارت افتاء کا منصب پیش کیا مگر اہل مئو راضی نہیں ہوئے کہ آپ مفتاح العلوم چھوڑ دیں۔ پھر چند سال کے بعد دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس کا عہدہ پیش کیا گیا۔ مگر آپ نے عذر معقول پیش کر دیا۔

۲۸ر صفر ۱۴۰۷ھ ۲ نومبر ۱۹۸۶ء کو نئی دہلی میں کل ہند اجتماع کے اندر امارتِ شرعیہ کے لئے بالاتفاق آپ ہی امیر شریعت اور امیر الہند منتخب ہوئے اور اس کی ذمہ داریوں کو آخر تک بحسن وخوبی نبھایا۔ جمعیۃ علماء ہند کو بھی اپنے مشوروں سے نوازتے اور اس کی کانفرنس اور جلسوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔

آپ ایک عظیم مناظر بھی تھے، رضا خانی اور غیر مقلدین علماء سے بارہا مناظرے کو نوبت آئی اور آپ ہی فاتح وکامیاب ہوئے۔ ادری ضلع مئو میں ۲۴/۲۵/۲۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ ۱۵/۱۶/۱۷ر اکتوبر ۱۹۳۳ء مولوی حشمت علی، مولوی نعیم الدین سے مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا منظور نعمانی ومولانا عبداللطیف صاحبان کا مشہور مناظرہ ہوا۔ رضا خانی علماء شکست کھا کر چھپ کے بھاگ نکلے۔ آپ کا حافظہ بہت قوی اور کتابیں از بر تھیں، کتب بینی محبوب مشغلہ تھا۔ جس شہر میں جاتے وہاں کے کتب خانوں سے خوب خوب استفادہ کرتے۔ استحضار کا یہ عالم تھا کہ عرصہ کی دیکھی ہوئی کتابوں کا حوالہ بقید صفحات وسطور پیش کر دیا کرتے۔

آپ ایک جلیل القدر مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مناظر، مبلغ، واعظ، خطیب ادیب، شاعر، مورخ، محقق، مدرس، مؤلف ومصنف اور اسماء الرجال کے زبردست عالم تھے، تدریس کے ساتھ ساتھ اور اس کو موقوف کر کے تصنیف وتالیف میں برابر مشغول رہے آپ کو تصنیفی خدمات پر حکومت ہند نے ایوارڈ اور اعزازی انعام بھی دیا۔ آپ کے بہت سے مسودات کہنگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے طبع نہ ہو سکے اور بھی بہت سے مسودات غیر مطبوعہ محفوظ ہیں، بہت سی کتابوں پر آپ کی لائق تحسین تحقیقات، تنقیحات، تعلیقات اور تعقبات ہیں جو ملک وبیرون ملک اور عالم اسلام میں طبع ہو چکی ہیں؛ کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) انتقاء الترہیب والترغیب لابن حجر، مطبوعہ مالیگاؤں ۱۳۸۰ھ (۲) مسند حمیدی ۲ر جلدیں مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۸۲ھ (۳) کتاب الزہد والرقائق لابن مبارک مطبوعہ مالیگاؤں ۱۳۸۵ھ (۴) سنن سعید بن منصور ۲ر جلدیں مطبوعہ مالیگاؤں ۱۳۸۸ھ (۵) المطالب العالیہ بزوائد المثانیہ ابن حجر ۴ جلدیں، ناشر وزارت اوقاف کویت ۱۳۹۰ھ (۶) تلخیص خواتم جامع الاصول محدث محمد طاہر پٹنی مطبوعہ مالیگاؤں (۷) مصنف عبدالرزاق ۱۱ر جلدیں مطبوعہ بیروت ۱۳۹۰ھ (۸) مجمع بحار الانوار محدث محمد طاہر پٹنی مطبوعہ ۱۳۹۵ھ (۹) کشف الاستار عن زوائد مسند بزار ہیثمی ۴ جلدیں مطبوعہ دمشق ۱۳۹۹ھ (۱۰) مصنف ابن ابی شیبہ ۴ جلدیں مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۴۰۳ھ (۱۱) تحقیق حیاۃ الصحابہ (۱۲) کتاب الثقات لابن شاہین غیر مطبوعہ (۱۳) فتح المغیث للسخاوی۔

تالیفات عرب

(۱۴) الحاوی لرجال الطحاوی غیر مطبوعہ (۱۵) الاتحاف السنیہ بذکر محدثی حنفیہ غیر مطبوعہ۔

مطبوعہ کتب اُردو

(۱۶) نصرت الحدیث (۱۷) اعیان الحجاج ۲ر جلدیں (۱۸) رکعات تراویح (۱۹) رکعات تراویح، مذیل بردانوار المصابیح (۲۰) شارع حقیقی (۲۱) احکام النذر للاولیاء اللہ وتفسیر مااہل بغیر اللہ (۲۲) الاعلام المرفوعہ فی حکم طلقات المجموعہ (۲۳) الازہار المربوعہ فی رد آثار المتبوعہ ۲ر جلدیں (۲۴) تحقیق اہل حدیث (۲۵) دفع المجادلہ عن آیۃ المبادلۃ (۲۶) ارشاد الثقلین فی جواب اتحاد المرفقین (۲۷) التنقید السعید علی التفسیر الجدید (۲۸) ابطال عزاداری (۲۹) تعزیہ داری سنی نقطۂ نظر سے (۳۰) رہبر حجاج ودلیل الحجاج (۳۱) رد تحقیق الکلام (۳۲) اہل دل کی آوایز باتیں ۲ر جزء (۳۳) دست کار اہل شرف۔

آپ کے تعقبات محدث کبیر علامہ احمد محمد شاکر مصری کی شرح مسند امام احمد پر بھی ہیں جن کو شارح نے اپنی پندرہویں جلد میں انتہائی تشکر کے ساتھ شائع کیا، اور اپنی تحریر میں

اعتراف کیا ہے کہ آپ اس زمانہ کے اعظم علماء میں سے ہیں اور میں پر امید ہوں کہ اپنی عمدہ تحقیق سے آئندہ مجھے محروم نہ کریں گے، اسی طرح استدراک حافظ قاسم بن قطلو بغا علی الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ پر جو آپ کی گرفت ہے اس کو علامہ محمد زاہد کوثری نے منیہ کے مقدمہ کے ساتھ طبع کرایا، اور آپ کا ذکر ''علامہ نحریر جہبذ خبیر'' جیسے الفاظ سے کیا ہے۔

حج وزیارت

۱۹۵۰ء میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، پھر بارہا اس سعادت سے شرف یاب ہوئے، اپنی کتاب کی طباعت ونگرانی کے لئے بیروت وحلب کا سفر کیا تو ان سفروں میں بھی حج وزیارت کی دولت نصیب ہوئی، اور دمشق، صیدا، بعلبک، لاذقیہ اور بعض بلاد شام کی بھی سیر کی، بحرین کا بھی سفر کیا، یہ سب اسفار علمی افادہ واستفادہ سے بھر پور رہے۔

حدیث کی اجازت وسند لینے والے

بلادِ عرب وغیرہ کے بعض اُن علماء کرام کے نام جنہوں نے آپ سے حدیث کی اجازت حاصل کی ہے:

(۱) شیخ ابوالفتاح ابوغدہ شامی (۲) شیخ عبد الحلیم محمود شیخ ازہر (۳) شیخ اسماعیل الانصاری دارالافتاء ریاض (۴) شیخ حماد انصاری جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (۵) شیخ سعدی ہاشمی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (٦) شیخ عبد العزیز ابوعیون السود حمص (۷) سید صبحی السامرائی بغداد (۸) شیخ حمدی عبد المجید بغداد (۹) استاذ زہیر الشارلین بیروت (۱۰) استاد عبد الستار ابوعذہ کویت (۱۱) شیخ محمد علوی مالکی مکہ مکرمہ (۱۲) شیخ محمد عوامہ مدینہ منورہ (۱۳) شیخ نور الدین عطر دمشق (۱۴) ڈاکٹر عبد اللہ الجبوری ریاض (۱۵) ڈاکٹر عواد معروف بغداد (١٦) شیخ لہجۃ البیطار (۱۷) شیخ عبداللہ سراج حلبی (۱۸) شیخ عبد العزیز بن باز (۱۹) شیخ الحرم محمد امین کبتی مکی (۲۰) شیخ محمد مغربی مکی (۲۱) شیخ عبد الرحمٰن یمانی مدیر مکتبہ حرم (۲۲) علامہ خیر الدین زرکلی (۲۳) استاذ

سعید افغانی (۲۴) شیخ ناصر الدین البانی (۲۵) شیخ محمد علی حرکان قاضی جدہ (۲۶) ابو الیسر عابدین دمشق (۲۷) شیخ امین حسین مفتی فلسطین (۲۸) شیخ حسن خالد مفتی لبنان اور بھی دیگر بہت سے حضرات ہیں۔

اُستاذی مولانا عبدالستار صاحب معروفی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ نے فرمایا کہ جتنا زیادہ فائدۂ حدیث مجھے حضرت مولانا اعظمی کی کتابوں سے پہنچا، اتنا کسی سے نہیں پہنچا۔

میرا تعلق ورشتہ

۱۳۶۴ھ میں راقم الحروف نے ایک سال مفتاح العلوم مئو میں عربی سال دوم کی کتابیں پڑھیں۔ اس وقت حضرت مولانا وہاں صدر المدرسین کے منصب پر فائز تھے یہیں سے حضرت کی صحبت وقرب میسر ہوا، نیز مولانا کی بڑی صاحبزادی کیاری ٹولہ میں میرے پھوپھی زاد بھائی حاجی محمد فاروق سے منسوب تھیں۔ انھیں کے گھر میرا زیادہ قیام رہتا تھا۔ اس نسبت سے بھی میں مولانا کے دولت خانہ پر آتا جاتا رہا اور کوشش یہ کرتا رہا کہ زیادہ وقت حضرت کی صحبت میں گزاروں۔ اسی وقت سے حضرت کی نظرِ شفقت میرے اوپر ہوئی جو تا آخر ۲۸ ر برس تک قائم رہی مجھے اردو تحریر کا قدرے شعور جو ہوا وہ مولانا کی توجہ کا ہی ثمرہ ہے۔ ۱۳۸۷ھ میں جب میں ''حیات طاہر'' مرتب کر رہا تھا تو حضرت مولانا سے استفادہ کی ضرورت محسوس کی۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کام کے لئے تم جب بھی آؤ میں اپنا کام چھوڑ کر تمھارا کام کردوں گا۔ چنانچہ جب جب میں حاضر خدمت ہوا، مولانا نے اپنا تالیفی کام چھوڑ کر میری رہنمائی کی۔ اس سے میرے حوصلے کو بہت تقویت ملی۔

''حیات طاہر'' کے اوپر ۲۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ کو پر مغز پیش لفظ بھی تحریر فرمایا جس کے اخیر میں لکھا کہ :

''مولانا محمد عثمان صاحب نے تمام ممکن ذرائع سے کام لے کر یہ خدمت حسن وخوبی سے انجام دی۔ مولانا کا یہ تذکرہ ''حیاتِ طاہر'' آپ کے ہاتھوں میں پہونچ رہا ہے، مولانا

محمد عثمان صاحب معروفی اور ان کے رفقاء مستحق مبارکباد ہیں کہ ان کی توجہ اور محنت سے مولانا مرحوم کے حالات وواقعات کی یاد تازہ ہوگئی اور ضلع کی علمی تاریخ کا ایک باب ضائع ہونے سے محفوظ ہوگیا۔

اسی طرح میری دوسری کتاب ایک ''عالمی تاریخ'' پر ۲۴؍شوال ۱۳۹۴ھ کو یہ تاثر تحریر فرمایا۔

''مولوی محمد عثمان صاحب معروفی کی کتاب ایک ''عالمی تاریخ'' کی حیثیت ایک کشکول کی ہے، وہ مختلف مفید معلومات کا ایک مجموعہ ہے، جس کو یکجا کرنے میں مؤلف نے خاصی محنت کی ہے۔ قدردانی اور حوصلہ افزائی کے طور پر یہ سطریں تحریر کررہا ہوں''۔

۱۴۰۴ھ میں ''تذکرہ مشاہیر'' کو پانچ پر تحریر فرمایا:

> ''یہ مولوی محمد عثمان معروفی کی ایک نئی تالیف ہے میں نے اس کو کہیں کہیں سے پڑھا۔ ماشاء اللہ مؤلف نے مشاہیر کے حالات جمع کرنے اور معلومات فراہم کرنے میں اچھی خاصی محنت کی ہے یہ ان کا پہلا کارنامہ نہیں ہے اس سے پہلے بھی وہ اس قسم کا کام کرچکے ہیں۔ ان کی کتاب ''حیات طاہر'' جن لوگوں نے دیکھی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ کتنی بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں''۔

جب میں نے ۱۴۰۷ھ میں تاریخ گوئی کے اصول وضوابط پر ''محاسن التواریخ'' نامی کتاب مرتب کی اور اس پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی تو فرمایا ''تم مصنف ہوچکے ہو اب تقریظ لکھوانے کی ضرورت نہیں''۔

آہ! اب ہم حضرت مولانا کی ایسی حوصلہ افزائیوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے مولانا گاہے گاہے اپنے یہاں احقر کو طلب بھی فرمالیا کرتے تھے۔ ۱۳۸۹ھ میں بلاکر اپنی تالیف ''اعیان انحجاج کی کتابت میرے سپرد کردی جس کی کتابت میں نے بہت اہتمام سے کی۔ غالباً ۱۳۰۳ھ میں میری تالیف ''مشاہیر پورہ معروف'' منگوا کر کہیں باہر روانہ فرمائی۔ اب مولانا مرحوم ہم سب کو داغ مفارقت دے کر ۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ۔ ۱۷؍مارچ ۱۹۹۲ء بروز شنبہ

اپنے قائم کردہ محبوب ادارہ مرقاۃ العلوم مئو کے صحن میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہو گئے، احقر نے آپ سے متعلق مختلف طریقوں سے پچاس عدد تاریخ حلت برآمد کی ہے جو دوسرے مقام پر طبع ہوگی۔

اختر حسن سے ولادت، محامد سے مدت عمر، ظفر پیکر سے تاریخ رحلت برآمد کرلیں۔

۱۳۱۹ھ ۹۳ ۱۴۱۲ھ

جنازہ کی نماز آپ کے شاگرد رشید استاذی مولانا عبد الجبار صاحب مئوی شیخ الحدیث بنارس نے ریلوے میدان میں دو لاکھ سے زیادہ روزہ داروں کے مجمع میں پڑھائی۔ احقر باوجود کوشش کے جنازہ کو کاندھا نہ دے سکا جب کہ میرا نوجوان پوتا محمد عمران کاندھا دینے میں کامیاب تو ہو گیا، مگر اس کی ٹوپی گھڑی اور چپل اژدہام کی نذر ہو گئے۔ پھر میں نے ۵؍شوال ۱۴۱۲ھ کو آپ کی نورانی قبر پر جا کر سکون واطمنان سے فاتحہ خوانی کی۔ مولانا مرحوم کے دو صاحبزدے مولانا رشید احمد اور مولانا سعید احمد اور چند صاحبزادیاں آپ کی یادگار ہیں، مریدین اور عملی استفادہ کرنے والی روحانی اولاد ملک اور بیرون ملک میں بیشمار ہیں۔

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۲ء)

حضرت مولانا محمد مسعود شمیم صاحبؒ

ناظم اعلیٰ مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرّمہ

مولانا محمد فرقان محمد نعمان القاسمی مکۃ المکرّمہ

حضرت مولانا مسعود شمیم صاحبؒ گوناگوں خصوصیات کے مالک تھے اور اپنے بزرگوں کے صحیح جانشین اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی امانت تھے، حضرت مرحوم نہایت مجاہد و مشفق و مونس بالخصوص حجاج کرام کے لئے بہت ہمدرد تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم پر اپنی لاکھوں رحمتیں فرمائے اور آغوش رحمت میں جگہ نصیب فرمائے لطف وکرم کا معاملہ فرما کر کروٹ کروٹ چین وسکون عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور اپنی رضا اور محبت سے نوازے۔ آمین۔

حضرت مرحوم کی ولادت ۱۳۴۹ھ کو آبائی وطن قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم قرآن شریف اردو، فارسی اپنے دادا حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہوئی، کچھ عرصہ جامعہ ملیہ دہلی میں تعلیم میں گذرا اور اس کے بعد مکۃ المکرّمہ منتقل ہوگئے۔ تعلیم کی تکمیل اور فراغت مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرّمہ سے ۱۳۷۲ھ میں ہوئی۔

حضرت مرحوم فراغت کے بعد مدرسہ صولتیہ میں ہی درس وتدریس میں مشغول ہوگئے پھر اپنے والد صاحبؒ کے ساتھ دفتری امور میں تعاون اور تعلیمی خدمات میں منہمک ہوگئے۔ اور ۱۳۹۷ھ میں والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحبؒ کی وفات کے بعد مدرسہ کے اہتمام وانتظام کا بارِ عظیم سنبھالتے ہوئے ۲۷؍شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۹۲ء بروز یکشنبہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ پہلی بار مدرسہ صولتیہ کے صحن میں نماز عصر سے قبل ادا کی گئی جس میں اساتذہ اور طلبہ محبین ومخلصین نے کثیر تعداد میں شرکت کی، پھر جنازہ پیدل حرم شریف لے جایا گیا، وہاں عصر کی نماز کے بعد امام کعبہ کی امامت میں عمومی نماز جنازہ ادا ہوئی، پھر جنۃ المعلّٰی میں ابدی آرام گاہ کے لئے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے جوار میں سپرد خاک کردیا گیا۔ جنازہ میں مکۃ المکرّمہ کے علماء، فضلاء، وزراء اور طلبا کی کثیر تعداد نے شرکت کی، حرم شریف سے جنۃ المعلی تک جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی عجیب وغریب کیفیات میں ذکر اور دعاؤں کے ساتھ جنازہ جارہا تھا، ہر کوئی والہانہ اور بے قابو ہوکر جنازہ کو کاندھا دینے کے لئے کوشاں تھا۔

حجاز مقدس کی ایک عظیم مخلص اور بابرکت ہستی ہمیشہ کے لئے ہم سب کو داغِ مفارقت دے کر جدا ہورہی تھی، جس نے اپنے ساتھ بے شمار حسنات اور دعاؤں کا ذخیرہ جمع کرکے اپنی پوری زندگی حرمین شریفین میں مختلف دینی واسلامی خدمات کے ذریعہ پوری کرکے وقت موعود پر مالک حقیقی کی جانب رواں دواں کردی تھی، اور بے شمار محبین وعاشقین آبدیدہ وغم زدہ ہوکر (في روح وريحان وجنة النعيم) جیسی دعاؤں سے رخصت کررہے تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کی وفات پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے اور بیت اللہ الحرام کا روشن چراغ ہمیشہ کے لئے اِن شاءاللہ مع النبيين و الصديقين والشهداء والصالحين کی جماعت میں شامل ہوکر ہزاروں اور لاکھوں افراد کو افسردہ اور غمگین کرگیا۔

مولانا مرحوم نے چار صاحبزادے ماجد سعید، احمد سعید، محمد حلیم، محمد یوسف اور دو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے اور ان کا نعم البدل دنیا وآخرت میں عطا فرمائے۔ (ندائے شاہی جولائی ۱۹۹۲ء)

حافظ امام خاں صاحبؒ

سفیر مدرسہ شاہی مرادآباد

موت برحق ہے؛ البتہ جو اللہ کے نیک بندے دین کی خدمت کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوں ان کی خوش نصیبی ہمارے لئے قابل رشک ہے، ان ہی میں سے ہمارے رفیق محترم جناب حافظ امام خان صاحب مرحوم ہیں جنھوں نے چونتیس سال تک مدرسہ شاہی کی خدمت پوری توجہ اور لگن کے ساتھ انجام دیتے ہوئے گجرات میں ۲۳رمئی ۱۹۹۲ء کو بعد نماز فجر جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مدرسہ شاہی کے لئے سوسال کی عمر میں جوانوں کو تھکا دینے والی ان کی جدو جہد حیرت انگیز تھی، مرحوم کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے شاگرد ہونے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہٗ کے استاذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان جیسے خادم کا مدرسہ شاہی کے لئے ملنا بظاہر دشوار نظر آرہا ہے اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں۔ یہ اندوہناک خبر جیسے مدرسہ شاہی میں پہنچی فوراً ہی قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

(ندائے شاہی مئی ۱۹۹۲ء)

حضرت حافظ امام خاں میواتی صاحبؒ

از: مولانا بشیر احمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ حسینیہ فیض آباد

جون ۱۹۹۲ء کے ندائے شاہی سے محترم بزرگ الحاج حافظ امام خان صاحب میواتی سفیر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھ کر سکتہ میں آگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس عالم فانی سے عالم جاودانی کا سفر سب کے لئے طے شدہ حقیقت ہے جس پر مسلم وغیر مسلم سب کا اعتقاد ہے مگر بعض افراد کی موت اپنے ساتھ کچھ یادیں چھوڑ جاتی ہے۔

مدارس سے وابستگی کے باعث ہندوستان کے بیشتر مدارس کے سفراء سے واقفیت ہے۔ مگر احقر کی محدود معلومات میں دو سفیر ایسے تھے جن کی محنت، دیانت، امانت کا احقر معتقد ہے۔ اس میں اول درجہ مرحوم حافظ امام خاں صاحب، دوسرے علی سردار صاحب سفیر دارالرشاد بنکی، بارہ بنکی جو حضرت مولانا رشید الدینؒ صاحب کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔

۲۵ رسال قبل احقر کی ملاقات حافظ صاحب سے ہوئی، حضرت والد ماجد شیخ محمد رمضانی مرحوم حافظ صاحب کے بڑے ہی قدر دان تھے، ۱۹۷۲ء میں والد صاحب مرض کینسر میں وفات پاگئے، احقر بلرام پور گونڈہ میں رہتا تھا، حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ رمضانی میاں صاحب کا اصرار ہمیشہ ہی رہتا ہے کہ بلرام پور جایئے وہاں میری بیٹی بھی ہے اور احقر کا نام لے کر فرماتے کہ وہ بھی ہے۔

والد صاحب کی وفات کے بعد جب بھی ملاقات ہوئی دیر تک والد صاحب کے حسن اخلاق، مہمان نوازی کا ذکر کرتے اور خوب خوب دعائیں دیتے، احقر ان کی شفقتوں کے باعث

بے تکلف ہوگیا تھا، ملاقات جب ہوتی، مدرسہ شاہی کی خیریت کے بعد حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ سابق شیخ الحدیث کی خیریت اور برادر محترم مولانا رشیدالدینؒ کی خیریت دریافت کرتا، پھر وہ بھائی جی کی مہمان نوازی اور ان کے دور میں جو ترقیات ہوئیں ان کا تفصیلی تذکرہ فرماتے اور اصرار فرماتے، آپ اب آکر شاہی کو دیکھئے، اس کا پھاٹک دیکھئے، جدید دارالطلبہ اور مہمان خانہ، کتب خانہ، کتنا شاندار بنا ہے، آیئے دیکھئے، انداز بیاں بہت ہی دلچسپ ہوتا تھا۔

احقر نے راقم الحروف حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح میں پڑھا تھا کہ حافظ امام خاں صاحب میواتی سے حفظ پڑھا ہے، میں نے اس کی تصدیق چاہی اور اس دور کے احوال دریافت کئے تو فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ الیاس صاحبؒ کا ابتدائی دور جو بنگلہ والی مسجد میں گذرا، بہت تنگدستی کا تھا، مولانا یوسف صاحبؒ اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ اسی زمانہ میں پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ حضرت مولانا نظام الدین اولیاءؒ کے عرس میں تقریر فرمانے گئے۔ حضرت کو خبر ہوئی تو بہت بے چین ہوگئے اور محلّہ کوچہ چیلان دہلی آدمی بھیجا کہ میں ملنا چاہتا ہوں مولانا احمد سعید صاحب نے جواب کہلا دیا کہ آپ تشریف نہ لائیں میں خود حاضر ہوں گا۔

اس خبر سے مولانا کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا کہ دہلی کے ایک بڑے عالم آرہے ہیں ان کا اکرام کس طرح کروں اور کس طور پر ان سے گفتگو کروں، تم لوگ دعا کرو۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ صبح ہی مسجد بنگلہ والی میں تشریف لے آئے۔ اس وقت مولانا کے پاس پیسہ نہیں تھا تو ہم لوگوں سے جو طالب علم تھے، فرمایا کہ کچھ آنہ دو آنہ ہیں۔ جس کے پاس جو تھا دیا تو دو آنہ پیسے جمع ہوئے، مجھے فرمایا کہ جا کر تازی جلیبی لے آؤ، دو آنہ کی پاؤ بھر گھی کی جلیبی لے کر آیا۔ حضرت مولانا شاہ الیاسؒ نے مولانا دہلوی سے کہا کہ حضرت ایک بڑی الجھن پیش آگئی آپ دور فرمادیں۔ یہاں حضرت سلطان جی کے یہاں عرس ہوتا ہے ہم لوگ شریک نہیں ہوتے اور دوسروں کو روکتے ہیں، معلوم ہوا کہ حضرت نے اس عرس کے موقعہ پر تقریر فرمائی۔ اتنا سننا تھا کہ مولانا احمد سعید صاحبؒ نے اپنے کان پکڑ لئے اور کہا کہ توبہ کرتا ہوں مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ عرس

ہے ورنہ حاضر نہ ہوتا۔ اب آئندہ آپ کبھی نہ سنیں گے۔ یہ تھے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ ایسی تربیت جب حافظ امام خاں صاحب کونصیب ہوئی تو پھر کیا کہنا، نورٌ علی نورٌ ۔

جب حافظ صاحب حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر تشریف لائے اور فیض آباد آئے تو فرمایا کہ حج سے واپسی پر حضرت جی سے ملنے گیا تھا اور موقع بموقع ملنے جاتا ہوں تو بہت اکرام فرماتے ہیں اور تحفے پیش کرتے ہیں اس پیرانہ سالی میں برق رفتاری سے وہ چلتے تھے اور بجلی کے مانند ایک ایک دن میں گونڈہ و فیض آباد کا ضلع چھان مارتے تھے۔ مدرسہ شاہی کی جو بے لوث خدمت انھوں نے کی اس کا اجرِ عظیم تو بارگاہ الٰہی سے یقیناً ملے گا۔ اہل مدرسہ کو بھی چاہئے کہ ان کی کوئی یادگار چھوٹی موٹی سی قائم کردیں۔ بوقت ملاقات مہتمم مدرسہ شاہی الحاج حضرت مولانا رشید الدین صاحبؒ سے جب ذکر آیا تو وہ بھی رطب اللسان ہوئے۔

آخری ملاقات گزشتہ سے پیوستہ رمضان المبارک میں احقر درس قرآن پاک کے لئے سلطان پور میں مقیم تھا۔ حسن اتفاق ایک شب کے لئے فیض آباد آیا، تراویح کے بعد مدرسہ حسینیہ ضرورۃً آیا کمرہ میں کچھ کام کررہا تھا کہ مسجد سے حافظ امام خاں صاحبؒ کی آواز کمرہ میں آئی جو حاجی انوار صاحب سے گفتگو فرمارہے تھے، میں نے چندہ بھیجا، تو طالب علم سے دریافت کیا کہ کہاں ہیں؟ میں مسجد میں حاضر ہوا۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ ان کے ساتھ ایک رفیق سفر بھی تھے۔ فرمایا کہ حضرت مہتمم صاحب نے میری معذوری کا لحاظ کرکے ان کو ساتھ بھیجا ہے۔ نہ نظر کام کرتی ہے اور نہ لکھ پڑھ سکتا ہوں، پھر والد صاحب مرحوم کا فوراً تذکرہ چھیڑا اور دعاء مغفرت دیر تک کرتے رہے۔

اس حادثہ سے سب سے بڑا میرا نقصان یہ ہوا کہ والد صاحب مرحوم کے ایک مخلص دوست مجھ سے چھن گئے۔ جن کی خدمت کرکے احقر کو تسلی ہوجاتی تھی۔

میں نے عرض کیا کھانا آپ نے کھایا۔ آپ نے فرمایا، کھانا حاجی انوار صاحب نے کھلا دیا سحری کا انتظام آپ کردیں، حسب الحکم احقر نے سحری کا نظم کیا۔ بس یہی آخری ملاقات

تھی۔ ممکن ہے وہ تشریف لائے ہوں مگر احقر اس سال مدراس میں تھا ندائے شاہی میں وفات کی خبر پڑھ کر سخت رنج ہوا۔ وہ اپنی اداؤں میں بالکل منفرد تھے اور مدرسہ شاہی کے لئے جی جان سے محنت کر کے خاصی رقم اکھٹا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

(ندائے شاہی اگست ۱۹۹۲ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب گمتھلویؒ

(ولادت: ۱۰؍ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ، ۱۴؍ جولائی ۱۹۰۵ء)

عصر حاضر کے مشہور بزرگ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے نواسہ اور حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفۂ اجل اور جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب گمتھلویؒ گذشتہ ۳؍ جون ۱۹۹۲ء کو اپنے آبائی قصبہ سرگودھا پاکستان میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی عمر تقریباً ۹۲/ سال تھی، پاکستان سے آپ کا جنازہ بذریعہ طیارہ دہلی لایا گیا۔ اور ۷/ جون ۱۹۹۲ء کو شب میں رائے پور میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے جوار میں تدفین عمل میں آئی۔

شاہ صاحب موصوف موجودہ دور میں سلسلۂ قادریہ کے سرتاج تھے، اور آپ کا فیض دور دور تک پھیلا ہوا تھا، اخیر سالوں میں آپ کئی دفعہ رائے پور تشریف لائے۔ اور دوران قیام خلق خدا کا آپ کی جانب اس قدر رجوع ہوا جس کی مثال قریبی زمانہ میں نہیں ملتی، آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے فیض کو جاری و ساری رکھے، آمین۔ (ندائے شاہی جولائی ۱۹۹۲ء)

❍❖❍

ایک رابعۂ وقت کا وصال

(مرحومہ سیدہ ریحانہ مدنی صاحبہؒ صاحبزادی حضرت شیخ الاسلامؒ)

جب سے میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے نانیہالی خاندان کی خواتین میں جس شخصیت کو مختلف خصوصیات کی بنا پر امتیازی شان کا حامل پایا، وہ میری بڑی خالہ سیدہ ریحانہ مدنی صاحبہؒ تھیں، جو خاندان بھر میں ''حجن آپا'' کے نام سے مشہور ومعروف تھیں۔ نماز کے خشوع وخضوع اور اطمینان وسکون، ذکر وشغل سے وابستگی، خوف آخرت، جود وسخا اور خیر خواہی ورحم دلی نے انھیں خاندان ہی نہیں؛ بلکہ سب ملنے والوں کی نظر میں محبوب بنا دیا تھا۔ وہ مستورات کی جس مجلس میں جاتیں؛ شمع محفل بن جاتیں اور جس مقام پر جاتیں، اپنی متانت ووقار سے سب کا دل موہ لیتی تھیں۔

افسوس کہ دنیا میں پھولوں کی طرح مہکنے والی اس ذات نے گذشتہ ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۹؍نومبر ۱۹۹۲ء بروز پیر اِس دار فانی کو خیر باد کہا اور اپنے پیچھے غم واندوہ اور رنج والم میں ڈوبا ہوا ایک بڑا حلقہ اور خاندان چھوڑ گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنے وقت کی یہ رابعہ بصری اتنی جلدی داغ مفارقت دے دیں گی، وہ کیا گئیں پورے خانوادہ کی نبض رک گئی۔ حسرت وافسوس کے بادل جو چھائے تو چھٹنے کا نام نہیں لیتے، بات بات پر اُن کی یاد آتی ہے، لحہ لحہ اُن کا خیال رہتا ہے۔ خاندان ہی نہیں؛ بلکہ تعلق رکھنے والا ہر فرد اس اچانک حادثہ سے غیر معمولی طور پر متأثر ہوا ہے۔ اِرادہ تھا کہ موصوفہ کی ذات پر تفصیل سے قلم اُٹھاؤ نگا؛ لیکن جب بھی اِرادہ کیا طبیعت تیار نہ ہوئی، کیا لکھوں؟

کیسے لکھوں؟ ان کو مرحومہ لکھتے ہوئے قلم رکتا ہے اور کہتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے۔ اُن کی عبادت وریاضت، ذکر وشغل، صبر وشکر، حسن معاملگی اور جود وسخا کے واقعات سامنے آتے ہیں اور دل ودماغ کو جھنجھوڑ ڈالتے ہیں، کبھی احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی پُرسکون نماز میں مشغول ہیں، ابھی فارغ ہوکر زینت محفل بنیں گی؛ لیکن یہ احساس اس وقت حسرت سے تعبیر بن جاتا ہے جب اُن کی ابدی مفارقت کا داغ یاد آتا ہے۔

کبھی سوچتا ہوں کہ اصل غم اُس جانماز کو ہوگا جس پر کھڑے ہوکر اس اللہ کی چہیتی بندی نے زندگی میں نہ جانے کتنی بار، بارگاہ ایزدی میں جبین نیاز خم کی ہوگی اور سجدہ کی جگہ کو اپنے گرم گرم آنسوؤں سے تر کیا ہوگا۔ اور ذرا کوئی رنج وغم کا اندازہ تسبیح کے اُن بکھرے ہوئے دانوں سے لگائے جو زندگی کے ہر موڑ پر اُن کے ہم سفر اور ہمراز رہے ہوں گے۔ اور ان سے بڑھ کر مرحومہ کا وہ رفیقِ حیات جس نے پورے ۳۹؍سال تک اُن کا ساتھ نبھایا، یعنی حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ کا دل کتنا مضطرب ہوگا، جن کا حقیقی سکون وہ اپنے ساتھ لے کر چلی گئی ہیں۔

مختصر حالات

موصوفہ نے اپنی زندگی کی کل ۵۵ بہاریں دیکھیں جن میں سے ۱۹ سال اپنے والد ماجدؒ کی حیات کے اور ۳۶ سال آپ کی وفات کے بعد کے شامل ہیں۔ حضرت مدنیؒ کو اپنی اِس چہیتی صاحبزادی سے بے انتہاء تعلق تھا، اور بہنوں میں موصوفہ ہی نے واقعۃً ہوش وحواس میں حضرتؒ کو دیکھا تھا۔

محترمہ نانی صاحبہ دام ظلہا بچپن کے واقعات سناتی ہیں کہ مرحومہ شروع سے صوم وصلوٰۃ کی شوقین تھیں۔ کبھی ایسا ہوتا کہ عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جاتیں، رات میں جب کسی وقت آنکھ کھلتی، تو زور زور سے رونے لگتیں۔ پوچھنے پر بتاتیں کہ ''میں نے نماز نہیں پڑھی'' یہ سن کر حضرت مدنیؒ باوجود ضعف اور کمزوری کے خود بستر سے اُٹھتے۔ نل سے پانی لاکر بچی کو وضو کراتے

اور جب تک وہ نماز نہ پڑھ لیتیں خود آرام نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح رات میں کبھی اُٹھ کر پیر میں درد کا شکوہ کرتیں تو حضرتؒ اپنے دست مبارک سے پیر دباتے اور درد کی شدت کم کرنے کے لئے کوئی دوپٹہ وغیرہ باندھ دیتے تھے۔ مرحومہ کوئی فرمائش کرتیں تو کبھی رد نہ فرماتے اور ممکنہ حد تک اُس کی تکمیل فرماتے۔

مرحومہ کا نکاح ۱۹۵۱ء میں حضرت مدنیؒ کی وفات سے ۵؍سال قبل حضرت مولانا سید رشیدالدین صاحب حمیدی علیہ الرحمۃ سے ہوا تھا۔ موصوف کا قیام اس وقت اپنے والد ماجد حضرت مولانا حمیدالدین صاحب علیہ الرحمۃ کے ساتھ کلکتہ میں تھا، بریں بنا مرحومہ بھی رخصت ہوکر کلکتہ تشریف لے گئیں۔ بعد میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لاڈلی کے نام ایک گراں قدر مکتوب تحریر فرمایا، جو آج بھی خانوادہ کے تبرکات میں محفوظ ہے۔ اس مکتوب کا آغاز اِس شعر سے ہوتا ہے:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یہ گراں قدر مکتوب بیش قیمت نصیحتوں اور معاشرتی ہدایتوں اور ساتھ میں ذکر خداوندی کی تلقین اور تاکید پر مشتمل ہے، اسی میں حضرتؒ نے مرحوم کو پاس انفاس کی بھی تعلیم دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کم عمری ہی میں آپ کا رجحان تصوف وسلوک کی طرف ہوگیا تھا۔ مرحومہ کے بڑے صاحبزادے احمد بادشاہ صاحب کی پیدائش کی اطلاع حضرتؒ کو مدینہ منورہ میں ملی، جب کہ آپ حج کے بعد وہاں مقیم تھے۔ اطلاع ملنے پر آپ نے اپنا قیام مختصر فرمایا اور ہندستان تشریف لے آئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی انہیں سب عنایتوں کی وجہ سے آپ کبھی فرمایا کرتی تھیں کہ:

''ہم نے تو اپنے والد کی زندگی میں جو کچھ عیش کرنا تھا کرلیا''۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی بے پایاں توجہ اور تربیت کے بدولت شروع ہی سے مرحومہ کا رجحان اَوراد ووَظائف اور ذکر وشغل کی طرف رہا؛ تاایں کہ خود حضرتؒ نے آپ کو مراقبہ کی تعلیم

دی۔ پاس انفاس اور ذکر قلبی پر ہمیشہ دوام رہا، اور زندگی بھر ہر معاملہ میں راضی برضا اور صبر وشکر کا پیکر بنی رہیں۔

موصوفہ خوش خلقی اور ملنساری میں اپنی مثال آپ تھیں اور ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے باوجود تواضع وانکساری ہر عمل اور قول سے نمایاں رہتی تھی۔ غیبت اور بے جا تبصروں سے ہمیشہ نفرت رہی۔ آنے جانے والی خواتین خواہ کیسے ہی گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں سب کے ساتھ یکساں اخلاق کے ساتھ پیش آتی تھیں۔ دینی کتابوں کے مضامین کے مطالعہ اور قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے کا نہایت شوق تھا۔ دعاؤں اور تعویذات سے بھی دلچسپی تھی اور خالی اوقات میں انہی مصروفیات میں مشغول رہتی تھیں۔

اللہ تعالی نے مرحومہ کو گفتگو کے بہترین سلیقے اور وقار سے بھی نوازا تھا، جس مجلس میں جاتیں رونق محفل بن جاتیں۔ آپ کو اسفار پاکستان کے موقع پر کئی مرتبہ بڑے بڑے خواتین کے اجتماع کو خطاب کرنے کا موقع بھی ملا۔

اسی طرح اپنی اولاد کی تربیت پر بھی خاص توجہ تھی۔ بات بات پر نصیحت اور ہدایتیں اور حضرت مدنیؒ کے واقعات سناتیں اور انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتی رہتیں۔ صاحبزادے احمد بادشاہ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں:

''بادشاہ تم بھی خدا کے فضل سے ایک مسلمان بچے ہو، تمہارے رب نے تم پر بھی کچھ فرائض عائد کئے ہیں۔ اور دوسرے تمہارے نانا کی بے داغ زندگی کے اَوراق تمہارے آگے کھلے ہوئے ہیں، تم اگر ذرا بھی چاہو گے تو خدا اور رسولؐ اور نانا کی یاد کو لے کر اعلیٰ کردار کے مالک بن جاؤ گے''۔

مرحومہ کی تحریر بہت صاف اور مضمون نہایت اعلی ہوتا تھا اور سبھی تحریروں سے اللہ پر کامل یقین اور بے مثال اعتماد وتوکل صاف جھلکتا ہے۔ الحاصل ہر اعتبار سے اتنی خوبیوں اور صفات حمیدہ کی حامل تھیں جو خال خال ہی کسی میں جمع ہوتی ہیں۔

آخری حج

اس سال آپ کو آخری حج زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی زید مجدہم کے علاوہ آپ کے صاحب زادگان مولانا اخلد رشیدی اور مولانا اشہد رشیدی اور چھوٹی صاحب زادی ساتھ تھیں۔ سفر میں ہر ہر موقع پر انتہائی خشوع وخضوع اور بے قراری کا اظہار فرمایا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران صبح ۹؍ بجے زیارت کے لیے مسجد نبوی تشریف لے جاتیں تو عصر کے بعد ہی واپس آتیں اور اس کے بعد کھانا تناول فرماتی تھیں۔ ساتھیوں نے کہا کہ درمیان میں آجایا کریں، تو جواب دیا کہ ''نہ معلوم پھر یہ سعادت ملے نہ ملے''۔ اسی طرح مکہ مکرمہ میں جس سوز وگداز کے ساتھ ارکانِ حج ادا کئے، وہ آپ ہی کا حصہ تھے۔ کسی کو کیا پتہ تھا کہ یہ سب محبوبِ حقیقی سے وصال کی تیاری ہے۔

مرض وفات

وفات سے تقریباً ۱۲؍دن قبل حضرت مہتمم صاحب علیہ الرحمۃ کے ساتھ آپ ملاقات کے لئے دیوبند تشریف لے گئیں تھیں۔ خیال تھا کہ دو ایک روز میں واپسی ہو جائے گی؛ لیکن دیوبند جاکر ریڑھ کی ہڈی میں اتنی شدید تکلیف شروع ہوگئی جو قطعاً نا قابل برداشت تھی، ڈاکٹر کو دکھایا گیا، اُس نے کسی طرح کی تشویش کا اظہار نہیں کیا، اور دوا دے کر پوری طرح اطمینان دلایا کہ عارضی درد ہے جلد ہی جاتا رہے گا۔ مگر تین راتیں تڑپتے گذر گئیں، درد کسی طرح کم نہ ہوا۔ بالآخر دیوبند سے مظفر نگر لاکر ہڈی کے خاص نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا۔ وہاں کے معالجین نے بھی کسی طرح کی تشویش ظاہر نہیں کی، اور کہا کہ ایک ہفتہ آرام کے بعد سکون ہوجائے گا۔ اس ڈاکٹر کی دواؤں سے ایک دو دن قدرے سکون رہا؛ لیکن وہی تکلیف پھر رفتہ رفتہ عود کرنے لگی۔ اور ۸؍نومبر کی شام کو طبیعت زیادہ بگڑ گئی، سانس کی رفتار پر بھی اثر محسوس ہونے لگا۔ اسی دن رات میں نرسنگ ہوم کے ڈاکٹر نے جواب دے دیا اور دلی لے جانے کو کہا۔ تہجد کے وقت

کچھ طبیعت سنبھل گئی، اچھی طرح وضو کیا تہجد کی نماز پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز بھی اہتمام سے ادا فرمائی، پھر تکلیف بڑھ گئی۔ چنانچہ صبح سویرے مظفر نگر سے چل کر ساڑھے نو بجے کے قریب دہلی پہنچے اور ایک بڑے پرائیویٹ نرسنگ ہوم کے ایمر جنسی وارڈ میں داخل کیا گیا، مگر جس وقت مرحومہ نرسنگ ہوم پہنچی ہیں تو نبض ڈوب رہی تھی اور دل کی رفتار غیر اطمینان بخش تھی۔ ڈاکٹروں نے ہر تدبیر کر ڈالی مگر تدبیر پر تقدیر غالب آئی، اور اسی دن سہ پہر تقریباً ۳ ربجے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نعش دیوبند لائی گئی اور عشاء کی نماز کے بعد مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ چھوٹے بھائی حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہٗ العالی نے پڑھائی۔ (ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۳ء)

نفس سے خطاب

مرحومہ سید ریحانہ مدنی صاحبہؒ کی وفات کے بعد موصوف کے ہاتھ لکھی ہوئی یہ تحریر دستیاب ہوئی تھی، جسے ناظرین کی خدمت میں برائے افادہ پیش کیا جارہا ہے:

''اے نفس! تو اعمال کو بجالانے میں کیوں غفلت سے کام لے رہا ہے اور ہمیشہ سستی اور تکاسل کیوں کرتا رہا ہے۔ خدا کا نام لے کر کمر بستہ ہو جا اور سستی اور تکاسل جیسی کمزوریوں کو اپنی ذات سے دور کردے تیری ذات میں کچھ نہیں۔ تیری ذات شرف اور عظمت تو محض خداوند کریم کے احکام بجالانے میں ہے جو کچھ اللہ کا ارشاد ہو اس کو بجالانے میں تاخیر نہ کر۔ وہ تیرے اندر جو جنبش اور حرکت پیدا کریں تو وہی جنبش اور حرکت کر۔ اگر تو اپنے اعمال وعبادت پر نظر غامض کرتا دیکھے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا، کہ تیرے اعمال کسی کام کے نہیں۔ جب حقیقت اعمال ایسی ہے تو پھر ان پر ان ناز کر کے سستی کرنے کا کیا مطلب؟ اگر اعمال درست بھی ہیں تب بھی تو کسی پر احسان نہیں رہا ہے۔ محض اپنی ہی ذات کے فائدکیلئے سب کچھ کرتا ہے۔ اعمال نیک کر کے خدا یا رسول یا اس کی مخلوق پر احسان کیوں جتلا رہا ہے یہ عادت تو مذمومہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن بایں الفاظ کر رہا ہے۔

یہ لوگ اسلام لانے اور مسلمان ہو جانے کا آپ پر احسان جتلاتے ہیں آپ پر احسان جتلاتے ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ تمہارا ایمان لانا مجھ پر احسان نہیں تم پر خدا کا احسان ہے جس نے تم کو ایمان جیسی انمول نعمت عطا فرمائی تیرے عمل سے مخلوق کو کیا فائدہ کہ احسان جتلا کر ناز کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے فائدے کی خاطر کوئی کام کرے اور پھر دوسروں پر احسان جتلائے یہ اس کی خام خیالی اور بداندیشی کا نتیجہ ہے۔ میں اس بات کو ذرا مزید آگے بڑھ کر عرض کرتی ہوں کہ تو نے تو اپنی تمام عمر میں کوئی کام بھی خدا کی بھلائی کی امید بھی رکھتا ہے۔ کمائی اور کسب کرکے تو اپنی آخرت کا توشہ اور زاد جمع کر رہا ہے اور پھر خدا پر کیا احسان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ﴾ (اگر تم نیکی کر رہے ہو تو وہ تمہارے ہی لئے ہے)

تو بندگی اور آہ وزاری کر کے خداوند کریم سے دنیا وآخرت کی بھلائیوں کا مطالبہ کرتا ہے یہ بندگی کا طریقہ نہیں۔ بندگی تو یہ ہے کہ تمام کام محض خدا کی خوشنودی کے لئے کرتا رہے۔ اس پر راحت ملے یا مصیبت اس کی پروانہ کرے۔ تیری مثال تو ان دنیاداروں جیسی ہے جو خود دنیا کے کام کر کے اپنی زندگی گذار نے کے اسباب مہیا کرتے ہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تو ان سے بھی زیادہ حریص ہے اس لئے کہ وہ دنیا کے کام کر کے دنیا ہی کے اسباب جمع کرتے ہیں اور تو عبادت کر کے دنیا وآخرت دونوں جہانوں کے اسباب کی خواہش رکھتا ہے۔ بہر حال اعمال صالحہ میں سستی کرنا بیکار بات ہے۔ اور پھر اس پر ناز کیوں اور کس پر؟۔

خداوند کریم کی عنایت فرمودہ فرصت کو غنیمت جان کر تیزی اور ہمت کے ساتھ عبادت میں منہمک ہو جا۔ اور اس بات سے ڈرتا رہ کہ خدا تجھے کہیں بیکار نہ بنادے۔ اور ان لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ گریز اور پرہیز کر جن کے قلوب کو دنیا کی محبت نے مسخ کر دیا۔ اور وہ گناہوں میں ملوث ہو کر اپنی اخروی زندگی کو برباد کر رہے ہیں اگر تو بھی ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنے لگا تو اللہ تعالیٰ تیرے نام کو سعادت مندوں کی فہرست سے نکال دیں گے۔

تجھ کو چاہیئے کہ اپنی ذات میں خدا کی نعمتوں پر غور کر اس لئے کہ انسان کے اپنے ہی وجود میں اللہ رب العزت کی ہزار ہا نعمتیں مضمر ہیں۔ ایک فلسفی کہتا ہے کہ انسان کے اندر ہزار حکمتیں ہیں اور اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یعنی تمہارے نفسوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات نشانیاں موجود ہیں اگر تم غور کرو۔ انھیں نعمتوں کا خیال کر اور عمل میں مشغول ہو۔ پھر اس عمل میں خود بخود اضافہ اور ترقی ہوتی رہے گی۔ بہترین ترقی یہی زیادتی عمل ہے جس کو اہلِ سلوک طلب کرتے ہیں۔ قیامت کے دن جب اس عمل کے نور تو اپنے اندر دیکھے گا تو حسرت اور افسوس کرے گا کہ کاش میں اس سے زیادہ عمل کرتا اور دنیا میں ایک ساعت بھی غافل نہ رہتا۔ مگر اس وقت یہ حسرت اور تأسف کارگر نہ ہوگا۔ دنیا دار العمل ہے اور آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں پر فصل بوئی جاتی ہے اور آخرت میں کاٹی جاتی ہے۔

یہ بات اپنے گوش وہوش سے سن لے کہ ہر عمل ایک نور رکھتا ہے اگر اس عمل کو ترک کیا جائے تو نور ختم ہو جاتا ہے اور خصوصاً فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ انکا نور اتم اور اکمل ہے۔

اللہ کی مہربانی اور عنایت کا ہمیشہ خیال رکھ اور ان اعمال کی بجا آوری کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اپنے تمام اعمال خدا کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے کر۔ خدا کی عادت یہی ہے کہ آخرت کی نعمتیں اعمال صالحہ ہی پر موقوف ہیں۔ اس میں ذرہ برابر بھی تخلف نہیں۔ یعنی خدا جس کو نوازتے ہیں عبادت اور اطاعت ہی سے نوازتے ہیں اگر ترک عبادت کا سبب کسل اور سستی ہے تو ایک ساعت صبر کر اور جواں مردی سے کھڑے ہو کر بسترِ استرحت کو ترک کر اور ثابت قدمی سے عبادت میں مصروف ہو جا۔ اگر تو اپنے بسترِ استرحت پر یوں ہی آرام کرتا رہا تو پھر کبھی بھی کچھ بھی توفیق نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس وقت تیرا ساتھی شیطان ہم آغوش ہے۔ وہ تجھے کہاں جانے دے گا، اگر کھڑا ہو کر وضو کرے اور عبادات اور ذکر باری تعالی میں منہمک ہو جا تو شیطان راہِ فرار اختیار کرے گا، پھر تیرا سب وجود نورانی ہو جائے گا، اور اگر سستی کا سبب کثرت طعام ہے تو اس میں کمی کر دے، اور اگر سستی کا سبب نیند کا غلبہ ہے تو نیند از قسم مرگ وموت ہے اور

مرگ وموت سے تجھ کو بھاگنا چاہئے ایسی موت پر تو راضی کیوں ہے اور اپنے کو تو مردوں میں کیوں شمار کرتا ہے اور اگر سستی کا سبب ضعف ایمان اور فتور فی الاعتقاد ہے تو پھر ایک ساعت خدا کے ذکر میں مشغول ہو کر دیکھ یہ سبب بے اعتقادی پارہ پارہ ہو جائے گی لیکن جاننا چاہئے کہ کوئی چیز مداومت اور استقلال سے زیادہ مؤثر نہیں ہے، تو اس چیز کو مضبوط ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے پھر دیکھ سستی اور کاہلی ہباءً منثوراً ہو جائے گی، خصوصاً فرض پر مداومت اور اس کی توفیق پختہ ہو جاوے تو پھر تہجد بھی بہت مؤثر ہے، اس وقت خداوند کریم کی خصوصیت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ جنت میں تو حسین وجمیل محلات ہوں گے حوریں ہوں گی طرح طرح کی نعمتیں ہوگی رسیلی آوازیں ہوں گی مگر وہ تمام لذتیں تہجد کے لئے اٹھنے والوں کو اس وقت ملتی ہیں، وہی سکینہ وہی نور آدمی جو مانگے وہی ملتا ہے غرض یہ کہ جو کیا جائے بہت بہتریں طریقے سے کیا جائے اور جو عمل کرے اس وقت اس بات کا خیال رکھے کہ شاید میرا آخری عمل ہے اسکے بعد شاید میں کوئی اور عمل نہ کرسکوں غرض یہ کہ تجھے ہر عمل بڑی ہوشیاری سے کرنا چاہئے اس بات میں اور کیا کہوں، بس اتنا ہی کافی ہے''۔

(ندائے شاہی فروری ۱۹۹۳ء)

مسیح الامت

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ

(ولادت: ۱۳۳۹ھ بمقام سرائے برلہ علی گڈھ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ اَجل، اور دور حاضر کے معروف ومقبول اور بافیض بزرگ عارف باللہ حضرت مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۳/نومبر ۱۹۹۲ء کو جلال آباد میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے روز جمعہ کے بعد آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں ہزارہاہزار افراد نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت مسیح الامتؒ حد درجہ متقی، نرم خو اور خلیق شخص تھے، سادگی اور بے تکلفی زندگی کی ہر ہر ادا سے نمایاں تھی آپ کی بافیض مجلسیں اقوال حکمت سے معمور رہتی تھیں، اور آپ ہر وارد وصادر کے ساتھ نہایت نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے، علاقہ جلال آباد وتھانہ بھون کے گلی کوچے آپ کی اصلاحی محنتوں کا مظہر نظر آتے تھے، گاؤں اور دیہاتوں میں بھی آپ کی محنتوں کا رنگ بآسانی محسوس کیا جاسکتا تھا، اس کے علاوہ ملک کے اطراف اکناف، اور پاکستان انگلینڈ اور جنوبی افریقہ میں بھی آپ کا فیض خوب پھیلا اور آپ کے شاگردوں اور متوسلین کے ذریعہ اس کی برکات آج بھی جاری ہیں، اور اِن شاء اللہ تادیر جاری رہیں گی۔

(ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۳ء)

حضرت مولانا اشفاق حسین صاحبؒ

مدرسہ شاہی کے قدیم ترین استاذ اور مجاہد آزادی حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب مرادآبادیؒ ۲۲؍ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹؍ نومبر ۱۹۹۲ء بروز بدھ کی شب میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کی وفات سے مدرسہ شاہی کی تاریخ کا ایک ورق اوجھل ہوگیا۔ موصوف بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ وضع داری اور رواداری کی صفات سے آراستہ رہے، بڑے بڑے اکابر کی صحبت سے فیض اٹھایا، بلکہ ان کے منظور نظر رہے۔ بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ سے تو نہایت گہرا تعلق تھا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۳ء)

جناب حافظ حکمت اللہ صاحبؒ

مشہور مجاہد آزادی، اور خادم ملک وملت جناب حافظ حکمت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء شہر مرادآباد وسابق مدرس وسفیر مدرسہ شاہی ۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۲؍ نومبر ۱۹۹۲ء کو مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ صاحب موصوف بڑے نڈر، بے باک اور اپنے مسلک وموقف میں انتہائی پختگی رکھنے والے شخص تھے، اخیر عمر تک اپنی وسعت کے مطابق قوم وملت کی خدمت میں مشغول رہے۔ وفات کے دن بھی جمعیۃ علماء شہر مرادآباد کے زیر اہتمام منعقد اصلاح معاشرہ کے اجلاس کی تیاریوں میں لگے رہے، اور حسن اتفاق کہ اس اجلاس میں شرکت کے لئے حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم تشریف لائے تھے۔ موصوف ہی نے جناب حافظ صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب موصوف کی بال بال مغفرت فرماکر غریق رحمت فرمائیں، آمین۔ (ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۳ء)

❐❖❐

رفتـــــــگاں

۱۹۹۳ء - ۱۹۹۴ء

- حضرت مولانا نیاز محمد صاحب میواتیؒ
- شیخ حرم عبداللہ الخلیفیؒ
- حضرت مولانا عبدالستار صاحب معروفی اعظمیؒ
- حضرت مولانا احرار الحق صاحب فیض آبادیؒ
- حضرت مولانا محمد طاہر صاحب کلکتویؒ
- حضرت مولانا نجم الدین اصلاحیؒ

حضرت مولانا نیاز محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(ولادت: ۱۹۱۸ء وفات: ۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ ۱۶ رجون ۱۹۹۳ء)

از: مولانا عبدالرحیم صاحب بڑیڈوی

سرزمین میوات میں علماء اہل حق کی تبلیغی و تعلیمی محنتوں کے ذریعہ جن عظیم شخصیتوں نے جنم لیا ان میں حضرت مولانا نیاز محمد صاحبؒ اپنے علمی تبحر اور تفقہ فی الدین کے میدان میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے، آپ کا مولد تحصیل فیروز پور جھرکہ میں موضع ''رانی کا'' ہے۔ زمین دار گھرانہ اور پیشہ کاشت کاری کا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد آپ سرکاری اسکول میں داخل ہوئے جہاں آپ نے ممتاز نمبروں سے پرائمری پاس کیا۔ اس کے بعد آپ میوات کے معلم اول شیخ میوات حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب قدس سرہ کے مدرسہ عربیہ سبحانیہ دہلی میں داخل ہوئے جہاں داخلہ کی شرائط میں یہ بات بھی داخل تھی کہ کم از کم دو پارے حفظ کر لینے کے بعد ہی وظیفہ جاری ہوسکتا ہے۔ مولانا نیاز محمد صاحب نے دو پارے دو ہی دن میں حفظ کر لیے۔ پھر مستقل قرآن پاک پورا حفظ کرنے کے لیے جی چاہا، تو فیروز پور میں مولانا محمد مشتاق صاحب نور اللہ مرقدہ سے صرف چار ماہ میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا، دوسرے سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہیں پر درس نظامی کی تکمیل فرمائی، دورۂ حدیث شریف کا آخری امتحان خالص عربی میں دیا اور ممتاز حیثیت سے پاس ہوئے۔

۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب (بانی تبلیغ قدس سرہٗ) کے پاس مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین دہلی میں مدرس ہو گئے اسی کے ساتھ تبلیغی کام میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پھر ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں میوات تشریف لے آئے جہاں مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح (ضلع گوڑ گاواں) کی مسند صدارت کو رونق بخشی،

اور اٹھارہ برس تک یہاں کام کیا۔ پھر کچھ حالات سے مجبور ہو کر ۱۹۶۵ء میں مدرسہ اسلامیہ درگاہ شیخ موئے پلہ کو ترقی دے کر مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف کی تعلیم تک بڑھایا جواب ''قاسم العلوم'' کے نام سے مشہور ہے اور دورۂ حدیث کی تکمیل کرا کر سند فراغت دی جاتی ہے۔

۱۹۶۵ء میں ہند پاک کی جنگ کے موقعہ پر مولانا کو ہماری سرکار نے گرفتار کرلیا اور چھ ماہ تک جیل میں رکھے گئے۔ دوبارہ ایمرجنسی کے موقع پر چار مہینہ تک جیل میں رکھے گئے۔

بیعت کا تعلق اولاً حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے قائم کیا پھر بعد میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہٗ سے وابستہ ہو گئے اس میدان میں آپ نے بھرپور مجاہدہ کیا جس کے نتیجے میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاح وطریقت کے چاروں سلسلہ میں آپ ''مجاز بیعت'' بنائے گئے۔ آپ کا حلقۂ ارادت بھی میوات اور دہلی وغیرہ میں کافی وسیع رہا اور کئی حضرات کو آپ سے اجازت وخلافت بھی نصیب ہوئی جن میں حضرت مولانا مشہود الحسن صاحب استاذ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی اور مولانا بشیر احمد صاحب میواتی (ٹائیں) قابل ذکر حضرات ہیں۔

حضرت مولانا نیاز محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خداوند قدوس نے قوت حافظہ بڑی مقدار میں عطا فرمائی تھی۔ جس کے نتیجے میں درس وتدریس اور اصلاحی کام کے ساتھ تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رکھا، آپ کی تالیفات میں الدر المنضد فی شرح الادب المفرد، عمدۃ اللبیب فی شرح شیم الحبیب (عربی) النجاۃ الکاملہ تین حصے (اردو) بہت مشہور ومقبول ہیں۔ ان کے علاوہ غیر مطبوعہ تالیفات میں اظہار الحقائق عبداللہ بن سبا، علماء حقانی اور علماء سوء۔ التحفۃ السنیہ، ابوحنیفہ اور ان کے حاسدین، حاشیۃ النصیحہ فی ادعیہ الصحیحہ، توضیح المدخل المنیر، ہدایۃ الاعالی، اسلامی لیل ونہار، کے مسودات مکمل ہو چکے ہیں۔ مسائل دینیہ کا بہت بڑا ذخیرہ فتاویٰ کی شکل میں موجود ہے۔

غرض یہ کہ آپ کی زندگی تمام تر دین متین کی ترقی واشاعت پر محنت کرتے ہوئے گزری۔ جمعیۃ علماء ہند سے آپ کا دیرینہ تعلق تھا، جمعیۃ علماء ضلع گوڑگاواں اور جمعیۃ علماء صوبہ ہریانہ وپنجاب کے آپ عرصۂ دراز تک صدر رہے اور اخیر میں آپ کو صوبہ مذکور کا ''امیر شریعت''

منتخب کیا گیا۔ جس کے آپ واقعی طور پر مستحق تھے۔

آپ کے پسماندگان میں دو صاحبزادے مولانا خالد صاحب قاسمی اور مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی نہایت ذی استعداد اور قابل علماء ہیں جو پوری تندہی اور مستعدی کے ساتھ والد مرحوم مولانا نیاز محمد صاحب کے لگائے ہوئے گلشن علم کو سیراب کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ مولانا مرحوم کی بیوہ اور چار صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔ (ندائے شاہی ستمبر ۱۹۹۳ء)

مولانا محمد مسلم صاحب بمہوری اعظمیؒ

(ولادت: ۱۹۳۶ء وفات: ۲۹؍محرم ۱۴۱۴ھ ۲۰ جولائی ۱۹۹۳ء)

مشرقی یوپی کے مشہور صاحبِ ورع وتقویٰ عالم اور جمعیۃ علماء کے شیدائی حضرت مولانا محمد مسلم صاحب بمہوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۰؍جولائی ۱۹۹۳ء کو اپنے وطن مالوف بمہور ضلع اعظم گڈھ میں وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف گوناں گوں صلاحیت اور باوقار و بردبار طبیعت کے حامل تھے اور انتظامی مہارت میں معروف تھے۔ مولانا موصوف کی بے مثال توجہ واہتمام کی بدولت ہی مشرقی اضلاع کے اہم دینی مرکز ''جامعہ حسینیہ'' جون پور نے مختصر مدت میں شاندار ترقی حاصل کی اور جلد ہی مرکزی تعلیمی اداروں میں شامل ہوگیا۔ تقریباً ۱۲؍سال آپ اس ادارے سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد آپ صدر محترم جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی ایماء پر ''ناظم تعمیری پروگرام'' کی حیثیت سے کچھ عرصہ تک دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی میں مقیم رہے۔ پھر ۱۹۸۶ء میں آپ جامعہ رشیدیہ بمہور سے وابستہ ہوگئے اور اخیر عمر تک اسی ادارہ کے ذریعہ دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

ادارہ ندائے شاہی مرحوم کے پسماندگان بالخصوص مولانا محمد راشد صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند ودیگر صاحب زادگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔ اور اپنے قارئین سے ایصال ثواب کی اپیل کرتا ہے۔

(ندائے شاہی ستمبر ۱۹۹۳ء)

شیخ حرم عبداللہ الخلیفیؒ

تحریر: محمد فرقان محمد نعمان القاسمی مکۃ المکرّمہ

شیخ مرحوم کی شخصیت عالمی طور پر محتاج تعارف نہیں جس نے بھی رمضان المبارک میں حرم شریف میں نمازیں ادا کیں اور خصوصاً مغرب کی نماز وہ ضرور شیخ عبداللہ الخلیفی سے واقف ہوگا۔

شیخ صفر کے مہینے میں چھٹیاں گذارنے طائف تشریف لے گئے، معمولی سی تکلیف کی بنا پر طائف کے ہسپتال میں داخل کیا گیا، وہیں پر ۲۸ رصفر ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۶ راگست ۱۹۹۳ء بروز شنبہ داعی اجل کو لبیک کہا (انا للہ وانا الیہ راجعون) حضرت موصوفؒ مکۃ المکرّمہ ہی کیا سارے عالم کے مسلمانوں کو اپنی جدائی کا غم دے کر سب کو روتا چھوڑ گئے، نماز جنازہ منگل کے دن حرم شریف میں بعد نماز عصر شیخ محمد عبداللہ السبیل نے پڑھائی، پھر شیخ حرم کو عدل کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا، ہزاروں کا مجمع تھا، بھیڑ کی وجہ سے جمعہ کا دن معلوم ہو رہا تھا، پورے مکہ کے لوگ سوگوار تھے، ہر شخص آب دیدہ نظر آ رہا تھا، نماز جنازہ ہی میں لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، مجمع کی وجہ سے بہت سے لوگ جنازہ کو کندھا دینے سے محروم رہے، اہل مکہ کے علاوہ باہر سے ریاض، طائف، دمام، الجز، مدینہ منورہ اور جدہ کے لوگ شریک تھے، علماء، امراء، وزراء، ومشائخ کی بہت کثرت تھی۔

شیخ کی شخصیت ایک نظر میں

شیخ حرم کا پورا نام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الخلیفی ہے، آپ کی پیدائش قصیم کے ایک مقام ''البکریہ'' میں ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں ہوئی، آپ کی نشو ونما اسلامی طریقہ پر ہوئی، حفظ

قرآن پاک اپنے والد محترم سے کیا اور ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے مشائخ سے حاصل کی پھر مکۃ المکرّمہ میں آ کر اپنی تعلیم مشائخ حرم مکی کے حلقات میں مکمل کی، پھر تدریس کی غرض سے مسجد حرام میں مقرر ہوئے پھر مسجد حرم میں صدر مدرسین کے مرتبے پر متعین ہوئے، ملک فیصل بن عبدالعزیز کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کے مرتبے پر فائز رہے، اور بہت سے مدرسوں کے نگراں اور ۱۳۷۲ھ میں مدرسہ عزیزیہ مکۃ المکرّمہ میں مدیر مقرر ہوئے اور اپنی پوری زندگی دین کی خدمت وعظ و نصیحت اور معاشرے کے سدھار میں صرف کردی۔

شیخ عبداللہ الخلیفی قصیم اور مکۃ المکرّمہ کے بڑے عالموں میں تھے، بڑے ہی خلیق اور متقی تھے، تہجد کے بہت پابند تھے، طبیعۃً بہت ہی نرم تھے، اور بڑے ہی اہل خیر تھے خصوصاً طلبہ اور غریبوں کے حق میں بھلائی کا بہت جذبہ رکھتے تھے۔ پچاس سال آپ نے حرم پاک کی امامت فرمائی، تالیف اور تصنیف میں آپ نے بڑا حق ادا کیا سب سے پہلے آپ ہی نے رمضان المبارک میں تہجد کی نماز شروع فرمائی۔

ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم میں سے بہت سے اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے، ان ہی میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں، جنھیں لوگ رہتی دنیا تک یاد رکھتے ہیں، انھیں میں سے ایک شیخ الخلیفی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے، عافیت اور سکون فرمائے کروٹ کروٹ چین و راحت نصیب فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

رمضان المبارک کی مبارک راتیں خصوصاً ستائیسویں کی رات میں ان کی یاد مصلیوں کو بہت ستائے گی۔ اللہ رب العزت پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس نعمتِ عظمیٰ کا دنیا و آخرت میں نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۳ء)

امیر شریعت

حضرت مولانا عبدالستار صاحب معروفی اعظمیؒ

گذشتہ ۶ رجنوری ۱۹۹۴ء کو اکابر واسلاف کی جیتی جاگتی یادگار ملک کے جید عالم اور محدث اور مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا عبدالستار صاحب اعظمی کا وصال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ عرصہ سے مالیگاؤں (ناسک مہاراشٹر) میں مقیم تھے، اور مہاراشٹر کے امیر شریعت تھے۔ آپ متعدد مدارس کے علاوہ کافی دنوں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث بھی رہے۔ آپ کی وفات علمی حلقوں کے لئے یقیناً ناقابل تلافی سانحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

حضرت مرحوم سے متعلق یہ کلمات تاریخ ہمیں موصول ہوئے ہیں جو آپ کے شاگرد مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کے تحریر کردہ ہیں۔ اور انھیں کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔ (مرتب)

لوح تاریخ گوناگوں

۱۴۱۴ھ

نحمد الله الحسيب العظيم ونصلي على نبيه الكريم
۱۹۹۴ء

بلندسمت شیخ الحدیث
۱۹۹۴ء

اہل نگاہ مولانا عبدالستار معروفی
۱۴۱۴ھ

غفر لہٗ الحکم
۱۴۱۴ھ

صاحب دستگاہ مولانا عبدالستار صاحب معروفی
۱۹۹۴ء

جابک امیر شرع مہاراشٹر
۱۹۹۴ء

رحمة الله الأحد العظيم
۱۴۱۴ھ

نور الله مرقده الحي العظيم
۱۹۹۴ء

برد مضجعه الصمد العزيز	موت العالم الاقوم موت العالم
۱۹۹۴ء	۱۴۱۴ھ
إن اللّٰه الباسط الحق يرفع العلم برفع العلماء	أعوذ باللّٰه المقسط الجامع من الشطين الرجيم
۱۴۱۴ھ	۱۹۹۴ء
بسم اللّٰه الوكيل المتين الرحمٰن الرحيم	قال الحكم وسقاهم ربهم شرابًا طهورًا
۱۴۱۴ھ	۱۹۹۴ء

أكرم الجليل القوي عليكم ادخلو الجنة

۱۴۱۴ھ

باشکہائے غم دل	آہ حضرت	چراغ معرفت	رخ خورشید جمال	برخاک پاک عزیز ابر سلامتی شود
۱۴۱۴ھ	۱۴۱۴ھ	۱۹۹۴ء	۱۹۹۴ء	۱۹۹۴ء

قطعۂ تاریخ جوی

۱۴۱۴ھ

ہو منقبت تری کیا مولانا عبدِ ستار ❖ مفتی تھا بمبئی کا مولانا عبدِ ستار
میر شریعت اعلا مہاراشٹر کا تو تھا ❖ عربی ادب میں یکتا مولانا عبدِ ستار
فیضان علم پورہ معروف میں تھا جاری ❖ اک علم کا تھا دریا مولانا عبدِ ستار
تھا مالیگاؤں میں بھی درس حدیث تیرا ❖ شیخ الحدیثِ ندوہ مولانا عبدِ ستار
اعلیٰ تھا اک مدرس جید تھا اک مصنف ❖ اخلاق کا دھنی تھا مولانا عبدِ ستار
سال ولادت انیس چار عیسوی تھا ❖ چورانوے میں گذرا مولانا عبدِ ستار
تیرا سنہ ولادت تیرہ سو بائیس ہجری ❖ چودہ سو چودہ غم کا مولانا عبدِ ستار
پنجشنبہ جنوری چھ تئیس تھی رجب کی ❖ پہنچا جوار مولیٰ مولانا عبدِ ستار
خلد بریں عطا ہو یہ ہے دعائے عثماں ❖ شاگرد اِک ہے ادنیٰ مولانا عبدِ ستار

(ندائے شاہی مارچ ۱۹۹۴ء)

❍❖❍

جناب حاجی محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ خبر نہایت رنج وغم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے جلیل القدر خلیفہ اور مشہور بزرگ جناب حاجی محمد ایوب صاحبؒ گذشتہ ۲۲ر اپریل ۱۹۹۴ء بروز جمعہ اپنے وطن (چلمل بھاگلپور بہار) میں وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا شمار علاقہ کے بااثر اور دینی دردرکھنے والی شخصیات میں ہوتا تھا۔ آپ کے جذبۂ خدمت کا جیتا جاگتا نمونہ ''مدرسہ مدنیہ چلمل'' ہے جو بہار کے آزاد دینی مدارس میں نمایاں اہمیت کا حامل ادارہ ہے، جس نے حاجی صاحب کی رات دن کی محنت اور تگ ودو کے بدولت بہت مختصر مدت میں شاندار ظاہری وباطنی ترقی کی ہے یہ ادارہ مسلسل آپ کے لئے صدقہ جاریہ کا کام دیتا رہے گا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات سے احقر اپنے ایک مشفق اور مربی سے محروم ہوگیا ہے۔ بچپن سے ہی حاجی صاحب سے تعلق تھا اور موصوف بے پایاں شفقت فرماتے رہتے تھے۔ رمضان المبارک میں آپ بالالتزام دیوبند تشریف لاتے اور سلسلہ مدنیت کے سالکین وذاکرین کی نگرانی اور سرپرستی فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے دوامِ ذکر کی دولت سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔ ذکر کے انوار آپ کے چہرے بشرے سے عیاں تھے، موٹے کھدر کا کرتا اور نیلی لنگی ہمیشہ زیب تن فرماتے اور کرتے کا گریبان ہمیشہ کھلا رہتا، اور ذکر قلبی جاری رہتا تھا، طبعیت میں جلال تھا، مگر جب تربیت کا موقع ہوتا تو نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے، تواضع اور فنائیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہمیشہ اپنے عیوب پر نظر رہتی، اور اپنی کیفیات کا انتہائی اخفا فرماتے۔ موصوف کو احقر کے والد ماجد حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم سے بھی غایت تعلق تھا۔ حضرت والد صاحب کے قرآن پڑھنے پر تو فدا تھے۔ اپنے مدرسہ مدنیہ کے متعلق تعلیمی مشورے، امتحانات وغیرہ کے لئے بہت اہتمام سے والد صاحب کو ہر سال چلمل بلاتے اور ان کے مشوروں پر عمل درآمد فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کو اعلیٰ علیین میں مقام مرحمت فرمائے، اور آپ کے فیوضات عالیہ کو جاری رکھے۔ آمین۔ (ندائے شاہی مئی ۱۹۹۴ء)

نمونۂ اسلاف

حضرت مولانا احرار الحق صاحب فیض آبادیؒ

از: مولانا مفتی اشتیاق احمد بہرائچی اُستاذ حدیث مدرسہ نور العلوم بہرائچ

ہمارے اکابر واسلاف کی یہ امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے علم وفن میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کے ساتھ تزکیۂ نفس، احسان وسلوک اور تصوف کے اعلیٰ مدارج بھی طے کیے جس سے ان کی زندگی علم وفن کا حسین سنگم بن گئی اور انھوں نے اپنے علم واخلاق اور عمل کی پاکیزگی کے جو گہرے نقوش واثرات لوگوں کے قلوب پر چھوڑے تو اس سے ایک عالم ان کا عقیدت مند شیدائی اور عاشق ہوگی۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی استاذ محترم حضرت مولانا احرار الحق صاحبؒ کی ذات تھی لیکن افسوس کہ حضرت موصوف ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ کو ساڑھے دس بجے شب میں اس دارفانی سے کوچ کر کے اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ روحانی امام وپیشوا تھے۔ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے اجل خلفاء میں تھے، زہد وتقویٰ، قناعت واستغناء، حلم وبردباری، سادگی ومتانت، تواضع، وانکساری اور اخلاق ومروت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، اور آئینہ کی طرح صاف وشفاف زندگی کے مالک تھے۔

حاصل رہا ہے مجھ کو ملاقات کا شرف
مٹی کا ایک چراغ تھا سورج سے فیضیاب

ولادت اور تعلیمی نشو ونما

مولانا مرحوم ضلع فیض آباد کے موضع یکری، ڈاکخانہ التفات گنج سے تعلق رکھتے تھے ۱۹۳۲ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر سے دو فرلانگ دور موضع الن پور مدرسہ مصباح العلوم میں ہوئی۔ ابھی پرائمری درجہ سوم تک ہی تعلیم ہو پائی تھی کہ نامساعد حالات نے آگھیرا، اور تعلیم ترک کر کے فکر معاش میں دردر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں، اسی سلسلہ میں آپ نے عروس البلاد شہر بمبئی کا سفر کیا۔ کچھ دنوں فکرِ معاش میں تگ ودو کے بعد علم کے شوق وجذبہ نے دوبارہ انگڑائی لی۔ اور آپ نے فکرِ معاش سے اپنے کو آزاد کر کے مدرسہ دارالعلوم امدادیہ دوٹانکی میں داخلہ لے لیا۔ اور یہیں پر آپ نے آمدنامہ سے شرح جامی تک تعلیم کی تکمیل کی۔ بمبئی قیام کے دوران آپ نے مورخ اسلام قاضی محمد اطہر صاحب مبارک پوریؒ سے بھی اخذ واستفادہ کیا۔ ۱۳۷۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور یہیں سے آپ نے ۱۳۷۸ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ جن حضرات سے آپ نے دارالعلوم میں اکتساب فیض کیا ان میں فخر المحد ثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ، حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

بیعت وارادت کا تعلق

زمانۂ طالب علمی ہی سے قلب کا میلان احسان وتصوف اور رجحان حضرت شیخ الاسلامؒ کے جانب تھا۔ آپ خود ہی تحریر فرماتے ہیں:

میں چونکہ فیض آباد کا رہنے والا تھا، اس لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحبؒ سے خوب واقف تھا، ہمارے اساتذہ وغیرہ حضرت مدنیؒ ہی سے بیعت تھے، حضرتؒ کی زیارت بھی ہوتی رہتی تھی اس لئے دارالعلوم پہنچ کر حضرت مدنیؒ کو خوب خوب دیکھا اور عقیدت بڑھتی گئی۔ حضرت مدنیؒ سے بیعت ہونے کو جی چاہا؛ لیکن حضرتؒ طالب علموں کو بیعت نہیں

کرتے تھے، اس لئے بیعت نہ ہوسکا۔ مشکوٰۃ پڑھ رہا تھا کہ ششماہی کے قریب حضرت کا وصال ہوگیا، جس کا بہت قلق وافسوس ہوا۔ سنتا رہتا تھا کہ حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ایک جان تین قالب ہیں، اس لئے ارادہ ہوا کہ حضرت مدنیؒ کے بعد ان دونوں حضرات میں سے کسی سے بیعت ہونا چاہئے۔ پھر خیال ہوا کہ حضرت رائے پوریؒ بھی حضرت مدنیؒ کی طرح ہوگئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی تشریف لے جاویں اور ہم کو پریشان ہونا پڑے۔ دوسرے یہ بھی بات ذہن میں تھی کہ حضرت فن تصوف کے ساتھ محدث اور فقیہ بھی ہیں، اس لئے بیعت حضرت شیخ سے اللہ کا نام لے کر ہوگیا۔ جمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ یا کچھ پندرہ بیس دن کے فرق سے جمعہ کے دن سہارن پور میں بالمشافہہ بیعت ہوگیا''۔ (حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنی اور اُن کے خلفاء کرام ۲/۴۰۲)

خلافت

حضرت شیخ الحدیثؒ سے بیعت ورادت کا تعلق قائم ہونے کے بعد اصلاح وتربیت کا تعلق برابر قائم رہا اور شیخ ومرشد کی رہنمائی میں تصوف کے مدارج طے ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ رمضان ۱۳۸۸ھ میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس موقع پر حضرت شیخ نے چند نصیحتیں فرمائیں وہ سپردِ قرطاس ہیں:

''مولوی احرار پیارے جس نسبت کو حاصل کرنے کے لئے تم نے اس ناکارہ سے حسن ظن رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمہیں مرحمت فرمائی ہے میں تم کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی طرف سے بیعت کی اجازت دیتا ہوں''۔

اس کے بعد فرمایا کہ ''تم کو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب وسنت رسول اللہ صلی اللہ کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو۔ اور اہل سنت والجماعت سے وابستہ رہو اور بدعت اور معاصی سے بچتے رہو۔ اور غالبًا یہ بھی فرمایا کہ! ''اس کی بہت حفاظت کرنا''۔ (حضرت شیخ الحدیث اور اُن کے خلفاء ۴۱۱)

تدریسی خدمات

دارالعلوم سے فراغت کے بعد متعدد مدرسوں میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ابتداءً گجرات میں کچھ دنوں آپ نے تدریس کے فرائض انجام دیئے جہاں دورۂ حدیث کی کتابیں بھی آپ سے متعلق رہیں۔ اس کے بعد شیخ الحدیث مولانا حمید الدین صاحبؒ کے اصرار پر مشرقی اضلاع کے قدیم دینی ادارہ مدرسہ نور العلوم بہرائچ میں منتقل ہو گئے اور ایک مدت تک درس و تدریس کے منصب پر فائز رہے، بہرائچ سے اپنے وطن ٹانڈہ کنز العلوم چلے گئے، لیکن ذمہ داران مدرسہ اور اہل بہرائچ کو ہمیشہ مولانا کے جانے کا احساس رہا، اور بار بار واپس لانے کی کوشش بھی ہوتی رہی۔ بالآخر مولانا کو دوبارہ واپسی پر راضی کر لیا، اس بار تقریباً چار سال تک آپ نے قیام کیا اور آپ سے مشکوۃ شریف، جلالین، ہدایہ میبذی وغیرہ کتابیں متعلق رہیں۔ ۱۴۰۵ھ میں آپ کو ازہر الہند دارالعلوم دیوبند میں خدمت تدریس کے لئے طلب کیا گیا، تو آپ دارالعلوم آ گئے اور وفات تک اسی مادر علمی سے وابستہ رہے۔ دارالعلوم دیوبند کی تقریبا ۹؍ سالہ مدت تدریس میں مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر، بیضاوی شریف وغیرہ کے اسباق متعلق رہے۔ کچھ دنوں آپ دارالافتاء میں بھی وقت دیتے رہے۔ مولانا پختہ اور تجربہ کار استاذ تھے۔ علوم و فنون میں کامل دست گاہ کے ساتھ حدیث و فقہ پر بھی اچھی نظر تھی۔ اور مسائل کی تحقیق کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ جب تک پوری طرح ہر پہلو سے شرح صدر نہ ہو جاتا اس وقت تک فتویٰ صادر نہ فرماتے تھے۔

حلقۂ ارادت

مولانا کا تدریسی خدمت کے سلسلہ میں زیادہ تر قیام بہرائچ رہا، اس لئے اہل بہرائچ سے حضرت مولانا اور اہل بہرائچ کو حضرت مولانا سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔

حضرت مولانا کا ایک زمانہ سے رمضان میں بہرائچ میں اعتکاف کرنے کا معمول تھا۔

جس کا آپ پورا اہتمام کرتے تھے اور شاید ہی کبھی ناغہ ہوا ہو۔ دارالعلوم کے قیام کے دوران بھی آپ کا یہ معمول رہا، درمیان سال میں بھی گاہے گاہے آپ سفر فرمایا کرتے تھے، آپ کی تشریف آوری سے لوگوں میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ جاتی، اور ذکر وشغل میں اضافہ ہوجاتا۔ عقیدت مند اور ارادت مند اپنی حسبِ استطاعت کسب فیض کرتے۔ آپ کے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ جوشہر اور اطراف وجوانب میں پھیلے ہوئے ہیں دیگر مقامات پر بھی آپ کے ارادت مند موجود ہیں۔

مولانا کی قابلِ ذکر خصوصیتیں

مولانا فطرۃً بڑے نیک، سیدھے، متواضع اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ تکلف وتصنع سے پوری زندگی عاری تھی، ذاکر، شاغل اور شب زندہ دار لوگوں میں سے تھے، حزم واحتیاط بھی حد درجہ تھا متعلقین وغیر متعلقین سے بڑے تپاک سے ملتے اور خیر وخبر دریافت کرتے اور اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ''کہو بھائی خیریت سے ہو''، کوئی باہر سے ملاقاتی آجاتا تو اس کی دعوت فرماتے اور اصرار کرتے اور سادگی کے انداز میں کہتے کہ مجھ سے بھائی تکلفات ہونہیں پاتے۔

متعلقین طلباء کو بزرگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین فرماتے کبھی کبھی دوران سبق بھی طلبہ کو اپنے بزرگوں سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرنے کی طرف توجہ دلاتے اور اس کے فوائد بتلاتے، داڑھی اور پائجامہ پر ہمیشہ نظر رکھتے اگر کسی میں کوئی خامی محسوس ہوتی تو فوراً ٹوکتے۔

خانوادۂ مدنی سے آپ کو بڑا گہرا تعلق تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے واقعات بڑے ذوق شوق سے سناتے اور بعض وقت تذکرہ کرتے کرتے آبدیدہ ہوجاتے حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ سے بھی آپ کو بڑا گہرا تعلق تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے دیوبند قیام کے دوران عصر کے بعد کی مجلس میں حاضری لازمی ہوتی تھی۔ حضرت مولانا یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سے بھی آپ کا قلبی تعلق تھا۔ اور بعض اوقات اس کا تذکرہ بھی

فرماتے اور بہت محظوظ ہوتے۔

مہتمم مدرسہ شاہی حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدیؒ کے آپ ہم درس اور بے تکلف ساتھی تھے، یہ دوستی اخیر عمر تک پوری طرح قائم رہی۔ حضرت مہتمم جب دیوبند تشریف لے جاتے تو وقت نکال کر ملنے کے لئے تشریف لاتے اور پرانی یادیں تازہ کرتے تھے۔ اسی طرح امتحانات وغیرہ کے موقع پر مدرسہ شاہی میں تشریف آوری فرماتے رہتے تھے۔

تصنیف وتالیف

مولانا کوئی تصنیف وتالیف نہیں چھوڑی؛ البتہ حضرت شیخ الحدیث نے ایک مرتبہ مشکوٰۃ پر نوٹ لکھنے کا امر فرمایا تھا اس کا آپ نے التزام کیا اور اپنے متعلقین کو بھی مولانا بار بار اس کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ مولانا کے فیض یافتگان کی تعداد ہزاروں سے زائد ہے جو ہند و بیرون ہند علم کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہ اِن شاء اللہ ذخیرہ آخرت بنیں گے۔

وفات

حضرت مولانا کافی دنوں سے بلڈ پریشر کے مریض تھے وقتاً فوقتاً اس میں کمی زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ ۲۶ر شعبان ۱۴ھ کو ملاقات کی غرض سے بہرائچ جانا ہوا اتفاقاً بلڈ پریشر کافی بڑھ گیا۔ ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا جس سے طبعیت قدرے بہتر ہوگئی۔ لیکن ۲۷ر شعبان کو بعد نماز عشاء سخت حملہ ہوا۔ مقامی علاج ومعالجہ کے بعد آپ کو بغرض علاج لکھنؤ لے جایا گیا۔ لیکن طبعیت تشویشناک صورت اختیار کرتی گئی اور بالآخر ۱۸ر رمضان ۱۴۱۴ھ بروز چہارشنبہ ساڑھے دس بجے شب روح اس قفس عنصری سے پرواز کرکے اپنے رب حقیقی سے جاملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رات ہی میں جنازہ وطن لے جایا گیا۔ اگلے دن بعد نماز ظہر تدفین عمل آئی، دور اور قریب سے کافی بڑی تعداد میں لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی، نماز جنازہ آپ کے بڑے لڑکے مولانا مفتی محبوب الرحمٰن صاحب نے پڑھائی۔

اس طرح قوم وملت خصوصاً دارالعلوم ایک متبحر عالم مخلص، بے لوث خادم اور ولی کامل سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا۔

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے!
مدتوں رویا کریں گے جام وپیانہ مجھے

پسماندگان

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محبوب الرحمٰن صاحب دارالعلوم حسینیہ مانگرول ضلع جوناگڈھ گجرات میں پڑھا رہے ہیں، دوسرے مخلص الرحمان جو دارالعلوم دیوبند کے متعلم ہیں، چھوٹے صاحبزادے لمعان الرحمٰن ہیں۔ اور سات بچیاں ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے اور نعم البدل مرحمت فرمائے اور حضرت مولانا کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

اللہ ان پر بارش رحمت ہو دم بدم
ان کے لئے کھلیں ترے رحم وکرم کے باب

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۴ء)

حضرت مولانا احرار الحق صاحبؒ

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

مولانا کلیم اللہ نوریؒ (مدرسہ نور العلوم بہرائچ)

مجاہد آزادی مولانا کلیم اللہ صاحب نوری مشرقی اتر پردیش کے قدیم علمی و دینی مرکز مدرسہ نور العلوم بہرائچ کے روح رواں اور روایات سلف کے امین ہیں۔ اپنے علاقہ میں مولانا کی پرعزم خدمات زباں زد خاص وعام ہیں۔ حضرت مولانا احرار الحق صاحبؒ سابق استاذ دار العلوم دیوبند ایک مدت تک مدرسہ نور العلوم سے وابستہ رہے جب کہ مدرسہ کی انتظامی ذمہ داریاں مولانا کلیم اللہ صاحب کے سپرد تھیں۔ اس اعتبار سے یہ دونوں حضرات آپس میں بے لوث اور مخلصانہ تعلق رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے مونس وغم خوار تھے، دار العلوم تشریف لے جانے کے بعد بھی یہ تعلق برابر قائم رہا۔ اور جب بھی مولانا احرار الحق صاحب بہرائچ تشریف لے جاتے تو مولانا کلیم اللہ صاحب ہی کے پاس قیام فرماتے تھے۔ اس دیرینہ رفاقت کو دیکھتے ہوئے راقم مرتب نے مولانا کلیم اللہ صاحب سے درخواست کی کہ وہ مولانا مرحوم کے بارے میں اپنے تأثرات اور یادداشتیں قلم بند فرمائیں تاکہ مولانا کی زندگی کے مخفی گوشے سامنے آسکیں۔ اور طالب حق کے لئے ہدایت کا سامان ہوسکے اور اندازہ کیا جاسکے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی ایسے باکمال لوگوں سے دنیا خالی نہیں ہے۔ مولانا موصوف نے درخواست قبول کرتے ہوئے درج ذیل حالات وواقعات قلم بند فرمائے ہیں۔ جسے ان کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

صبر و شکر

مجھے کافی عرصہ حضرت مولانا احرار الحق کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہ طبعی طور پر بے

تکلف اور سادہ شخص تھے میں نے اپنی زندگی میں ایسا زاہد فی الدنیا آدمی نہیں دیکھا۔ آپ کی زندگی کا اکثر حصہ عسرت وتنگی میں گذرا مگر کبھی دنیا بڑھانے کی جد وجہد نہیں کی۔ ہمیشہ صابر وشاکر رہے۔

خود اپنا واقعہ سناتے تھے کہ جب میں بمبئی سے دیوبند پڑھنے کے لئے آیا تو میرے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا تھا۔ جس پر کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ سر پر جو گول ٹوپی تھی اس کا چندرا غائب تھا۔ صرف گھیرا موجود تھا۔ عرصہ تک اسی کو دھودھو کر پہنتا تھا۔ اور تو اور پہننے کو لئے جوتا چپل تک نہیں تھا۔ میرا ایک ساتھی کوڑی پر سے ایک پرانا چپل اٹھالایا جس میں ڈوری باندھ کر میں اسے عرصہ تک استعمال کرتا رہا اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لایا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میں بمبئی میں مقیم تھا۔ تو پہلوانی کی عادت کی بنا پر میری خوراک کافی زیادہ تھی۔ بمبئی میں بیسی ہوٹل چلتے تھے (کہ ۲۰/روپیہ جمع کر دیں اور مہینہ بھر اپنی ضرورت کے بقدر کھانا کھاتے رہیں) میں اپنے بھائی کے ساتھ ایسے ہی ایک ہوٹل میں کھانا کھاتا تھا میری زیادتی خوراک کو دیکھ کر کچھ دن بعد ہوٹل والے نے صاف جواب دیدیا کہ میں ان کو (۲۰/روپیہ میں) کھانا نہیں کھلا پاؤں گا۔ چنانچہ وہاں کھانا بند کر دیا۔

سادگی اور رواداری

بہرائچ کے اطراف میں حضرت مولاناؒ کا حلقہ ارادت کافی وسیع تھا لیکن کبھی آپ نے مریدوں کو زیر بار نہیں کیا۔ ایک مرتبہ آپ کے مریدوں نے جلسہ کا نظم کیا۔ میں بھی مدعو تھا۔ جب کھانا آیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں کوئی لوازمات نہیں ہیں۔ میں نے میزبان سے جو میرا شاگرد بھی تھا۔ حضرت مولانا ہی کے سامنے ازراہ نصیحت کہا کہ تم اتنے بڑے بڑے پیروں کو بلا لیتے ہو۔ مگر تم سے کھانے پینے تک کا صحیح انتظام نہیں ہو پاتا۔ کم از کم بکرے کا گوشت ہی منگالیا ہوتا۔ الغرض میں مولانا کو سنا سنا کر میزبان کو متنبہ کرتا رہا۔ مولاناؒ مسکراتے رہے، اور کوئی جواب نہیں دیا اور واپس جب قیام گاہ پر پہنچے تو مجھ سے ہنس کر فرمانے لگے کہ اگر آپ میرے ساتھ

رہیں تو میرے سارے مرید ٹھیک ہو جائیں۔موصوف پرانے تعلقات نبھانے میں اپنی جگہ ممتاز تھے۔ بہرائچ سے چلے جانے کے بعد ایک مرتبہ آپ کا شہر میں آنا ہوا۔ایک بے تکلف صاحب خیر کے یہاں دعوت تھی کھانے سے فراغت کے بعد انھوں نے حضرت مولاناؒ سے اصرار کیا کہ آپ مدرسہ نور العلوم میں قیام نہ فرمائیں، بلکہ میرے یہاں قیام کریں،مولانا نے جواب دیا کہ بھائی میں وہیں رہوں گا وہ صاحب پھر اصرار کرنے لگے تو حضرت مولاناؒ لیٹے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور غصہ میں فرمایا، یہاں میرا تعارف مدرسہ نور العلوم کے ذریعہ ہوا، میری کوئی دعوت کرے یا نہ کرے میں مدرسہ نور العلوم کو نہیں چھوڑ سکتا، مجھے کون جانتا تھا، مدرسہ نور العلوم ہی سے تعلق کی بنا پر لوگوں نے مجھے جانا اور مولوی صاحب (مولانا کلیم اللہ صاحب) نباہ رہے ہیں تو میں کیوں نہ نبھاؤں،جس کا جی چاہے آئے جس کا جی چاہے نہ آوے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مولاناؒ کو اس قدر غصہ ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔دراصل یہ کیفیت مولانا کی طبعی رواداری کی بنا پر تھی۔

مہمان نوازی

عسرت و تنگی کے باوجود آپ مہمانوں کی خاطر تواضع اور دل داری کا ہر ممکن خیال فرماتے اور پوری طرح وسعت ظرفی کا ثبوت دیتے تھے۔ایک مرتبہ جب کہ آپ کی پہلی اہلیہ محترمہ حیات تھیں۔ بہرائچ میں آپ نے ہم چند احباب کی دعوت دی۔ہم لوگ پہونچے تو دیکھا سارا کھانا دسترخوان پر رکھا ہوا ہے۔کم از کم ایک کیلو گوشت بہت ساری روٹی اور ایک سینی میں چاول،ایک بڑے کٹورے میں دال، میں نے عرض کیا کہ حضرت اتنا کون کھائے گا؟ فرمانے لگے ''بھائی! کھاؤ جو بچے گا واپس چلا جائے گا''۔

مرض وفات

حضرت مولانا ہر سال بہرائچ کے اطراف کے مواضعات اور دیہاتوں میں اپنے متوسلین کی دعوت پر تشریف لاتے تھے۔ یہ اسفار عموماً بڑی مشقت کے ہوتے۔حضرت اپنی

سادگی کی بنا پر سائیکل اور بیل گاڑی سے سفر کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ فرماتے تھے۔اس مرتبہ آپ اپنے پروگرام کے مطابق بیماری کی حالت میں ابتداءً جہانگیر آباد ضلع سیتاپور پہونچے جہاں سے تقریباً دس کلومیٹر دور حکیم پورہ سائیکل کے ذریعہ تشریف لے گئے۔ایک میل سے خود سائیکل چلانے لگے۔پسینہ میں شرابور تھے۔

بستی کی مسجد کے سامنے جب پہنچے تو مغرب کا وقت قریب تھا، سائیکل سے اتر کر ایک چارپائی پر لیٹ گئے، لوگوں نے مصافحہ کرنا چاہا مگر آپ نے اشارہ سے منع کر دیا اور پنکھا جھلنے کو کہا کچھ آرام ہونے پر نماز مغرب ادا فرمائی۔اس کے بعد وہاں سے اگلے روز اس حال میں بہرائچ کا سفر کیا کہ موٹر سائیکل سے روانہ ہوئے وہ راستہ میں خراب ہوگئی تو پھر سائیکل اور تانگہ پر بیٹھ کر قیصر گنج پہنچے اور وہاں سے بہرائچ آئے۔یہ ۴؍فروری ۱۹۹۴ء کی تاریخ تھی۔آپ دل کے مریض تھے۔بہرائچ میں اپنے جاننے والے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا۔پھر مدرسہ نور العلوم تشریف لائے۔ڈاکٹر صاحب نے سختی سے حرکت کرنے کو منع کر دیا تھا۔میری جب ملاقات ہوئی اور مجھے روداد سفر معلوم ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ حضرت اب آپ اس طرح سفر نہ کیا کریں۔اور جسے بلانا ہو وہ آپ کو لکھنؤ سے کار کے ذریعہ لایا کرے۔آپ نے کہا کہ اب ایسا کروں گا، مگر پھر بہت درد انگیز لہجہ میں کہنے لگے کہ ''میرے لوگ بہت غریب ہیں''۔

ماہر قلب ڈاکٹر نے آپ کی حالت دیکھ کر یہ تشخیص کیا کہ آپ کا قلب صرف ۳۰ فیصد کام کر رہا ہے۔مجھے تشویش ہوئی۔میں نے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا کہ مولانا کو باقاعدہ ہسپتال میں داخل کرادیا جائے۔چنانچہ صاحبزادہ مولوی محبوب الرحمٰن اور آپ کے برادران کے مشورے سے ۱۴ فروری ۱۹۹۴ء کو مشن ہسپتال بہرائچ میں منتقل کیا گیا۔پھر ۱۹؍فروری کو آپ لکھنؤ لے جائے گئے۔جہاں ۲؍مارچ کو رات ۱۰؍۱۲ بجے آپ کا وصال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آخری لمحات

قیام بہرائچ کے وقت ہی سے آپ کی توجہ دینا سے منقطع اور آخرت کی طرف زیادہ ہوگئی

تھی۔ایک موقع پر میں اور مولوی محبوب الرحمٰن مہمان خانہ میں تھے۔مجھ کو بلایا اور ہاتھ پکڑ لیا اور فرمانے لگے مجھے معاف کردو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی جسے معاف کیا جائے۔البتہ میں معافی کا خواستگار ہوں کیوں کہ میں انتظامیہ میں تھا مجھ سے گستاخی ہوسکتی ہے۔مگر پھر اصرار کیا بالآخر جو وہ کہلوانا چاہتے تھے وہ کلمات میں نے ادا کردئے۔پھر مجھے بھی معاف فرمایا اور فرمایا آپ نے خوب نبھایا، یہ کلمات تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔اور کہنے لگے کہ میں مدرسہ کا کبھی مخالف نہیں رہا، وغیرہ وغیرہ۔

آخری مکتوب

آخری سفر سے قبل آپ نے احقر کو درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا، جو میرے پاس آپ کی آخری یادگار ہے:

محترم ومکرم حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔بحمداللہ تعالیٰ خیریت سے ہوں، میں اِن شاءاللہ تعالیٰ ۲۴ یا ۲۵ ؍شعبان کو عصر ومغرب تک بہرائچ پہنچ رہا ہوں، امسال باوجود بار بار طبیعت کے تقاضے کے حاضر نہ ہوسکا، اِس لئے اِن شاءاللہ تعالیٰ حاضر ہوگا۔ بانس گاؤں ہوکر آؤں گا۔محبوب الرحمٰن سلمہٗ سلام مسنون پیش کررہا ہے۔مخلص الرحمٰن دیوبند میں نہیں ہے، علاج کے لئے بمبئی گیا ہے، بقیہ حالات درست ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ خیر وعافیت کے ساتھ ہوں اور جملہ متعلقین خیریت سے ہوں۔احباب میں سے جن سے سہولت سمجھیں سلام مسنون پیش فرمادیں، والسلام۔

احرارالحق غفرلہٗ ۱۹؍شعبان ۱۴۱۴ھ

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کا تعزیتی مکتوب

حضرت مولاناؒ کی وفات پر تعزیت کے سلسلے میں جگر گوشۂ شیخ الاسلامؒ مولانا سید ارشد صاحب مدنیؒ مدظلہ العالی نے مدینہ منورہ سے درج ذیل مکتوب راقم کے نام ارسال فرمایا جو بعینہٖ

درج ہے:

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔ اوائل رمضان میں مولوی حیات اللہ صاحب دلی سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ آئے تھے، ملاقات ہوئی تو بتایا کہ مولانا احرار صاحب بیمار ہیں، دل کا دورہ پڑ گیا ہے، ابھی کل دیوبند فون کیا، تو انتقال کی خبر ملی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ **فسبحان من له الدوام**۔ بڑا دکھ ہوا، بہت نیک آدمی تھے، نہ غیبت نہ چغلی، ان کی مجالس ان برائیوں سے پاک ہوتی تھی، عسرت میں زندگی گذارتے تھے اور پاکیزہ زندگی تھی، کثیر العیال تھے، اور چھوٹے بچے تھے، بس بڑا بچہ گجرات میں کسی جگہ ملازم ہے، اللہ سب کی پرورش فرمائے اور نگرانی کرے، آمین۔

جب سے خبر سنی ہے برابر اُن کا خیال رہتا ہے۔ تقریباً روز ہی عصر کے بعد آجایا کرتے تھے۔ ایک اچھے نیک صاحبِ نسبت ساتھی رحلت کر گئے، اللہ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین ثم امین۔

ارشد غفرلہٗ مقیم حال مدینہ منورہ

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۴ء)

مولانا حکیم محمد احسن صاحب قاسمیؒ

گذشتہ ۶ رمئی ۱۹۹۴ء کی شب میں ضلع مرادآباد کے مشہور عالم اور خادم قوم وملت جناب مولانا حکیم محمد احسن صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آبائی وطن سنبھل میں وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب موصوف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اور ورع وتقویٰ خدمت خلق اور وضعداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی ان طبعی صفات کو دارالعلوم دیوبند کی نسبت قاسمیہ نے مزید دوآتشہ بنادیا تھا جسے ہر ملنے والا بخوبی محسوس کرتا تھا۔ آپ نے اخیر وقت تک انجمن معاون الاسلام سنبھل اور اس کے تحت چلنے والے دینی ادارے مدرسہ مدینۃ العلوم کی کامیاب سرپرستی فرمائی اور اسے ترقی تک پہنچانے میں ہر ممکن جدوجہد فرماتے رہے۔ الحمدللہ یہ دونوں ادارے اس وقت سنبھل میں اپنا امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے مطب کو خدمت خلق کا عنوان بنائے رکھا۔ بہت سے نادار مریضوں کا مفت میں علاج فرما کر ان کی دعا کو اپنے دامن میں سمیٹتے رہے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر سے بھی قلبی لگاؤ تھا۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بظاہر پر ہوتا نظر نہیں آتا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت موصوف کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور استقامت کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۱۹۹۴ء)

مولانا عبدالحلیم صاحب فاروقیؒ

دارالعلوم فاروقیہ کاکوری کے مہتمم، ماہنامہ ''البدر'' کے سرپرست، امام اہل سنت والجماعت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کے برادرزادے اور لکھنؤ کے مشہور ومعروف عالم دین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فاروقی لکھنوی گذشتہ ۲۳ر ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ کو کئی دن بے ہوش رہ کر سفرآخرت پر روانہ ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے ۱۳۳۰ھ میں ایک ایسے خانوادے میں آنکھیں کھولیں جہاں ہر دم بے توفیق تقیہ کار اور تبرا باز شیعوں کے مقابلہ میں صحابہؓ کی عظمت کے تذکرے ہوتے تھے، جاں نثاران نبوت کی یاد میں مجلسیں ہوتی تھیں، اور خانوادہ کے ہر فرد کو شیعیت کے تار وپود بکھیرنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ اس ماحول نے شروع سے ہی آپ کے دل میں خدمت دین کی شمع فروزاں کردی۔ اور ظاہری تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ پورے طور پر اشاعت دین میں مشغول ہوگئے آپ کی زندگی کا بڑا کارنامہ درالعلوم فاروقیہ کاکوری ہے۔ جس کا شمار اس وقت لکھنؤ کے اطراف کے مشہور اداروں میں ہوتا ہے اور جس نے آپ کی سرپرستی میں مختصر مدت میں شاندار ترقی کی ہے۔ اسی طرح ماہنامہ ''البدر'' بھی مسلسل ۱۷ر سال آپ کی سرپرستی اور نگرانی میں شائع ہوتا رہا ہے۔ اپنی ذاتی زندگی میں حضرت موصوف نہایت وضعدار اور رواداری سے بھر پور طبیعت کے مالک تھے۔ بڑوں کے احترام اور چھوٹوں پر شفقت میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ آپکی وفات کی کسک علمی طبقوں میں برابر محسوس کی جائے گی۔ ادارہ ندائے شاہی حضرت مرحوم کے سانحہ وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور آپ کے جانشین مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی ودیگر برادارن کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔ اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند سے بلندتر مرتبہ فرمائے۔ آمین۔ (ندائے شاہی جولائی ۱۹۹۴ء)

❍❖❍

مولانا نجم الدین اصلاحیؒ

گذشتہ ۱۳؍ اگست ۱۹۹۴ء کو مشہور صاحب تصنیف بزرگ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے شیدائی، جمعیۃ علماء کے قدیم ورکر، حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؒ اپنے وطن مالوف سکرور ضلع اعظم گڈھ میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا اصلاحیؒ اس دور میں اکابر کے علوم کے امین اور ان کی مجلسوں سے براہ راست اکتساب فیض کی سعادت رکھنے والے بزرگ تھے۔ پہلے آپ نے مجدد مشرق حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، ان کے وصال کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع فرمایا، اور حضرت تھانویؒ کی وفات کے بعد بکمال نیاز مندی آستانۂ شیخ مدنیؒ سے وابستہ ہوگئے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس تعلق میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔ آپ کی زندگی کا لازوال کارنامہ مکتوبات شیخ الاسلام (چار جلد) کی ترتیب وتدوین ہے، جسے آپ نے پوری استقامت اور جانفشانی کے ساتھ انجام دیا۔ اور ملتِ اسلامیہ کو حضرت شیخ الاسلامؒ کے علمی، سیاسی، اور اصلاحی گنجہائے گرانمایہ سے روشناس کرایا۔ آپ نے دیو بند سے شائع ہونے والے مشہور رسالہ ''تذکرہ'' کی سالہا سال ترتیب وادارت کی ذمہ داریاں انجام دیں اور رسالہ کو علمی اور صحافتی حلقوں میں وقعت وعزت کے مقام پر فائز کیا۔ آپ کی کتاب ''دلائل السنن والآثار'' بھی علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اسی طرح حال ہی میں شائع شدہ ''سیرت شیخ الاسلام'' کی دو ضخیم جلدیں بھی آپ کی تصنیفی یادگاروں میں نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف رسائل بھی آپ نے تصنیف فرمائے اور مودودیت کے سلسلے میں آپ کی مدلل ومفصل مضامین ''الجمعیۃ'' سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوتے رہے، آپ کو مشہور

مفسر حضرت مولانا علامہ حمید الدین فراہیؒ کی خصوصی شاگردی کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ کی تصنیفات میں جا بجا علامہؒ موصوف کے افادات کا ذکر ملتا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے نقطہ نظر اور فکری دوراندیشی کے آپ کٹر حامی تھے۔ اور آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد برابر اسی فکر کے پر جوش مبلغ رہے۔ ایک عرصہ سے آپ صاحب فراموش تھے۔ ۱۹۹۲ء میں جب ندائے شاہی کا تاریخ شاہی نمبر مرتب کیا جا رہا تھا تو آپ سے بھی مضمون لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی جس کے جواب میں مولانا موصوف نے لکھا۔ ''نمبر شائع کرنے کے ارادے سے خوشی ہوئی، لیکن افسوس کہ یہ موقع ایسے وقت آیا جب کہ زبان وقلم اظہار جذبات وواقعات سے عاجز ہو چکے ہیں، اس لئے معذرت پیش ہے۔ (ملخصا) آپ کی وفات سے علمی حلقہ میں بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، اور اکابر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والی ایک عظیم شخصیت سے ہم محروم ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔ ادارہ ''ندائے شاہی'' مولانا مرحوم کے سبھی اعزاء واقارب اور شاگردوں کی خدمت تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

(ندائے شاہی ستمبر ۱۹۹۴ء)

حضرت مولانا محمد یاسین خان پوریؒ

کلورکوٹ پنجاب، پاکستان

اوائل اکتوبر ۱۹۹۴ء میں یہ خبر سن کر دل دھک سے ہوگیا کہ مولانا محمد یاسین خان پوریؒ پاکستان میں اپنے وطن کلورکوٹ (پنجاب) میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات سے آزادی ہند کی تاریخ کا ایک باب بند ہوگیا۔ مولانا جنگ آزادی کے جانباز سپاہی اور جمعیۃ علماء کے مخصوص ورکر تھے۔ طالب علمی کے دور سے ہی ملی خدمات کے میدان میں قدم رکھا۔ تحریکات میں بھرپور حصہ لیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے ساتھ سفر وحضر میں خدمت کا کافی موقع ملا، مولانا جب اس دور کا ذکر کرتے تو گھنٹوں گذر جاتے مگر مولانا کی یادوں کا تسلسل ختم نہ ہوتا۔ باربار اپنے اساتذہ بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کا ذکر کرتے وقت آنکھیں نمناک ہوجاتی تھیں اور دامن صبر چھلک اٹھتا۔

مولانا جیسے اصول کے پابند آدمی بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں، عزم میں پختگی اور بڑھاپے میں بھی جوانوں سے زیادہ بلند ہمتی آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حالانکہ آپ کا شمار بڑے مالداروں میں ہوتا تھا۔ لڑکوں کے بڑے بڑے کاروبار اور آمدنی کے ذرائع تھے۔ لیکن آپ نے ہمیشہ سادگی اور جفاکشی کی زندگی گذاری۔ دوسروں کے محتاج نہیں رہے بلکہ خود بڑی عمر ہونے کے باوجود آگے بڑھ کر جوانوں کو سہارا دیا کرتے تھے۔ ہندوستان تشریف آوری پر آپ کا زیادہ تر قیام مدنی منزل دیوبند اور مرادآباد میں حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب

حمیدی مدظلہٗ کے دولت کدہ پر رہتا تھا۔ گذشتہ سال دسمبر میں آخری مرتبہ ہندوستان تشریف لائے اور مولانا اشہد صاحب رشیدی کی تقریب نکاح میں شرکت فرمائی۔ اس سفر میں آپ کے چھوٹے صاحبزادے اور اہلیہ بھی ہمراہ تھیں۔ خانوادۂ مدنی سے آپ کو عشق کے درجہ کا تعلق تھا۔ خاندان کا کوئی فرد پاکستان چلا جاتا تو اس کے لئے فرشِ راہ بن جاتے اور پورے سفر میں ساتھ رہنے کی کوشش کرتے۔ پاکستان میں آپ نے اپنے کو گروپ بند سیاست سے الگ تھلک رکھا۔ سبھی علماء اور قائدین سے آپ کے مخلصانہ روابط قائم تھے۔ علماء کے اختلاف سے آپ کو طبعی تنفر تھا اور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح اپنے مسلک کے علماء ایک پلیٹ فارم پر آجائیں یہی وجہ تھی کہ ہر طبقہ کے علماء آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور احترام کرتے تھے۔ موت برحق ہے لیکن مولانا جیسی شخصیت کی جدائی عرصہ تک ستائے گی اور بار باران کی کمی کا احساس کیا جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور سبھی پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۴ء)

حضرت مولانا محمد طاہر صاحب کلکتویؒ

مغربی بنگال کے امیر شریعت اور صدر جمعیۃ علماء، حضرت مولانا محمد طاہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم جامعہ مدنیہ کلکتہ گذشتہ ۲۴ر نومبر ۱۹۹۴ء کو ۷۲ر سال کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ ایک متبحر عالم، بنگلہ زبان کے صاحب طرز ادیب، بہترین اور مقبول مصنف اور ورع وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ بنگال کا چپہ چپہ آپ کی دینی وملی خدمات کا شاہد ہے۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بظاہر پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔ آپ نے ۱۷ر سال کی عمر سے ہی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے دامن تربیت سے وابستگی قائم فرمائی تھی، جو وقت کے ساتھ بڑھتی چلی گئی؛ تا آنکہ آپ کو ٹانڈہ میں حضرتؒ مولانا نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ پہلے آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں حدیث کا درس دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے کلکتہ میں جامعہ مدنیہ کے نام سے ایک عظیم دار العلوم کی بنیاد ڈالی۔ آپ کو علم حدیث سے خاص شغف تھا، جامعہ مدنیہ میں صحیحین کا درس اخیر زندگی تک دیتے رہے، آپ اپنے چھوٹوں کو بھی حدیث سے شغف رکھنے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ اس اشتغال بالحدیث کی بنا پر احقاق حق اور ابطال باطل کے جذبات آپ کے دل میں ہمیشہ موجزن رہتے اور اس سلسلے میں کسی کی خوشی یا ناخوشی کا قطعاً لحاظ نہ فرماتے تھے۔ ۴ر سال قبل جب بنگال کی کمیونسٹ حکومت نے نکاح رجسٹریشن بل اسمبلی میں پیش کیا تو آپ نے پورے بنگال میں جگہ جگہ احتجاجی جلسے کر کے رائے عامہ اتنی بیدار کر دی کہ حکومت مذکورہ بل واپس لینے پر مجبور ہو گئی۔

آپ کے لازوال کارناموں میں سر فہرست بنگلہ زبان کی تفسیر قرآن ہے جو ۶ر جلدوں

میں آپ کے ذاتی ادارہ ''مدنی اسلامک مشن'' سے شائع ہوئی ہے۔ اس تفسیر کی زبان اتنی معیاری ہے کہ اسے ڈھاکہ یونیورسٹی میں داخل نصاب کر دیا گیا ہے اور بنگلہ کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں وہ بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ۳۰؍ کے قریب اصلاحی رسائل تصنیف فرمائے ہیں، جو سب شائع ہو چکے ہیں، اور عوام وخواص میں بہت پسند کئے جاتے ہیں۔

امانت ودیانت میں آپ کی بلندی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جامعہ مدنیہ سے نہ صرف یہ کہ مشاہرہ نہیں لیتے تھے؛ بلکہ جس کمرہ میں قیام فرماتے تھے اس کا کرایہ، اور جو بجلی اور پانی استعمال کرتے تھے اس کی اجرت اور جامعہ کا جو فون ذاتی استعمال میں لاتے تھے اس کی قیمت، حتی کہ جامعہ کے جس تخت پر آرام فرماتے تھے اس کا کرایہ بھی اپنی جیب خاص سے حساب لگا کر جامعہ کے خزانہ میں داخل فرماتے تھے، ان چیزوں پر کاربند رہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص توفیق ہی کے ذریعہ ممکن ہے، ورنہ اس جگہ آ کر اچھے اچھے دیندار بھی بے احتیاطی کر جاتے ہیں۔ بہرحال مولانا چلے گئے، ان کی نورانی صورت اور منحنی سا سراپا آج بھی نظروں کے سامنے ہے۔ راقم الحروف کے وہ سرپرست تھے، اور اخلاص کے ساتھ دعاؤں سے نوازنے والے تھے، جب بھی ملاقات ہوتی انتہائی شفقت سے پیش آتے، دعائیں دیتے اور قیمتی نصیحتوں سے نوازتے تھے، کلکتہ جب بھی جانا ہوتا، یہ ممکن نہ تھا کہ مولانا سے شرف ملاقات نہ حاصل کروں، اس مرتبہ بھی جانا ہوا مگر پہلے زیارت کے لئے جانا ہوتا تھا، اب تعزیت کے لئے جانا ہوا۔ جامعہ مدنیہ اب بھی قائم ہے، طلبہ میں تعلیم وتعلم کا ماحول اب بھی موجود ہے، مگر وہ ذات جس کی طرف نظریں اٹھتی تھیں، اسے نہ پا کر جو احساس ہوا، وہ ناقابل بیان ہے۔

(ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا سید محمد ممتاز امین صاحبؒ

گذشتہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۴ء کی شب میں ہمارے خانوادہ کے ایک معزز بزرگ حضرت مولانا سید محمد ممتاز امین صاحب اپنے وطن مالوف خانجہانپور ضلع مظفرنگر میں ۶۲ ر سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ حضرت مولانا محمد نبی صاحب خانجہانپوری شاگرد رشید حضرت شیخ الہندؒ وشریک تحریک ریشمی رومال ورکن شوریٰ دارالعلوم کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ نے علوم دینیہ کی تکمیل دارالعلوم میں کی تھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ خاندانی شرافت کے علاوہ دین داری میں آپ کی ذات دوسروں کے لئے قابل رشک تھی۔ قرآن پاک کی تلاوت اور تکبیر اولیٰ کے اہتمام کے ساتھ نماز باجماعت کا التزام آپ کی امتیازی خوبیوں میں شامل تھا۔ رمضان المبارک میں یومیہ ایک قرآن پاک اور سال کے عام دنوں میں روزانہ دس پارے چلتے پھرتے پڑھنے کا معمول رہا، اخیر میں تقریباً ایک مہینہ دماغی مرض میں مبتلا رہے، اس درمیان جب بھی ہوش آیا قرآن پاک پڑھتے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام عالی عطا فرمائے، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۵ء)

رفتـــــــگاں

۱۹۹۵ء

- جناب ملا محمد اصغر صاحبؒ ٹنڈ ہیڑوی
- حضرت مولانا بشیر احمد صاحب حسینی فیض آبادیؒ
- حضرت مولانا حکیم عبدالقدوس صاحب دیوبندیؒ
- حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ
- حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ

مسیحائے کشمیر ملا محمد اصغر ٹنڈ ھیڑویؒ

مولانا خضر محمد صاحب کشمیری اُستاذ دارالعلوم دیوبند

مدرسہ عربیہ حسینیہ شمس العلوم ٹنڈ ھیڑہ ضلع مظفرنگر کے بانی اور مہتمم ملا محمد اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۴ ؍شعبان ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۶ ؍جنوری ۱۹۹۵ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ملا جی ایک سیدھے سادے پرانی وضع کے آدمی تھے، تعلیم وتعلم سے ناآشنا اور رسمی تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ مگر اکابر علماء سے مخلصانہ ربط وتعلق نے ان کے اندر ایمان ویقین کی شمع فروزاں کر دی تھی اور خدمت خلق واشاعت دین کے لئے قابل رشک جذبہ کو وجود بخشا تھا۔ خاص کر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے عاشقوں میں سے تھے۔ جب بھی حضرتؒ کا ذکر ہوتا آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔ آپ نے ٹنڈ ھیڑہ میں مدرسہ عربیہ حسینیہ شمس العلوم کے نام سے ایک معیاری دینی مدرسہ قائم کیا۔ جس کی بنیاد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے دست مبارک سے رکھوائی۔ طبیعت میں حد درجہ سادگی اور بے تکلفی تھی، تصنع اور بناوٹ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ مدرسہ کے کسی کام سے کبھی بھی عار نہ کرتے تھے۔ ملا جی کی ایک پرانی سائیکل تھی جس پر صبح کو نکلتے اور مدرسہ کی خاطر دن بھر دیہاتوں کے چکر لگاتے۔ میں نے دیکھا کہ جس وقت سائیکل پر سوار ہوتے تو کہا کرتے تھے:

چل میری سائیکل شمس العلوم
دنیا میں مچے گی تیری دھوم

اپنے مدرسہ کے چندہ کے لئے ملا جی کشمیر جایا کرتے تھے۔ اس ذریعہ سے انھوں نے کشمیر میں صحیح فکر پھیلانے اور بدعات سے بچا کر دیوبندی مسلک رائج کرنے میں زبردست

کردار ادا کیا ہے۔ شروع شروع میں لوگوں نے لعن طعن کی، برا بھلا کہا، حتیٰ کہ گھروں سے باہر بھی نکالا مگر ملا محمد اصغر اپنی دھن میں لگے رہے۔ ملا جی کشمیر سے صرف چندہ ہی نہ لاتے، بلکہ وہاں سے طلبہ بھی اپنے ساتھ لاتے تھے، جن میں بعض بہت کم عمر ہوتے، ملا جی ان کی پوری طرح نگہداشت کرتے تھے۔ ملا جی کی یہ بے لوث محنت رنگ لائی اور آج کشمیر میں دیوبندی دینی مدارس اور علماء میں اکثریت ملا جی کی نگرانی میں پڑھنے والے کشمیری طلباء کی ہے۔

میں بہت کم عمر تھا جب ملا جی کے توسط سے میرا داخلہ ٹنڈ ہیڑہ کے مدرسہ میں ہوا، تو اسی زمانہ میں چندہ کے لئے میرے وطن گئے۔ میری والدہ نے روتے ہوئے کچھ رقم مجھے دینے کے لئے موصوف کے حوالے کی، شمس العلوم جب تشریف لائے تو مجھے رقم دے کر میری والدہ کے رونے کا منظر بیان کیا، میں رونے لگا تو خود بھی بے تحاشہ روئے؛ بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب ہم نوعمر کشمیریوں کو اپنے وطن اور اہل خانہ کی یاد میں رونا آتا، تو ملا جی بھی ہمارے ساتھ رونے لگتے تھے۔ افسوس یہ خلوص ومحبت کا پیکر ۲۶/جنوری ۱۹۹۵ء کو دن میں بارہ بجے ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا، وصیت کے مطابق مدرسہ میں ہی تدفین ہوئی۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملا جی کو غریق رحمت فرمائے، اور درجات بلند سے بلند تر فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا حکیم عبدالقدوس دیوبندی مہاجر مدنیؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ اجل اور ایک سچے عاشق رسول، حضرت مولانا حکیم عبدالقدوس صاحب دیوبندیؒ نے شوال ۱۴۱۵ھ میں اپنی دیرینہ آرزو کے مطابق مدینہ منورہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پرنور اور روحانی فضاؤں میں اپنی زندگی کا آخری سانس لیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوکر ہزاروں اللہ والوں کی صحبت میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کتنی مبارک ہے وہ موت، جو آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر میں آئے، کتنا سعادت مند ہے وہ جسم، جسے بقیع کی مٹی اپنے دامن میں سمولے اور کتنے خوش نصیب ہیں وہ بامراد عشاق رسولؐ جو طیبہ کی سرزمین میں ہمیشہ کے لئے پیوست ہوجائیں۔ ایسوں کی موت درحقیقت موت نہیں بلکہ لازوال زندگی ہے۔ اور اس خوش بختی پر انھیں جتنی بھی مبارکباد دی جائے کم ہے۔

حکیم صاحب کی پیدائش ۱۳۵۰ھ میں ہوئی۔ ۱۳۷۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد دیوبند کے مشہور طبیب حکیم سید محفوظ علی صاحب سے طب کی تکمیل کی۔ ۱۳۷۳ھ سے دیوبند میں مطب کا آغاز کیا جو غیر معمولی طور پر مقبول ہوا۔ ۱۳۶۹ھ میں حضرت شیخ الحدیثؒ سے حجاز میں بیعت کی سعادت حاصل ہوئی اور ۱۳۷۷ھ میں خرقہ خلافت سے سرفراز کئے گئے۔ اخیر کے تقریباً پندرہ سال آپ نے مدینہ منورہ میں گذارے۔ یہاں بھی آپ کے مطب کا سلسلہ جاری رہا۔

رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ میں دماغ کی رگ پھٹ جانے سے بے ہوشی طاری ہوئی۔ اور اوائل شوال میں وصال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے پسماندگاں کو صبر کی ارزانی نصیب فرمائے اور مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ (آمین) (ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۵ء)

❍❖❍

مولانا بشیر احمد حسینی فیض آبادیؒ

ضلع فیض آباد کی مشہور شخصیت جمعیۃ علماء کے بے لوث خادم اور خانوادۂ مدنی کے خوشہ چیں، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب حسینی گذشتہ ۸؍فروری ۱۹۹۵ء مطابق ۷؍رمضان ۱۴۱۵ھ کو فیض آباد میں وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم گوناں گوں خصوصیات کے حامل تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے شیدائی اور آپ ہی سے بیعت تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی شاگردی کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ اسی تعلق کی بناء پر آپ کے عقد نکاح کی تقریب میں حضرت مدنیؒ بنفس نفیس تشریف لے گئے تھے اور نکاح پڑھایا تھا۔ مرحوم اخیر تک جمعیۃ علماء کے سرگرم رکن رہے اور اکابر دیوبند سے وابستہ رہے۔ اللہ رب العزت مرحوم کے درجات بلند فرمائے آمین، حضرت مہتمم صاحب نے مرحوم کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ اور سبھی مخلصین سے ایصال ثواب کی اپیل فرمائی ہے۔ (ندائے شاہی مارچ ۱۹۹۵ء)

مولانا سیف اللہ صاحب بھاگلپوریؒ

جمعیۃ علماء کے بےلوث خادم جناب مولانا سیف اللہ صاحب بھاگلپوریؒ ۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ میں جمعیۃ علماء کے مرکزی دفتر مسجد عبد النبی دہلی میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کا جنازہ دیوبند لے جایا گیا۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔ مرحوم اس وقت محمودیہ لائبریری جمعیۃ علماء ہند کے ناظم تھے۔ قبل ازیں مدرسہ شاہی کے کتب خانہ کے بھی ناظم تھے۔ دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی قریبی اور مزاج شناس خادم رہے۔ اور واقعۃً آپ نے حضرت کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی خاص رحمت سے نوازے، آمین۔ (ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود (نھومیاں) گنگوہیؒ

امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے نبیرہ، مخدوم اکابر حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب گنگوہیؒ کے خانوادہ کے درآب دار، حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود''عرف نھومیاں'' گنگوہیؒ گذشتہ ۲۱ ؍شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۳ ؍مارچ ۱۹۹۵ء بروز جمعرات ۱۱ ؍بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب سے تقریبا ۱۳ ؍سال پہلے کی بات ہے، دیوبند میں عالمی مؤتمر فضلاء وابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کا ایک زبردست کل ہند اجتماع منعقد ہوا تھا، ملک بھر سے ہزاروں فضلاء اس اجتماع میں شریک تھے۔ دبستان دیوبند سے وابستہ حضرات کے لئے یہ خبر بڑی مسرت انگیز تھی کہ حضرت امام ربانیؒ کے لائق وفائق نبیرہ محترم نے اجتماع میں شرکت منظور فرمالی تھی۔ اجتماع عشاء کے بعد شروع ہوا۔ افتتاحی پروگرام کے بعد وہ منظر آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے، جب اناؤنسر نے اعلان کیا کہ خم خانہ رشیدی کے نسبی اور علمی وارث وامین، مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب آپ کے سامنے تشریف لارہے ہیں۔ حاضرین کی مشتاقانہ نگاہیں کرسئ خطابت کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک منحنی سا وجود، متوسط قد وقامت، کھلتا ہوا رنگ، کلپ دار سفید چمچماتا ہوا لباس، سر پر سرخ ترکی ٹوپی، وضع داری اور نزاکت ولطافت سے بھرپور، ایک باوقار شخصیت ''حکیم نہومیاں'' کی صورت میں جلوہ افروز تھی۔

مجھے یاد ہے حضرت نے خطبہ مسنونہ کے بعد اہل علم کی فضیلت کے متعلق یہ حدیث پڑھی: ''**الدنیا کلها ملعونة إلا ذکر اللّٰه وما والاه وعالمًا ومتعلمًا**''۔ اور پھر تو گویا کہ علوم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ پورے پونے دو گھنٹہ تک حکیم صاحب کی فصیح وبلیغ تقریر جاری رہی،

تقریر کیا تھی نادر و نایاب علمی اور تاریخ معلومات اور اسرار و رموز کا خزینہ! معلوم ہوتا تھا کہ عربی فارسی کے مترادف الفاظ حضرت کے سامنے قطار باندھے کھڑے ہیں اور مشتاق ہیں کہ انھیں زبان پر لاکر سعادت بخشی جائے۔ تقریر کی زبان اُردو تھی مگر بلا مبالغہ ۷۰ رفی صد الفاظ عربی وفارسی کی ان لغات پر مشتمل تھے جو عام علماء کو بھی بے تکلف سمجھ میں نہیں آپاتیں۔ پھر اس میں تصوف کی بھرپور چاشنی، فقہ کی حلاوت، حدیث کی مٹھاس اور روحانیت کے امتزاج نے سونے پر سہاگہ کا کام کر دیا تھا۔

یہ تقریر ہم جیسے کم علموں کے پلے تو کیا پڑتی، سروں پر سے گذر گئی حتیٰ کہ بہت سے ارباب علم نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ اس تقریر کو کئی کئی بار سنا جب جا کر اس کے مطالب دل نشین ہو سکے، اجتماع ختم ہو گیا مگر اس عدیم المثال خطاب کی گونج مہینوں تک پورے ملک کے طبقۂ علماء میں سنائی دیتی رہی اور ہر سننے والے کے دل میں یہ تقریر صاحب تقریر کی علمی سربلندی اور عظمت کی دھاک بٹھاتی رہی۔ بعد میں مؤتمر کے ترجمان ''القاسم'' میں یہ تقریر تین قسطوں میں شائع ہوئی اور عام لوگوں کے لئے بھی استفادہ کا باعث بنی۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی زیارت و استفادہ کا یہ پہلا موقع تھا جو راقم الحروف کو حاصل ہوا اور اسی دن سے نسبی عقیدت کے ساتھ ساتھ علمی عظمت کا سکہ بھی دل پر نقش ہو گیا۔ بعد میں دیوبند کے زمانۂ قیام میں کئی بار ملاقات ہوئی۔ بعض مرتبہ گنگوہ حاضری کے وقت بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حکیم صاحب کو بڑے عجیب وغریب علوم پر دسترس حاصل تھی۔ حافظہ ایسا بلا کا تھا کہ لمبی لمبی عربی عبارتیں بلا تکان پڑھتے چلے جاتے، تصوف اور اس کی اقسام، پھر ان کے نکات و رموز، ان کے موجدین کی تاریخیں اور داستانیں اکثر نوک زبان رہتی تھیں۔ عربی اشعار اسی طرح فارسی قصائد از بر تھے۔ عربی اور فارسی نے آپ کی طبعیت میں اس قدر رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ عام بول چال میں بھی ان دونوں زبانوں کے محاورات و مترادفات بے تکلف استعمال فرمایا کرتے تھے۔ ذہانت وطباعی قابل رشک تھی، بیٹھے بیٹھے بال کی کھال بلکہ کھال کی

بھی کھال نکالنا موصوف کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ حکیم صاحب کے وہ مکاتیب جو انہوں نے اپنے شیخ و مربی حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو بعض علمی اشکالات کے حل کے سلسلہ میں تحریر فرمائے ہیں اور جو مکتوبات شیخ الاسلام کے حاشیہ پر، اسی طرح حضرت تھانویؒ کے بعض مواعظ و ملفوظات میں شائع ہو چکے ہیں، ان سے آپ کے علم و ذکاوت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ ایک زمانہ میں جماعت اسلامی سے متأثر ہو گئے تھے مگر پھر حضرت مدنیؒ کی توجہ پر اس سے تائب ہوئے اور ''مکتوبات ثلاثہ'' نامی رسالہ میں مودودیت کی گمراہی کو اچھوتے انداز میں آشکارا فرمایا۔ حضرت تھانویؒ نے آپ کو مجاز صحبت بنایا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید تھے۔ نزاکت طبع میں ضرب المثل تھے۔

۱۳۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور پوری عمر (۸۸ سال) ناز و نعم اور یکسوئی میں گذار دی۔ آپ کی وفات سے خانوادۂ رشیدی میں جو خلا ہوا ہے وہ اب پر نہ ہو سکے گا۔ دربار رشیدی کے سبھی خوشہ چیں آپ کی وفات پر مغموم ہیں۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

(ولادت: ۲۷/فروری ۱۹۳۰ھ بمقام کیرانہ مظفر نگر، وفات: ۱۵/اپریل ۱۹۹۵ بمقام دیوبند)

عربی اَدب میں سند سمجھے جانے والے برصغیر کے مشہور و معروف عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ اور مددگار مہتمم حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۵/ سال کی عمر میں ۱۴/ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۵/اپریل ۱۹۹۵ء کو طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال صلاحیتوں سے نوازا تھا، ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے نامور شاگرد تھے، دارالعلوم دیوبند میں عربی اَدب کا احیاء اور جدید عربی زبان کی بزم آرائیاں حضرت مولانا کی اَن تھک محنت ہی کی رہین منت ہیں، مولانا کی مردم ساز طبیعت اور دن رات کی محنت اور لگن نے چند سالوں میں ہی ایسے شاگرد تیار کردئے، جنھوں نے ہر میدان میں اپنی عربی ادبیت کا سکہ جما کر اپنا لوہا منوایا۔ دارالعلوم کے واسطہ سے عربی اَدب کا جو بھی فیض موجودہ زمانہ میں پہنچا ہے وہ مولانا اور اُن کے لائق وفائق شاگردوں ہی کی جدوجہد کا ثمرہ ہے۔ مولانا اعلیٰ درجہ کے ذہین اور نہایت پرجوش تقریر و تحریر کی صلاحیت کے مالک تھے۔ خالص عربی لہجہ میں جس وقت وہ عربی میں خطاب کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ موتی ٹانکے جارہے ہیں۔ النادی الادبی (جو طلبۂ دارالعلوم کی عربی انجمن ہے) آپ کے دور میں مادرِ علمی کی چہار دیواری میں سب سے فعال اور متحرک انجمن تھی۔ آپ خود طلبہ کے ساتھ راتوں رات جاگ کر انجمن کی سرگرمیوں اور علمی تیاریوں کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اسی دور میں آپ نے اُردو سے عربی اور

عربی سے اُردو لغت ''القاموس الجدید'' کے نام سے تیار کی، جو برصغیر میں اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہے، جس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اِس وقت اس سلسلہ کی پانچ کتابیں مطبوعہ ہیں، جن سے اِس زمانہ میں برصغیر کا شاید ہی کوئی عالم مستغنی ہو۔ اسی طرح تمرین عربی کے لئے ''القراءۃ الواضحہ'' کے تین اجزاء آپ کا لازوال کارنامہ ہے، اور ''نفحۃ الادب'' کے عنوان سے ایک مختصر رسالہ (جو دارالعلوم کے درسی نصاب میں شامل ہے) بھی آپ کی یادگار ہے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم کے ابتدائی تدریسی دور میں آپ کے جو ہر سہ ماہی عربی جریدہ ''دعوۃ الحق'' کی شاندار تحریروں اور مقالات سے بھی نکھر کر سامنے آئے، آپ کی تحریروں میں ایمانی جوش اور ولولہ اور عربی سلاست وروانی جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ بعد میں جمعیۃ علماء ہند کے عربی ترجمان ''الکفاح'' پر آپ نے بے انتہاء محنت کی، اوراس کے واسطے سے جمعیۃ کا تعارف عربی حلقوں میں کرایا، آپ کی وہ سب تحریریں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ کا ایک خاص اور ممتاز وصف چھوٹوں کی بھرپور حوصلہ افزائی تھا، طلبہ کی چھوٹی سے چھوٹی کاوش پر آپ اِس قدر شاباشی دیتے تھے کہ طالب علم فطری طور پر مزید کامیابی حاصل کرنے اور ترقی کی راہیں طے کرنے پر آمادہ ہوجاتا تھا۔ امروہہ کے زمانۂ قیام میں آپ والد محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب (جو مولانا کے خاص شاگرد ہیں) کی دعوت پر ''النادی العربی'' کے سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے تھے، اور شرکاء پروگرام کی بے انتہاء تشجیع فرماتے تھے۔ یہی منظر دارالعلوم کے ادبی جلسوں میں بھی بارہا دیکھا، واقعۃً مولانا کو کام لینے کا بہترین سلیقہ تھا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ.

مولانا کا اصل میدان گو کہ علمی اور تدریسی تھا، مگر اجلاس صد سالہ کے موقع پر آپ کی توجہات تعلیم سے ہٹ کر انتظامی امور کی طرف ہوگئیں۔ صد سالہ کی تعمیر میں آپ نے محنت کا حق ادا کردیا اور اپنی صحت کی پروانہ کرتے ہوئے دن رات ایک کر کے دارالعلوم کو واقعی سجا دیا۔ پھر اجلاس کے بعد جو خلفشار پیدا ہوئے، اس میں آپ نے احقاق حق کے لئے قائدانہ رول ادا کیا، اور جب دارالعلوم بند ہوا تو آپ نے کیمپ دارالعلوم کے منتظم کی حیثیت سے نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں۔ تاریخ آپ کے اِس دور کو خاص کر آپ کی اُن پرجوش اور ولولہ انگیز

تقریروں کو ہمیشہ یاد رکھے گی، جنھوں نے بے یار و مددگار سردی میں ٹھٹھرتے سینکڑوں طلبہ کی ہمت بندھانے میں زبردست کردار ادا کیا تھا، دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کے بعد اگرچہ آپ کے ذمہ عربی اَدب کے بعض اسباق رہے، مگر انتظامی امور میں مشغولیت کے سبب آپ اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے، نظامت مجلس تعلیمی، نظامت دارالاقامہ اور پھر مددگار مہتمم کے عہدوں پر رہتے ہوئے آپ نے پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ دارالعلوم کی انتظامی خدمت کی، دارالعلوم کی کئی اہم تعمیرات آپ کے اسی دور کی یادگار ہیں۔

جمعیۃ علماء اور دارالعلوم سے سبک دوشی کے بعد پھر آپ اپنے اصل مشغلہ کی طرف متوجہ ہوئے، مگر اب قویٰ مضمحل ہو چکے تھے اور کم و بیش دس سال کی لگاتار جد و جہد نے آپ کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر بھی آپ نے اپنے نجی ادارے ''دارالمؤلفین'' اور کتب خانہ حسینیہ سے تقریباً ۳۰؍مفید کتابیں شائع کرائیں اور عربی اُردو لغت کا ایک عظیم الشان ذخیرہ تیار کیا جو ''القاموس المحیط'' کے نام سے بڑی تقطیع کے ۱۸۰۰؍صفحات پر مشتمل ہے اور دو ضخیم جلدوں میں اب شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح اخیر عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''جواہر المعارف'' کے نام سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی مشہور تفسیر ''معارف القرآن'' کے مختلف علمی اور تاریخی مضامین کی جمع و تلخیص کی توفیق بخشی جو آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔ مولانا آج ہم میں موجود نہیں مگر ان کا فیض محسوس انداز میں ہمارے سامنے ہے۔ خاص کر عربی کے سلسلہ میں آپ کا زریں کارنامہ آپ کو زندہ جاوید بنائے رکھے گا۔ اِن شاء اللہ۔

مولانا کی نماز جنازہ ۱۶؍اپریل کو صبح ۱۱؍بجے دارالعلوم دیوبند کے احاطہ مولسری میں ادا کی گئی۔ محدثِ کبیر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہٗ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی، ہزاروں طلبہ علماء اور عام مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ پھر آپ کو مزار قاسمی میں اپنے اساتذہ کے جلو میں آسودۂ خواب ہونے کی سعادت ہوئی۔

(ندائے شاہی مئی ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا محمد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور

مدرسہ مظاہر علوم (دار جدید) کے ناظم اعلیٰ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے نامور فرزند حضرت مولانا محمد اللہ صاحب گذشتہ ۲۲ رمئی ۱۹۹۵ء کو رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ مظاہر علوم کے قدیم استاذ تھے۔ حضرت مولانا مفتی عبد العزیز صاحب رائے پوریؒ کے بعد نظامت کے عہدہ پر باقاعدہ فائز کئے گئے، آپ کے دور میں مدرسہ مظاہر علوم نے مختلف میدانوں میں ترقی کی۔ مجلس تحفظ ختم نبوت، رؤیت ہلال کمیٹی اور شعبۂ تخصص فی الحدیث کا اجراء آپ ہی کی ذاتی توجہ کی بنا پر عمل میں آیا۔ آپ کی وفات کا سانحہ مظاہر علوم کے لئے انتہائی المناک حادثہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آمین۔ حضرت مہتمم صاحب نے موصوف کی وفات پر تعزیت پیش فرمائی ہے، اور سبھی متعلقین سے ایصال ثواب کی اپیل کی ہے۔ (ندائے شاہی جون ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب شیخ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر

گجرات کے معروف ادارہ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خلیفۂ اجل اور حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کے داماد حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ۱۸ رمئی ۱۹۹۵ء کو وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے بافیض بزرگ تھے، تعلیم وتدریس کے علاوہ آپ کے مواعظ عوام وخواص میں نہایت مقبول تھے، اور اس سلسلہ میں ملک وبیرون ملک کے اسفار مسلسل جاری رہتے تھے، اللہ تعالیٰ امت کو موصوف کا نعم البدل عطا فرمائے، اور ان کی خدمات کو بے حد قبول فرمائے۔ (ندائے شاہی جون ۱۹۹۵ء)

حضرت الاستاذ مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ

مولانا مفتی ریاست علی صاحب اُستاذ جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

ہندوستان کی مردم خیز بستی سرزمین دیوبند کا عثمانی خاندان انتہائی نامور اور نیک نام خاندان ہے، جس نے انتہائی عبقری اور عظیم المرتبت شخصیات کو جنم دیا ہے، جس کے علوم سے بے شمار نفوس مستفیض ہوئے ہیں، ان ہی نفوس قدسیہ میں حضرت الاستاذ مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی بھی ہے۔

ولادت اور خاندان

آپ کے جد امجد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (ولادت ۱۲۴۷ھ وفات ۱۳۲۵ھ) دارالعلوم دیوبند کے اولین اساطین اور مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے طبقۂ اولیٰ کے اراکین میں سے تھے، اور بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص مجلس نشین احباب میں سے تھے۔

آپ کے والد بزرگوار مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۱۲۷۵ھ وفات ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء) دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی اعظم تھے، جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ثانی حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی نقشبندی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا قیام درس وتدریس کے سلسلہ میں میرٹھ میں تھا، مگر ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند بلالیا گیا اور نائب مہتمم کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا گیا، مگر ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز اور تحریک پر آپ کو باقاعدہ دارالافتاء کا شعبہ قائم کرکے آپ کو افتاء کا منصب

تفویض کر دیا گیا، اور ۱۳۴۶ھ تک آپ اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۲۹ھ تک آپ کے فتاوی کی نقول کا نظم نہیں تھا، مگر ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۶ھ تک نقول فتاوی کا ریکارڈ موجود ہے، آپ کے فتاوی کی کل تعداد تقریباً ۳۸؍ ہزار ہے حضرت مفتی صاحبؒ قبرستان قاسمی میں مدفون ہیں۔ (مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اول)

حضرت قاری صاحبؒ کے عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (متوفی ۱۳۴۸ھ) دارالعلوم دیوبند کے پانچویں مہتمم تھے ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۴۸ھ تک اولاً نائب مہتمم پھر باقاعدہ مہتمم رہے، آپ انتہائی مردم ساز شخصیت کے مالک تھے قبرستان قاسمی میں مدفون ہیں۔

آپ کے دوسرے چچا شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۶۹ھ) انتہائی عبقری شخصیت کے مالک تھے، فتح الملہم شرح مسلم آپ ہی کے قلم کی شاہکار ہے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے، قیام پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لے گئے، اسلامیہ اسکول کراچی پاکستان میں مدفون ہیں، آپ کے تیسرے چچا شیخ طریقت مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانیؒ (متوفی ۱۹۷۵ء) ہیں جو ''ماہنامہ تجلی'' کے مدیر مولانا عامر عثمانی کے والد محترم تھے یہ بھی کراچی میں مدفون ہیں، آپ کے برادر کلاں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (ولادت ۱۹۰۱ء وفات ۱۹۸۴ء) ہیں جو ندوۃ المصنفین دہلی کے بانی و ناظم، دارالعلوم دیوبند کے مجلس شوریٰ کے رکن رکین، جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور ورکنگ صدر، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن تاسیسی رہے ہیں۔ اس خانوادۂ علمی کے چشم و چراغ قاری صاحب ممدوح ہیں آپ کی ولادت ۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو بمقام دیوبند ہوئی۔

تعلیم و تعلم اور قرآن کریم سے شغف

آپ کی کل تعلیم دارالعلوم دیوبند سے مکمل ہوئی، قرآن کریم حفظ کیا، تجوید و قرأت کا نصاب مکمل کیا، پھر فارسی عربی کی تعلیم مکمل کر کے دارالعلوم ہی سے فراغت پائی، آپ خوشخط کاتب تھے، گھڑی سازی اور چشمہ بنانے کا کام جانتے تھے، آپ کو قرآن کریم سے بے حد

شغف تھا، اور تلاوت والفاظ سے شغف کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر ومعانی سے بھی پوری دل چسپی رکھتے تھے، ترجمہ شیخ الہند مشتمل بر فوائد عثمانی کا اکثر وبیشتر مطالعہ کرتے تھے، اور اپنے تلامذہ ومتعلقین کو تفسیر اور درس قرآن بیان کرنے کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

حلیہ مبارکہ

حضرت قاری صاحب ممدوح کا قد درمیانہ تھا، جسم گٹھا ہوا، ورزشی مضبوط بدن، ہڈی چوڑی، رنگ گندمی، چہرہ بیضوی، ناک لمبی ستواں، آنکھیں خوبصورت اور روشن، پتلے پتلے ہونٹ، پیشانی چوڑی اور بلند، خوش شکل اور خوب رو، آواز نہ بلند نہ پست، لہجہ شستہ، متبسم اور شگفتہ، مزاج میں مزاح بھی تھا، نفاست پسند اور لطیف مزاج، خوشبو کے دلدادہ، صاف سادہ عالمانہ باوقار لباس پسند کرتے تھے۔ (ماہنامہ دارالعلوم خصوصی اشاعت ۱۴؍)

دارالعلوم دیوبند میں مدرسی

تقریباً بائیس سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تجوید وقرأت کے استاذ مقرر ہوئے اور تقریباً ساٹھ سال یہ خدمت انجام دی۔ ۱۹۸۵ء مطابق شعبان ۱۴۰۵ھ میں بوجہ کبرسنی اور ضعف ونقاہت دارالعلوم سے پنشن ہوگئی اور تدریس کا تعلق منقطع ہوگیا، احاطۂ مولسری سے جنوبی جانب حضرت قاری صاحبؒ کی درس گاہ تھی، جس میں اس وقت برادر محترم مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری پڑھاتے ہیں، جو تجوید وقرأت میں مؤقر استاذ ہیں اور میرے رفیق درس ہیں، اس طویل عرصہ میں ایک اندازہ کے مطابق دس ہزار شاگردوں نے آپ سے تجوید وقرأت اور تصحیح قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے دور اول کے تلامذہ میں اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم ماشاء اللہ بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو مزید قائم رکھے۔ (آمین) اور سب سے آخری سال راقم السطور نے بھی حضرت قاری صاحبؒ سے قرآن کریم کے پارہ عم کی مشق کی ہے، اور فوائد مکیہ کے اسباق پڑھے ہیں۔

بیعت وارشاد

حضرت قاری صاحب نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا بیعت وارشاد کا تعلق مولانا قاری محمد اسحٰق صاحب میرٹھیؒ (ولادت ۱۲۸۷ھ وفات ۱۳۶۴) سے تھا، جو آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں سے تھے، اور انہی سے قاری صاحب کو اجازت وخلافت بھی حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھیؒ (ولادت ۱۳۱۷ھ وفات ۱۳۸۵ھ) بھی جناب مولانا قاری محمد اسحٰق صاحبؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔ حضرت قاری صاحب ممدوح کا اپنے پیرومرشد سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا اور ان کی قیام گاہ پل بنگش دہلی میں کافی کافی دنوں قیام رہتا تھا۔ اپنے پیرومرشد کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کا زیادہ تعلق حضرت مولانا میاں اختر صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا قاری عتیق صاحب استاذ تجوید دار العلوم دیوبند سے تھا، ان دونوں حضرات کے وصال کے بعد حضرت قاری صاحب یکسو ہوکر رہ گئے تھے۔

مسجد کی خدمت اور اقامت

چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند کے قریب چھوٹی مسجد محلّہ کمہاران ہے، یہ حضرت قاری صاحب کے والد بزرگوار حضرت اقدس مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے تعمیر کرائی تھی۔ جب حضرت مفتی صاحبؒ اس جگہ تعمیر کرانے لگے، تو اس کے نیچے ایک چھوٹی مسجد بنی بنائی نکل آئی، اس مناسبت سے اس کا نام چھوٹی مسجد پڑ گیا، اب عام طور سے مفتی صاحب والی مسجد کہا جاتا ہے، مغرب کی نماز کے علاوہ دوسری نمازیں عام طور سے اس مسجد میں تاخیر سے ہوتی ہیں، حتی کہ امام المعقولات حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند بطور لطیفہ اور مزاح کے اپنے درس میں فرمایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب والی مسجد میں ہفتہ کے روز جمعہ ملجاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ اس میں تاحیات بلاکسی معاوضہ کے خود امامت فرماتے تھے، جب زیادہ

کمزور ہوگئے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، تو حضرت الاستاذ مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاطؔ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند (جو قاری صاحب کے صاحب زادے ہیں) کو یہ خدمت سپرد کردی، جو ماشاءاللہ بلا کسی معاوضہ کے فی سبیل اللہ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، حضرت قاری صاحب عبادت کا خاص اہتمام فرماتے تھے، نماز باجماعت کے پابند تھے، فرض عبادات کے علاوہ تہجد اور اوابین کا خیال رکھتے تھے، خاموشی کے ساتھ ذکراللہ میں مشغول رہتے تھے ختم خواجگان اور الحزب الاعظم کے پابند تھے، قاری صاحب کے علاوہ چچا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قاری صاحب کو پاکستان بلانے کے لئے ٹرک بھیجا اور ریڈیو اسٹیشن پر ملازمت کا انتظام بھی کردیا، مگر قاری صاحب نے مسجد کی خدمت کی وجہ سے پاکستان جانا پسند نہ کیا۔

اوصاف وخصائل

حضرت قاری صاحب آمد وخرچ میں توازن قائم کرنے کے عادی تھے محنت سے حلال روزی کے لئے کوشش کرنا آپ کا نمایاں وصف تھا۔ گھڑی سازی اور چشمہ بنانے کا کام خود جانتے تھے اور اس کو عرصہ تک مکمل اور جزوی طور پر ذریعہ معاش بنائے رکھا۔ اس کے علاوہ سرمہ، تیل اور منجن کی تجارت کی، جس کو خود تیار کرتے تھے۔ کتب خانہ محمودیہ کے نام سے دیوبند میں کتب خانہ قائم کیا، جو الحمد للہ آج بھی موجود ہے۔ اولاد کی تربیت کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اس تربیت کا نتیجہ ہے کہ ماشاءاللہ آپ کے چار لڑکے حافظ قرآن ہیں اور چار صاحب زادے عالم دین فاضل دارالعلوم ہیں اور دو ان میں سے اصحاب افتاء ہیں نیز صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کا آپ خاص خیال فرماتے تھے۔

مرض وفات اور وصال وتدفین

حضرت قاری صاحبؒ شعبان ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کی خدمت تدریس سے وظیفہ یاب ہوگئے تھے، اور پھر برابر کمزوری، نقاہت اور مرض میں نشیب وفراز آتے رہے، اور علالت کا سلسلہ طویل ہوتا گیا، مگر آخر تک ہوش وحواس برقرار رہے اور کلمۂ طیبہ پڑھتے رہے اور دوسروں کو بھی

کلمۂ طیبہ اور یٰسین شریف پڑھنے کا حکم دیتے رہے، آخر ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۹۵ء کو بروز جمعہ صبح سات بجے جان قفس عنصری سے پرواز کرگئی، انتقال کے دن بھی صبح تہجد کی نماز، فجر کی نماز ختم خواجگان نہ چھوٹ سکی۔ احاطۂ مولسری میں جنازہ لایا گیا، نماز جنازہ کے منتظر لوگوں سے پورا احاطہ بھرا ہوا تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے پیر ومرشد مولانا قاری محمد اسحٰق صاحب میرٹھیؒ کے پوتے جناب قاری محمد ادریس صاحب خطیب وامام جامع مسجد پارلیمنٹ ہاؤس نئی دہلی نے نماز جنازہ پڑھائی، اور قبرستان قاسمی میں اپنے والد بزرگوار کی قبر کے پہلو میں آپ کو دفن کردیا گیا۔

اولاد و پسماندگان

حضرت قاری صاحب مرحوم نے اپنی اہلیہ محترمہ (جن کا ابھی حال ہی میں وصال ہوگیا ہے) کے ساتھ ساتھ اولاد، پوتے، پوتیاں، نواسے اور نواسیاں وغیرہ سب ملا کر پینسٹھ آدمیوں کا کنبہ چھوڑا۔ صاحب زادگان میں سب سے بڑے صاحب زادے مولانا مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی مالیر کوٹلہ میں رہتے ہیں، اور مفتی اعظم پنجاب کہلاتے ہیں۔ دوسرے صاحب زادے مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ صاحب عثمانی ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں نائب مفتی ہیں، اور راقم السطور کے مؤقر استاذ ہیں۔ بندہ نے ۱۴۰۶ھ میں افتاء کے سال حضرت والا سے شرح عقود رسم المفتی پڑھی ہے، ایک صاحب زادے مولانا سہیل عزیز صاحب دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ دینیات میں استاذ ہیں۔ حافظ حفیظ الرحمٰن مسرتؔ عثمانی کتب خانہ محمودیہ چلاتے ہیں۔ مولانا دلیل الرحمٰن انجمؔ عثمانی صاحب دہلی میں ملازمت کرتے ہیں، اس کے علاوہ دو صاحب زادگان حافظ قمر الاسلام نجمیؔ اور اُسامہ عزیز ہیں، ان کا مشغلہ معلوم نہیں ہے، درخشاں اور صبیحہ دو لڑکیاں ہیں، ماشاء اللہ قاری صاحب کی سبھی نرینہ اور غیر نرینہ اولاد صاحب اہل وعیال ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ندائے شاہی جون ۲۰۰۴ء

امیر تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ

(ولادت: ۱۸؍جمادی الاول ۱۳۳۶ھ ۲۰؍فروری ۱۹۱۸ء بمقام کاندھلہ، وفات: ۹؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ بمقام دہلی)

عالمی سطح پر سب سے منظّم مؤثر اور مقبول ترین دعوتی اور اصلاحی تحریک جسے عرف عام میں ''تبلیغی جماعت'' کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، گذشتہ ۹؍محرم الحرام ۱۴۱۶ء کو اپنے سربراہ اعلیٰ کی قیادت سے محروم ہوگئی، وہ سربراہ جس نے کامل تیس سال (۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۵ء) تک اس تحریک سے جڑے ہوئے لاکھوں نہیں بلکہ دسیوں لاکھ افراد کی کامیاب مدبرانہ رہنمائی کی، جس کے حلم و تدبر کے بدولت فتنوں اور ریشہ دوانیوں کے منجدھار میں یہ تحریک شاہراہ ترقی پر پوری قوت سے گامزن رہی، جس کی خاموش مگر ہوشیار قیادت نے بانیان تحریک کے خوابوں کو عملی جامہ پہنایا، اور جس کے دور میں تحریک نے دنیا کے چپہ چپہ پر اپنی خدمات کے قدم جمالئے، کیا عرب، کیا عجم، کیا مشرق، کیا مغرب، کیا گورے اور کیا کالے، سب ایک ہی لڑی میں پرودیئے گئے۔ یہ تحریک مجمع الاقوام بن گئی اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں اسلام کی اعلیٰ سطحی مساوات اور بلند نظری کے نمونے آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ اور زبانوں اور تہذیبوں کا فرق اشاعت اسلام اور اصلاح امّت کے جذبہ کے سامنے ماند پڑ گیا۔

اس عظیم تحریک کی سربراہی پر فائز ہو کر حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ تحریک کے لئے واقعی اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ثابت ہوئے۔ جنھوں نے اپنے ساتھی اور جگری دوست حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ اور اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے مشن کی تکمیل اور درد دل کی تسکین کو زندگی کا نصب العین بنالیا۔ اور رفتہ رفتہ تبلیغی تحریک سے وابستہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے، آپ جس جگہ جاتے ہزار ہا ہزار لوگ آپ کی زیارت کے

لئے امڈ پڑتے، تبلیغی اجتماعات میں ’’حضرت جی‘‘ کی شرکت، اجتماع کی زبردست کامیابی کی ضمانت ہوتی، مزید براں پورے عالم میں تبلیغی نقل وحرکت پر آپ کی گہری نظر رہتی، اور تبلیغ کا کوئی بھی اہم فیصلہ حضرت جیؒ کے مشورہ کے بغیر انجام نہ پاتا، اس سے آپ کی مقبولیت و صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ کا نسبی تعلق کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے اس علمی خانوادہ سے تھا جو عرصہ سے علماء و مشائخ کی آماج گاہ رہا ہے خاتم مثنوی حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ آپ کے جد اعلیٰ ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خاندان سے بھی آپ کے نسبی مراسم تھے چنانچہ آپ کی حقیقی دادی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا اکرام الحسن تھا، سن ولادت ۱۹۱۸ء ہے۔ کچھ ابتدائی تعلیم کاندھلہ میں حاصل کی، اس کے بعد نوعمری ہی میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ بنگلہ والی مسجد نظام الدین میں تشریف لے آئے۔ اور زیادہ تر تعلیم یہیں کے مدرسہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے اور وہیں کے زمانہ قیام کے دوران محرم ۱۳۵۴ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ نے مہر فاطمی پر نکاح پڑھایا۔ (اسی مجلس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا بھی نکاح ہوا تھا جس کی دلچسپ تفصیل حضرت شیخ نے آپ بیتی ۲۸۴ تا ۲۸۹ جلد۳ پر درج فرمائی ہے) اس کے بعد آپ باقاعدہ تحریک دعوت وتبلیغ سے منسلک ہوگئے۔ ساتھ میں مرکز نظام الدین کے مدرسہ کاشف العلوم میں فقہ وحدیث کی اعلیٰ کتابوں کی درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنے انتقال (۱۳۶۲ھ) پر امارت تبلیغ کے لئے دیگر حضرات کے ساتھ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے نام کی طرف بھی رہنمائی فرمائی۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے دور امارت (۱۳۶۲ھ تا ۱۳۸۴ھ) میں بھی آپ تبلیغی تحریک کے دست وبازو بنے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی

وفات پر تبلیغی جماعت کی امارت کا بارگراں آپ کے کندھوں پر آ پڑا، جسے آپ نے بحسن وخوبی نبھایا۔ آپ نے اپنے دورامارت میں تقریباً پورے عالم کے کامیاب تبلیغی دورے کئے اور تبلیغی مشن کو عالمگیر بنا دیا۔ اسی وسعت عمل اور ہمہ گیری کا ثمرہ تھا کہ جب گذشتہ ۱۰ رمحرم ۱۴۱۶ھ کی صبح عالم کے اطراف واکناف میں حضرت جی مرحوم کے وصال کی خبر پہنچی تو لوگ دیوانہ وار نماز جنازہ میں شرکت کے لئے دہلی کی طرف دوڑ پڑے۔ اور شام تک محتاط اندازے کے مطابق دو لاکھ سے زائد افراد نظام الدین پہنچ گئے۔ عرب ممالک اور یوروپ وافریقہ کے سرگرم تبلیغی اراکین بھی بڑی تعداد میں خصوصی ہوائی جہازوں سے دہلی پہنچے۔ ملک کے اکابر علماء واہل اللہ بھی موسم کی شدت اور گرمی کی سختی کے باوجود دہلی میں جمع ہوگئے۔ جن میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب، حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالحق صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور ان جیسے سیکڑوں حضرات شامل تھے، عاشوراء کے دن مغرب کے بعد حضرت مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور اسی وقت حضرات بانیان تبلیغ کے جوار میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ اطلاع کے مطابق آپ کے صاحبزادے مولانا زبیر الحسن صاحب، مولانا محمد سعد (حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کے پوتے) شیخ عبداللہ ایوبی (سعودی عرب) اور مولانا محمد حلیم بن محمد شمیم صاحب (مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) نے اس امانتِ خداوندی کو قیامت تک کے لئے زمین کے سپرد کرنے کی سعادت حاصل کی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت جی کے وصال کے بعد تبلیغی اراکین اور ذمہ داروں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کام کو پورے اخلاص اور اعتدال کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن رکھیں اور حضرت جیؒ جو نقوش قدم ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں ان کو رہنمائے عمل بنائیں خدا کرے کہ یہ تحریک خوب پھلے اور پھولے اور بندگان خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور شرور وفتن اور بے اعتدالیوں سے ہر سطح پر محفوظ رہے:

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مدرسہ شاہی کو تبلیغی تحریک سے قریبی ربط رہا ہے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ تبلیغی تحریک میوات سے نکل کر ملک کے دیگر خطوں میں جو پھیلی اس کا نقطۂ آغاز وہ عظیم اجتماع تھا جو محرم الحرام ۱۳۶۴ھ میں شاہی مسجد میں منعقد ہوا۔ جس میں اکابر علماء حضرت مدنیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت شیخ الحدیث نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ (اس کی مکمل تفصیل تاریخ شاہی نمبر ۲۱۰ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے) اسی دیرینہ تعلق کی بنا پر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی وفات کی اطلاع ملتے ہی جامعہ میں عام تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔ اور طلباء و اساتذہ شاہی مسجد اور مدنی مسجد میں تلاوت کلام پاک اور ایصال ثواب میں مشغول ہو گئے۔ دونوں مسجدوں میں یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہا۔ (ندائے شاہی، جولائی ۱۹۹۵ء)

جناب قاری عبد المنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، دارالعلوم دیوبند، اور جمعیۃ علماء کے بے لوث فدائی اور کلکتہ میں جماعت دیوبند کے مخلص رفیق جناب مولانا قاری عبد المنان صاحب امام مسجد کولوٹولہ اسٹریٹ گذشتہ ۳۰/ستمبر ۹۵ء کو صبح ۹/بجے وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے تقریباً ۵۰/سال تک کولوٹولہ کی مسجد میں امامت و تدریس کی خدمات انجام دیں اور اپنے حسن اخلاق، خودداری اور جذبہ ہمدردی سے پورے علاقہ میں اصلاح و ہدایت کے چراغ روشن کئے۔ اکابر دیوبند سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا، حضرت مہتمم جامعہ سے بھی خصوصی ربط و تعلق تھا، اللہ تعالیٰ قاری صاحب مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے، آمین۔

ندائے شاہی قاری صاحب کے پسماندگان خصوصاً قاری سلمان صاحب کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اور قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مرحوم کے لئے زیادہ ایصال ثواب کریں۔ (ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

رفتگاں

۱۹۹۶ء

- حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ
- قطب دکن حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قریشیؒ
- فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا حشمت علی صاحب سہارن پوریؒ

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حشمت علی صاحب ۱۹؍شعبان ۱۴۱۶ھ کو اپنے وطن مالوف سوہن چڑہ ضلع سہارن پور میں وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف عرصۂ دراز تک ریڑھی تاج پورہ کے مدرسہ سے وابستہ رہے، اور اس دوران سینکڑوں طلباء نے آپ سے استفادہ کیا، آپ ایک اچھے مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ راہِ سلوک میں بھی اعلی مقام رکھتے تھے، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم سے اجازت بیعت حاصل تھی۔

رمضان المبارک میں آپ حضرت فدائے ملت کے ہمراہ دیوبند میں قیام فرماتے اور اس دوران ذکر واذکار میں سالکین کی تربیت بھی فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے، اور خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۱۹۹۵ء)

صوفی عبدالرشید صاحب رائے پوری

موصوف حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل تھے۔ مغربی یوپی میں ان کی ذات سے کافی فیض پہنچا۔ مختصر علالت کے بعد ۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کی رات میں وفات ہوئی۔

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا امانت اللہ صاحب معروفی اعظمیؒ

(ولادت: ۱۹۲۹ء وفات: ۳؍مارچ ۱۹۹۶ء)

آپ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ محدث دارالعلوم دیوبند کے بڑے بھائی تھے، مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف کے ناظم اور مدرس اور اعلیٰ علمی قابلیت کے مالک تھے۔ پورے علاقہ میں بڑے مولوی صاحب کے نام سے جانے جاتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند سے خاص تعلق رکھتے تھے، اوائل ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ میں وفات ہوئی۔

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا ابوالسعود صاحب باقوی بنگلورؒ

موصوف جنوبی ہند کی ممتاز شخصیت اور مدرسہ سبیل الرشاد بنگلور کے بانی تھے۔ دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء سمیت متعدد اداروں کے رکن رکین تھے۔ ۶؍شوال ۱۴۱۶ھ کو بنگلور میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ

گہری سانولی رنگت، آنکھوں پر طویل علمی مشغلہ کا پتہ دیتی ہوئی موٹے شیشے کی عینک، بادامی رنگ کی سدا بہار شیروانی زیب تن، چال ڈھال اور انداز گفتگو سے بلا کی تواضع وانکساری ٹپکتی ہوئی، سادگی اور بے تکلفی کے مرقع، تکلف وتصنع اور بناوٹ سے بالکل نا آشنا، تاریخی گفتگو چھیڑ دیں تو معلومات کے سمندر کی موجیں جوش میں آ جائیں، عربی کے اشعار اور ان کے معانی بیان کرنے پر آئیں، تو دیوان کے دیوان سنا ڈالیں، اسماء الرجال پر تحقیق کی ٹھان لیں تو بال کی کھال نکال دیں، بڑوں کے احترام اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی میں سب پر فائق، حسن ترتیب اور جمع مضامین میں اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک، یہ تھے مولانا عبدالحفیظ المعروف بہ قاضی اطہر مبارک پوری۔ جو گذشتہ ۱۴ر جولائی ۱۹۹۶ء مطابق ۷ر صفر ۱۴۱۷ھ کو واصل بحق ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب مدرسہ شاہی کے ان عظیم المرتبت فرزندوں میں سے تھے جن پر خود مدرسہ شاہی کو فخر ہے۔ ان کی وفات بجا طور پر ایک عظیم ملی سانحہ ہے، وہ کیا گئے ان کے ساتھ ایک دور کی یادیں چلی گئیں، وہ بقیۃ السلف تھے، علم کی شان ان کے چہرے بشرے سے عیاں تھی، طبعی تواضع، ایثار وقربانی، خورد نوازی اور بے تکلفی کے عناصر اربعہ سے گویا ان کا وجود مل کر بنا تھا۔ ان کی سادگی دیکھ کر یہ یقین دشوار لگتا تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور ہند وعرب تعلقات پر مستند رائے رکھنے والے اور ان موضوعات پر تصنیفات کی شکل میں امت کو انمول شہ پارے عطا کرنے والے عظیم مؤرخ اور مصنف یہی ہیں۔ مطالعہ کے بے پناہ شوقین اور معلومات کا بے مثال سمندر اپنے سینے میں چھپائے رکھتے تھے۔ یکسوئی کے دلدادہ اور شہرت وافتخار سے نفرت کی حد تک بعد رکھنے کے ساتھ غیرت اور خودداری میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ پوری زندگی اسی شان بے نیازی میں گذار دی۔

آپ کا وطن مالوف مبارک پور مشرقی یوپی کا مشہور اور مردم خیز قصبہ ہے، جہاں آپ کے آباء واجداد عہد ہمایوں میں کٹرہ مانک پورہ سے منتقل ہوکر آ بسے تھے۔ اور حکومت کی طرف سے نیابت قضا کے عہدہ پر فائز ہوتے چلے آئے تھے۔ اسی بنا پر آپ کے نام کے ساتھ بھی قاضی لکھا جاتا ہے۔ ۱۴؍رجب ۱۳۳۶ء مطابق ۷؍مئی ۱۹۱۶ء بروز دوشنبہ صبح ۵؍بجے آپ کی ولادت ہوئی۔ والد ماجد شیخ محمد حسن صاحب قصبہ کے باعزت فرد تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی، جس میں زیادہ تر حصہ والدہ محترمہ کی مثالی تربیت کا رہا۔ اس کے بعد آپ قصبہ کے مشہور دینی ادارہ مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں باقاعدہ داخل ہوکر تعلیمی مراحل تیزی سے طے کرنے لگے۔ جودت طبع اور جہد مسلسل کی بنا پر آپ کی پوشیدہ صلاحیتیں علمی اور تحریری میدان میں آشکارا ہونے لگیں۔ حسن اتفاق کہ آپ کو مشہور مصنف اور مؤرخ حضرت سید الملت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور رہنمائی نصیب ہوگئی، جس نے آپ کے علمی اور تصنیفی سفر میں مہمیز کا کام دیا۔ آپ کی تحریروں کے بلند معیار کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مدرسہ احیاء العلوم کے زمانۂ طالب علمی میں جب کہ آپ ہدایہ وغیرہ پڑھتے تھے۔ آپ نے ایک مضمون رسالہ قائد مرادآباد میں طباعت کے لئے بھیجا۔ تو حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ یہ یقین نہ کرسکے کہ یہ کسی طالب علم کا مضمون ہے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ کسی فاضل دیوبند اور کسی منجھے ہوئے مضمون نگار کی تخلیق ہے۔ چنانچہ مضمون رسیدگی کے جواب میں آپ نے قاضی صاحب کو لکھا کہ:

> ''قاضی عبدالحفیظ صاحب اطہر مبارک پوری فاضل دیوبند! آپ کے مضامین اعلیٰ درجہ کے اور معیاری ہوتے ہیں، زیادہ تعریف اس لئے نہیں کی جاتی کہ کہیں آپ رسالہ ''قائد'' کو ان کے لئے نااہل نہ سمجھنے لگیں''۔ (تاریخ شاہی نمبر ۴۴۲)

۱۳۵۴ھ میں آپ پہلی مرتبہ مدرسہ شاہی میں تشریف لائے اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سے ادب کی بعض کتابیں پڑھ کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد ۱۳۵۸ھ میں یہاں آکر باقاعدہ دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور نابغۂ روزگار اساتذہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے اپنی علمی نسبت کو اوج ثریا عطا کیا۔

زمانۂ طالب علمی سے انشا پردازی اور تحقیق وتحریر کا جو چسکا لگ چکا تھا وہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ترقی پاتا رہا۔ مدرسہ شاہی سے فراغت کے بعد آپ دس سال تک مختلف مقامات پر رہ کر تدریسی اور تحریری خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی زندگی کا یہ دس سالہ وقفہ آپ کے لئے ابتلاء اور آزمائش کا دور تھا۔ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے خود ہی لکھتے ہیں کہ:

> ''فراغت کے بعد میں نے مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں شوال ۱۳۵۹ھ سے ۱۳۶۴ھ (۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء) تک مدرسی کی، اس کے بعد نومبر ۱۹۴۳ء میں مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر میں ملازمت کی اور ۱۹۴۵ء میں وہاں سے لاہور گیا۔ اور زمزم کمپنی کے زیر اہتمام ساڑھے نو سو صفحات میں ''منتخب التفاسیر'' مولانا محمد عثمان فارقلیط کی زیر نگرانی لکھنا شروع کی۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۴۷ء میں روز نامہ زمزم لاہور میں شریک ادارت ہوا اور مولانا فارقلیط صاحب سے صحافت سیکھی۔ تقسیم ملک کے بعد ایک سال ہفتہ وار ''انصار'' بہرائچ کی ادارت کی۔ اُس کے بعد ۱۹۴۸ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمت انجام دیں۔ پھر یہاں سے ترک تعلق کر کے ۱۹۴۹ء میں بمبئی پہنچا، ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۸ء تک کا یہ نو دس سالہ دور میرے حق میں بڑے ابتلا کا تھا۔ یہ پورا دور صبر ایوب اور گریۂ یعقوب میں گذرا''۔ (تاریخ شاہی نمبر ۴۴۴)

۱۹۴۹ء میں آپ بمبئی میں مستقل مقیم ہو گئے اور یہیں رہ کر آپ نے شاندار علمی اور تحقیقی کام انجام دیئے، ابتدا میں روز نامہ جمہوریت بمبئی کے نائب مدیر رہے۔ اس کے بعد فروری ۱۹۵۱ء سے روز نامہ انقلاب سے وابستہ ہو گئے، اور مسلسل چالیس سال یعنی اپریل ۱۹۹۱ء تک روز نامہ انقلاب کے ذریعہ علوم ومعارف کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ اسی کے ساتھ مشہور ماہنامہ البلاغ کی ادارت بھی آپ سے متعلق رہی اور اس کے کئی خاص نمبر نکالے گئے جن میں تعلیمی نمبر سب سے زیادہ مقبول ہوا، تصنیفی سلسلہ بھی بدستور جاری رہا۔ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء

میں آپ کی معرکۃ الآرا کتاب ''رجال السند والہند'' بمبئی سے ہی چھپی جس سے آپ کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا، اوراس کے بعد ''**العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين**'' ۔نیز ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' اور ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'' جیسی عظیم تصانیف نے آپ کی شہرت و رفعت کو چار چاند لگا دیئے اور عرب وعجم کے علمی حلقوں میں آپ کو خوب خوب سراہا گیا۔ ہندوستانی حکومت نے بھی ''انڈین عظیم اسکالر'' کے ایوارڈ سے سرفراز کیا۔ ''اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ''، ''خلافتِ راشدہ اور ہندوستان''، ''خلافت بنوامیہ اور ہندوستان'' اور جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول'' کی تحقیق وتعلیق کا لازوال کارنامہ بھی اسی دور میں انجام دیا۔ اور اُن کے علاوہ جو رسائل مختلف موضوعات پر ترتیب دیئے وہ بھی کافی تعداد میں ہیں اور سب اپنے موضوع پر منفرد ہیں۔۱۹۷۴ء میں آپ کی ایک اہم تصنیف ''تذکرہ علماء مبارک پور'' بھی بمبئی سے شائع ہوئی جو ۲۹۲ رصفحات پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں دعوت نظر کے عنوان سے علامہ انور صابری نے یہ اشعار تحریر کئے تھے:

عارضِ الفاظ میں عکسِ جمال طور دیکھ
آفتابِ عظمتِ ماضی کا فیض نور دیکھ
تذکرے اسلاف کے بخشیں گے روحوں کو حیات
باہمہ وصف و نشاطِ جذبۂ مسرور دیکھ
اطہر و پاکیزۂ جذبات اطؔہر کی قسم!
دورِ حاضر میں علاجِ خاطرِ رنجور دیکھ
آشنا ہو کر عمل سے جائے گا جوتا فلک
وہ نیا رنگِ شعورِ فطرت مستور دیکھ
جس میں پرتو ہے قرونِ خیر کے ایمان کا
ہوش کی آنکھوں سے تاریخِ مبارک پور دیکھ

الغرض بمبئی کا یہ دورِ قیام آپ کی زندگی کا تابناک دور تھا اور واقعۃً یہ آپ کی للّٰہیت اور اولوالعزمی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صحافیوں کی طرح کبھی بھی اپنے آپ کو نرا صحافی نہ بننے دیا اور اپنی تحریروں کا علمی معیار برابر برقرار رکھا۔ ورنہ یہ تجربہ ہے کہ اخباری زندگی اور وہ بھی روزنامہ کی مصروفیت میں آدمی کی تحریریں مواد سے خالی ہو کر محض سطحی رہ جاتی ہیں مگر حضرت قاضی صاحب کبھی بھی اپنے علمی دائرہ سے باہر نہیں نکلے۔

محدث اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ سے بھی آپ کے قریبی روابط تھے اور ان کے بعض تحقیقی کاموں میں اور بعض کتابوں کی نقل وغیرہ میں بھی آپ نے بمبئی کے زمانۂ قیام میں تعاون کیا۔ حضرت محدث اعظمؒ جب بھی بمبئی تشریف لے جاتے تو قاضی صاحب کے ساتھ ہی بمبئی میں نشست و برخاست رہتی۔ اور علمی اور تحقیقی موضوعات پر بحثیں اور مجلسیں گرم ہوا کرتی تھیں جس کا اظہار آپ نے اپنے ایک وسیع مضمون میں کیا ہے جو ترجمان اسلام بنارس کی خصوصی اشاعت بیادِ محدثِ جلیل میں شائع ہوا ہے۔

۱۹۹۱ء میں آپ بمبئی سے منتقل ہو کر اپنے وطن مالوف مبارک پور میں مستقل اقامت پذیر ہو گئے تھے لیکن علمی مشاغل بدستور جاری رہے۔ اور کئی اہم تصنیفات اس عرصہ میں آپ نے تحریر فرمائیں جن میں ''سیرت ائمہ اربعہ''، ''تدوین سیر و مغازی'' اور اب اخیر میں ''خیر القرون کی درسگاہیں'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ تینوں کتابیں شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوئی ہیں جس کے آپ اعزازی نگراں تھے۔ اس کے علاوہ ملک کے علمی جرائد و رسائل میں آپ کے مضامین اور تخلیقات نہایت اہتمام سے اشاعت پذیر ہوتی رہتی تھیں۔ ندائے شاہی پر شروع ہی سے آپ کی خصوصی عنایت رہی۔ خود ہی اہتمام کے ساتھ اس کے لئے مفید مضامین ارسال فرماتے تھے اور اگر وقفہ طویل ہوتا تو باقاعدہ تاخیر پر معذرت فرمایا کرتے تھے رسالہ کا بالاستیعاب مطالعہ فرماتے۔ اور اپنی آراء مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ آفسیٹ پر اشاعت شروع ہونے کے بعد سے عموماً اپنے گرامی ناموں میں رسالہ کی ترقی پر نہایت خوشی کا اظہار کرتے اور فرماتے کہ مختصر مدت میں اس رسالہ نے دینی جرائد میں اپنا خاص

مقام بنالیا ہے۔ ندائے شاہی کا تاریخ شاہی نمبر جب شائع ہوکر آپ کی خدمت میں پہنچا تو اس پر آپ نے نہایت شاندار الفاظ میں تبصرہ کرتے ہوئے راقم الحروف کو لکھا :

''پرسوں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا ''شاہی تاج'' موصول ہوا، اس کے جواہر کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ گوشۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اتنا ضخیم، اتنا شاندار اور دینی وعلمی معلومات کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ تاریخ شاہی کے نام سے تیار ہوجائے گا۔ اس شاندار پائیدار کارنامے پر دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ آپ حضرات کی علمی وتحقیقی جدوجہد اور عزیز مولانا سید رشید الدین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ مولانا موصوف کو مبارک ہو کہ ان کی دیرینہ تمنا ''دیر آید درست آید'' کے مصداق پوری ہوئی۔ تاریخ شاہی نمبر معلومات کا دائرۃ المعارف ہے۔ کتابت، طباعت، ترتیب ہر چیز سے آپ کے حسنِ ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے ظاہری وباطنی محاسن دل ونگاہ کے لئے پرکشش ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر دے۔ اور اس طرح کے کام کی مزید توفیق عطا فرمائے، آمین''۔ (ندائے شاہی فروری ۱۹۹۳ء)

اب سے تقریباً ایک سال قبل تک جب بھی دیوبند تشریف لاتے تو کچھ روز کے لئے اپنے مادر علمی مدرسہ شاہی کو بھی چندروزہ قیام سے رونق بخشتے۔ حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو برادرانہ روابط تھے ہی مگر ہم خدام اور اصاغر کے ساتھ مرحوم کا جو برابری بلکہ احترام کا رویہ رہتا تھا وہ نہایت درجہ قابل رشک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو علم کے ساتھ خوردنوازی اور بے نفسی کی عظیم صفات سے نوازا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جو بھی ایک مرتبہ مل لیتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

آپ کی وفات سے مدرسہ شاہی اپنے ایک فرزند سے اور ندائے شاہی اپنے ایک عظیم خیرخواہ سے محروم ہوگیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات کا بہتر بدلہ عطا فرمائے اور آپ کی علمی ودینی تحریرات کو صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا قاضی عبدالحفیظ اطہر مبارک پوریؒ کے چند علمی مکتوبات

مولانا عبدالجلیل خان صاحب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

یہ چند مکتوبات ہیں جو قاضی صاحب نے گاہ بگاہ احقر کے نام ارسال فرمائے تھے۔ ان میں چونکہ علمی مواد ہے، اس لئے ہمارے محترم حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہٗ مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو قاضی صاحبؒ کے خطوط ہیں انھیں ترتیب دے دو تاکہ ندائے شاہی کے قارئین بھی ان سے استفادہ کرسکیں۔ اس لئے یہ چند افادات ذیل میں پیش ہیں:

علمی میدان میں ترقی کیسے؟

ایک مرتبہ میں نے حضرت قاضی صاحب کو خط لکھا کہ میں علمی میدان میں کیسے آگے بڑھوں۔ کون سی کتابوں کا مطالعہ کروں تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

گرامی نامہ ملا۔ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ ابتداء اردو میں ان موضوعات پر کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔ خطابت یا صحافت کا تعلق زیادہ تر اپنے ذوق اور رجحان طبع سے ہوتا ہے۔ جس فن سے دلچسپی ہو اس کی کتابیں پڑھئے اور ان سے تقریر وتحریر میں کام کیجئے رسائل میں چھوٹے چھوٹے مضامین کا سلسلہ شروع کریں۔ اردو کی ایسی کتابیں بھی پڑھیں جن میں زبان وادب کا معیار بلند ہو، کسی ایک موضوع پر پہلے غور کریں کہ کہاں معلومات مل سکتی ہیں۔ پھر ان کو ذہن میں ترتیب دے کر قلم اٹھائیں۔ ابتداء میں الجھن ہوگی طبیعت پر زور دے کر کچھ نہ کچھ

لکھیں ہم لوگوں کو اسی طرح لکھنا آیا ہے۔ بہر حال وسعت معلومات اور کثرت مطالعہ اس کے لئے ضروری ہے۔ فقط والسلام

قاضی اطہر مبارک پوری
۱۵ر محرم ۱۴۱۱ھ ۷ر اگست ۱۹۹۰ء

خان کی ابتداء

میں نے معلومات کی تھی کہ خان کی ابتداء کب اور کہاں سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور یہ کیسی قوم ہے؟ تو آپ نے اس کے متعلق اپنی تحقیق سے سرفراز فرماتے ہوئے لکھا:

کل ہی گرامی نامہ ملا۔ خان مغل بادشاہوں کا قدیم لقب ہے جو غالباً قبل اسلام سے ان میں رائج تھا۔ مغل نسل کے لوگوں کو خان کہتے ہیں۔ اسلام میں بھی یہ لقب باقی رہا۔ ایران اور ترکستان وغیرہ امراء وسلاطین اس لقب سے یاد کئے جاتے تھے اور ہندوستان میں جو خاندان ایران وترکستان وغیرہ ماوراء النہر کے علاقہ سے آئے، ان کے افراد بھی کہے گئے، بلکہ آج تک ان کا خاندانی وقبائلی لقب باقی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ چونکہ اس لفظ خان میں عظمت وشان وشوکت کا مفہوم ہے اسی لئے انگریزی دور میں بڑے بڑے سرکاری لوگوں کو خان بہادر کا لقب دیا گیا۔ نیز یہاں کے جو بڑے طبقہ کے غیر مسلم اسلام لائے ان کو بھی خان کا لقب دیا گیا۔ چونکہ ہندوستان میں انساب محفوظ نہیں رہے اس لئے اصلی ونقلی خان میں امتیاز مشکل ہے۔ یہی حال سادات وشیوخ کا ہے کہ عام طور سے ان کے انساب بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ فقط والسلام۔

قاضی اطہر مبارک پوری
۲ر ربیع الاول ۱۴۱۲ھ ۲۲ر ستمبر ۱۹۹۰ء

لفظ شیخ کا اطلاق

ایک مرتبہ میں نے یہ معلوم کیا تھا کہ ہندوستان میں یہ بات مسلم ہے کہ اکثر غیر مسلم ہی تھے پھر اتنی قومیں کیسے بنیں؟۔ دوسرے لفظ شیخ کا اطلاق کس قوم کے لئے خاص ہے؟ تو آپ نے جواب میں یہ تحریر فرمایا:

''ہندوستان میں ہندوؤں کے بہت سے خیالات مسلمانوں میں آ گئے ہیں۔انھیں میں ذات پات کی تفریق اور اس کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ نام اور القاب بنائے گئے اور یہ سب عجم حکومت کے دور میں ہوا، چنانچہ مسلمانوں میں جوذاتیں بنائی گئیں۔ان کے نام فارسی میں رنگ ریز،نور باف،حلال خور،زرگر،آہن گر،قلعی گر،بہشتی،مومن،خلیفہ،سب اسی طرح کے ہیں۔شیخ منصوری۔مگر اس کو بڑے اور معزز خاندانوں نے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ خاص طور سے خلفاء اربعہ کی نسل کے دعویدار حضرت نے اپنے کوشیوخ میں شمار کیا ہے۔حالانکہ ہندوستان میں کوئی خاندان اپنے صحیح نسب کو ثابت نہیں کرسکتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ شیخ کا لقب یا لفظ احتراماً بولا جاتا ہے جب کہ ایک طبقہ کواس اپنے امتیاز کے طور پر استعمال کرتا ہے۔اور خاں چونکہ مغلوں کا لقب تھا۔اس لئے اونچے قسم کے خاندان مسلمان ہوئے ان کے نام کے ساتھ خان بڑھادیا گیا، جو بہادری اور نسلی برتری کو ظاہر کرتا ہے یہ باتیں ذات پات کی تفریق کو بتاتی ہیں جس کو اسلام نے ختم کردیا ہے اور یہ سب ہندوؤں کی طبقاتی تقسیم کا اثر ہے۔انگریزوں نے اپنے دور میں خان بہادر عبدالرحیم، اور بھیونڈی میں خان بہادر عبدالصمد پارچہ باف تھے انگریزوں نے ان کو یہ لقب دیا تھا۔والسلام

قاضی اطہر مبارک پوری
۱۵ر جمادی الثانیہ۲ر جنوری ۱۹۹۱ء

حضرت نوحؑ کی اولاد کا مذہب اور ٹھاکر اور برہمن کی تحقیق

ایک مرتبہ میں نے لکھا کہ آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کی تین اولاد حام، سام، یافث سے جو یہ دنیا پھیلی ہے ان کا مذہب کیا تھا۔اور ٹھاکر برہمن کس کی قوم سے ہیں اور کیا یہ لوگ بھی عرب کی نسل ہیں؟ تو آپ نے تحریر فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں دنیا پھیلی،ان کا کیا مذہب تھا؟اس کے بارے میں قطعی معلومات نہیں اور نہ اس کی معلومات کے ہم مکلّف ہیں۔ہوسکتا ہے کہ ابتدائی دور میں ان کی اولاد اپنے آبائی مذہب پر رہی ہو اور بعد میں ان میں گمراہی پیدا ہوگئی ہو،ٹھاکر، برہمن وغیرہ

اقوام ہند کے بارے میں تاریخ فرشتہ اور مولوی ذکاء اللہ صاحب کی تاریخ ہندوستان اور اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی تاریخ اسلام وغیرہ سے معلومات مل سکتی ہیں۔

تقریباً چار ہزار سال پہلے آرین قوم ہندوستان میں آئی اور یہاں کے قدیم باشندوں چمار، ڈوم، گونڈ اور بھیل وغیرہ کو زیر کر کے ملک پر قبضہ کرلیا۔ انہیں سے ٹھاکر برہمن وغیرہ ہیں جنہوں نے خود اونچے بن کر اصل باشندوں کو اپنا خادم بنا دیا۔ تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

قدیم زمانہ میں عرب میں جاٹ ٹھاکر اور دوسرے لوگ یہاں سے گئے تھے۔ عرب نہیں تھے، نسلاً ہندی تھے۔ فقط والسلام

قاضی اطہر مبارک پوری
۲۷؍شوال ۱۴۱۱ھ

ہندوستانی اقوام

میں نے حضرت سے معلوم کیا تھا کہ ہندوستانی کس کی اولاد سے ہیں اور یہ قوم کہاں سے آئی۔ تاریخ فرشتہ میں کہاں پر اس کی تفصیل ملے گی۔ آپ نے جواب لکھا کہ:

گرامی نامہ ملا، تاریخ فرشتہ کے شروع میں ہندوستان کی قوموں کی تفصیل درج ہے کہ یہاں کے باشندے حامؑ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی اولاد در اولاد کے نام پر اس ملک کے علاقوں اور شہروں کے نام ہیں۔ میرے نسخہ میں صفحہ ۱۰ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ مگر یہ سب زمانہ تاریخ سے قبل کی باتیں ہے اس کی تصدیق وتکذیب نہیں کی جاسکتی۔ آریہ قوم تقریباً چار ہزار سال قبل روس وغیرہ کے شمالی علاقہ سے سندھ پنجاب کی راہ سے ہندوستان میں آئے اور یہاں کے قدیم باشندوں کو زیر کر کے اپنا قبضہ جمایا حکومت اور علم وحکمت اپنے لئے رکھا اور دوسروں کو اپنا تابع بنایا۔ والسلام

قاضی اطہر مبارک پوری
۱۸؍ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ، ۲؍جون ۱۹۹۱ء

بچی کی پیدائش پر اشعار

۲۴؍جون ۱۹۹۲ء میں ہمارے یہاں سب سے پہلی بچی کی ولادت ہوئی۔ میں نے اس کا نام شاہانہ مریم رکھا۔ قاضی صاحبؒ کو خط لکھا کہ پہلی بچی کی ولادت ہوئی ہے اور میں نے شاہی کی طرف منسوب کرتے ہوئے، شاہانہ عرفی نام اور اصل نام مریم رکھا ہے۔ اس پر قاضی صاحبؒ نے جواب لکھا کہ بچی کے نام اور عرفیت دونوں میں نیک خیالی ہے۔ انشاءاللہ آپ کی بچی ہر اعتبار سے اچھی رہے گی۔

شعروشاعری کا مشغلہ ایک مدت سے ختم ہے۔ میں مولوی سے زیادہ شاعر مگر اب اس کا خیال بھی نہیں آتا ہے۔ جلدی میں چند اشعار عزیزہ شاہانہ سلمہا اللہ کے سلسلے میں کہے ہیں، جو روانہ ہیں:

گھر کی زینت پیاری مریم ہے ❖ فضلِ ربِ جہاں یہ کیا کم ہے
اہلِ خانہ سب اس کی آمد پر ❖ شکر جتنا ادا کریں کم ہے
ہے یہ سب اس کی آمد پر ❖ پھول کی پنکھڑی پہ شبنم ہے
رونق گلستاں عبد الجلیل ❖ ہو فزوں تر دعاء یہ ہر دم ہے
اس کی طفلانہ حرکتوں کے سبب ❖ پورے گھر میں خوشی کا عالم ہے
پاک طینت ہو نیک سیرت ہو ❖ سب کے لب پر دعاء یہ پیہم ہے
اس کی ہر ہر ادا ہے شاہانہ ❖ اس لئے جزوِ نام مریم ہے

چند اشعار اور

پھر ۲۰؍نومبر ۱۹۹۴ء میں دوسری بچی کی ولادت ہوئی۔ اس کا نام سعدانہ رکھا، قاضی صاحبؒ کو خط لکھا۔ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس پر بھی یہ چند شعر لکھ کر دئے:

جو خرد کو بنائے پیمانہ ❖ در حقیقت وہی ہے فرزانہ
تاکہ بچی رہے سعادت مند ❖ خوب رکھا ہے نام سعدانہ

نوٹ:- حضرت قاضی صاحبؒ ۱۹۹۵ء میں جب مدرسہ شاہی میں تشریف لائے تھے تو یہیں پر مذکورہ بالا شعر لکھ کر دیئے تھے۔

بھتیجہ پیدا ہونے پر اشعار

۲۱؍نومبر ۱۹۹۴ میں بھتیجا ہونے پر قاضی صاحبؒ کو خط لکھا بھتیجا ہوا ہے۔ اور اس کا نام محمد عدنان رکھا ہے۔ مسرت کا ظہار اور دعائیہ کلمات کہتے ہوئے یہ اشعار لکھ کر روانہ فرمائے۔

فضل رب ہے خوشی کا ساماں ہے ❖ یعنی عدنان راحتِ جاں ہے

شہر امید کی فصیلوں پر ❖ ہر طرف جشن ہے، چراغاں ہے

رقص کرتی ہے چاندنی ہر سو ❖ روئے عدنان ماہ تاباں ہے

بچ کے جس سے خزاں گزرتی ہے ❖ تو حقیقت میں وہ گلستاں ہے

والسلام قاضی اطہر مبارک پوری ۲۳؍جون ۱۹۹۵ء

(ندائے شاہی دسمبر ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلویؒ

(ولادت: ۷؍ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۳؍ستمبر ۱۹۱۹ء ۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۷ء مطابق ۱۳؍اگست ۱۹۹۶ء)

تبلیغی جماعت کی موجودہ مجلس امارات کے رکن رکین اور مرکز تبلیغ حضرت نظام الدینؒ کے نہایت اہم ذمہ دار حضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۳؍اگست ۱۹۹۶ء کو وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کاندھلہ کے علمی اور دعوتی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ پوری زندگی مرکز تبلیغ میں گذاردی۔ تبلیغی جماعت میں آپ کی خاموش خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

نہایت جید الاستعداد عالم تھے، مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین میں اعلیٰ کتابوں کا درس دیتے تھے۔ ان علمی کمالات و مراتب کے باوجود سادگی اور کسر نفسی میں بھی آپ انتہائی مقام پر فائز تھے۔ اول وہلہ میں آپ کو دیکھ کر کوئی شخص اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ آپ کتنے اونچے مرتبے کے آدمی ہیں۔ امیر تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کو جماعت کی مجلس امارت کا رکن؛ بلکہ سرپرست بنایا گیا۔ آپ اپنی حکمت علمی اور قدیم تجربات کی روشنی میں نہایت ثبات قدمی کے ساتھ جماعت کی قدیم روایات اور خدمات کی آبیاری کررہے تھے کہ وقت آپہنچا اور آپ ہزاروں سوگواروں کو چھوڑ کر اپنے خدا کے حضور جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے، اور موصوف کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

(ندائے شاہی ستمبر ۱۹۹۶ء)

قطب دکن حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قریشیؒ

(ولادت: ۱۹۲۰ء وفات: ۱۳/۱۹۹۶ء)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل اور وسط ہند کے مشہور ومعروف بزرگ، قطب دکن حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر ۱۳راگست ۱۹۹۶ء کے اخبار میں پڑھی تو میری نظروں میں مولانا مرحوم کا سراپا گھوم گیا۔ منحنی سا وجود، چہرہ پر ذکر اللہ کی چمک، امراض اور معذوریوں کے ہجوم کے باوجود ہر ہر ادا سے صبر وشکر کا اظہار کرتی ہوئی مسکین صورت میرے سامنے آ گئی۔ حدیث میں اہل اللہ کی جو صفت اور علامت آئی ہے کہ جنہیں دیکھ کر خدا یاد آئے۔ آپ کی ذات پر یہ علامت پوری طرح منطبق تھی، میں نے اب سے چار سال قبل آخری بار ''اودگیر'' (جو آپ کا وطن ہے) کے سفر کے دوران آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔ اس وقت زبان لقوہ سے متأثر ہو چکی تھی۔ زیادہ وقت گریہ طاری رہتا تھا۔ مگر اس حال میں بھی طویل اسفار جیپ گاڑی پر کرنے میں ہر وقت مستعد رہتے تھے اور خلق خدا کی گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ جہاں بھی پہنچ جاتے مصافحہ اور زیارت کے لئے لوگ ٹوٹ پڑتے۔ وسط ہند (مہاراشٹر، کرناٹک اور حیدرآباد) میں چپہ چپہ پر آپ کی خدمات کے نقوش نمایاں ہیں۔ آپ نے بڑے سخت اور جاں گسل حالات میں اس جہالت زدہ علاقہ میں گاؤں گاؤں اور دیہات دیہات جا کر تشنگانِ معرفت کو مئے محبت کے جام پلائے ہیں۔ بلا مبالغہ کئی لاکھ افراد آپ کے فیض سے بالواسطہ مستفیض ہوئے ہیں، آپ کی خانقاہ حیدرآباد میں تھی؛ لیکن علمی خدمات کا مرکز مدرسہ قاسم العلوم اودگیر، تھا جو اس پورے علاقہ میں قدیم اور امتیازی مدرسہ ہے، جس کے بانی آپ ہی تھے اور اسلاف کے طرز پر مدرسہ کو چلاتے تھے۔ نہایت

سادگی کے ساتھ ٹین کے شیڈوں سے بنے ہوئے ہال اور چند کمروں میں ششم عربی تک کی تعلیم ہوتی تھی۔ حضرت مولانا نے اپنی زندگی میں ظاہری ٹیپ ٹاپ کی طرف توجہ نہ دی؛ بلکہ تعلیمی معیار کی ترقی پر توجہ دیتے رہے۔ غالباً آپ کے آٹھ صاحبزادے ہیں اور سب جیدذی استعداد عالم حافظ اور قاری ہیں، اُن میں سے ایک صاحبزادے مفتی ابرارالحق سلمۂ مدرسہ شاہی میں چند سال قبل شعبۂ افتاء سے فارغ ہوئے، جب کہ دوسرے صاحبزادے مولوی اعجازالحق سلمہ نے درجہ ششم میں یہاں تعلیم حاصل کی ہے۔ مولانا مرحوم کی پیدائش ۱۳۳۹ھ کی ہے سات سال تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پانے کے بعد ۱۳۵۸ھ میں فارغ ہوئے۔ اسی سال حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اور ۱۵؍سال کی ریاضتوں کے بعد اپنے حضرت مرشد کی طرف سے بیعت وارشاد کی اجازت سے نوازے گئے۔ آپ نے صدقہ جاریہ کے بطور قیمتی ملفوظات وتالیفات کا ایک ذخیرہ بھی چھوڑا ہے، جن میں سب سے قیمتی تالیف حضرت تھانویؒ کی معرکۃ الآراء تالیف ''التكشف في مهمات التصوف'' کے جزء پنجم کی تشریح وتسہیل ہے، جسے آپ نے احادیث تصوف کے نام سے ایک ضخیم جلد میں شائع فرمایا ہے۔

آج مولانا ہم میں موجود نہیں ہیں اور وہاں جا چکے جہاں ہر ایک کو جانا ہے مگر مولانا کی عظیم مخلصانہ خدمات اور صدقات جاریہ کی بہتات کو دیکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ آپ نے اپنی ابدی زندگی کے اسباب فراہم کر کے ہی دنیا سے رخصتِ سفر باندھا ہے۔ اور اس اعتبار سے آپ روح وجسم کے تعلق منقطع ہونے کے باوجود زندہ ہیں۔ سچ ہے یہ حقیقت کہ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ❖ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(ندائے شاہی ستمبر ۱۹۹۶ء)

گوشۂ فقیہ الامت

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

(ولادت: ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء وفات: ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء)

مدتوں رویا کریں گے......

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ

وہ خبر جسے سننے کے لئے کان تیار نہ تھے۔وہ حادثہ جس پر یقین کرنے کو دل آمادہ نہ تھا، وہ سانحہ جس کے تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا تھا، آہ! وہ وحشت اثر خبر سنائی جا چکی۔وہ جانکاہ حادثہ پیش آ چکا، اور وہ الم ناک سانحہ گذر چکا، کسے نہیں معلوم کہ دارالعلوم کی روحانی بزم آرائیوں کے روح رواں، مسجد چھتہ کی عظمت کے امین، اس آخری دور انحطاط میں اکابر واسلاف کی نشانیوں اور کمالات کے جامع، اسلامی علوم ومعارف اور اسرار وحکم کے محافظ، ماہر شریعت وطریقت، اسم بامسمّٰی ''محمود زماں'' فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ وبرداللہ مضجعہ، اب وہاں تشریف لے جا چکے ہیں جہاں جا کر کبھی کوئی واپس نہیں آیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

افریقہ آپ پہلے بھی جاتے تھے مگر آپ کے محبین ومتعلقین واپسی کے دن گن گن کر ہی دل کو تسلی دیتے رہتے تھے۔اور یہ انتظار کے لمحات بھی ایک خاص کیفیت میں گذر جاتے تھے۔مگر آہ! اس مرتبہ کے سفر افریقہ نے ''آخری سفر'' میں تبدیل ہو کر انتظار کی آس بھی ختم کر دی ہے۔اور وہ آفتاب جو ۹۲؍سال قبل گنگوہ کے اُفق سے طلوع ہوا تھا سارے عالم کو اپنی علمی اور روحانی روشنی سے منور کر کے بالآخر گذشتہ ۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲؍ستمبر ۱۹۹۶ء بروز پیر جنوبی افریقہ کی سرزمین پر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا حادثہ وفات صرف دارالعلوم اور مظاہر علوم کا صدمہ نہیں بلکہ یہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ ہے۔حضرت مفتی صاحبؒ کا محض وجود ہی ہم سب کے

لئے عظیم سہارا تھا۔ علمی اور روحانی اعتبار سے آپ کو جو مقام اور مرتبہ حاصل تھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ حضرتؒ کی نورانی مجلسیں ہدایت کا سرچشمہ اور روحانیت کا مرکز تھیں۔ جن میں حاضری کی بدولت کتنے بے راہ رووں کو ہدایت نصیب ہوئی تھی، اور غافل لوگ آخرت کی فکر سے مشرف ہو گئے تھے۔ آپ کے فتاویٰ اگر اہلِ علم کے لئے سیرابی کا سامان تھے، تو آپ کے مواعظ وملفوظات سے راہِ معرفت کی تشنگی دور کی جاتی تھی۔ آپ نے ایسی قابلِ رشک اور صاف ستھری زندگی گذاری کہ کبھی کسی کو آپ کی ذات پر انگشت نمائی کا موقع ہاتھ نہ آسکا۔ آج آپ کے پردہ فرمانے سے جو خلا ہوا ہے وہ آسانی سے پر نہ ہو سکے گا۔

جن لوگوں نے دور ہی سے آپ کو دیکھا انھیں اس سانحہ کی سنگینی کا ہو سکتا ہے اتنا احساس نہ ہو اور وقت گزرنے کے ساتھ ممکن ہے کہ ان کے ذہن ودماغ سے اس حادثہ کی یاد مندمل ہو جائے لیکن جن خوش نصیبوں کو آپ کی سالہا سال معیت اور آپ سے علمی اور روحانی کسبِ فیض کا براہ راست موقع ملا ہے ان کو جب حضرتؒ کی یاد آیا کرے گی اور آپ کی مبارک اور روحانی مجالس کا تصور سامنے ہوگا، تو ایسی ٹیسیں اٹھا کریں گی جو قلب وجگر کو بے قابو بنا کر چھوڑیں گی۔ چھتہ کی مسجد کی یہ بے رونقی ان سے دیکھی نہ جا سکے گی۔ مسجد کے داہنی جانب اگلی صف کی طرف بے اختیار نگاہیں اٹھا کریں گی، گویا یہ انتظار ہو کہ ابھی حضرت یہاں آ کر تشریف فرما ہوں گے! نظریں ڈھونڈھا کریں گی، کہاں گئی حجرۂ قاسمی کی رونق؟ کیا ہوئی مسندِ افتاء کی شان؟ کہاں گیا روحانیت کا سرچشمہ؟ کہاں گیا شیخ الاسلامؒ کا لاڈلا؟ اور کہاں گیا شیخ الحدیثؒ کا نورِ نظر؟ لرزتی ہوئی غمزدہ زبانیں جواب دیں گی کہ نظروں کو جس ''گوہر آبدار'' کی تلاش ہے۔ اس امانت کو اللہ کے ازلی فیصلہ کے مطابق قیامت تک کے لئے افریقہ کی سرزمین نے اپنے جلو میں رکھنے کی سعادت حاصل کر لی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ اس قضاء وقدر کے انتظام میں بھی کوئی بڑی خیر اور حکمت پنہاں ہوگی۔ گو کہ اس کی تہہ تک ہماری عقل نارسا رسائی حاصل نہ کر سکے۔ مگر اپنی بیقراری کا کیا ہو، جو مدتوں سوچ سوچ کر رلایا کرے گی۔ اب اللہ سے دعا کے سوا ہمارے پاس بچا ہی کیا ہے جو حضرت کی خدمت میں نذر کریں۔ سلام بھی پہنچانا ہوگا تو اپنے اللہ ہی سے التجا کریں گے کہ:

اے اللہ ہم اور ہم جیسے لاکھوں تشنگان زیارت کا سلام اپنے اس محبوب ومحمود بندے تک پہنچادے جس کی ایک ذات میں وہ تمام نشانیاں موجود تھیں جو تونے اور تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیک بندوں کی بیان فرمائی ہیں۔ وہ داعی الی اللہ تھے۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ﴾ (حم السجده آیت : ٣٤) وہ طول عمر کے ساتھ حسن عمل کی دولت سے مالا مال تھے۔ ”خير الناس من طال عمره وحسن عمله“. (ترمذی شریف ٥٩/٢) وہ خلیق ومہربان تھے۔ ”إن من خيار كم أحاسنكم أخلاقا“. (مشكوٰة شريف ٤٣١/٢) وہ اعلیٰ درجہ کے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ”من تواضع لله رفعه الله“. (مشكوٰة شريف ٤٣٤/٢) وہ زاہد فی الدنیا تھے۔ ”ازهد في الدنيا يحبك الله“. (مشكوٰة شريف ٤٤٢/٢) ان کی پوری زندگی علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت میں گذری اور فقہ وفتاویٰ میں وہ واقعی اپنے دور کے فقیہ الامت تھے۔ ”من يرد الله خيرًا يفقهه في الدين“. (مشكوٰة شريف ٣٢/١) وہ سنتوں پر سختی سے عمل پیرا ہونے والے تھے۔ ”من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد“. (مشكوٰة شريف ٣٠/١) ان کا دل بغض وعداوت اور کینہ سے خالی تھا۔ ”يا بني ان قدرت ان تصبح أو تمسي وليس فى قلبك غش لاحد فافعل“. (مشكوٰة شريف ٣٠/١) اور وہ ہمیشہ دوسروں کو اذیت دینے سے اپنے کو بچاتے رہے۔ ”من أمن الناس بوائقه دخل الجنة“. (مشكوٰة شريف ٣٠/١)

الغرض وہ ذات جس نے اپنی پاک صاف زندگی کو پوری طرح شریعت کے رنگ میں رنگین کر دیا تھا۔ اور شریعت ہی اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ہمارے دل کی گہرائیوں سے اس ذات کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ اے اللہ تو ان تک ہمارا پُر خلوص سلام پہنچادے۔ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلا۔ اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرما، آمین۔

ایں دعا اَز من و اَز جملہ جہاں آمین باد

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۶ء)

مختصر حالات زندگی

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ

(پیدائش: بمقام گنگوہ، ۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ مطابق ۲۱/ جولائی ۱۹۰۷ء)

والد ماجد:- حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ۔ (آپ حضرت شیخ الہندؒ اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے شاگرد رشید اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔ اور نہایت سادہ اور درویش صفت بزرگ تھے۔ نہٹور ضلع بجنور کے مدرسہ میں مقیم رہے۔ وہیں ۲۱/ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۹۵۱ء بروز چہارشنبہ وفات پائی)

تعلیم کی ابتدا:- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ جب مالٹا جانے سے پہلے گنگوہ تشریف لائے تھے، تو آپ ہی نے حضرت مفتی صاحبؒ کی بسم اللہ کرائی تھی، اس موقع پر حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوریؒ بھی تھے۔ یہ ۱۳۳۳ھ کا واقعہ ہے۔

اولین استاذ:- حافظ کریم بخش صاحب نابینا (جو گنگوہ میں حضرت گنگوہی کی صاحبزادی محترمہ کی بیٹھک میں قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے) حضرت مفتی صاحبؒ نے ان سے قرآن پاک پڑھا مگر قرآن کی تکمیل سے قبل ہی ان کی وفات ہوگئی۔ تو امام جامع مسجد گنگوہ حافظ عبد الکریم صاحب کے پاس تکمیل کی۔

عربی و فارسی کا آغاز:- میزان و منشعب آٹھ مہینے میں اپنے والد صاحب سے پڑھی، اور ابتدائی فارسی کی تعلیم گنگوہ میں مولانا فخر الدین گنگوہیؒ سے حاصل کی۔

مظاہر علوم میں:- ۱۳۴۱ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۴۷ء تک فقہ وادب اور معقولات کی تعلیم حاصل کی۔ اور اسی دوران ۱۳۴۲ھ-۱۳۴۳ھ میں آپ نے فن قرأت کی تکمیل بھی فرمائی۔

دار العلوم دیوبند میں:- ۱۳۴۸ھ میں آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے سال ہدایہ اخیرین اور مشکوٰۃ شریف، دوسرے سال (۱۳۴۹ھ میں) بیضاوی، ابوداؤد، مسلم، اور تیسرے سال (۱۳۵۰ھ) میں بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے اس شان سے پڑھی کہ پورے سال سماعۃً یا قراءۃً ایک حدیث بھی نہیں چھوٹی۔

دوبارہ مظاہر علوم میں :- حدیث میں مہارت کے لئے آپ نے دوبارہ مظاہر علوم میں داخلہ لیا۔ اور شوال ۱۳۵۰ھ سے شعبان ۱۳۵۱ھ تک شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مہاجر مدنیؒ سے ابوداؤد شریف، نسائی اور ابن ماجہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ سے۔ اور طحاوی اور مؤطین حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ سے پڑھیں۔

مظاہر علوم میں افتا وتدریس :- ذیقعدہ ۱۳۵۱ء میں دس روپے مشاہرہ پر معین مفتی کے عہدہ پر آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۵۳ھ میں آپ نائب مفتی بنائے گئے اور ۱۳۷۱ھ تک اسی عہدہ پر رہے اسی دوران میزان سے لے کر جلالین شریف تک کتابیں پڑھانے کا موقع بھی ملا۔ درمیان میں کچھ عرصہ آپ لدھیانہ کے ایک مدرسہ میں بھی مقیم رہے۔

ھردوئی اور کولھاپور :- جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ میں آپ ہردوئی کے مدرسہ میں خدمت افتاء وتدریس پر مامور ہوئے۔ پھر شوال ۱۳۷۲ھ سے صفر ۱۳۷۲ھ تک آپ نے مدرسہ محمدیہ کولھاپور میں قیام فرمایا۔

جامع العلوم کانپور :- ربیع الاول ۱۳۷۳ھ سے آپ نے مدرسہ جامع العلوم کانپور کو رونق بخشی۔ آپ کی انتھک محنت اور جد وجہد سے اس مدرسہ کو چار چاند لگ گئے۔ ۱۳۷۵ھ سے آپ نے یہاں دورہ حدیث شریف کا آغاز فرمایا۔ اور بحیثیت شیخ الحدیث ۲۱ر رجب ۱۳۷۵ھ

کو پہلی مرتبہ بخاری شریف ختم کرائی۔ آپ کے قیام کانپور سے حضرت تھانویؒ کے قیام کانپور کی یاد تازہ ہوگئی۔ ۱۳۸۵ھ تک آپ کا قیام کانپور میں رہا۔

دارالعلوم کے دار الافتاء میں:- جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ میں مفتی دارالعلوم کی حیثیت سے آپ نے دارالعلوم میں مستقل قیام فرمایا، دارالعلوم سے یہ تعلق تا وفات قائم رہا، یعنی ۳۲ رسال آپ دارالعلوم سے وابستہ رہے۔ (درمیان میں تین سال مظاہر علوم کے شعبۂ افتاء کے سرپرست رہے؛ لیکن ہفتہ میں ایک دن دارالعلوم تشریف آوری کا معمول رہا)

دارالعلوم میں درس بخاری شریف:- ۱۳۸۹ھ سے ۱۳۹۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جلد ثانی کا درس آپ سے متعلق رہا اور ۱۳۹۲ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد کے درمیان سال میں وصال ہوجانے کی وجہ سے بخاری شریف جلد اول بھی آپ نے مکمل کرائی۔

مظاہر علوم میں قیام:- رجب ۱۴۰۲ھ سے ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ تک آپ مفتی اعظم مظاہر علوم کی حیثیت سے سہارنپور میں مقیم رہے۔

دارالعلوم میں درس نسائی شریف:- ۱۴۰۹ھ سے ۱۴۱۶ء تک آپ نے دارالعلوم میں نسائی شریف کا درس دیا۔

مظاہر علوم اور مدرسہ شاہی کی رکنیت:- ۱۳۸۵ھ میں آپ کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس سرپرستان کا رکن منتخب کیا گیا۔ اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ کو ۱۳۹۵ھ سے اپنی رکنیت سے مشرف فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے دینی اداروں کی سرپرستی فرماتے رہے۔

اسفار حج:- سب سے پہلا حج آپ نے قیام مظاہر علوم کے زمانہ میں ۱۳۶۳ھ میں کیا۔ دوسرا حج کانپور کے زمانۂ قیام میں ۱۳۷۷ھ میں ہوا، اُس کے بعد بھی متعدد بار حج وزیارت کی دولت میسر آئی۔

بیعت وارشاد :- ۱۳۴۹ھ میں آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور کافی طویل عرصہ کی ریاضت اور مجاہدہ کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے۔ حضرت شیخ نے آپ کو بطور یادگار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کا مشلح عنایت فرمایا۔ آپ کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ "میں نے مفتی محمود کو چالیس سال تک رگڑا تب کہیں جا کر خلافت واجازت دی"۔ کانپور کے زمانہ قیام میں آپ نے بیعت وارشاد کے سلسلہ کا آغاز فرمایا۔ آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا۔ نہ صرف برصغیر بلکہ یوروپ وافریقہ تک آپ کا فیض جاری تھا۔ ہزار ہا ہزار تشنگان معرفت کے لئے آپ کا دامن چشمہ صافی کی حیثیت رکھتا تھا اور آپ کی ذات مرجع خلائق تھی۔ بہت سے خوش نصیب حضرات کو آپ کی طرف سے اجازت وخلافت کا شرف حاصل ہے۔

مشـــائخ واســـاتـذہ :- آپ کو اپنے دور کے عظیم المرتبت مشائخ واساتذہ کی زیارت واستفادہ کا شرف حاصل تھا۔ اور آپ کے بعد اتنے اکابر کی زیارت کرنے والا شاید کوئی موجود نہ ہو۔ جن عبا قرامت کی آپ نے زیارت فرمائی یا اُن سے کسب فیض کیا ان میں سے بعض اہم حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

تـلامـذہ:- آپ کے شاگردان رشید ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں؛ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آج اکثر مدارس کے اساتذہ آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں، خاص کر فقہ وفتاویٰ سے منسلک اکثر حضرات آپ سے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں محی السنہ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہٗ،اور عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر حضرات کے اسماء بھی شامل ہیں جن سے آج ایک عالم فیضیاب ہورہا ہے۔ان دونوں حضرات سے آپ کو خاص تعلق تھا۔حضرت قاری صاحب کے پاس باندہ تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے۔اسی طرح ہردوئی بھی تشریف بری ہوتی اور یہ حضرات کبھی دیوبند تشریف لے آتے تو حضرت والاؒ نہایت بشاشت اور مسرت کا اظہار فرماتے۔یہ منظر بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔علاوہ ازیں آپ کے نامور شاگردوں میں حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی زید مجدہم کا اسم گرامی بھی سرفہرست ہے۔جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فتاویٰ کی ترتیب واشاعت اور متعدد مضامین کی تشریح کا کام لیا۔ اس طرح آپ کے مخلص ترین خادم جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈورافریقی زید مجدہم بھی ان مثالی شاگردوں میں ہیں۔جنھوں نے بیس سال متواتر شب وروز حضرت مفتی صاحب کی بے مثال خدمت کر کے واقعی اپنے لئے اخروی کامیابی کے اسباب فراہم کر لئے ہیں۔

صدقۂ جاریہ :- فقہ وتصوف اور علمی لطائف وظرائف پر مشتمل تصانیف کا قیمتی ذخیرہ آپ کی ذات سے نسبت کا شرف رکھتا ہے اور آپ کے لئے عظیم صدقہ جاریہ ہے جن میں فتاویٰ محمودیہ (۲۰رجلدیں) ملفوظات فقیہ الامت،مواعظ فقیہ الامت،مکتوبات فقیہ الامت (ہر ایک کے متعدد اجزاء) حدود اختلاف،اہتمام وشوریٰ،گلدستہ سلام،اسباب لعنت،وصف شیخ،اسباب غضب،حقوق مصطفیٰ،نعت محمود،کلام محمود وغیرہ شامل ہیں۔

نکاح واولاد :- آپ کا نکاح اپنے ہی خاندان گنگوہ میں ہوا۔اہلیہ محترمہ ۲۰رمحرم ۱۳۸۳ھ کو وفات پاگئی تھیں،جن سے دو صاحبزادیاں حیات ہیں۔ایک صاحبزادی کا قیام گنگوہ میں ہے اور دوسری صاحبزادی کا نکاح جھنجھانہ میں میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے خاندان میں جناب محمد شفیع علوی صاحب سے ہوا تھا،ان کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔صاحبزادوں یعنی حضرتؒ کے نواسوں کے نام یہ ہیں،محمد انور علوی،محمد قیصر علوی،محمد اطہر علوی۔

حادثہ وفات :- آپ اوائل ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ میں ہندوستان سے افریقہ کے سفر پر تشریف لے گئے تھے، وہاں جا کر آپ کے گردہ اور مثانہ کا کامیاب آپریشن ہوا، ابتداء میں طبیعت اچھی تھی، اسی دوران ڈربن کا سفر پیش آیا، وہاں سے واپسی پر مرض بڑھ گیا فالج کے اثر سے غذا سانس کی نالی کے ذریعہ پھیپھڑوں میں جانے لگی، جب طبیعت زیادہ بگڑی تو آپ کو جوہانسبرگ کے ''پارک لین'' اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے حصہ میں داخل کر دیا گیا، اور بالآخر وہیں رہتے ہوئے۔ (اس دن افریقہ کے کیلنڈر کے اعتبار سے ۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ تھی) ۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲/ ستمبر ۱۹۹۶ء بروز پیر افریقی وقت کے مطابق رات کے ساڑھے سات بجے (اور ہندوستانی وقت میں تقریباً ۱۱/ بجے) اس آفتاب رشد و ہدایت نے افریقہ کی سرزمین پر اپنی جاں جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے دن تقریباً ساڑھے دس بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ افریقہ جیسے ملک میں بھی ہزاروں افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ آپ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس (جو آپ کی وفات سے چند روز قبل ہی افریقہ پہنچ گئے تھے) نے اپنے شیخ کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف حاصل کیا۔ اور ''ایلسبرگ'' میں آپ کے خادم خاص جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب افریقی کے آبائی قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

صف ماتم :- آپ کی خبر وفات جیسے ہی ہندوستان پہنچی تو یہاں کے علمی اور دینی طبقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور ملک کے طول وعرض میں انتہائی رنج والم اور غم وافسوس کا مظاہرہ کیا گیا اور تعزیتی جلسوں میں نمناک آنکھوں سے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۶ء)

فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے وابستہ

کچھ حسین یادیں!
جو خواب بن کر رہ گئیں

حضرت مفتی صاحبؒ واقعی اپنے دور میں اکابر واسلاف اور علماء متقدمین کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ علمی تبحر، قوت حافظہ، کثرت عبادت، اصابت رائے اور مکارم اخلاق میں خود ہی اپنی نظیر تھے۔ کمتر سے کمتر شخص بھی اگر آپ سے استفادہ کرنا چاہتا تو اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی، آپ کی مجالس میں جو چاہتا بلا امتیاز شریک ہوتا اور حضرت والاؒ ہر ایک سے محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے اور کسی کے نامناسب انداز، بے جا سوال پر بھی کبھی چیں بجبیں نہ ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر شخص آپ سے انسیت محسوس کرتا اور یہ سمجھنے لگتا کہ گویا حضرت کو اسی سے سب زیادہ تعلق ہے۔ آپ کے سانحہ وفات سے گوکہ ان مبارک اور روحانی مجلسوں کا تسلسل ٹوٹ چکا ہے مگر آپ کے خدام و متعلقین اور مستفیدین کے ذہن ودماغ میں آپ کی شفقتوں اور عنایتوں کی یادیں تازہ ہیں اور زندگی بھر انشاء اللہ تازہ رہیں گی۔ احقر کا بھی جی چاہتا ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر کچھ حسین یادیں صفحۂ قرطاس پر محفوظ کردے۔ اس لئے کہ اب تو یہی یادیں باقی ہیں جو خواب بن کر دل بہلانے کا ذریعہ بن گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی طرف سے جو بے پایاں شفقتیں ملیں یہ ناکارہ ان کا کسی طرح بھی مستحق نہ تھا۔ یہ تو آپ کی انتہائی اعلیٰ ظرفی تھی کہ ہم جیسے نالائقوں کو

۔ باوجودیکہ حضرت سے بیعت کا تعلق بھی نہ تھا۔ منہ لگانے کے قابل سمجھا۔ اور اپنے جلیل القدر استاذ معظم شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے غایت احترام میں ان کی نسبت سے ہم جیسے ناخلفوں کو بھی اپنی محبت اور شفقت سے سرفراز فرماتے رہے۔ چھوٹوں کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ برتاؤ آپ کی سربلندی اور واقعی کمال کی روشن دلیل تھی۔

اب سے کوئی ۲۰-۲۲ سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت والد محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم استاذ دارالعلوم دیوبند "جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ'' میں مدرس تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ ایک مرتبہ ختم بخاری شریف کے موقع پر امروہہ تشریف لائے۔ حسن اتفاق کہ واپسی میں والد صاحب نے احقر کو بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے ہمراہ دیوبند بھیج دیا۔ آج بھی حضرت والا کے ساتھ اس رفاقت کی یادیں ایسی محفوظ ہیں گویا کل ہی یہ سفر پیش آیا ہو۔ راستہ بھر حضرت والا خوش دلی کی باتیں فرماتے رہے۔ یہی مبارک اور یادگار سفر احقر کے لئے حضرت اقدسؒ کی عنایات بالغہ کا نقطہ آغاز بن گیا۔ اور اس کے توسط سے آپ کی عظمت کے وہ تابندہ نقوش دل کی تختی پر جمائے گئے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے چلے گئے۔

جب بھی چھٹیوں میں دیوبند جانا ہوتا اور حضرت مفتی صاحبؒ موجود ہوتے تو حضرت والد صاحب زید مجدہم آپ سے ملاقات کے لئے احقر کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور اگر کبھی ساتھ نہ جاتا تو حضرت ازراہ عنایت خود پوچھتے کہ ''ہمارے دوست کا کیا حال ہے''؟ ملاقات ہونے پر امتحان بھی لیتے۔ ابتدائی کتابوں کے بارے میں سوال فرماتے۔ اور نحوی جملوں اور صرفی صیغوں کے متعلق دریافت فرماتے اور جب احقر اپنی نااہلی کی بنا پر جواب نہ دے پاتا (اکثر ایسا ہی ہوتا تھا) تو حضرتؒ خود ہی میزان، نحومیر، وغیرہ کی عبارتیں ازبر سنا دیتے جسے سن کر حاضرین ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے۔ اور کبھی اپنے مزاج کے مطابق ظرافت آمیز پہیلیاں بھی پوچھا کرتے۔

ایک مرتبہ پوچھا کہ بتاؤ ''لے لیا لولی نے لنگڑی کا مال'' کونسا صیغہ ہے؟ پھر ہمارے جواب نہ دے سکنے پر خود ہی ارشاد فرمایا کہ ''ل'' وَلِیَ یَلِی سے صیغۂ امر واحد مذکر حاضر، ''لیا'' تثنیہ مذکر حاضر، ''لُو''، جمع مذکر حاضر، اور ''لی'' واحد مونث حاضر کا صیغہ ہے۔ اور اگلا جملہ وزن ملانے کی غرض سے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ دریافت فرمایا: ''الشطرنج أباحنيفة هو الشافعي'' کی ترکیب کیا ہے؟ کیوں کہ اس جملہ کو زبانی پڑھنے سے بڑے اشکالات ہوتے ہیں۔ کہ ''الشطرنج'' پر فتحہ کیوں آیا، ''أبا حنيفةً'' منصوب کیوں ہے اور اس کی ''ة'' پر تنوین کیوں آئی؟ اور پھر امام ابوحنیفہ کو ''هو الشافعي'' کیوں کہہ دیا گیا؟۔ پھر خود ہی اس عقدہ کو حل کیا کہ ''الشطرنج'' مفعول مقدم ہے ''أباح'' فعل کا، پھر أباح فعل نی مفعول بہ فتیً فاعل ہے اور هو کی ضمیر جو فتیً کی طرف راجع ہے مبتدا ہے اور ''الشافعي'' خبر ہے۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے لطائف حضرت کی مجالس میں سننے کو ملتے تھے۔

ہمارے خاندان کے معزز بزرگ نواب سید محمد یحییٰ صاحب منصور پوری مرحوم (جو حضراتِ اکابر کے شیدائی اور حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کے خاص متوسلین میں تھے) کے حضرت مفتی صاحبؒ سے نیاز مندانہ تعلقات تھے، حضرت مفتی صاحبؒ بھی نواب صاحب کا بہت خیال فرماتے اور کبھی کبھی نواب صاحب کے اصرار پر منصور پور بھی تشریف لایا کرتے تھے، احقر کو بھی کئی مرتبہ آپ کا منصور پور تشریف لانا یاد ہے۔ ایک مرتبہ رات میں قیام فرمایا اور فجر کے بعد مسجد میں اپنے مواعظ عالیہ سے مستفید فرمایا۔ جس کی کچھ باتیں ابھی تک محفوظ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''دنیا میں کوئی انسان فکر سے خالی نہیں ہے۔ کسی کو بیماری کا فکر ہے، تو کوئی پریشانی میں مبتلا ہے۔ امیر کو امارت چھن جانے کا فکر ہے تو غریب کو غربت کا غم درپیش ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے آدمی کو ابدی بےفکری حاصل کرنے کے لئے آخرت کا فکر پیدا کرنا چاہئے''۔ (مفہوم)

اجلاس صد سالہ کے بعد ہم لوگ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ میں امروہہ سے دیوبند منتقل ہو گئے اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ کا مستقل قیام مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تھا۔ مگر ذمہ داران

دارالعلوم دیوبند کے اصرار پر ہفتہ میں ایک دن دارالعلوم میں بھی تشریف فرما ہوتے تھے۔ ہر جمعرات کی شام کو دیوبند تشریف لاتے اور جمعہ کی نماز کے بعد واپس سہارنپور تشریف لیجاتے۔ یہ آمد ورفت برابر بسوں ہی کے ذریعہ ہوتی تھی۔ کسی مستقل گاڑی اور کار وغیرہ کا نظم نہ تھا۔ جس سے حضرتؒ کی سادگی اور تواضع کا اندزہ لگایا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اس وقت آپ کی عمر ۷۷/ سال تھی اور بینائی بھی نہایت کمزور ہوچکی تھی، دیوبند آنے کے بعد احقر کو حضرت مفتی صاحبؒ کی مجالس میں کثرت سے شرکت کی سعادت ملی، پورے ہفتہ حضرت کی تشریف آوری کا انتظار رہتا اور جمعرات اور جمعہ میں قیام کے دوران احقر کا کافی وقت حضرت کے پاس گزرتا تھا۔

حضرت کی مجلسیں نہایت قیمتی جامع اور مفید ہوتی تھیں، حضرت کو جہاں اکابر واسلاف کے واقعات از بر تھے۔ وہیں فرق باطلہ کے ساتھ اپنے لاجواب مناظروں اور نادر ونایاب فقہی جزئیات اور مسائل کا بھی مجلس میں خوب ذکر رہتا تھا۔ ساتھ میں موقع بموقع لطائف وظرائف کے بیان کی وجہ سے بھی مجلس زعفران زار ہواٹھتی، اور حاضرین طویل مجلس کے باوجود اکتاہٹ محسوس نہ کرتے، اور حافظہ کا حال یہ تھا کہ جو بات ایک بار سنا کر دوسری مرتبہ کبھی سنانے کی نوبت آتی تو الفاظ وانداز میں سرمو بھی فرق نہ آتا۔ احقر نے گو کہ اپنی غفلت اور کم ہمتی کی بنیاد پر ان افادات کو نوٹ نہیں کیا جس کا افسوس ہے لیکن الحمدللہ حضرت کے بعض مخلص خدام (مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی اور مولانا مسعود احمد صاحب باغونوالی وغیرہم) نے ان مجالس کے قیمتی ذخائر ملفوظات ''فقیہ الامت'' کی صورت میں جمع کردئے ہیں۔

۱۴۰۳ھ کے ابتداء میں احقر کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے حضرت نے احقر کو ''اصول الشاشی'' کا درس دینا منظور فرمایا۔ چناں چہ دیوبند تشریف آوری پر ہر جمعہ کو صبح ۹/ بجے کے قریب یہ درس ہوتا۔ جس کے کچھ ضروری نوٹ اب بھی احقر کے پاس ہیں۔ کتاب کی تمہید میں آپ نے فقہ کے اصول تخریج پر نہایت قیمتی تقریر فرمائی تھی۔ جس میں تخریج مناط، تحقیق مناط، اور تنقیح مناط وغیرہ کا ذکر تھا۔ یہ سلسلہ رجب ۱۴۰۳ھ تک جاری رہا۔ پھر آپ کا سفر

افریقہ پیش آ گیا۔ اس لئے یہ درس درمیان ہی میں موقوف ہو گیا۔ کئی مہینہ کے بعد افریقہ سے واپسی پر احقر نے پھر درخواست کی کہ حضرت کوئی کتاب پڑھا دیں۔ تو آپ نے خود ہی فن قرأت کی مشہور کتاب ''فوائد مکیہ'' کا نام تجویز فرمایا۔ اس کا سبق بھی ہر جمعہ کو ہوتا تھا۔ اور احقر گذشتہ سبق حفظ کر کے حضرت کو سناتا تھا سال بھر میں یہ کتاب بحمدہ تعالیٰ پوری ہو گئی۔

۱۴۰۴ھ میں آپ نے مدرسہ مظاہر علوم کی جدید مسجد میں اعتکاف فرمایا تو احقر کو بھی عشرۂ آخر کے ابتدائی ایام میں حضرتؒ کے ساتھ اعتکاف کی توفیق میسر آئی۔ حضرتؒ نے نہایت شفقت کا برتاؤ فرمایا۔ پھر بعد میں دیوبند میں حضرت کے معمولاتِ رمضان کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ آپ ماہ مبارک میں ضعف و ناتوانی کے باوجود نہایت جفاکشی کے ساتھ عبادت میں وقت گذارا کرتے تھے۔ برسہابرس سے ماہ مبارک میں روزآنہ تیس ۳۰ پارے پڑھنے کا معمول رہا۔ ضرورت سے زائد بات چیت بالکل گوارا نہ تھی۔ پورا وقت ذکر و فکر میں گزرتا، اشراق کا وقت جو ماہ مبارک میں عموماً نیند کی نذر ہو جاتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ حضرتؒ والا رمضان میں بھی اشراق کی نوافل کھڑے ہو کر ادا فرماتے اور کم وبیش دو ڈھائی گھنٹہ اس میں صرف ہوتے تھے۔ اسی طرح ظہر اور عصر اور عشاء میں اذان سے قبل ہی سنتوں کی نیت باندھ لیتے اور نماز تک اس میں مشغول رہتے۔ آپ کے جذبہ عبادت کو دیکھ کر ہم جیسے کم ہمت جوان بھی شرما جاتے، کبھی کبھی دن میں ۱۱ ربجے حضرتؒ کا وعظ بھی ہوتا تھا۔ آپ کے وعظ کی تاثیر اور اس کا حال سننے والے ہی جان سکتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملے جو سراپا سادگی کا مرقع اور تصنع و تکلف سے بالکل خالی ہوتے تھے۔ لیکن ان کی تاثیر ایسی ہوتی تھی کہ دلوں کی دنیا بدل جاتی اور سامعین کے قلوب خوف و رجا کے جذبات سے سرشار ہو جاتے تھے۔ آپ کی تقریر برائے تقریر نہیں بلکہ برائے اصلاح ہوتی تھی۔ چنانچہ ہم نے آپ کا کوئی وعظ آدھے گھنٹہ سے زیادہ کا نہیں سنا۔ وعظ مختصر فرماتے جس میں صرف مواد ہی مواد ہوتا۔ زائد باتیں بالکل نہ ہوتی تھیں۔

ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ سے مدرسہ مظاہر علوم میں داخلی انتشار کی بنا پر جب آپ نے مستقل

طور پر دیوبند قیام فرمایا تو مسجد چھتہ کی رونق مزید دوبالا ہوگئی۔ یہاں ہر روز عصر اور عشاء کے بعد آپ کی عمومی مجلس ہوتی۔ اور علوم ومعارف کے دریا بہائے جاتے، مسجد چھتہ میں آپ کی قیام گاہ مشتاقان زیارت سے بھری رہتی۔ جن میں دارالعلوم کے اساتذہ بھی ہوتے اور طلباء وملازمین اور باہر سے آئے ہوئے آپ کے متوسلین بھی، آپ کی مجالس کا فیض ظاہری طور پر بھی محسوس ہوتا تھا، کتنے ایسے طلباء جو بالکل غافل اور لاپرواہ تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضری کی وجہ سے ایسے مائل بہ ہدایت ہوئے کہ ان کے عمدہ دینی حالات دیکھ کر رشک آنے لگا، نیز اہل شہر کے لئے بھی یہ مجلسیں ہدایت کا سرچشمہ بن گئیں۔ خود احقر نے دیکھا کہ بہت سے لوگ جن کی داڑھیاں نہیں تھیں انھوں نے داڑھیاں رکھ لیں، بے نمازی نمازی بن گئے، اور کتنے دنیادار لوگ دین دار بن گئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ گو کہ فرق باطلہ کے مقابلہ میں شمشیر برہنہ رہے۔ اور ان کو مناظروں میں ناکوں چنے چبواتے رہے؛ لیکن آپ نے اداروں اور اپنی جماعتوں کے اختلافات سے ہمیشہ اپنے آپ کو یکسو رکھا۔ اور اس معاملہ میں آپ پوری طرح اپنے شیخ اور مرشد شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ جن کا دولت کدہ تحریکات آزادی کے دور میں بھی مختلف الخیال شخصیات کا مشترکہ پلیٹ فارم تھا۔ اور حضرت شیخ ہر ایک سے تعلق استوار رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ، دارالعلوم، مظاہرعلوم یا جمعیۃ علماء کے کسی اختلاف میں فریق نہیں بنے۔ لوگوں نے کوششیں بھی کیں لیکن آپ نے سب سے رابطہ برقرار رکھا اور مخالفین سے خود ملنے تشریف لے جاتے رہے۔ آپ کو اپنی جماعت میں اختلافات اور ان کی بناپر ترک تعلقات سے سخت اذیت ہوتی تھی۔ اور مجالس میں اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ جب یہ موضوع چھڑ جاتا تو بہت تفصیل سے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے آپسی روابط اور عقیدت اور احترام کے واقعات سناتے۔ اور کبھی سناتے سناتے آبدیدہ ہوجاتے آپ کی اسی تڑپ کا مظہر وہ رسالہ ہے جو آپ کے حکم پر آپ کے شاگرد رشید اور خلیفۂ اجل مولانا مفتی محمد فاروق صاحب زیدمجدہم نے ''حدود اختلاف'' کے نام سے تالیف فرمایا جس میں آپ کے حوالہ سے اکابر واسلاف کے اختلاف کے واقعات جمع کردیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاص کر آخری دور میں حضرت مفتی صاحبؒ کے وقت میں بے مثال برکت عطا فرمائی تھی۔ آپ کا مزاج گو کہ فطرۃً تصنیفی نہ تھا۔ اور تواضع وفنائیت کی بنا پر غالباً اس کا ارادہ بھی کبھی نہ کیا ہوگا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ کا فیض جاری کرنا تھا۔ کہ ۱۴۰۴ھ سے ۱۴۱۶ھ تک یعنی کل بارہ سال کے عرصہ میں آپ کے ''فتاویٰ محمودیہ'' کی ۲۰؍ جلدیں چھپ کر آچکی ہیں۔ اور غالباً ابھی کئی جلدیں اور آئیں گی۔ اور یہ سب فتاویٰ خود آپ نے پوری توجہ سے سنے ہیں اور ان میں مناسب حذف وترمیم کے بعد ان کے عنوانات کا املا بھی خود کرایا ہے۔ مرتب فتاویٰ حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب ہر جمعرات کو میرٹھ سے دیوبند تشریف لاتے اور حضرت والا کو فتاویٰ سناتے، کئی کئی گھنٹے ان کے سنانے کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی طرح ''ملفوظات فقیہ الامت''، ''مواعظ فقیہ الامت'' ''مکتوبات فقیہ الامت'' اور مختلف موضوعات پر الگ الگ کئی اہم تحریریں اسی مختصر مدت میں آپ کے محبّ ومحبوب خادم جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب افریقی کی توجہ اور اہتمام سے شائع ہوئی ہیں۔ جو آپ کے لئے صدقۂ جاریہ اور شائقین کے لئے مشعل ہدایت ہیں۔

۱۴۰۷ھ میں احقر دورۂ حدیث شریف میں تھا۔ ہم لوگوں نے حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب زیدمجدہم کے توسط سے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضرتؒ بخاری شریف کا ایک درس ہم لوگوں کو پڑھادیں، حضرتؒ نے از راہ عنایت درخواست قبول فرمالی اور عشاء کے بعد دار الحدیث میں تشریف لاکر بخاری شریف جلد ثانی کتاب الزہد والرقاق کی ابتدائی دو حدیثوں کا درس دیا۔ ابتداء میں آپ نے حدیث مسلسل بالاولیہ **الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا من في الأرض یرحمکم من في السماء.** (أبو داؤد شریف) یعنی رحم کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ کی اجازت طلباء کو مرحمت فرمائی، اس کے بعد حدیث: **نعمتان مغبون فیها کثیر من الناس الصحة والفراغ** (دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک صحت وتندرستی، دوسرے فرصت کا

وقت اور فراغ عیش) پر مبسوط تقریر فرمائی اور دنیا کی بے ثباتی کا بیان فرمایا۔ اس درس میں دورۂ حدیث شریف کے سات سو طلباء کے علاوہ دیگر شائقین بھی بڑی تعداد میں شامل تھے۔ دارالحدیث اور اس کی تمام گیلریاں بھری ہوئی تھیں، سبق کے ختم پر احقر نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو بخاری شریف کی اجازت مرحمت فرمادیں تو آپ نے فرمایا "ہاں جتنا حصہ پڑھا ہے اس کی اجازت ہے"۔

۱۴۰۸ھ میں احقر دارالافتاء میں زیر تعلیم تھا حضرت کو یہ معلوم ہو کر بہت مسرت ہوئی۔ اور فرمایا کہ افتاء کے بغیر مولوی آدھا رہتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کیونکہ مدرسہ سے باہر نکل کر کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ فلاں عبارت کا کیا مطلب ہے؟ بلکہ نماز روزہ وغیرہ کے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے جن میں عموماً افتاء پڑھے بغیر مہارت پیدا نہیں ہو پاتی، افتاء کے سال حضرت سے "الاشباہ والنظائر" پڑھنے کی توفیق میسر آئی جو غالباً ایک ڈیڑھ ماہ میں اپنے نصاب "الفن الاول" تک پہنچ گئی تھی، حضرتؒ کا معمول لمبی تقریر کا نہ تھا بلکہ صرف حل کتاب کی حد تک گفتگو فرماتے تھے اس کے بعد "شرح عقود رسم المفتی" پڑھنے کی بھی سعادت ملی ہم چند ساتھی تھے تقریباً ڈیڑھ ہفتہ میں پوری کتاب ختم کرادی تھی۔ نیز حضرت والا سے فتاویٰ کی مشق کا بھی موقع ملا۔ کبھی حضرتؒ خود "نفع المفتی والسائل" سے سوالات لکھا دیتے۔ اور احقر جواب لکھ کر حضرتؒ کو سناتا، اور کبھی خود ہی سوال و جواب لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کرتا۔ تحقیق طلب مسائل میں حضرت کا معمول یہ تھا کہ جواب پر کچھ اشکالات کر کے مسئلہ کے پوشیدہ گوشوں کی طرف متوجہ فرماتے اور خود کوئی حتمی جواب نہ دیتے تھے۔ تا کہ اپنے اعتماد پر پورے مطالعہ کے بعد طالب علم کوئی رائے قائم کر سکے، امتحان کے لئے حضرت زبانی سوالات بھی فرماتے رہتے۔ ایک مرتبہ پوچھا کہ "فقہاء لکھتے ہیں کہ جمعہ وعیدین کی نماز میں اگر امام سے سہو ہو جائے تو سجدہ سہو واجب نہیں، تو کیا جمعہ وعیدین کے علاوہ اگر کثیر مجمع ہو تو بھی یہی حکم ہوگا"؟ احقر نے عرض کیا کہ "اس حکم کی علت یہ لکھی ہے کہ لوگ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔ اس تعلیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی فتنہ کا خطرہ ہو وہاں یہی حکم رہنا چاہئے۔ اور یہ حکم جمعہ وعیدین تک محدود نہ ہونا چاہئے"۔ حضرت یہ جواب سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ "ہاں جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح جزئیہ نہ ملے تو اسی طرح جواب دینا چاہئے"۔

بعض مرتبہ احقر نے اگر کسی مسئلہ میں براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال کیا تو آپ نے تنبیہ فرمائی کہ ''اچھا آپ مجتہد کب سے ہوگئے'' اور نصیحت کی کہ ''ہمیشہ جزئیہ فقہی کتابوں سے تلاش کرنا چاہیے''۔ اس لئے کہ نصوص کے معانی ومطالب تک ہم اپنی سطحی نظر سے نہیں پہنچ سکتے، فقہی مہارت کے لئے آپ بالخصوص ردالمحتار اور بدائع الصنائع کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے خود آپ نے متعدد بار (غالبًا ۵/یا ۷/بار) ردالمحتار (فتاویٰ شامی) کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا تھا۔

غالبًا ۱۴۰۹ھ سے ذمہ داران دارالعلوم کے اصرار پر آپ نسائی شریف کا درس بھی دینے لگے۔ احقر کو بھی اس میں شرکت کی سعادت ملی۔ پہلے دن کے درس میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم کے پانچ درجے ہیں: ''(۱) استماع (۲) انصات (۳) حفظ (۴) عمل (۵) نشر'' پھر ہر ایک درجہ کی ضرورت واہمیت کو بیان کیا تھا۔ نسائی شریف کے درس کا یہ سلسلہ الحمدللہ اخیر تک جاری رہا۔ اور اس مرتبہ بھی افریقہ تشریف بری سے قبل آپ نے نسائی شریف کے درس سے مشرف فرمایا۔

شوال ۱۴۱۰ھ میں احقر مدرسہ شاہی مرادآباد میں تدریس حدیث وافتاء پر مامور ہوگیا اور اس طرح حضرت کی مجالس اور صحبتوں میں مستقل شرکت سے انقطاع ہوگیا؛ لیکن حضرت کی عنایات اور شفقتیں بدستور جاری رہیں۔ جب بھی دیوبند جانا ہوتا اور حضرت سے ملاقات ہوتی تو احوال پوچھتے اور دل سے دعائیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی کتاب ''طحطاوی علی مراقی الفلاح'' عنایت فرمائی، جس میں کتاب کے تمام اہم جزئیات کی تفصیلی فہرست آپ نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر لگا رکھی ہے۔ احقر نے یہ سمجھا کہ کتاب اس لئے دی ہوگی کہ احقر فہرست نقل کرلے چنانچہ احقر نے فوٹو اسٹیٹ کراکے کتاب واپس بھیج دی۔ بعد میں جب ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ ''میں نے توتمھیں کتاب ہی دے دی تھی، تم نے واپس کیوں کردی؟ وہ تم ہی لے لو'' چنانچہ حضرت کی یہ عظیم نشانی اور یادگار احقر کے لئے قابل فخر سرمایہ ہے۔

مرادآباد آنے کے ایک دوسال بعد احقر کے دارالعلوم میں تقرر کی بات شروع ہوئی۔ تو احقر نے حضرت مفتی صاحبؒ سے حالات بتائے اور حضرت کا عندیہ معلوم کرنا چاہا۔ آپ نے

ایک جملہ میں ساری بات ختم فرمادی کہ ''بھائی دین کی خدمت کرنی ہے، یہاں ہو یا وہاں ہو اس کی فکر نہ کرو''، یعنی مقصود بڑی جگہ نہ ہو؛ بلکہ مقصود دینی خدمت ہونی چاہئے۔

حضرت والا کے ضعف ونقاہت اور کمزوری دیکھ کر دل چاہنے کے باوجود یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ حضرت والا سے مدرسہ شاہی مرادآباد میں رونق افروز ہونے کی درخواست کی جائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ایسے اسباب پیدا فرمادئے کہ آپ نے خود ہی مرادآباد تشریف آوری کا ارادہ فرمالیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بعض قریبی خدام کے اصرار پر تبدیلی آب وہوا کی غرض سے آپؒ کا ''ہلدوانی'' کا سفر تجویز ہوا۔ راستہ میں مرادآباد بھی پڑتا تھا، اس لئے حضرت کی اجازت سے ایک دن درمیان میں یہاں کا قیام طے کیا گیا۔ آپؒ کے خادم خاص جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب افریقی زیدکرمہم نے مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ اور راقم الحروف کے نام اطلاع بھیجی کہ ہم لوگ حضرت کی معیت میں ۲۰؍شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۲؍اپریل ۱۹۹۴ء کو مرادآباد آرہے ہیں، اور مدرسہ شاہی میں قیام کریں گے۔ اس خبر سے پورے علاقہ میں خوشی اور مسرت لہر دوڑ گئی اور اس ضعیف العمری میں حضرت کی تشریف آوری کو عظیم نعمت غیر مترقبہ تصور کیا گیا۔ حضرت والا حسب پروگرام ۲۰؍شوال کی صبح کو دیوبند سے چل کر دوپہر میں مرادآباد تشریف لائے، حسن اتفاق کہ اسی سال مدرسہ کی جانب سے شاہی مسجد میں روزانہ عوامی ترجمۂ قرآن کریم کی ذمہ داری احقر کے سپرد کی گئی تھی، اور اس کا آغاز ہونے ہی والا تھا کہ حضرت کی تشریف آوری کا پروگرام بن گیا۔ اور حضرت مہتمم صاحب کے مشورہ سے یہ بات ہوئی کہ ترجمۂ کلام پاک اور بخاری شریف کے درس کا آغاز حضرت والاؒ سے کرایا جائے۔ چنانچہ ۲۱؍شوال ۱۴۱۴ھ وہ مبارک تاریخ تھی جب آپ نے بعد نماز فجر شاہی مسجد میں قرآن کریم اور بخاری شریف کے درس کا آغاز فرمایا اور دونوں موضوعات پر پُر مغز خطابات ارشاد فرمائے۔ جو ندائے شاہی کے شمارہ مئی ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ ترجمہ کے متعلق بیان کے اخیر میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا تھا ''یہاں ماشاء اللہ ترجمہ ہوتا رہا ہے، اس کی تفسیر بھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کیجئے، ان شاء اللہ مدد

ہوگی اور ہوتی رہی ہے''۔ حضرتؒ کے اس ارشاد کی برکت آج بھی محسوس ہوتی ہے، اور قدم بقدم اللہ کی مدد سے دستگیری ہوتی رہتی ہے۔ ورنہ اپنے طبعی کسل اور لاپروائی کا حال تو یہ ہے کہ چند دن بھی کسی کام پر جمنا دشوار ہوتا ہے، خدا کرے یہ مدد برابر جاری رہے۔ آمین۔

احقر نے ''شرح عقود رسم المفتی'' کو سامنے رکھ فتویٰ نویسی سے متعلق ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جب اس کا مسودہ تکمیل کے قریب پہنچا تو احقر اصلاح کی غرض سے حضرتؒ کی خدمت میں اسے لے گیا۔ حضرت والاؒ نے انتہائی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے ہوئے کئی مجالس میں اس رسالہ کا اکثر حصہ پوری توجہ سے سنا، جابجا مشورے دیئے، اور اپنی معلومات سے مستفید فرمایا۔ اور پھر ایک تقریظ لکھوا کر عنایت کی جو بحمدہ تعالیٰ بعد میں کتاب کے ساتھ شائع ہوئی۔

آخری رمضان آپ نے ''مالی باغ بنگلہ دیش'' میں گذارا۔ پھر دیوبند تشریف لائے اور نسائی شریف کا درس شروع فرمادیا۔ ۲۵ / ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ کو ظہر کے بعد آپ نے نسائی شریف کا آخری درس دیا اور دعا کرائی۔ احقر کو بھی اس میں شرکت کی سعادت مل گئی۔ درس کے بعد احقر قیام گاہ پر حاضر ہوا کافی دیر تک مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ چونکہ احقر کا حج وزیارت کا ارادہ تھا اسی مناسبت سے حضرت نے اپنا تحریر فرمودہ صلوٰۃ وسلام بھی سنایا۔ اور فرمایا کہ اب اپنی کمزوری کی وجہ سے حج کو جانے کی ہمت نہیں ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر حضرت تشریف لے جاتے تو آپ کے طفیل میں ہم جیسے لوگوں کا حج بھی قبول ہو جاتا تو حضرتؒ ہنس کر خاموش ہوگئے۔ دوران گفتگو فرمانے لگے کہ آئندہ رمضان کے لئے لوگ مختلف مقامات کے لئے اصرار کر رہے ہیں۔ جن میں مرادآباد کا بھی نام لیا۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر مرادآباد قیام رہا تو ہم لوگوں کے لئے تو عید ہو جائے گی۔ پھر فرمایا یہاں دیوبند میں تو بھائی صاحب (حضرت اقدس مولانا سید اسعد صاحب مدنی زید مجدہم) قیام فرماتے ہی ہیں۔ اور ان کا فیض جاری ہے۔ اس لئے میں خود رمضان میں یہیں رہنے پر زور نہیں دیتا۔ (اوکما قال) کیا معلوم تھا جس رمضان کی آپ کو فکر تھی اس کا موقع آنے سے قبل ہی آپ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے۔

۲۶؍ذیقعدہ بروز پیر احقر کی سفر حج کے لئے روانگی تھی۔ احقر الوداعی ملاقات کے لئے بعد نماز ظہر حاضر ہوا۔ چار پائی پر تشریف فرما تھے کچھ دیر گفتگو فرماتے رہے اور چلتے وقت سہارے سے بدقت تمام کھڑے ہوکر معانقہ فرمایا اور احقر کی ''ناتوانی'' دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ ''یار تو بھی ہڈی ہڈی رہا، تجھ پر بھی میری طرح گوشت نہ چڑھا''۔ پھر یہ فرما کر رخصت کیا کہ ''جاؤ اللہ کے سپرد''۔

آہ ! کیا پتہ تھا کہ یہ واقعی رخصتی اور جدائی کے الفاظ ہیں۔ اور اب کبھی زندگی میں آپ کی نورانی صورت کی زیارت نہ ہوسکے گی۔ پھر احقر حجاز مقدس چلا گیا اور حضرت مفتی صاحبؒ اوائل ذی الحجہ میں افریقہ کے آخری سفر پر تشریف لے گئے۔ کئی مہینے ہو چکے تھے اور اب آپ کی واپسی ہندستان تشریف آوری کی خبریں گرم تھیں۔ کہ پے در پے آپ کی ناسازیٔ طبع اور پھر اس میں شدت کی خبریں آنے لگیں۔ اور بالآخر ۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ کو اس مشفق و مہربان استاذ اور جامع شریعت وطریقت مربی کی مفارقت کا وہ داغ لگا جو برسوں نہ مٹایا جاسکے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج بھی حضرت مفتی صاحب کا نورانی سراپا نظروں میں ہے۔ کبھی آپ کا بھائی محمد ابراہیم کے کندھے کے سہارے سے مزار قاسمی پر جانا۔ کبھی مجلس میں بیٹھ کر پھول برسانا۔ اور کبھی نماز کی حالت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجانا وغیرہ۔ یہ سب حالتیں آج بھی نگاہوں میں گھوم رہی ہیں۔ گویا ایک خواب دیکھا تھا جو ادھورا رہ گیا۔

رحمه اللّٰه تبارك وتعالىٰ وأنزل عليه شآبيب رحمة آمين يارب العٰلمين.

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۶ء)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ

کچھ یادیں .... کچھ باتیں

از : حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ

اسلاف کی یادگار

حضرت مفتی صاحبؒ سادگی اور تواضع میں اکابر واسلاف کی یادگار تھے۔ زندگی بہت سادہ گزاری۔ کھانے، پینے، لباس، رہائش گفتگو ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی تھی۔ آپ کا بیان انتہائی آسان اور سادہ ہوتا۔ ہلکے پھلکے الفاظ استعمال فرماتے جن سے سامعین متأثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ مفتی صاحبؒ کی ہر مجلس میں جوان بوڑھے، حتی کہ بچوں کے لئے بھی روحانی غذا فراہم ہوتی تھی، آپ کی مجلس میں کسی کو اکتاہٹ محسوس کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ جو آپ سے قریب تر ہوتا چلا گیا۔

ایک خاص بات

حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئی کہ جو شخص آپ سے ایک مرتبہ جڑ گیا وہ کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔ ورنہ بہت سے حلقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ قریب تر افراد بھی وفاداریاں بدل دیتے ہیں۔ آج اگر ایک شیخ کے حلقہ بگوش ہیں تو کل دوسرے کے۔ آج ایک جماعت کے وفادار ہیں تو کل دوسری جماعت سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے متعلقین میں یہ بات نہیں تھی آپ سے وابستگی رکھنے والوں میں ہر

طبقے کے افراد تھے۔ اگر ایک طرف علماء ومشائخ تھے، تو دوسری طرف تاجر اور صنعت کار، آپ جس طرح عوام میں مقبول تھے اسی طرح طبقۂ خواص اور دانشوروں میں محمود اور پسندیدہ تھے۔

بے حد تواضع

ایک عالم صاحب مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر باش رہتے تھے۔ اور جب کوئی شخص حضرت مفتی صاحبؒ سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ کے جواب دینے سے پہلے ہی بول پڑتے۔ اور برابر یہی صورت رہتی۔ حاضرین مجلس کو ناگواری بھی ہوتی۔ مگر حضرت مفتی صاحبؒ نے کبھی اپنی زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے اپنے علاقہ میں مناظرہ طے کرلیا پھر میرے پاس پہونچے۔ میں اس وقت دارالرشاد بنکی بارہ بنکی میں تھا۔ کہنے لگے کہ علاقہ کے لوگوں نے اس چیلنج کو قبول کرلیا ہے۔ میں نے کہا کہ جایئے مناظرہ کر لیجئے۔ میں تو اس کے حق میں نہیں ہوں۔ کہنے لگے کہ دیوبندیوں کا مسئلہ ہے بہت رسوائی ہوجائے گی۔ آپ کو میرے ساتھ دیوبند چلنا پڑے گا، وہاں حضرت مفتی صاحبؒ اور مولانا ارشاد احمد صاحبؒ مبلغ دارالعلوم دیوبند کو دعوت دینی ہے۔ انھوں نے صورت حال کچھ ایسے بیان کی جس کی وجہ سے مجبور ہوکر مجھے بھی دیوبند کا سفر کرنا پڑا۔ دیوبند پہونچ کر حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی آپ نے انکار فرمادیا کہ مناظرہ سے کوئی فائدہ نہیں اس لئے میں نے مناظرہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر وہاں کے لوگوں کا اصرار حضرت مفتی صاحب کے لئے زیادہ تھا۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے بات کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دارالعلوم کا ملازم ہوں اگر مہتمم صاحب فرمادیں تو میں چلا جاؤں گا۔ میں دفتر اہتمام میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت مرحوم نے بہت توجہ سے میری بات سنی اور اسی وقت حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا ارشاد صاحب کے مناظرہ میں شرکت کے لئے تحریری اجازت نامہ عنایت فرمایا۔ فجزاھم خیرا الجزاء

اس قافلہ میں حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ایک اور صاحب بھی شریک تھے جو مشورہ

میں احباب سے رائے لئے بغیر فوراً حاکمانہ انداز میں فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ آپ کو خاموش دیکھ کر دیگر رفقاء بھی خاموش رہتے۔ اور زبان سے کوئی کچھ نہ کہتا مگر ناگواری سب کو ہوتی۔ ایک مجلس میں میں نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ فلاں صاحب کا سفر تو وقتاً فوقتاً آپ کے ساتھ ہوتا ہی رہتا ہے پھر آپ کس طرح نباہ فرماتے ہیں اس کے جواب میں آپ نے ایسی عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی کہ اگر ہم اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیں تو کامیابی کی منزل طے کرنا بہت آسان ہوسکتا ہے آپ نے فرمایا کہ میرا جب بھی ان کے ساتھ سفر کا نظام بنتا ہے تو میں اپنی اصلاح کی نیت کر لیتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ یہ حضرت مفتی صاحب ہی کا ظرف تھا جس پر انھوں نے عمل کر کے دکھلا دیا۔ بیشک **من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ۔**

مدرسہ دارالرشاد میں

ایک مرتبہ مدرسہ دارالرشاد میں حضرت مفتی صاحب تشریف لائے۔ اس وقت مدرسہ اپنی ابتدائی منزل میں تھا اوراس کی عمارت کی ہر ہر اینٹ سے اس کی کہنگی اور بوسیدگی ظاہر تھی، میں اس مدرسہ کا بانی تھا لیکن اسی حالت میں اس وقت کے تمام اکابر اس بے مایہ کی خواہش پر مدرسہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نواز چکے تھے۔ جن میں فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب استاذ دارالعلوم حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری، حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری، حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی، اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے کتاب المعاینہ میں تحریر فرمایا کہ ''اس مدرسہ کی چھت اور کڑیوں کو قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں نے روک رکھا ہے۔ ورنہ بظاہر اس کے رکنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی''
الحمد اللہ ان اکابر کی دعاؤں اور توجہات سے اس وقت وہ نئے قالب میں ڈھل چکا ہے اور روز

بروز ترقی کی طرف گامزن ہے۔

ایک مرتبہ مدرسہ دارالرشاد کے لئے حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک قابل استاذ کو بھیجا مگر وہ اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے بارمحسوس کئے جانے لگے۔ حضرت مفتی صاحب کو اطلاع دی گئی ۔ جواب آیا کہ میں اگلے مہینہ کانپور آرہا ہوں ، وہاں سے بنکی بھی آؤں گا۔ آگے تحریر فرمایا۔ ''مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدت'' مگر وہ صاحب حضرت مفتی صاحبؒ کی تشریف آوری سے پہلے ہی رخصت ہو گئے۔

میری پہلی ملاقات

حضرت مفتی صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات آج سے چالیس پیتالیس سال پہلے ٹرین میں ہوئی تھی۔ ہم دونوں تھرڈ کلاس میں تھے اس میں گانجا اور سلفا پینے والے لوگ بھی سفر کر رہے تھے جو نیچے فرش پر بیٹھے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ان کی ٹولی چلم کا کش بھرتی تھی۔ اور پھر کچھ دیر کے لیے گردوپیش کے ماحول سے بے خبر ہو جاتی تھی۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر میری زبان سے نکلا'' لگے دم مٹے غم''۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے ذہن میں میرا یہ جملہ مرتسم ہو کر رہ گیا۔ اب ۴۵ /سال کے بعد پچھلے سفر افریقہ میں عصر کے بعد کی مجلس میں فرمانے لگے! آپ کو یاد ہے ہماری آپ کی ملاقات پہلی کہاں ہوئی تھی؟ پھر اس واقعہ کا ذکر فرمایا۔

آپ کے دیوبند تشریف لانے میں والد صاحبؒ کی کوشش

میرے والد محترم حضرت مولانا سید حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن تھے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سبک دوش ہو کر شاہجہاں پور تشریف لے گئے تو والد صاحب کی تحریک پر مجلس شوری دارالعلوم نے اس خلا کو پر کرنے کے لیے حضرت مفتی صاحبؒ کا دارالعلوم میں تقرر منظور کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے تو والد صاحب مرحوم حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی معیت

میں سہارن پور تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے دار العلوم کی ضروریات کے متعلق بات چیت کی۔ اور حضرت شیخ سے تحریری حکم نامہ حاصل کر لیا۔ جب یہ تحریر حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے آئی تو پھر آپ کے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی اور آپ کانپور سے مستقل طور پر دار العلوم دیوبند میں رونق افروز ہو گئے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت مفتی صاحب کی دار العلوم میں تشریف آوری کا فیصلہ کتنا بروقت اور مفید تھا۔

چند ظرائف

ساؤتھ افریقہ میں ایک صاحب نے آپ کی دعوت کی، میں بھی اس میں شریک تھا۔ پورا دسترخوان انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا ''کیا یہ اسراف میں داخل نہیں ہے؟''۔ حضرت یہ سنکر مسکرائے اور فرمانے لگے، افریقہ والے یہ سوچتے ہیں کہ کل اگر میدان محشر میں خدا نے ان سے یہ سوال کر لیا کہ میں نے فلاں نعمت پیدا کی تھی وہ تمہارے دسترخوان پر کیوں نہیں تھی؟ تو یہ کیا جواب دیں گے؟ اس لیے کوشش کرتے ہیں کہ کوئی چیز رہ نہ جائے۔

ایک مرتبہ دار الافتاء میں مفتی صاحب سے ملاقات کے بعد میں رخصت ہونے لگا تو مفتی صاحب نے کھڑے ہو کر معانقہ فرمایا۔ میں نے کہا کہ گھٹنے میں کچھ تکلیف رہنے لگی ہے۔ دعا فرمائیں۔ فرمانے لگے ''آج کل بزرگی گھٹنے کی طرف سے آتی ہے''۔

بے مثال جرأت

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ مدرسہ مظاہر علوم کے لیے فراہمی مال کے سلسلہ میں کانپور تشریف لے گئے۔ وہاں کے حضرات نے آپ کو بتایا کہ ایک بدعتی مالدار شخص مدارس کو چندہ دیتا ہے؛ لیکن علماء دیوبند بالخصوص حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کو خوب گالیاں بھی بکتا ہے حضرت نے فرمایا کہ ''کیا حرج ہے چندہ تو مل جائے گا''۔ میری آپ اس شخص سے ملاقات کرا دیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہماری ہمت تو ہے نہیں البتہ دور سے ہم آپ کو

اس کا دفتر دکھا سکتے ہیں۔ اور یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک وہاں بیٹھتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے مجھے اس کا پتہ بتا دیا جائے۔ چناں چہ پتہ معلوم کر کے حضرت مفتی صاحبؒ اس کے دفتر تشریف لے گئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اس کو سلام کیا۔ جب اس نے جواب دیا تو باہر ہی سے آپ نے فرمایا کہ میں سہارنپور کے ایک مدرسہ سے آیا ہوں جس کا نام مظاہر علوم ہے۔ اس میں اتنے طلباء پڑھتے ہیں۔ وہاں کا سالانہ خرچ اتنا ہے وغیرہ وغیرہ، اور اس مدرسہ کے سرپرست حضرت امام ربانی مولانا گنگوہیؒ رہے ہیں۔ اگر آپ اس ادارہ کا تعاون کرنا چاہیں تو میں اندر آؤں ورنہ یہیں سے واپس جا رہا ہوں۔ وہ مال دار حضرت مفتی صاحب کے اس طرز عمل کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا اور فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر آیا اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو اندر لے گیا۔ اور کہا کہ میں نے بہت سے مولوی دیکھے لیکن ایسی جرأت والا شخص کبھی نہیں دیکھا۔ اور ایسے سستے دور میں ۵۰۰/روپئے کا گراں قدر عطیہ مدرسہ کو عطا کر دیا اور یہ کہا کہ آئندہ بھی جب آپ تشریف لائیں گے تو اتنا ہی روپیہ دیا جائے گا۔

آج حضرت مفتی صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن انھوں نے اپنی زندگی کے جو روشن نقوش چھوڑے ہیں، وہ ہم سب کے لئے لائق تقلید ہیں حضرت مفتی صاحب کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ فنائیت، تواضع اور زہد و استغناء سے انسان کو سربلندی اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی بلند پایہ اوصاف حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی میں لازم و ملزوم بن چکے تھے۔ اب ایسی جامع الکمالات شخصیت کوئی اور نظر نہیں آتی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت مفتی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے امت کو برابر مستفید فرماتا رہے۔ آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۶ء)

حضرت فقیہ الامتؒ کے چند افادات

مولانا ابوجندل قاسمی اُستاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر

زیر نظر مضمون میں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسنؒ کی سوانح اور حالات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف وہ باتیں اور وہ انوار و معارف بیان کرنے مقصود ہیں، جو حضرتؒ سے خود میں نے پوچھے ہیں یا چند وہ واقعات بیان کرنا ہے جو حضرت سے میں نے مجلس میں اپنے کانوں سے سنے ہیں، یہ بات ناظرین پر مخفی نہ ہوگی کہ حضرتؒ ظریفانہ طبیعت رکھتے تھے، اور حضرتؒ کی مجلس ہمیشہ زعفران زار رہتی تھی جس میں احادیث، مسائل، واقعات، لطائف و ظرائف اور تاریخ و تذکرہ اور بزرگوں کی باتوں کا عکس جمیل نظر آتا تھا۔ مندرجہ ذیل باتیں اکثر ۱۴۱۲ھ اور ۱۹۹۱ء کی ہیں، ملاحظہ ہوں۔

پیدائش

ایک مرتبہ احقر نے سوال کیا کہ آپ نے حضرت گنگوہیؒ کو دیکھا ہے؟ جواب: ارشاد فرمایا کہ ''میری پیدائش حضرت گنگوہیؒ کی وفات سے دو سال بعد کی ہے''۔ اس حساب سے حضرتؒ کی پیدائش ۱۳۲۵ھ کی ہوتی ہے کیونکہ حضرت گنگوہیؒ کی وفات ۱۳۲۳ھ کی ہے۔

حضرت شیخ الہند کی زیارت

احقر نے سوال کیا کہ حضرت کیا آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کو دیکھا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے میری بسم اللہ کرائی ہے۔ ایک مرتبہ میں گھر سے باہر کھیل رہا تھا، تقریباً ۷ سال کی عمر تھی، زنانہ مکان سے باہر کی بیٹھک میں چند مہمان تھے، والد صاحب مجھ کو پکڑ کر لے گئے، ایک صاحب نے میری بسم اللہ کرائی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ (مجاہد آزادی) حضرت شیخ الہندؒ تھے۔

عمر شریف

احقر نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ حضرت آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ (۱۴۱۲ھ میں) جواب:
ارشاد فرمایا کہ اس وقت میری عمر اتنی ہے جتنی عمر میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا انتقال ہوا۔ واضح رہے کہ حضرت شیخ کا انتقال تقریباً ۸۷؍سال کی عمر میں ہوا تھا۔ اس حساب سے حضرت مفتی صاحبؒ کی عمر شریف تقریباً ۹۲؍سال کی ہوئی جس کی تائید سن ولادت اور سن وفات سے بھی ہوتی ہے، ۱۳۲۵ھ سے ۱۴۱۷ھ تک تقریباً ۹۲؍سال ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں کتنے دن؟

ایک مرتبہ احقر نے سوال کیا کہ حضرت! آپ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں کتنے سال رہے؟ ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ ''میں نے محمود کی چالیس سال رگڑائی کی ہے''۔ اللہ اکبر اتنی لمبی مدت میں اللہ نے حضرت شیخ الحدیث کے ذریعہ اور برکت سے آپ کو کیا کچھ بنا دیا ہوگا۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسا ہی شیخ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

لَمَّةُ الشیطان اور لَمَّةُ الملك میں فرق

راقم الحروف نے سوال کیا کہ لمة الملك (فرشتوں کا اثر) اور لمة الشیطان (شیطان کا اثر) میں کس طرح فرق ہوگا؟

ارشاد فرمایا کہ دونوں میں فرق علم سے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ پیرانِ پیر سید عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکشوف ہوا تو کشف کی حالت میں ایسا لگا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو گیا ہوں، اسی حالت میں سخت پیاس محسوس ہوئی، فوراً ایک سونے کا پیالہ دکھائی دیا جو میری جانب بڑھا۔ تامل ہوا کہ پیؤں یا نہ پیؤں؛ کیونکہ سونے کا برتن استعمال کرنا ناجائز ہے۔ اس کے بعد خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے حرام کیا ہے۔ اور وہی دے رہے ہیں۔ پھر خیال ہوا کہ

نہیں پیوں گا؛ کیوں کہ شریعت محمدی میں نسخ نہیں ہے یہ یقین کر لینے کے بعد ''لاحول'' پڑھا۔ پڑھتے ہی شیطان بھاگ گیا؛ لیکن بھاگتے بھاگتے بھی ایک ٹانگ مار گیا کہ تو اپنے علم کے زور سے بچ گیا، ورنہ اتنوں کو میں اس مقام پر لا کر جہنم میں ڈالا ہے، میں نے کہا کہ علم کے زور سے نہیں؛ بلکہ فضل خداوندی سے بچا ہوں۔ اس پر مولانا محمد شاہ گنگوہی مدظلہٗ نے عرض کیا کہ حضرت معلوم یہ ہوا کہ اصل چیز فضل خداوندی ہے اور علم ذریعۂ احساس ہے، حضرتؒ نے ارشاد فرمایا ''جی ہاں''۔

ایک مشت داڑھی کا ثبوت

راقم الحروف نے سوال کیا کہ حضرت ایک مشت داڑھی کا ثبوت کہاں سے ہے؟

جواب: ارشاد فرمایا کہ امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں ہے، جا کے دیکھ لو، (یعنی دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں) چنانچہ دوسرے وقت میں کتب خانہ گیا اور تلاش کیا، تو یہ روایت ملی۔

محمد قال أخبرنا أبو حنيفة عن الهيثم عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يقبض على لحيته ثم يقص ما تحت القبضة قال محمد وبه ناخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (كتاب الآثار ۱۵۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی مٹھی میں لیتے تھے اور مٹھی سے زائد کاٹ دیتے تھے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا عمل بھی یہی ہے، اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

اس میں غور کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سنت کے سخت پابند تھے؛ لہٰذا یہ سنت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لی ہوگی، کما ہو الظاہر۔

تشہد میں انگلی اُٹھانے کا ثبوت

راقم الحروف کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کا ثبوت امام محمدؒ کی روایت سے ہے، مگر خلاصہ کیدانی میں اس کے مصنف نے نماز کے جتنے محرمات ہیں سب کو جمع کیا ہے اور اس میں رفع سبابہ کو بھی محرم لکھا ہے، اور لکھا ہے کو جو رفع سبابہ کرے اس کی انگلی کاٹ دو۔ اس کے بعد

ارشاد فرمایا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مکتوبات ہے کہ کسی شخص نے ان سے سوال کیا کہ آپ رفع سبابہ کے قائل ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اس کے منکر ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ مجدد صاحب نے اجتہاداً یہ بات کہی ہے اگر ان کو رفع سبابہ کی احادیث پہنچ جاتیں تو کبھی بھی اس کا انکار نہ کرتے مگر مرزا صاحبؒ کے مکتوبات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے خود یہ بات اجتہاداً کہی ہے؛ کیونکہ مجدد صاحب نے اقرار کیا ہے کہ رفع سبابہ اگرچہ احادیث سے ثابت ہے؛ لیکن ہم لوگ مقلد ہیں۔ اور مقلدین کو اجتہاد کا حق نہیں ہے؛ لیکن ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد معصوم صاحبؒ نے خود ان کی تردید کی ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جو ان کے معاصر ہیں اور ایک ہی شیخ سے مستفید ہوئے ہیں انھوں نے بھی تردید کی ہے اور اس تردید میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے شرح سفر السعادۃ میں وہ رسالہ موجود ہے۔ اللہ اکبر! حضرت مفتی صاحبؒ کا علم کتنا وسیع تھا۔

صلعم یا ص لکھنا

ارشاد فرمایا کہ ''صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے صلعم لکھنے کو مجمع البحار میں ناجائز لکھا ہے۔ اور صرف ص لکھنا بخل ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کو دھوکہ

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں کبھی کسی کے دھوکہ میں نہیں آیا؛ لیکن ایک بڑھیا کے؛ واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ چلے جا رہے تھے۔ ایک دروازہ پر ایک بڑھیا کو دیکھا جو اس طرح بول رہی تھی جیسے گونگا آدمی، اور دروازہ کے سامنے ایک تھیلی پڑی تھی، میں نے سمجھا کہ شاید یہ بڑھیا تھیلی اٹھوانا چاہتی ہے، چنانچہ میں نے تھیلی اُٹھالی؛ تا کہ اس کو دے دوں۔ وہ بڑھیا ایک دم بولی کہ اب اس کو لے جایئے، یہ لقطہ ہے (گری پڑی چیز) اور اس کا اعلان کیجئے میں دیکھتا رہ گیا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ کہ لقطہ یا تو اٹھائے نہیں اور اٹھالیا تو وہی اس کا اعلان کرے۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں رکوع

راقم الحروف نے سوال کیا کہ حضرت جب بیٹھ کر نماز پڑھیں تو بغیر اٹھے رکوع کر لیا

جائے یا پیچھے سے اٹھ کر سرین کے برابر کیا جائے؟۔

ارشاد فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں رکوع کرتے ہوئے سرین کو اوپر اٹھانا بہتر ہے۔اور سرتو اس کے برابر خود ہی ہو جائیگا۔

غصہ کا علاج

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کی خلاف طبع بات پر غصہ آجائے تو یہ سمجھ کر پینا چاہئے کہ یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہے۔اور یہ شخص دھوبی ہے۔

جس طرح دھوبی کپڑے سے میل صاف کرتا ہے اسی طرح یہ شخص میرے قلب سے گناہوں کو صاف کرتا ہے۔

کھانے کے بعد برتن کو صاف کرنا

راقم الحروف نے سوال کیا کہ کھانے کے بعد برتن کیوں صاف کیا جائے؟

ارشاد فرمایا کہ جب برتن کو صاف کیا جاتا ہے تو برتن دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! جس طرح اس نے مجھ کو صاف کیا تو بھی اس کو گناہوں سے اسی طرح پاک وصاف کردے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ بقوا او نقوا یعنی یا تو برتن میں تھوڑا سا کھانا چھوڑ دو تا کہ اور کوئی کھالے، یا بالکل صاف کردو۔

شیعہ حافظ قرآن کیوں نہیں ہوتے؟

ایک مرتبہ ایک صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ جو شخص اپنے اساتذہ کے ساتھ گستاخی کرتا ہے وہ علم سے محروم رہتا ہے۔ یہ شیعہ لوگ ان صحابہ کرام کو جن سے قرآن شریف ہم تک پہونچا ہے، برا کہتے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اس لئے یہ حافظ نہیں ہوتے۔

حضرت گنگوہیؒ کا تعلق مع اللہ

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص حضرت گنگوہی کی مجلس میں بہت روتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت نے

معلوم کیا کہ بھائی تم اتنا کیوں روتے ہو؟ عرض کیا کہ حضرت دوزخ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ گھبراؤ مت، مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تیرے آدمیوں کو دوزخ میں نہیں بھیجا جائے گا۔

حضرت مدنیؒ کا ایثار

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ بخاری شریف کا سبق پڑھا کر اپنے مہمان خانہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ کیوں میاں تم سوئے نہیں۔ اس نے کہا کہ کیسے سوؤں، نہ میرے پاس لحاف ہے نہ حقہ، حضرت اندر گھر میں تشریف لائے حقہ بھر کر لائے، نیز اپنا لحاف بھی لاکے دیا، آپ نے پوری رات اپنی عباء میں گزاری۔

حسن علی گنگوہی کا استحضار موت

ارشاد فرمایا کہ گنگوہ میں ایک حافظ حسن علی صاحبؒ تھے، وہ ایک مسجد میں رہتے تھے، ان کا یہ حال تھا کہ جب وہ سجدہ میں چلے جاتے تھے تو بہت دیر میں اٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پیچھے سے کسی شخص نے لات ماری کہ کیا سو گیا؟ تو سجدہ سے اٹھ کر فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون، کیا میں سو گیا تھا۔ اوفو میں سو گیا تھا۔ تو سجدہ سے میں نے نماز ہی خراب کردی۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے اصرار کرکے پوچھا کہ آپ اتنی دیر سجدہ کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ جب میں سجدہ میں جاتا ہوں اور اٹھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ ایک مرتبہ اور سبحان ربی الاعلیٰ کہہ لوں شاید پھر سجدہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانہ ہے استحضارِ موت کا۔ کاش ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ (آمین ثم آمین)

میاں جی نور محمد صاحبؒ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ گردن جھکائے بیٹھے تھے اور آپ کے مریدین آپ کے سامنے بیٹھے تھے تو کچھ طالب علموں نے ان کی نقل اتاری۔ ایک پیر بن کر گردن جھکا کے بیٹھا اور کچھ لڑکے اس کے سامنے مرید بن کر بیٹھے۔ کسی شخص نے جا کر حضرت سے ذکر کر دیا تو میاں جی نے ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تم میں کون پیر

بنا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ حضرت یہ بنا تھا اس کو کہا تم بیٹھ جاؤ اور دوسروں سے کہا کہ سب چلے جاؤ۔ سب چلے گئے۔ پھر اس سے کہا کہ آنکھیں بند کرو۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن فوراً ایں ایں کر کے چلاّ اٹھا اور تڑپ گیا۔ بعد میں اس سے پوچھا گیا کہ کیا ہو گیا تھا تو اس نے بتایا کہ جب میں نے آنکھیں بند کرلیں تو فوراً ایسا لگا۔ جیسے اندر آگ لگ رہی ہو کہ قلب پر ایک چنگاری تھا کہ اب میرا یہ حال ہے کہ اندھیری رات ہو، بادل چھایا ہوا ہو اور میں اندر کمرے میں لحاف اوڑھے ہوئے لیٹا ہوا ہوں تو باہر جو نیم کا درخت ہے اس کے پتے ہلتے ہوئے مجھے اس حالت میں بھی نظر آتے ہیں۔ اس چنگاری کا یہ اثر ہوا۔

دار القضاء کا صدر کون؟

ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں جب دار القضاء قائم ہوا تو دار العلوم کے ایک مفتی صاحب (مفتی سید احمد علی سعید صاحب) نے مجھ سے کہا کہ اس دار القضاء کا صدر یا تو میں رہوں گا یا آپ رہیں گے۔ میں نے کہا کہ کوئی بھلا آدمی تھا، بیوی تیز مزاج تھی، ایک روز وہ صاحب نماز پڑھ کر گھر پہنچے، بیوی نے کہنا شروع کیا کہ تو نے فلاں کام خراب کردیا، ایسا کیا ویسا کیا، اس نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا بیوی نے کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اس پر شوہر نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ ''یا اللہ یا تو میں مرجاؤں۔ بس اتنا ہی کہہ پایا تھا۔ (آگے کہنا چاہتا تھا کہ یا بیوی مرجائے) کہ بیوی نے جو چولھے کے پاس بیٹھی تھی چمٹا اٹھا کر کہا کہ اور یا؟ اس نے کہا ''بس یا بھی میں ہی مرجاؤں۔ اسی طرح دار القضاء کے صدر یا تو آپ ہوں گے اور یا بھی آپ ہی ہوں گے۔

اللہ اکبر! حضرت مفتی صاحب عہدہ طلبی سے کس قدر دور تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ چیز نصیب فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۱۹۹۶ء)

بہار آخر شد

فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ

حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہٗ مفتی جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود الحسنؒ کے خصوصی فیض یافتگان میں سے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون آپ نے ''انجمن خدام القرآن'' وانمباڑی کے ترجمان ''الرباط'' کے خصوصی نمبر کے لئے تحریر فرمایا تھا، چونکہ یہ تحریر نہایت قیمتی نصائح اور علمی نکات وظرائف پر مشتمل ہے؛ اس لئے اسے انجمن خدام القرآن کے شکریہ کے ساتھ شریک اشاعت کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

احقر نے دارالعلوم اشرفیہ راندیر سے فراغت کے بعد مرکز علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے ارادہ سے سفر کیا، اور شوال ۱۳۸۶ھ میں تکمیل فنون میں داخلہ لیا، وہ زمانہ حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ کے قیام دارالعلوم کا آخری دور تھا۔ اور جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ میں حضرت فقیہ الامتؒ سے کوئی شناسائی نہیں تھی۔ ہم وطن رفقاء کے ساتھ کبھی کبھار حضرت کی قیام گاہ ''احاطہ مسجد'' میں حاضری کی نوبت آجاتی تھی۔ البتہ دوسرے سال جب دارالافتاء میں داخلہ کی درخواست دی۔ اس وقت حضرت نے خصوصی عنایت فرماتے ہوئے اپنی خدمت (کھانا لانا، مہمانوں کی خدمت، کمرہ کی صفائی وغیرہ) کے لئے قبول فرمالیا، اور اس طرح حضرتؒ کی خدمت کا قرب نصیب ہوا۔ طالب علمی کا زمانہ اور غفلت و بے پرواہی کی وجہ سے باوجود حضرتؒ کی خدمت میں مسلسل حاضر باشی کے علاوہ کچھ حاصل نہ کرسکا۔ اگرچہ غفلت تو اب بھی جوں کی توں ہے؛ لیکن اب جب کہ حضرتؒ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا، احساس شدید ہوگیا۔ ان ایام میں حضرتؒ کے اسفار میں بھی خدمت ومعیت کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ ہر ہفتہ جب حضرتؒ

سہارنپور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ہاں تشریف لے جاتے تو ایک جمعہ کے ناغہ سے میں بھی جاتا تھا اور حضرتؒ نے بھی مجھے ایک دن حضرت شیخ سے عرض کر کے بیعت کرا دیا اور چند ہی دن بعد ذکر بھی شروع کروایا۔ حضرت شیخ نے خود حضرت سے فرمایا کہ یہ تو آپ کا ہی ہے، آپ اس پر توجہ فرمائیں، درمیان میں جب ذکر شروع کروایا تھا تو مجھے آٹھ یوم کے لئے سہارنپور حضرت شیخ کے ہاں قیام کے لئے فرمایا، رمضان المبارک بھی حضرت کے یہاں ہی گذارا، زمانۂ طالبِ علمی میں حضرت کے ساتھ کلکتہ کا سفر ہوا۔ ایک دن وہاں کے حضرات نے مجھ سے اصرار کیا کہ آج آپ کو ہاوڑہ کا پل دکھلانے لے چلتے ہیں، میں نے کہا حضرت سے اجازت لئے بغیر نہ جاؤں گا۔ چنانچہ جب حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور اجازت کا خواہاں ہوا، تو حضرت نے خاص ظرافت کے ساتھ فرمایا کہ ''ہاں دیکھ لو! کل قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ہاوڑہ کا پل دیکھا تھا تو کیا جواب دوگے''؟ اگرچہ یہ بات حضرت نے بطور ظرافت فرمائی تھی اور اجازت بھی دے دی؛ لیکن مجھ پر عجیب سناٹا سا چھا گیا، اور میں پل دیکھنے نہ گیا۔ اور اس کے بعد تو ایسا معلوم ہوا کہ کہیں کا بھی سفر ہو، کسی بھی جگہ یا چیز کے دیکھنے کی دل میں طلب یا خواہش نہیں ہوتی، گویا یہ حضرت کا ایک تصرف تھا۔

اسی سفر میں ایک روز حاجی جمیل صاحب زید مجدہٗ کے دولت کدہ پر کھاتے وقت دسترخوان پر ایک سالن جھینگا بھی تھا، کسی نے حضرتؒ سے پوچھ لیا کہ حضرت آپ یہ نہیں کھاتے؟ تو حضرت نے فرمایا ''نہ ایں کار من کنم نہ انکار می کنم'' (یعنی میں نہیں کھاتا اور کھانے والے کو روکتا بھی نہیں ہوں) اور اس پر یہ لطیفہ کہ ایک مرتبہ ڈابھیل میں مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ان کے گھر کھانے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے، دسترخوان پر جھینگے بھی تھے مفتی بسم اللہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے اس کو جائز بتلایا ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت تھانویؒ نے کانگریس کی شرکت کو ناجائز بتلایا، یہ اس لئے کہا تھا کہ مفتی بسم اللہ صاحب جمعیتی اور کانگریسی تھے۔

رمضان المبارک میں حضرت کے پاس تین جگہوں سے مطالبہ آیا کہ تدریس کے لئے آدمی کی ضرورت ہے، گنگوہ، کانپور، اور ڈابھیل۔ حضرت نے فرمایا ان میں سے جہاں چاہوں بھیج دوں، میں نے ڈابھیل کو پسند کیا اور رمضان المبارک کے بعد احقر ڈابھیل جامعہ سے منسلک ہو گیا جس وقت حضرت سے جدا ہو رہا تھا، عجب کیفیت تھی، جدائی کے لئے دل آمادہ نہ تھا، روتے روتے رخصت ہوا۔ دعائیں دیں، نصائح فرئیں۔ اس وقت حضرت نے تدریس کے سلسلے میں جو نصائح فرمائی تھیں وہ احقر نے اسی وقت ایک پرچہ پر نوٹ کر لی تھیں۔ وہ پرچہ اب تک احقر کے پاس محفوظ ہے۔ آپ کا خط آنے سے تلاش کرنے سے مل گیا۔ اس میں سے وہ تمام نصائح یہاں نقل کر رہا ہوں:

(۱) عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے دی جائے یا فلاں منصب حوالہ کیا جائے۔

(۲) پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کر دو یا اس میں اتنا اضافہ کر دیا جائے۔

(۳) اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ ہاں بھئی میں تو بالکل لائق نہیں مگر مدرسہ والوں نے بٹھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی لیاقت دے اور کتابوں کا حق مجھ سے کسی طرح ادا کرائے۔

(۴) کوئی طالب علم سوال کرے تو شفقت سے اس کا جواب دینا اگر چہ برائے طعن سوال کرتا ہو۔

(۵) کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا مانگنا، اور مصنفِ کتاب کو ایصال ثواب کرنا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۶) دوسرے کی کتاب میں کسی طالب علم کو بتلانے میں احتیاط کرنا۔

(۷) طلباء سے خدمت نہ لینا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے کسی مرید، شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

(۸) طلباء سے اختلاط نہیں چاہئے اس لئے کہ اس میں مختلف اغراض سے آنے والے ہوتے ہیں۔

(۹) طلباء کا احسان مانو کہ انہوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی تخم ریزی کے لئے ہموار کی۔ ورنہ آپ کا علم یوں ہی رہتا، اپنا ان پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔

(۱۰) طلبہ مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے، کوئی استاذ کو پریشان کرنے کے لئے وغیرہ وغیرہ، مگر سب کا جواب علی اسلوب تحکیم دینا، مناظرانہ انداز میں نہیں۔

(۱۱) روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۱۲) اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اس سے رجوع کرنے میں تامل نہ کرنا۔

(۱۳) مطالعہ کے بغیر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھانا۔

(۱۴) اسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر و تلاوت و تسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔

بحمد اللہ تعالیٰ احقر نے ان نصائح پر عمل کا اہتمام حتی المقدور کیا۔ طلبہ سے خدمت لینے کے معاملہ میں بھی شروع شروع میں جب یہاں آیا، دو تین سال خوب احتیاط برتی، لیکن بعد میں جا کر اس میں کوتاہی ہوئی جس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں ڈابھیل پہونچ کر حضرت کو درسی ذمہ داریوں سے واقف کیا۔ اس کے جواب میں جو گرامی نامہ ملا وہ حسبِ ذیل ہے:

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، آپ کا پہلا خط اور دوسرا خط ہر دو ایک ساتھ پہنچے، خدائے پاک نے آپ کو خدمت دین کا موقع عنایت فرمایا اس کا بڑا احسان ہے ورنہ آپ سے زیادہ قابلیت والے بڑی تعداد میں بیکار پڑے ہیں۔ اس احسان کا شکریہ اس طرح ادا کریں کہ آپ اپنے کو بالکل ناقابل تصور کر کے ہر خدمت کو استحقاق سے بالا سمجھیں اور خوب محنت و مطالعہ کر کے کام کو انجام دیں۔ اوقات مدرسہ ہی کا ملازم سمجھ کر بغیر اوقات میں اپنے کو

آزاد نہ سمجھیں۔ دوسرے خط میں مراح الارواح کی شرح کا مطالبہ ہے، وہ مولانا ابوالقاسم صاحب کی ہے۔ان کی طرف سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے۔مولوی محمد صاحب بھڑوچی کے ذریعہ اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت میں پہنچے گی۔مولوی ابوالقاسم، مولوی ہدایت اللہ صاحب مولوی شریف صاحب، مولوی عبداللہ صاحب کی طرف سے نیز ارباب افتاء کی طرف سے سلام مسنون وہاں آپ جس جس کو مناسب سمجھیں سلام کہدیں، آج یہاں بارش ہورہی۔ سردی شدید ہے دارالافتاء کے طلبہ کا انتخاب ابھی تک نہیں ہوا، ممکن ہے کہ آج ہوجائے، قاری اخلاق صاحب کل سفر سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ بقیہ حالات بدستور ہیں۔ سہار نپور میں بھی خیریت ہے۔ والسلام

احقر محمود عفی عنہ
دارالعلوم دیوبند سہار نپور
۲۲/۱۰/۸۸ھ

یہاں آنے کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں موقعہ بموقعہ حاضری اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ احقر کا بیعت کا سلسلہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ سے تھا؛ لیکن چوں کہ خود حضرت شیخ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے حوالہ فرمایا تھا، نیز حضرتؒ کی خدمت میں اپنے حالات بغیر جھجھک پیش کرسکتا تھا، جب کہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری کے باوجود عرضِ حال کی ہمت نہیں کر پاتا تھا اس لئے اپنے امراض کے علاج کے سلسلہ میں بھی حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کرلیتا تھا۔ اپنے ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ کے عریضہ میں لکھا کہ:

نفس ہر وقت بڑائی کا خواہاں رہتا ہے اور ایسی چیزوں سے خوش بھی ہوتا ہے اس کے لئے علاج تجویز فرمائیں۔'' اس کے جواب میں جوگرامی نامہ ملا وہ حسبِ ذیل ہے۔

مکرم ومحترم! مدت فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کئی روز سے باربار دل میں آرہا تھا کہ آپ کو لکھوں:

مدتے شد کہ رہ مہر و وفا مسدد و داست
نہ کسے می رود آنجا، نہ کسے می آید

خیر آپ کا خط ملا، دل کو سرورحاصل ہوا:

بماند آں دوست کو دوستاں را
غذائے دل و راحت جاں فرستد

حق تعالیٰ اپنی مخصوص نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ اعداء خصوصاً نفس وشیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ نفس کے مبدأ پر غور کریں، ماءمہین اور طین لازب سے بنا ہے شکم مادر میں کیا حال تھا، کیا غذا تھی، پیدا ہونے کے بعد کیسے کیسے احوال گذرے کہ اچھے برے کرنے کی تمیز نہیں تھی، طاہر ونجس میں فرق نہیں کرتا تھا۔ جو سامنے آیا اسے اٹھا کر منہ میں داخل کرنے کو آمادہ وغیرہ وغیرہ۔

موجودہ حالت میں کس قدر قاذورات وقاذورات کا حامل ہے، چوبیس گھنٹہ کے اندر کتنی مرتبہ حدث ہوتا ہے، ذرا سا سر میں درد ہو جائے تو سب نشاط ختم الخ...... پھر آمال کو دیکھیں کہ کسی طرح جان نکلے گی، کیسی بے بسی کا عالم ہوگا، قید میں ڈال دیا جائے گا وہاں کے موذی جانوروں اور ملائکہ قبر سے تحفظ پر بھی قدرت نہیں ہوگی الخ...... کچھ دیر بیٹھ کر غور کیا کریں کہ کون سی چیز ہے جس پر ناز ہے؟ آپ کے اور آپ کے جملہ متعلقین کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں جب شام کو حاضری ہو تو میری طرف سے بھی سلام مسنون عرض کر دیں۔ مسلم علیہم کی طرف سے سلام، دعا میں یاد رکھیں۔

احقر محمود عفی عنہ
دارالعلوم دیوبند سہارنپور
۸۹/۴/۱۷ھ

احقر نے ایک عریضہ مورخہ ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ کو لکھا تھا جس میں حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہم العالی (خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ) جو ان دنوں مدینہ منورہ سے حضرت شیخ کی خدمت میں قیام کر کے اپنے وطن نرولی آئے تھے۔ ان کی ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضری کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ حضرت نے اس کا جواب کچھ تاخیر سے ۱۸/ جمادی الاخریٰ کو تحریر فرمایا۔ جس میں حضرت شیخ کے ساتھ تعلق ومحبت کے ساتھ اپنی کیفیات قلبیہ کی طرف اشارہ ہے:

۷۸۶ عزیز والا جاہ سلمکم اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محبت نامہ باعث صد مسرت ہوا۔ خدائے پاک اشغال واوراد میں اخلاص واستقامت عطا فرمائے، آمین۔ سردست معمولات اسی قدر کافی ہیں۔ ماشاء اللہ آپ خوش نصیب ہیں کہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب

دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوکر حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتکریماً کے قیام اور خدمت حضرت شیخ اعلی اللہ درجاتہ کے برکات سے مشرف ہوگئے۔ مبارک باشد۔ یہ ناکارہ تو ہر طرف سے خالی ہے جواب خط میں تاخیر کی کیا وجہ لکھوں۔

ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ اے چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

یہاں اساتذہ سے دریافت کیا گیا کہ اسٹرائک کے وجوہ لکھیں۔ اپنے اپنے وجدان کے موافق لکھ رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے شعبہ سے سوال نہیں ہوا۔ والسلام

احقر محمود عفی عنہ
دارالعلوم دیوبند سہارنپور یوپی
۱۳۸۹/۶/۱۸ھ

ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا کہ اپنے معاصی ونافرمانیوں کو یاد کرکے بہت جی چاہتا ہے کہ روؤں مگر دل اتنا سخت ہوجاتا ہے کہ رونا ہی نہیں آتا اس لئے کوئی علاج تحریر فرمائیں الخ اس کے جواب میں جو گرامی نامہ شرف صدور لایا وہ پیش ہے۔ اسی زمانہ میں دارالعلوم میں بڑی اسٹرائک ہوکر ختم ہوچکی تھی۔ احقر نے اس مدت میں کوئی خط یہ سمجھ کر نہیں بھیجا کہ ممکن ہے۔ حضرت موجود نہ ہوں شروع گرامی نامہ میں اسی طرف اشارہ ہے:

مکرم محترم زیدت محامدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ بڑے انتظار کے بعد ملا، میں ان سب خلفشار میں بھی کہیں نہیں گیا؛ بلکہ یہیں رہا، پرسوں دوشنبہ سے اِن شاء اللہ اسباق شروع ہوجائیں گے۔

خالی گناہوں کو یاد کرلینا کافی نہیں، بعض دفعہ ان کو یاد کرنے سے پھر ارتکاب کی تحریک غیر شعوری طور پر شروع ہوجاتی ہے حفظنا اللہ وایاکم، یہ تصور جمانے کی ضرورت ہے کہ جب میدان حشر میں سب اعمال پیش ہوں گے تو سب کے سامنے کیسی رسوائی ہوگی؟ کیا ہوا ایک ایک کام نامۂ اعمال میں موجود ہے۔ اور وہ خود ہی مرتکب سے پڑھوایا جائے گا۔ جس چیز کو مخلوق سے چھپ کر کیا ہے۔ اور اس کا ظاہر ہونا بہت ہی عیب سمجھا ہے۔ اپنے اس عیب کو اس علیم وخبیر کے سامنے کس طرح پڑھ کر سناؤں گا۔ اس سے بچتا رہے گا تو اس کو نامہ اعمال سے محو کرنے کی فکر چاہئے۔ تنہائی

کے اشک ندامت اس کے لئے ماحی ہیں۔ اللہ پاک ایسے آنسو عطا فرمائے جن سے نامہ اعمال سے سیئات محو ہو جائیں۔ حشر کے حالات کا مراقبہ لازم ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ، بھائی بہن ان کی اولاد سب کو حسب مراتب سلام ودعا۔ سب کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں۔ مولانا مفتی اسماعیل صاحب مدظلہ کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد دوسرا پرچہ پیش کردیں۔ والسلام

احقر محمود عفا اللہ عنہ
دار العلوم دیوبند
۸۹/۵/۲۲

یہ میرا ڈابھیل میں تدریس کا پہلا سال تھا، حضرت مہتمم صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو سالانہ اجلاس دستار بندی کے لئے دعوت دی اور حضرتؒ نے بھی تشریف آوری کا ارادہ فرمالیا تھا۔ حضرتؒ نے احقر کے عقد نکاح کے لئے مشورہ دیا کہ اجلاس میں ہو جائے تو مناسب ہے۔ حضرتؒ کی خدمت میں احقر نے جو عریضہ بھیجا تھا، اس کے جواب میں حسب ذیل گرامی نامہ آیا:

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ڈابھیل کے مدرسہ (کے اجلاس) کی شرکت کے لئے دعوت نامہ ملا، ارادہ اور وعدہ بھی کرلیا۔ جو حالات زور وشور سے سنے جارہے ہیں کیا ان حالات میں جلسہ بھی مناسب ہے یا نہیں (اس زمانہ میں گجرات میں پہلا قومی فساد احمد آباد واطراف میں ہوا تھا، جس میں مسلمانوں کا شدید جانی ومالی نقصان ہوا۔ اس کی طرف اشارہ ہے، از احمد)

مجلس عقد کے سلسلہ میں عرض ہے کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا سالانہ جلسہ جامع مسجد میں ہورہا تھا۔ حضرت اقدس مدنیؒ کی تقریر ہورہی تھی۔ جب ہی حضرت شیخ دامت برکاتہم کی دو صاحبزادیوں کا نکاح ہوا، ایک کا حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے، دوسری کا حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ سے۔

اگر آپ بھی اسی سنت کا احیاء کریں تو کتنا مبارک کام ہے، ہونے والے خسر صاحب سے گفتگو کرکے اسی پر اراضی کرلیں، مولانا غلام صاحب نے نکاح میں شریک کرنے کے لئے بلایا تھا، اور ڈابھیل یا کھجولی میں ان کا پرچہ ملا تھا۔ لیکن شرکت کی نوبت نہیں آئی تھی۔ مدرسہ

میں خیریت ہے کئی روز تک حضرت مہتمم صاحب کی طبیعت ناساز رہی۔مگر اب اچھے ہیں، سفر میں تشریف لے گئے۔سب سے ماوجب والسلام

احقر محمود عفی عنہ
دارالعلوم دیوبند
۸۹/۷/۲۲ھ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ اسی سال ۱۱/شوال ۱۳۸۹ھ سہ شنبہ کو بمبئی سے حجاز کے لئے روانہ ہوئے تھے اس وقت میں بھی حضرت مفتی اسمٰعیل صاحب مدظلہ کی معیت میں بمبئی حضرت شیخ کو رخصت کرنے گیا تھا۔ وہاں سے ڈابھیل آ کر بمبئی میں حضرت شیخؒ کے قیام کی پوری تفصیل حضرت مفتی صاحبؒ کو لکھی تھی اس کے جواب میں حضرت نے جو گرامی نامہ تحریر فرمایا وہ پڑھیئے۔

مکرم ومحترم مولانا احمد صاحب مدت فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مشتمل بر کوائف وحالات حضرت شیخ دامت برکاتہم ملا، آپ خوش قسمت ہیں کہ ان مبارک ساعات میں وہاں موجود رہے۔ میں تو دہلی تک بھی نہیں جاسکا۔ اجازت نہیں ملی، یہاں اور سہارنپور میں خیریت ہے۔مگر صرف خیریت ہی خیریت ہے باقی کچھ نہیں، نہ وہ ذکر کی آوازیں ہیں، نہ چائے کا ہجوم ہے، نہ کھانے کا اہتمام ہے، نہ ۱۱/بجے مدرسہ میں کوئی جلوہ افروز ہے، نہ وہ جمعہ کے وقت حکیم جی کی مجلس میں ہماہمی ہے، نہ بعد جمعہ کچے گھر میں چہل پہل ہے، عجب اداسی کا عالم ہے۔

دنیا میری نگاہ میں صحرائے یاس ہے
جس دن سے جی اداس ہے عالم اداس ہے

مولوی طلحہ صاحب دہلی گئے ہوئے تھے۔ممکن ہے کہ آج کل میں واپس ہوں۔ مکان خالی ہے۔مولانا منور حسین صاحب دو روز ٹھہر کر وطن چلے گئے۔

تیرے بغیر صحن گلستاں بھی ہے اداس
اب کے بہار آئی مگر رنگ و بو نہیں

بہر حال جس طرح بھی ہو زندگی کے دن پورے کرنے ہیں۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ اپنی بداعمالیوں سے ڈر بھی ہے کہ وہاں بھی دوری اور محرومی نصیب نہ ہو۔ نظر کرم سے امید بھی ہے عجب کشمکش ہے۔ فقط۔

مجھے مضمون نگاری تو نہیں آتی۔ آپ نے حضرتؒ کے متعلق میرے تأثرات ومعلومات قلمبند فرمانے کا حکم فرمایا تو سوچا کہ اپنے ہفوات سے اوراق سیاہ کرنے کے بجائے حضرتؒ کی بھی کچھ چیزیں قارئین کے سامنے آجائیں تو ان کو کام آئے اس لئے اَپنے پاس موجود مکتوبات میں سے چند کی نقل کر کے بھیج دی۔ اور اس طرح مضمون کی آپ کی طلب بھی پوری ہوگئی۔ لوگوں کو بھی فائدہ انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اور میرے ہفوات سے بھی ان کی حفاظت ہوگئی۔ آخر میں ایک دلچسپ ملفوظ پیش کر کے اجازت چاہتا ہوں۔

جس زمانہ میں ہمارے موجودہ مہتمم صاحب حضرت مولانا احمد صاحب مدظلہم کو یہاں کی شوریٰ نے ان کے مرحوم والد محترم کی حیات میں بطور نائب مہتمم تجویز فرمایا اس کے بعد احقر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہاں کے حالات دریافت فرمائے۔ اس میں احقر نے اس تجویز سے بھی باخبر کیا تو حضرت نے فرمایا۔ ''صاحبزادہ ہونا نہ تو ایسا کمال ہے کہ نااہلیت کے باوجود عہدہ سپرد کیا جائے۔ نہ ایسا جرم ہے کہ اہلیت کے باوجود محروم رکھا جائے۔'' اور اس تجویز پر مسرت کا اظہار کر کے دعائیں دیں۔ فقط۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

(ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۷ء)

مسجد چھتہ کی رونق آہ! اب جاتی رہی

بروفات فقیہ الامتؒ

محمد سلمان منصور پوری

حاملِ دین و شریعت، ماہر و یکتائے فن ❖ منبع رشد و ہدایت، شیخ محمود الحسنؒ
آفتاب علم و حکمت، فقہ کے ماہ مبیں ❖ حضرتِ محمودؔ تھے نور نظر حامد حسنؒ
نسبتِ امدادؒ و قاسمؒ، فیض دربار رشیدؒ ❖ جذبۂ احقاق مدنیؒ، فکرِ ''محمود الحسنؒ''
تھانویؒ فہم و ذکا اور ورع و تقوائے خلیلؒ ❖ جی بہت بھر کر لئے تھے ''شیخؒ'' سے درّ عدن
سادگی ''عبد قادرؒ'' کے تھے وہ عکس جمیل ❖ جن کی رگ رگ میں بسا تھا شاہ الیاسیؒ چلن
شان تھے اسلاف کی اس دور پر آشوب میں ❖ فکر اُمت تھی ہر اک پل اور دعوت کی لگن
وہ مدرس، مفتی اعظم، فقیہ عصر تھے ❖ قاسمی گلشن میں تھے وہ زینت صد انجمن
عاجزی و انکساری جن پہ تھی ہر دم نثار ❖ عظمتِ حق پر تھا قرباں، جن کا اپنا جان وتن
زہد و استغناء تھا جن کا کامل ایمانی شعار ❖ جن کی ٹھوکر میں ہمیشہ سے رہا گنج زمن
ان کے جانے سے فضائیں ہوگئی ہیں اشکبار ❖ ہر طرف چھائی اداسی غم میں ہے ہر مرد وزن
رو رہے ہیں لوگ کیسے آج ان کی یاد میں ❖ عشق محمود الحسنؒ ہے ان کے دل میں موجزن
وہ ظرافت، نکتہ سنجی اور ذکاوت اب کہاں ❖ ڈھونڈتے رہ جائیں گے اب لوگ وہ عہد کہن
اب کہاں دیکھیں گی آنکھیں وہ مبارک مجلسیں ❖ جن میں لٹتے تھے کبھی وہ ''درّہائے علم وفن''
مسجد چھتہ کی رونق آہ اب جاتی رہی ❖ کیا خبر تھی وقت دکھلائے گا یہ رنج ومحن

غمزدہ سلمانؔ کی رب سے یہی ہے التجا
کر دے ہم کو راہ محمود الحسنؒ پر گامزن

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۶ء)

شخص واحد کی شکل میں قافلہ جاتا رہا

از: لئیق احمد راغبؔ بارہ بنکوی حال اُستاذ جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی

لاڈلا رب کا نبی کا شیفتہ جاتا رہا ❖ ہند سے لوگو رئیس اولیاء جاتا رہا
بے کسوں کا غمگسار و دل ربا جاتا رہا ❖ کیوں نہ ہم روئیں ہمارا رہنما جاتا رہا
ہر گھڑی عشق نبیؐ میں جو تڑپتا ہی رہا ❖ آج ہم کو چھوڑ کر وہ با وفا جاتا رہا
خونی آنسو رو رہا ہے ہر بشر ہی دیکھئے ❖ دین کی کشتی کا ماہر ناخدا جاتا رہا
خدمت اسلام جس کا ایک پیارا شغل تھا ❖ آہ وہ افسوس ہم سے باصفا جاتا رہا
نکتہ فہمی بذلہ سنجی خاص جس کا وصف تھا ❖ چھوڑ کر روتا ہمیں وہ دل نوا جاتا رہا
حسرت وغم کی ہوائیں چل رہی ہیں اس لئے ❖ باوقار و پیکر صدق و صفا جاتا رہا
دوستو آؤ گلے مل مل کے روئیں ہم سبھی ❖ باعمل عالم ولّی بے ریا جاتا رہا
مسجد چھتہ ہے کہتی آمری آغوش میں ❖ لال مجھ سے کیوں بتا ہوکر خفا جاتا رہا

گر گیا ہے علم کا راغبؔ ستون آہنی
شخص واحد کی شکل میں قافلہ جاتا رہا

(ندائے شاہی اکتوبر۱۹۹۶ء)

آہ! رخصت ہوگئے ہیں شیخ محمود الحسنؒ

نتیجہ فکر: مولانا قاری احمد علی صاحب پرتاپ گڈھی اُستاذ حفظ مدرسہ شاہی

علم وفن اوجھل ہوئے اور فقہ نے پہنا کفن ❖ آہ ! رخصت ہوگئے ہیں شیخ محمود الحسنؒ

درد وغم کی داستاں ہے، یہ نہیں شعر وسخن ❖ حامئ حق جا رہے ہیں، آگیا دور فتن

چھپ گئی ہے مسجد چھتہ کی وہ روشن کرن ❖ لگ گیا ہے از ہر ہندوستاں کو پھر گہن

تھے تیرے علمی لطائف، رونق محفل تھا تو ❖ تیرے جانے سے ہوئی سونی ہماری انجمن

اہل حق اہل نظر ہی کو تھی تیری معرفت ❖ ہوش کھو بیٹھے ہیں سب لے آئیں ہیں دیوانہ پن

دل کی ظلمت دور کرنے اب کہاں جایا کریں ❖ ڈھونڈھ کر لائیں کہاں سے تجھ سا کوئی کوہکن

تیری مرقد پاک پر ہوتی رہے رحمت نزول ❖ خاک افریقہ نے بیشک پالیا در عدن

لب پہ مصرع اب احمد علی کے صبح وشام

’’شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن‘‘

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا قاری فضل الرحمٰن صاحبؒ

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے ناظم اعلیٰ، جمعیۃ علماء ضلع مرادآباد کے صدر اور علاقہ کے مشہور ومعروف عالم دین حضرت مولانا قاری فضل الرحمن صاحب بچھرانویؒ گذشتہ ۵/رجب ۱۴۱۷ھ کو ۸۶/سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قاری صاحب مرحوم گوناں گوں خوبیوں کے حامل تھے۔ پوری زندگی دینی خدمات میں گذاری۔ جمعیۃ علماء سے آخری دم تک وابستہ رہے۔ اکابر کے شیدائی اور اپنے مسلک کے پختہ لوگوں میں تھے۔ آپ کی وفات سے شہر امروہہ اور ضلع مرادآباد ایک بڑے عالم اور رہنما سے محروم ہوگیا۔ آپ کی تدفین مغرب کے بعد عمل میں آئی۔ اطراف وجوانب کے ہزاروں افراد نے آپ کو آخری آرام گاہ تک پہنچایا۔

احقر کے بچپن کے تقریباً دس سال امروہہ میں گذرے ہیں جہاں حضرت والد صاحب دامت برکاتہم بسلسلہ تدریس مقیم تھے۔ وہ زمانہ حضرت قاری صاحبؒ کی صحت اور طاقت کا تھا۔ آواز میں بلا کی کرختگی تھی، جب جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ اپنے مخصوص انداز میں دیتے تو لاؤڈاسپیکر کے بغیر ایک سرے سے دوسرے سرے تک آواز گونج جاتی اور جب پانی پتی لہجے میں آپ جلسوں میں تلاوت کرتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے روح رواں آپ ہی تھے۔ اس ادارہ کو ترقی دینے کے لئے لمبے لمبے اسفار فرمائے اور مدرسہ کی ضروریات کو پورا فرماتے۔ اہل شہر بھی آپ کی باغ وبہار شخصیت کے گرویدہ تھے۔ شہر میں جدھر بھی نکل جاتے ملنے جلنے والوں کا تانتا لگ جاتا، الغرض بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

راقم الحروف سے خاص طور پر شفقت فرماتے، یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ امروہہ جانا ہو اور

قاری صاحبؒ سے ملاقات نہ ہوا گر کبھی ملاقات کا موقع نہ ملا تو بعد میں شکایت فرماتے، اب ان کی ادائیں اور شفقتیں یاد آتی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند تر فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۱۹۹۶ء)

رفتـــــــگاں

۱۹۹۷ء

- حضرت مولانا شیخ عبد الفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ
- حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ
- حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ
- حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ جوار رحمت میں

یہ خبر انتہائی رنج والم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ عالم اسلام کے مشہور حنفی عالم اور محدث، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ گذشتہ ۸ر شوال المکرّم ۱۴۱۷ھ کو صبح کے وقت ریاض (سعودی عرب) کے ایک نرسنگ ہوم میں انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی تدفین مدینہ منورہ کے مقدس قبرستان ''جنت البقیع''، میں ہوئی۔

موصوف دور حاضر کے زبردست فقیہ اور محدث تھے، شام کی لامذہب حکومت کے استبداد سے تنگ آ کر آپ نے سعودی عرب ہجرت فرمائی تھی، اور ریاض میں مقیم تھے، عرصہ تک آپ جامعۃ الامام محمد ابن مسعود سے وابستہ رہے، اور ہزاروں شاگردوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا، آپ کی آراء عالم اسلام کے علمی اور تحقیقی حلقوں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، آپ نے حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی معرکۃ الآراء کتاب ''اعلاء السنن'، پر فن حدیث میں جو شاندار مقدمہ لکھا ہے، وہ آپ کی دقت نظر اور تعمق علمی کی روشن دلیل ہے۔ اکابر دیوبند کی تصنیفات سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی کئی تصنیفات آپ نے اپنی تعلیقات کے ساتھ عرب میں شائع بھی کرائیں۔ آپ کی وفات کا سانحہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے ایک غم ناک سانحہ ہے۔

ادارہ ندائے شاہی بھی اس غم میں شریک ہے، اور اپنے قارئین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ حضرت مرحوم کے لئے خاص طور پر ایصال ثواب کریں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی دینی علمی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۱۹۹۷ء)

علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ

(۱۳۳۶ ...... ۱۴۱۷ھ ۱۹۱۷ء ...... ۱۹۹۷ء)

خاکہ اور تاثرات

مولانا نور عالم خلیل الامینی مدیر ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تر

شب دوشنبہ ۹/۱۰/۱۴۱۷ھ (بحساب ہندوستانی جنتری) ۱۰/۱۰/۱۴۱۷ھ (بحساب سعودی جنتری) مطابق ۱۷/۲/۱۹۹۷ء ٹھیک ساڑھے بارہ بجے (بوقت ہندوستانی) دس بجے (بوقت سعودی عرب) مطالعہ کی کتاب کو میز پر ڈال اور الارم گھڑی بغل میں رکھ، میں بستر پر دراز ہوا ہی چاہتا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، میں نے رسیور ہاتھ میں لیا تو معلوم ہوا کہ ریاض سے ایک قاسمی دوست کا فون ہے، انھوں نے علیک سلیک کے بعد جب یہ کہا کہ میں تمھیں ایک اندوہناک خبر سنانے جا رہا ہوں، تو راقم نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے ہوئے عرض کیا: ''بتائیں''۔ انھوں نے کہا آج ہی وقت فجر یعنی بروز اتوار ۱۶/۲/۱۹۹۷ء کو ریاض کے ہسپتال ''مستشفی الملک فیصل التخصصی''، میں علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رکن اساسی رابطہ عالم اسلامی اور سابق نگران اعلیٰ اخوان المسلمین سیریا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابھی ذرا دیر پہلے مسجد نبوی میں اُن کی نماز جنازہ ہوئی ہے اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے ہیں، کافی دیر تک ''انا للہ'' کا ورد کرتا رہا اور اپنے کو تسلی دیتا رہا۔ نگاہوں کے سامنے علم وعمل کی برکت سے منور اُن کے روشن چہرے کی تصویر پھر گئی اور ان کی وشنید کا پورا دورانیہ سامنے آ گیا۔

ہمارے دوست کی مہربانی سے ان کے عالم جاودانی کے سدھار جانے کی خبر فوراً مل گئی، خدا انھیں بھی خوش رکھے؛ لیکن دل پر غم و اندوہ کی فضا نے جس طرح ڈیرہ ڈالا اور اس وقت سے اب تک قلب وجگر جو کیفیت ہے اسے خدائے علیم ہی جانتا ہے، اسے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

رنج وغم کی یہ کیفیت برصغیر کے صرف چند ہی علماء ربانیین اور عالم اسلامی کے انگلیوں پر شمار کئے جانے والے مفکرین، وادبائے مخلصین کی وفات پر ہی محسوس ہوئی تھی۔ میرا ایمان ہے کہ دل فگاری کی اسی کیفیت سے عالم اسلام وعالم عرب میں عموماً اور برصغیر میں خصوصاً وہ ہزاروں علماء دوچار ہوئے ہوں گے جنھیں ان سے ان کی للّٰہیت اور ان کی غیر معمولی علم وفضل کی وجہ سے اسی طرح کی محبت وعقیدت تھی جیسی عہد قریب کے برصغیر کے خدارسیدہ ومحبت چیدہ علماء عالی مقام ومشائخ ذی احترام سے۔

اس دور آخر میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ ایسے عالم باعمل، محدث دیدہ اور فقیہ نفس اُمنائے شریعت مطہرہ کی نظیر، عالم عرب واسلام میں کم ہی ملے گی بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بے مثال تھے۔ ان کی علمی بے پناہی کے ساتھ ان کے ذوق عبادت وشوق طاعت اور عملی ہمہ گیری میں بالخصوص عالم عرب میں شائد ہی کوئی ان کا ہم پلو ہو، ہر چند کہ بعض حلقوں کو شاید یہ بات ناگوار گزرے جو اپنے مکتب فکر کے خول سے باہر دیکھنے کا حوصلہ نہیں جٹا پاتے۔

میں نے عالم اسلام کو جہاں تک دیکھا اور سنا ہے تو میں نے یہ پایا ہے کہ وہاں علامہ کبیر، محدث جلیل، مفکر دوراندیش، مفتی باخبر، قاضی بابصیرت کو کوئی کمی نہیں۔ البتہ وہاں ایسے انسانوں کی بے شک کمی ہے جو اپنے علمی وعملی منصب کے معیار پر سیرت وکردار اور عمل واخلاق کے اعتبار سے پورے اترتے ہوں، وسیع العلمی ودقیق النظری کے ساتھ ساتھ بہت سارا پیہم اور مربوط عمل، یہی وہ امتیاز ہے جو علامہ ابوالفتاح ابوغدہؒ کو اپنے بہت سے اقران سے جدا کرتا ہے۔ ان اقران سے جن کے اسماء والقاب، شکل وصورت، کلاہ ہائے بلند، زبان ہائے فصاحت ریز

وقلم ہائے رواں وسیل صفت سے ایسی شوکت وعظمت برستی ہے کہ صرف ہم ایسے خردوں ہی کا نہیں بہت سے بزرگوں کا بھی مرعوبیت کے مارے براحال ہو جاتا ہے۔

پھر یہ کہ علم کے اعتبار سے بھی وہ صرف ایک دوفن کے غواص نہیں تھے، بلکہ سلف صالحین اور علماء متقدمین کی طرح بہت سارے علوم کے شناور تھے۔ علوم قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، اسماء الرجال اور تاریخ وغیرہ میں ان کی استاذیت تو مسلم تھی ہی لیکن وہ عربیت، صرف ونحو، معانی وبیان، علم العروض والقوافی، فن انشاپردازی ونثرنگاری، منطق وفلسفہ اور علم النفس کے بھی صاحب نظر عالم اور ماہر مصنف تھے۔

انہی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ساری دنیائے عرب واسلام میں ہزاروں علماء وطلبہ وعلم دوست لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ وہ دنیائے علم کا ایک تابناک ترین ستارہ، ایک معتبر علامت اور حلقۂ فقہاء ومحدثین وعلماء وزاہدین کا گوہر شب تاب تھے۔

علم کا ایسا رسیا اور اسے ہر ممکن طریقے سے حاصل کرنے اور ہمہ وقت اس میں لگا رہنے والا نیز اپنے سے سن وسال میں چھوٹے اور تجربہ وآگہی میں کمتر سے بھی فیض یاب ہونے کا حوصلہ رکھنے والا میں نے ان کے جیسا کسی اور کو کیوں دیکھا ہوگا؟ اپنے سے بڑے سے اکتساب کا تو ذکر ہی کیا۔

اسی شوق طلب کی وجہ سے ان کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد ایک سوبیس تک پہنچ گئی ہے، ان میں سے اکثر کا تعلق ان کے مادر وطن حلب ودمشق پھر قاہرہ ومصر، مغرب عزلی اور برصغیر سے ہے جہاں کے علماء کے وہ بے حد دلدارہ اور معتقد رہے تھے۔ زندہ اور مردہ دونوں قسم کے علماء سے انھوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

علماء ہند سے ربط وتعلق

وفات یافتہ علماء میں وہ امام عالی مقام، احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ/۱۷۰۳-۱۷۶۳ء) علامہ عبد الحی فرنگی محلی (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۴۸-۱۸۸۶ء)

سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ ثانی الذکر کی بہت سی کتابوں کو اپنی تحقیق و تحشیہ کے ساتھ عالم عرب سے شائع کیا اور علماء عرب کو ان سے متعارف ہونے اور فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔

ان دونوں بزرگوں کے بعد وہ محدث عبقری حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ/۱۸۷۵-۱۹۳۳ء) کے حد درجہ قدرداں تھے۔ ان کی میراث علمی سے ہمیشہ فائدہ اٹھانے اور اپنے عرب دوستوں کو اس علمی خزانے سے اپنا حصہ پانے کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ علامہ کی ایک سے زیادہ کتابوں کو ایڈٹ کر کے بیروت وغیرہ سے شائع کیا تھا۔

پھر علامہ کشمیریؒ کے تلمیذ بار مولانا بدر عالم میرٹھی (۱۳۱۶-۱۳۸۵ھ/۱۸۹۸-۱۹۶۵ء) نیز محدث کبیر مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب اعلاء السنن (۱۳۱۰-۱۳۹۴ھ/۱۸۹۲-۱۹۷۴ء) جن کی کتاب ''اعلاء السنن'' پر ان کا فاضلانہ مقدمہ علم حدیث میں ان کی دست گاہ کی روشن دلیل ہے، نیز مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی پاکستانی (۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ مطابق ۱۸۹۶-۱۹۷۶ء) اور علامہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید اور ان کے علمی ترکہ کے مدوّن وناشر، محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ صاحب ''صاحب معارف السنن'' (۱۳۲۶-۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۰۸-۱۹۷۷ء) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ مطابق ۱۸۹۷-۱۹۸۲ء) اور دور آخر میں برصغیر کے محدث و محقق مولانا حبیب الرحمن الاعظمی (۱۳۱۹-۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۰۱-۱۹۹۲ء) کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ان میں سے جنھیں پایا اُن کی صحبت اور علمی خزانے اور جنھیں نہیں پایا ان کی تصنیفات سے علمی دقیقہ رسی و گوہر باری سیکھی، اور علماء و طلباء کو انھیں حرز جاں بنا لینے کی تلقین کی۔

برصغیر کے خطیب بے بدل اور اسلام کے لسان ناطق مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۵-۱۴۰۳ھ/۱۸۹۷-۱۹۸۳ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مشہور مفکر و داعی و مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء) سے حد درجہ قلبی انس، فکری ہم آہنگی، روحانی یکسانیت اور مسلکی یگانگت تھی۔

علامہ ابوغدہ نے ائمہ سلف کی کتابوں پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ علماء ہند کی تصنیفات

وتالیفات کو بھی اپنی علمی توجہ کا مرکز بنایا۔ چنانچہ وقت ریزی کے ساتھ عصری اسلوب میں انھیں ایڈٹ کیا۔ ان پر حاشیہ نویسی کی اور انھیں عالم عرب کے مکتبات سے بڑی عرق ریزی کے ساتھ شائع کروایا۔ اس طرح علماء عرب کو ان سے مطلع ہونے اور ان سے علمی پیاس بجھانے کی راہ ہموار ہوئی۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے بعض ہندی علماء کو بھی ہمارے اکابر کی بہت سی تصنیفات کا علم تب ہو جب شیخ ابوغدّہ نے ان کی علمی اہمیت کو اجاگر کیا اور انھیں روشنی میں لائے۔ افسوس ہے کہ علماء برصغیر کو ان کی قدر و قیمت کے ساتھ جاننے والے دنیائے عرب میں شیخ ابوغدہ کی قد وقامت کا اب کوئی عالم نہیں رہا۔

دارالعلوم دیوبند اور اُس کے مشائخ سے عقیدت

وہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر علمی و دینی خدمات کے بڑے مداح اور وکیل تھے۔ علم و دین واخلاص کے حوالے سے بانیان دارالعلوم کے مقام و مرتبہ کو خوب خوب جانتے تھے اور اس دیار میں اسلامی حکومت وشوکت زوال کے بعد اسلامی وجود کی بالعموم اور دینی علوم و دین اسلام کی بالخصوص حفاظت کے سلسلہ میں ان کے کردار کی آگہی اس طرح رکھتے تھے کہ اب کسی عربی عالم سے موجودہ حالات کے چوکھٹے میں شاید ہی امید کی جا سکے۔ وہ دیوبند کئی مرتبہ آئے اور اپنی حسین یادوں اور عطر بیز تأثرات کا اپنی گل ریز زبان سے اظہار کیا۔ وہ دارالعلوم میں اپنے کو موجود پا کر قلبی اطمینان اور روحانی سکون محسوس کرتے، جیسے مچھلی کو سازگار پانی مل گیا ہو اور خدام دارالعلوم کو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے کسی سلف کی محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں، اس لئے کہ انھیں دیوبند سے ہر طرح مسلکی و دعوتی اتفاق و امتزاج تھا۔

مختصر سوانحی خاکہ

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بن محمد بشیر بن حسن ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں سیریا یعنی ملک شام کے شمالی شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب صحابی رسولؐ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ ان کے خاندان میں مکتوبہ شکل میں شجرۂ نسب محفوظ ہے۔ حلب کے علماء و مشائخ

سے کسب علم کیا۔ خصوصاً مدرسہ خسرو یہ عثمانیہ میں جو اس وقت مدرسہ ثانویہ شرعیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہاں سے ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں فارغ ہوئے۔ پھر مدینۂ علم وثقافت قاہرہ کا رخ کیا اور جامع ازہر سے ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں علوم شرعیہ میں سند فراغ حاصل کیا اور وہیں سے ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۵۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیہ سے اصول تدریس میں اختصاص کی سند حاصل کی۔

شیخ کے بعض تلامذہ نے لکھا ہے کہ ان کی روحانی تشکیل وتعمیر میں جن صاحب تاثیر علماء کا بطور خاص حصہ رہا ہے ان میں علامہ وفقیہ ومربی شیخ عیسیٰ بیانوی حلبی متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء مدفون بہ جنت البقیع مدینہ منورہ۔ علامہ ومحدث ومورخ وادیب شیخ محمد راغب طباخ حلبی متوفی ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء اور فقیہ ولغوی علامہ مصطفیٰ الزرقا حلبی مدظلہ سرفہرست رہے ہیں۔

جامع ازہر میں علامہ ابوغدہ نے ایسے یگانہ روزگار علماء ومشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ جن کی نظیر اب جامع ازہر یا دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ ان میں قابل ذکر فیلسوف اسلام شیخ یوسف دجوی متوفی ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۴ء شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری متوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء، محدث جلیل علامہ احمد محمد شاکر متوفی ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء اور علامہ واصولی ولغوی شیخ الازہر محمد الخضر حسین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

قاہرہ میں جس شخصیت نے انھیں سب سے زیادہ متأثر کیا اور جس کا ان کے اوپر سب سے زیادہ رنگ چڑھا اور وہ ان کے دل میں گھر کر گئی اور زندگی بھر اس کے سحر میں گرفتار اور اس کے فکر ونظر کے قدح خوار رہے وہ امام وقت علامہ زماں، محدث دوراں محمد زاہد کوثریؒ متوفی ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء کی شخصیت تھی۔ علامہ کوثری بھی علامہ ابوغدہ کی ذہانت، ذوق مطالعہ، شوق طلب اور جنون جستجو سے بہت متأثر تھے حتیٰ کہ اگر حاضری میں زیادہ ناغہ کرتے تو انھیں شاق گذرتا اور اس سلسلہ میں انھیں متنبہ کرتے۔

علامہ ابوغدہ کی زندگی وحالات کا مطالعہ کرنیوالے اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ علامہ کے ہاں جو علمی تنوع تھا، تحصیل علم میں زندگی بھر جوانہماک رہا اور لگن وجان سوزی رہی وہ ان کے اندر علامہ کوثری ہی کی صحبت اور نفس گرم کی تاثیر تھی؛ کیونکہ کوثریؒ بہت سارے علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے۔

مصر میں علامہ نے میر کارواں امام حسن البنا شہید (ش ۱۹۴۹ء) کی نگہ بلند، سخن دلنواز اور جان پرسوز سے رخت سفر حاصل کیا۔ ان کی اخوان المسلمین کے فکر ونظر کو اپنایا اور تادم زندگی عالم عرب کی نشأۃ ثانیہ کی اس سب سے بڑی اور طاقت ور وذی تاثیر جماعت وتحریک کے اعلیٰ قائدین میں ان کا شمار رہا اور اپنے ملک کے اخوانیوں کو نازک وقتوں میں نہ صرف سہارا دیا بلکہ ان کے عقل ودل کو اپنے شرر شعلہ محبت سے نئی زندگی بخشی۔

مصر سے توشۂ علم وآگہی اور زاد علم ومستی ونظر حکیمانہ، گفتار دل برانہ اور کردار قاہرانہ کے ساتھ اپنے وطن سیریا واپس آئے تو وہ یہاں کے اخوانیوں کی دعوتی، فکری اور تحریکی زبان اور ان کے جذبات واحساسات کے ترجمان بن گئے۔ ان کی علمی گیرائی وگہرائی، فرزانگی، وسعت قلبی، روشن ضمیری، حق گوئی وبے باکی، اندیشہ شاہین صفت، اور سوز وتاب کی وجہ سے ان کے گرد اکٹھا ہوگئے اور وہ ان کے ملجا وماویٰ بن گئے۔ باوجودیکہ وہ شہید علم تھے اور ان کا اوڑھنا، بچھونا علمی، دعوتی اور تصنیفی ومطالعاتی اشغال تھا لیکن وقت کی نزاکت نے انھیں کئی مرتبہ اخوان کی انتظامی ذمہ داریوں کو اٹھانے پر بھی مجبور کی لیکن جلد ہی کسی لائق فرد کے سپرد کرکے سکندری پر قلندری کو ترجیح دیتے رہے۔ ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء میں ایک مرتبہ پھر انھیں سیریا کی اخوان کا مراقب عام بننا پڑا؛ لیکن ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء میں انھوں نے ڈاکٹر حسن ہویدی کو یہ ذمہ داری سونپ دی۔

اخوان پسندی اور اخوانیوں ک ساتھ اسلام ومسلمانوں کے مسائل کو اٹھانے اور اس اسلامی وعربی ملک میں احکام اسلام کی پامالی کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں انھیں دعاۃ ومفکرین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا۔ اور ''تدمر'' کے صحرائی جیل میں وہ گیارہ ماہ تک قید رہے لیکن ۵؍جون ۱۹۶۷ء/ ۱۳۸۷ھ کے المیہ کے بعد (جس میں اسرائیل کے مقابلہ میں عربوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور بیت المقدس نیز دریائے اردن کے مغربی کنارے اور صحرائے سینا پر اسرائیل کے قبضہ کا وہ حادثۂ جانکاہ پیش آیا تھا جس کا زخم اب ناسور بن چکا ہے۔ اور ذلت ورسوائی کا جو تسلسل تاہنوز جاری ہے وہ اسی غیرت شکن اور حمیت سوز شکست کی دین ہے)۔ انھیں اور ان کے ساتھ قید علماء ومفکرین کو رہائی نصیب ہوئی تھی۔

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء انھیں سیریائی پارلیامنٹ کا ممبر منتخب کیا گیا جو گویا سیریائی عوام کی طرف سے ان کے حق میں خراج محبت تھا۔ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء میں سیریا کی وزارت معارف کی طرف سے منعقدہ مسابقہ مدرسین تربیت اسلامی میں حصہ لیا اور تمام شرکاء میں نمبر ایک رہے۔ حلب کے مدارس ثانویہ میں گیارہ سال تک تربیت اسلامی کا مضمون پڑھایا نیز اس مضمون کی درسی کتابوں کی تیاری میں سرگرم طور پر حصہ لیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ تربیت ائمہ ودعاۃ کے مدرسے موسوم بہ مدرسہ شعبانیہ اور ثانویہ شرعیہ یعنی سابقہ مدرسہ خسرویہ (جہاں انھوں نے خود بھی تعلیم حاصل کی تھی) تدریس کی خدمت انجام دی، پھر انھیں دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کا استاذ منتخب کیا گیا۔ جہاں تین سال تک اصول فقہ، فقہ حنفی، فقہ مذاہب اربعہ کے مضامین پڑھائے اور ''معجم فقہ المحلی لابن حزم'' کی تکمیل کی جسے دمشق یونیورسٹی نے دو جلدوں میں شائع کیا۔

اُس کے بعد وہ ۲۳؍سال ریاض سعودی عربیہ کی دونوں اہم جامعات میں استاذ رہے۔ چنانچہ ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء تا ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء جامعہ اسلامیہ امام محمد بن مسعود میں، اور ۱۴۰۸ھ تا ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء جامعۃ الملک سعود میں حدیث شریف کے ہر دل عزیز استاد رہے۔ اس مدت میں ہزاروں طلبہ نے ان کے خوان علم سے خوشہ چینی کی۔ بعض حلقوں کی طرف ان کی حنفی واخوانی مذاق ومزاج اور زاہدانہ وصوفیانہ فکر ونظر کی وجہ سے اذیت رسانی کا ارتکاب بھی کیا گیا؛ لیکن علماء سلف صالحین کی طرح انھوں نے صبر واحتساب سے کام لیا اور مذکورہ حلقے کے جدال پسند ونقاش پیشہ وتنگ نظری شعار وسلامت روی بیزار علماء کی طرح کبھی انتقامی کارروائی کی نہیں سوچی بلکہ اپنا معاملہ صرف اپنے رب شکور کے سپرد کر کے یکسو ہو گئے، اور اپنے کردار، اپنے علمی مقام، اور اپنی گرانجام و بے نظیر علمی خدمات کو خدا اور خلق خدا کے روبرو شہادت ناطقہ رہنے دیا۔

علمی ہمہ گیری

علامہ ابوغدہ کو فقہ حنفی پر عبور تھا جس کے وہ متبع بھی تھے، نیز فقہ شافعی اور دیگر اسلامی مذاہب کی فقہ پر بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ اصول فقہ، اصول حدیث، فن اسماء الرجال اور

حدیث کے متناً وسنداً اور روایۃً ودرایۃً ماہر تھے۔ساری زندگی ان فنون کے پڑھنے پڑھانے ،نشر و اشاعت اور تصنیف وتالیف میں گذاردی۔ان فنون پر اپنی تالیفات اور سلف کی تصنیفات کی تحقیقات وتعلیمات کے ذریعہ عصر حاضر کے لئے استفادے کو آسان بنادیا،ان کی تصنیفات وتحقیقات دونوں میں وہ بالغ نظری، جامعیت اور وسعت فکری ہے جس کا سرچشمہ ہمہ وقتی مطالعہ، بے تکان کتب بینی، کشادہ قلبی اور علم النفس کی غواصی ہے۔جس میں انھوں نے دوسال تک ماہرانہ بصیرت پیدا کی تھی ،اسی لئے ان کی تصنیفات وتحقیقات بلکہ محاضرات وخطابات میں اس طرح کا موازنہ ومحاکمہ ہوا کرتا ہے جس کی بنیاد علم النفس پر قائم ہوتی ہے۔

ان کے علمی کام کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے،جس کا دوتہائی حصہ حدیثِ رسول اللہ اور اسکے متعلقات کے موضوع پر ہیں اور ایک تہائی کا تعلق فقہ اور دیگر اسلامی موضوعات سے ہے۔ استاد عبدالوہاب ابن ابراہیم ابوسلیمان نے صحیح کہا ہے کہ:

’’علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کے مطالعوں میں حدیث اور اس کے علوم کو امتیازی اہمیت حاصل ہے اس معزز علمی میدان میں انھوں نے اسلامی لائبریری کو پختہ تصنیفات سے مالا مال کیا ہے۔بعض موضوعات پر قلم اٹھانے والے وہ پہلے مصنف ہیں۔اس کی تالیفات اپنی خصوصیات، نقطۂ ہائے نظر،اغراض ومقاصد،تنوع،مشمولات کی خوبیوں اور اسلوب نگارش وطرز تخاطب کی سحرکاری کے اعتبار سے ممتاز مکتبۂ فکر کی نمایندہ ہیں۔یہ تصنیفات عقل وخرد کو اپیل کرتی ہیں۔ان کی بنیاد ٹھوس علمی اصولوں پر ہے،جن کو اخلاص وتواضع نے چار چاند لگادئے ہیں۔یہ تصنیفات علامہ کی شخصیت کا آئینہ،انکی ذہنیت کی دلیل اور ان کی اس روحانی شفافیت کی غماز ہیں جس کے طفیل انھوں نے علمی دنیا کو تابناک خیالات اور بے مثال فوائد وحصول یابیوں سے نوازا ہے۔

علامہ کی ایک اور خصوصیت

ان کی ایک اور خصوصیت بھی تھی جو ان کے اور دیگر علماء معاصرین کے درمیان خط فاصل قائم کرتی ہے۔وہ یہ کہ انھیں عربی زبان اور متعلقہ علوم وفنون پر بھی عبور تھا،عربی کے نثر ونظم کا اتنا

بڑا سرمایہ انھیں محفوظ تھا کہ اس پختگی کے ساتھ بعض پیشہ وراد با واہل قلم کو بھی محفوظ نہیں ہوتا، عربی زبان کے مفردات ولغات اس کے نظائر وشواہد کے ساتھ قواعد صرف ونحو اختلاف مذاہب کے ساتھ اور مسائل بلاغت ان کے دلائل کے ساتھ یاد تھے۔

استاذ محمد عوامہ نے (جو شیخ ابوغدہؒ کے ارشد تلامذہ میں ہیں) اپنے ایک مضمون میں ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے جس سے اس کے فن کے حوالہ سے علامہ کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔

''ثانوی مرحلے کے پہلے سال میں جب ہم طالب علم تھے تو ہمارے ایک استاذ نے بیان کیا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ وہ دمشق گئے، وہاں ایک مدرس کے سبق میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا، اتفاق سے لفظ کے تلفظ میں یا اعراب (مجھے یاد نہیں رہا) کے متعلق انھیں اشکال ہوا، مدرس صاحب نے ایک طالب علم سے کہا کہ ''القاموس المحیط'' لے آؤ تو ہمارے استاذ نے جو اس واقعہ کے راوی ہیں، ان سے فرمایا کہ قاموس لانے کی کیا ضرورت ہے، یہ رہے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ جو قاموس گویا ہیں۔ آپ جو چاہیں معلوم کرلیں''۔

اُستاذ محمد عوامہ نے اس واقعہ کے درج کرنے کے بعد یہ اشارہ بھی کردیا، ہمارے مذکورہ استاذ شیخ ابوغدہ کے ہم خیال نہیں تھے؛ بلکہ انھیں ان سے خدا واسطے کا بیر تھا، اس کے باوجود ہوا وہی کہ:

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

بات یہ ہے کہ علامہ نے حصول علم کے لئے شمع کی طرح اور پروانے کی طرح نچھاور ہونے کا سلیقہ سلف ہی کی طرح سیکھا تھا جو خدا کی توفیق اور اس کے لطف خاص کے بغیر ممکن نہیں اسی لئے انھیں علمی دنیا میں وہ نام ومقام حاصل ہوا جو معاصرین میں کم لوگوں کے حصہ میں آیا۔ استاد محمد عوامہ نے ان کی علمی پیاس کے حوالے سے مندرجہ ذیل واقعہ سپرد قلم کیا ہے۔

''علامہ ابوغدہ کے نوجوان استادوں میں ایک تھے شیخ محمد سلقینی رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک مرتبہ کچھ دنوں کے لئے انھیں سفر درپیش ہوا، انھوں نے سبق کا ناغہ مناسب نہیں سمجھا، اس لئے اپنے شاگرد ابوغدہ کو مدرسہ خسرویہ میں قائم مقام کرگئے، انھوں نے استاد کی قائم مقامی کا حق ادا کردیا۔ جب شیخ سلقینی سفر سے واپس آئے تو طلبہ نے ان سے پوچھا کہ حضرت کیا شیخ عبد

الفتاح ابوغدہ آپ کے شاگرد ہیں تو سلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے تواضع کے ساتھ فرمایا کہ! ہاں کبھی ہوا کرتے تھے لیکن اب میں ان کا شاگرد ہوں۔ میں انھیں نحو میں شرح اجرومیہ پڑھایا کرتا تھا۔ اور فن کی اونچے درجے کی کتاب ''مغنی اللبیب'' سے مطالعہ کرکے آیا کرتے تھے۔

نوادر کتب کے حصول کا شوق بے پناہ اور اس سلسلے کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات

ذوق علم کے نتیجے میں انھیں کتابوں سے غایت درجہ محبت تھی جو ایک سچے طالب علم کی پختہ علامت ہے۔ نوادر کتب کے حصول، مخطوطات ومطبوعات کی ذخیرہ اندوزی کے لئے ہر طرح سے کوشاں رہتے، اس سلسلے میں وقت مال، محنت اور بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ بعض کتابوں کے مقدموں میں انھوں نے اس سلسلے کے بعض واقعات کا ذکر کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مدرس علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' کو انہوں نے کسی محنت وجستجو کے بعد پایا اور پھر اس کو اپنی تحقیق انیق کے ساتھ عالم عربی سے شائع کیا اس کا واقعہ خود انھیں کی زبانی سینے۔

''یہ کتاب جو قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہے اس کا حصول میری زندگی کی اہم ترین آرزو تھا۔ لیکن اس آرزو کا پانا میرے لئے دشوار ثابت ہوا۔ میں مسلسل پندرہ سال سے اس کے ہندوستانی نسخے کے حصول کے لئے کوشاں رہا ہوں، مصر میں جو کتابوں کا ملک ہے اپنے چھ سالہ قیام کے درمیان میں نے اس کی جستجو کی، پھر میں نے اسے مکہ ومدینہ اور بغداد اور نیز دیگر عربی ملکوں کے کتب خانوں میں ڈھونڈا لیکن نہیں ملی۔ ہندوپاک کے بعض علماء گرامی سے میں نے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاں کا چھپا ہوا اس کتاب کا کوئی نسخہ فراہم کردیں۔ انھوں نے قابل شکر کوششیں کیں۔ لیکن انھیں بھی نہیں ملی، چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع اور اپنے مصنف کی امامت کے حوالے سے منفرد ہے اس لئے ۱۳۴۴ھ میں طبع ہونے کے ساتھ ہی علماء وطلباء نے اسے اچک لیا اور بعد میں اس کے کسی نسخے کا حصول مشکل ہوگیا۔ خدا نے جب ہندوپاک کے

سفر کا موقع دیا، میں نے وہاں کی لائبریریاں دیکھیں وہاں اس کے تلاش میں سعی کی لیکن دستیاب نہ ہوسکی۔ ہندوستان سے میں پاکستان گیا، کراچی میں قیام رہا۔ وہاں علامہ ومحقق جلیل القدر مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ثم پاکستانی سے ملاقات ہوئی۔ ان کا بڑا کرم ہے کہ انھوں نے اس کتاب کا اپنا محفوظہ اور خاص نسخہ مجھے عنایت فرمایا اور خواہش کی کہ عالم عربی میں یہ کتاب ضرور چھپ جائے میں نے اپنے سفر سے واپسی شنبہ ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ سے قبل یہ ہدیہ شکریہ اور قدر دانی کے ساتھ قبول کیا''۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتح باب العنایہ'' کو بھی انھوں نے اپنے مقدمے اور تحقیقات کے ساتھ شائع کیا، لیکن اس کے حصول کے لئے انھوں نے کس طرح ملکوں شہروں اور گلیوں کی خاک چھانی۔ انھی کے قلم کی زبانی سنئے:

''تکمیل تعلیم کے لئے میں نے مصر میں چھ سال گذارے، جس جس کتب خانہ میں گمان ہوتا کہ یہ کتاب وہاں موجود ہوگی میں وہاں جاتا اور اس کے متعلق معلوم کرتا رہا، لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اپنے شہر حلب واپسی پر بھی میں نے ہر اس شہر میں س کی پیہم تلاش جاری رکھی رجہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوا اور تمام مکتبات میں اس کو ڈھونڈتا رہا۔ جن میں قدم رکھنے کی نوبت آئی۔ حتیٰ کہ ایک جان کار کتب فروش یعنی شیخ حمدی سفرجلانی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب روس کے شہر ''کازان'' میں چھپی تھی لیکن وہ اس وقت کبریت احمر سے زیادہ نادر الوجود ہے اور یہ کہ ساری زندگی میں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ان کے پاس آیا تھا۔ جو انھوں نے ناقابل یقین حد تک اونچی قیمت میں علامہ کوثریؒ کو فروخت کیا تھا۔ ان کے کہنے سے مجھے یہ تو معلوم ہوگیا کہ کتاب کس شہر میں طبع ہوئی تھی؛ لیکن ساتھ ہی اس کے حصول کے حوالے سے ناامید سا ہوگیا۔

سنہ ۱۳۷۶ھ میں جب اپنے گھر کے حج کی توفیق دی اور مکہ مکرمہ کی زیارت سے شرف یاب ہوا تو میں گھوم گھوم کر وہاں کے مکتبات میں کتاب کا اتا پتا معلوم کرتا رہا کہ شاید اس دیا رسے شہر حرام مکہ مکرمہ کو ہجرت کنندہ کسی صاحب کے ساتھ یہاں آئی ہو؛ لیکن میں ناکام رہا۔

''خدائے کریم کی عنایت سے میں مکہ مکرمہ کے ایک معمولی سے بازار کے ایک گوشہ میں ایک کتب فروش کی دوکان پر جا پہنچا یعنی شیخ مصطفیٰ بن محمد سنقیطی کی دوکان پر۔ میں نے ان سے کچھ کتابیں خریدیں اور مایوسانہ احساس کے ساتھ میں نے ان سے بھی اس کتاب کو دریافت کیا، تو انھوں نے بتایا کہ دو ہفتہ قبل میرے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جو مجھے بعض بخاریوں کے ترکہ سے حاصل ہوئی تھی، میں نے اچھی قیمت پر ''تاشقند'' کے ایک بخاری عالم کو بیچ دی ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں لیکن انھوں نے اس کتاب کا سراپا اس طرح بیان کر دیا کہ مجھے کتاب کے سلسلہ میں ان کی جان کاری کا یقین ہوگیا۔ اور میں نے باور کر لیا کہ یقیناً یہ کتاب مطلوبہ کتاب ہی ہے جس کی تلاش میں میں زمانۂ دراز سے سرگرداں رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس کتاب کو خریدنے والے عالم تاشقندی کون ہیں؟ تو انھوں نے انھیں یاد کرنے کی کوشش کے بعد ان کا نام شیخ عنایت اللہ تاشقندی بتایا۔ میں نے ان کی رہائش گاہ، محل عمل یا ملاقات گاہ کے متعلق پوچھا تو لاعلمی کا اظہار کیا کہ اس سلسلہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں نے کہا تو پھر کس طرح ان کا پتہ معلوم ہوگا؟ کہنے لگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت مجھے سخت مایوسی ہوئی۔

اس کے بعد علامہ نے لکھا ہے کہ میں مکہ مکرمہ کی گلیوں میں چکر لگاتا رہا تا آنکہ شیخ عنایت اللہ سے خدا نے ملاقات کرا دی اور میں نے یہ کتاب ان سے حاصل کر لی۔

علامہ کو گراں قدر کتابوں کے حصول کا اتنا شوق ہوتا کہ وہ بعض کتابوں کے لئے منت مانتے تھے اگر فلاں کتاب مل گئی تو اتنی رکعتیں نماز خدا کے لئے پڑھوں گا۔

وہ لکھتے ہیں کہ ایک کتاب کو خریدنے کے لئے میرے پاس روپئے نہیں تھے تو میں نے اپنے والد سے ورثے میں آئے ہوئے ایک قیمتی سامان کو بیچ دیا۔

وہ مزید لکھتے ہیں: ''اہل علم کی زندگی میں کتاب کو وہ مقام حاصل ہے جو روح کو جسم میں اور صحت مندی کو بدن میں''۔

جس کے شعلے نے جلا سیکڑوں فانوس دئے

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بہت سارے اور بے شمار علماء وطلبہ کی آنکھوں

میں نہ بستے اور دلوں میں نہ سماتے، اگر وہ محض علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع علامہ ہوتے یا وہ صرف بڑے محقق ومصنف ہوتے، یا زمانۂ دراز تک درس دینے والے کامیاب ترین استاذ ہوتے، یا عالم اسلام کے چپے چپے کی سیر کرنے والے اور جہاں دیدہ ہوتے؛ علم دوست وکمال پرستوں کی نگاہ میں جس چیز نے انھیں اتنا محبوب ومطاع بنادیا تھا۔ وہ صحیح معنی میں ان کی علمی وعملی جامعیت تھی، کہ کتاب وسنت کے علوم کے دیدہ ور عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شیریں اخلاقی، تواضع پسندی، اخلاص ووسیع الظرفی اور انسیت مزاجی وملنساری ان کا شیوہ وشعار اور اسوۂ کردار رہی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کے پاس بیٹھنے، ان کو سننے اور ان سے ملنے والے کا دل کھنچتا تھا اور تا دم زندگی انکا اسیر محبت ہوجایا کرتا تھا۔

میں نے پایا ہے اسے اشک سحر گاہی میں
جس درنایاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

وہ آنکھوں میں بسے ہوئے اور دلوں میں بچھے ہوئے تھے، ان کا تواضع، ان کی نرم خوئی و دل جوئی ان کی شرم گیں وذہانت ریز نگاہیں ان کی جبین سجدہ پیشہ، یادالٰہی سے تر، ان کی زبان ادب شناس ان کی شیریں گفتار، باوقار چال، حب الٰہی سے معمور سینہ، خشیت خدا سے لبریز دل، دعائے سحر گاہی ونالہ ہائے نیم بشی اور رب شکور کے سامنے مسلسل گریہ وزاری نیز آنسوؤں کی پاکیزہ ونورانی جھری سے نہائی ہوئی ان کی فراخ عربی آنکھیں، ان کی سرخ وسفید شامی شبیہ، ان کا سڈول متوازن اور نفیس عربی جسم، پھلوں سے لدی ہوئی شاخ کی طرح ہر چھوٹے بڑے انسان کیلئے انکی خمیدہ جبینی وخندہ روئی ہمیشہ یادر ہے گی۔

کچھ حسین یادوں کے اجالے
میں گرم تھا اور میرا ترجمان سرد

۳۱؍اکتوبر تا ۳؍نومبر ۱۹۷۵ء کو ندوۃ العلماء لکھنو کا پچاسی سالہ جشن منعقد ہوا۔ ۲؍نومبر کی شب میں شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر تھی۔ حدیث وسیرت ومغازی کے گہرے مطالعے سے

تراشیدہ، عمیق فکر اسلامی سے ڈھلی ہوئی، اسلامی درد اور دینی ولولوں میں بسی ہوئی اور معانی وبلاغت سے رولی ہوئی ان کی زبان کا ترجمہ ایک ندوی فاضل کررہے تھے، شیخ ہر چند کہ عربی نژاد تھے؛ لیکن علماء برصغیر سے کثرت ارتباط وافادہ واستفادہ اوراس دیار میں بار بار کی آمدورفت کی وجہ سے اُردوزبان کو کماحقہ نہ سمجھنے کے باوجود یہ سمجھ جاتے تھے کہ مترجم سے فلاں بات رہ گئی اور فلاں خیال اپنی تہہ داری کے ساتھ ادانہ ہوسکا۔ یا جوش وجذبہ کی گل کاری اورافکار وخیالات کی نزاکتوں کا احاطہ نہیں ہوسکا ہے، اس سلسلہ میں ان کی عالمانہ حس اور محدثانہ ذہانت بھی ان کی راہنمائی کرتی۔ ان کا قیام دیگر عرب مہمانوں کے ساتھ دریائے گومتی کے کنارے حضرت محل پارک کے پہلو میں ''اودھ کلارک'' ہوٹل میں تھا۔ ۲/نومبر کی صبح کومولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاذ حدیث وفقہ وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء اورراقم الحروف اُن سے ملنے گئے۔ ان کی عالمانہ گفتگو وظریفانہ وادیبانہ گل افشانی سے فائدہ اٹھانے اورلطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ اسی دوران اُن کی شب کی تقریر کا تذکرہ چل نکلا تو نہایت بلیغ جملہ میں ترجمہ کی خامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''كنت حارًا و كان مترجمي باردًا''یعنی میں گرم تھا اور میرا ترجمان سرد۔

میں کم وبیش پندرہ روز کی شبانہ روز کی اُن کی مجلس درس ومحاضرات وتقریر میں شریک رہا ہوں، وہ اگر حدیث پاک یا اُصول حدیث، یا کسی موضوع پر درس دیتے تو وہ زیر بحث آنے والے دیگر علوم وفنون پر ایسی فاضلانہ، چشم کشا اور سیر حاصل گفتگو کرتے کہ سننے والے کو محسوس ہوتا کہ شیخ کا اصل موضوع یہی علوم ہیں اور ان ہی پر انھیں دست گاہ حاصل ہے۔ ان کے درس ومحاضرے میں بیٹھ کر ایسا لگتا کہ ہم ایک ایسے خوش سلیقہ گلستاں میں بیٹھے محو نظارہ ہیں جس میں ہر طرح کے خوشنما ودل ربا پھول اپنی جانفزا خوشبوؤں کے ساتھ قلب ونگاہ کی آسودگی کا سامان فراہم کررہے ہیں علماء سلف اور ائمہ کرام کی نیز دور آخر میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ کی مجالس درس کا تذکرہ سنا اور پڑھا تو تھا لیکن آنکھوں نے ان کی تصویر شیخ ابوغدہ ہی کے درس وتقریر میں دیکھی۔

علمی کمالات اور دینی جمال کی باد بہاری

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں جب کہ راقم الحروف ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاذِ عربی زبان کی حیثیت سے کام کر رہا تھا، مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی دعوت پر شیخ ابوغدہؒ وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ندوہ تشریف لے گئے، جمعرات ۲۶ / جمادی الاخریٰ تا منگل ۹ / رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۳ / مئی ۱۹۷۹ء تا ۵ / جون ۱۹۷۹ء ندوہ ہی میں اُن قیام رہا۔ ذمہ داران کے اصرار مسلسل کے باوجود انھوں نے شہر کے کسی ہوٹل میں قیام گوارا نہ کیا؛ بلکہ عام ہندوستانی مدرّسین کی طرح مئی جون کی شدید گرمی میں اس وقت کے سادے مہمان خانے میں جہاں اس زمانہ میں ضروری سامان راحت بھی دست یاب نہیں تھے۔ علم وعلماء کے درمیان اور دینی فضا میں قیام کو باصرار ترجیح دیا۔

اس موقع سے فخر ہند محدث عصر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ سے بھی یہاں تشریف لانے اور قیام فرمانے کی گزارش کی گئی تھی جو انھوں نے ازراہِ نوازش قبول فرما کر شیخ ابوغدہ کے ساتھ طویل قیام فرمایا۔ علم وفضل اور حدیث واسماء الرجال کے ان دونوں شہ بازوں کے قران السعدین اور اجتماعی قیام کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ علم وکمال کی مینہ برس رہی ہو۔ ہر طرف علم وفن کی باتیں، علماء سلف کے قصے حدیث واسماء الرجال تذکرے، علمی نکتے اور لطیفے، مطالعہ وکتب بینی کے مشغلے، ان دونوں بزرگوں کے ہمہ وقت کے علمی و مذاکراتی انہماک کی وجہ سے اس طرح قائم ہو گئے تھے، جیسے علم وفکر کا موسم بہار آ گیا ہو، یا فیضانِ علمی وبخشش الٰہی کی باد بہاری چلنے لگی ہو۔

صبح سے ۱۲ / بجے تک کے ہمہ روز درس میں اکثر حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ندوہ کے اونچے درجہ کے طلبہ کے علاوہ زیادہ تر اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ شیخ ابوغدہ (جو دن میں اصولِ حدیث اور بطور خاص شروط ائمہ خمسہ: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کا درس دیتے، اور رات میں اکثر کوئی عام علمی

محاضرہ القا فرماتے) کا ابرعلم برستا تو ایک ساتھ گوہر زبان و بیان اور علم و آگہی کا یاقوت و مرجان لٹایا جاتا اور سامعین کا دامن انک ہی نشست میں کف باغ باں اور دامن گل فروش سے زیادہ بھر اپرا نظر آنے لگتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع سے اپنی ڈائری سے ایک پیراگراف نقل کر دیا جائے جو راقم نے آج سے کم وبیش ۱۸؍سال قبل شب یکشنبہ ۱۳۹۹/۶/۲۹ھ مطابق ۱۹۷۹/۵/۲۷ء کو شیخ ابوغدہ علیہ الرحمہ کے درس کی ایک نشست میں شرکت کے بعد لکھا تھا۔

''ابھی ابھی محدث کبیر علامہ جلیل شیخ عبدالفتاح ابوغدہ استاذ شریعت اسلامی کالج امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے محاضرے اور درس میں شرکت کی سعادت سے بہرور ہو کر واپس ہوا ہوں شیخ علم وعمل کی جامعیت، سچے مؤمن کی تواضع، انکساری، بے نفسی اور رقت قلب کے اعتبار سے نہ صرف عالم عرب بلکہ عالم اسلامی کے بے نظیر شخصیت ہیں، ہر چند کہ ان کا درس دراصل، اصول حدیث اور شروط ائمہ خمسہ کے موضوع پر ہوا کرتا ہے۔ لیکن وہ فقہ وتفسیر، ادب ولغت، نحو صرف، قرأت وتجوید، حکمت بیانی، طلاقت لسانی، لطیف اشاروں اور ماہرانہ رموز و نکات کا جامع ہوا کرتا ہے۔ جس سے درس دہندہ کی سلیقہ مندی، کثرت علم، وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی، پختہ مغزی، طول تجربہ، فکر وفن سے گہری مناسبت اور اپنے موضوع پر دیرینہ ادھیڑ بُن کے ساتھ ساتھ راہِ اکتساب علم میں ان کی شب بیداری اور شمع شعاری و پروانہ مزاجی کا بخوبی انداز ہوتا ہے۔ نیز ان کی ذہانت، قوتِ حافظہ، کثرت محفوظات، طلبہ ومستفیدین کے سامنے مواد و مضامین پیش کرنے کے حوالے سے ان کی فن کاری اور چابک دستی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان سب چیزوں پر مستزاد ان کی شیریں بیانی، شگفتہ سخنی، فصاحت بیانی، بلاغت شناسی، حاضر جوابی، اور ادب وظرافت کے عناصر سے مرکب ان کی وہ زبان ہے جس کے سامنے بہت سے پیشہ ورعربی ادیبوں اور خطیبوں کی صنعت کاری ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ عرصہ نو سال سے میں ندوے میں مدرس ہوں لیکن اب تک میں نے آنے جانے والے کسی عربی ادیب وخطیب کی زبان میں وہ چاشنی، سلاست، نہر کی روانی، الفاظ کی شوکت، تعبیر کی لذت، طرز ادا کی نزاکت اور جملوں کی حلاوت نہیں دیکھی، جو میں ابوغدہ کے یہاں کئی روز سے دیکھ رہا ہوں، پاک ہے وہ ذات

جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اتنی بہت سے خوبیوں سی نواز دیتا ہے۔ ان کا درس سنجیدگی ومزاح کا بھی حسین مخلوط ہوا کرتا ہے۔ علماء سلف کے مسرت بخش لطیفوں سے مجلس درس کو زعفران زار بنائے رکھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی جب بھی کسی عالم باکمال، زاہد اوّاب، محدث جلیل، فقیہ بابصیرت کا تذکرہ کرتے یا ان کے حصول علم کی داستان ان کی زبان پر آجاتی ہے یا راہِ علم میں بھوک پیاس سے بے پروا ہوکر اور راستے کی درازی وخطرناکی سے بےخوف ہوکر ان کے سفر پُر شوق کا حال سناتے ہیں یا ان کے بےنظیر اخلاص اپنے خدا اور اس کے رسول سے ان کی محبت وفنائیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو وہ بار بار آب دیدہ اور بےقابو ہوجاتے ہیں اور کئی کئی منٹ تک سلسلۂ درس منقطع ہوجاتا ہے۔

اس خاک اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسوں
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک

ہم نے محسوس کیا کہ وہ اخلاص ووفا، رقتِ قلب، علم وعمل، بےنفسی وخاکساری، حیاوخجالت، ایمان ویقین، گدازی ونرم خوئی، دینی صلابت، اور ایمانی حرارت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

یہ خصائل اب کبریت احمر کی طرح خواص وعلماء میں بھی کمیاب ہیں عوام وجہلاء کا کیا ذکر''

منگل ۹؍رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۵؍جون ۱۹۷۹ء کو آٹھ بجے صبح لکھنؤ ہوائی اڈہ پر انھیں طلبہ واساتذ کی بڑی تعداد نے جس خلوص ومحبت وعقیدت کے ساتھ رخصت کیا تھا، اس کی ہلکی سے جھلک میں نے اپنی ڈائری میں بروز جمعہ ۱۲؍۷؍۱۳۹۹ھ/ ۸؍جون ۱۹۷۹ء ریکارڈ کرلیا تھا۔ اس کی چند سطریں نذر ناظرین کررہا ہوں:

''۹؍رجب بروز منگل لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر عالم جلیل، مؤمن مخلص اور محدث ومحقق عبدالفتاح بن محمد بن بشیر ابوغدہ حلبی (ولادت ۱۹۱۷ء) کو با چشم ہائے نم وبا دل ہائے پرغم، طلبہ واساتذہ کے جم غفیر نے الوداع کہا۔ بعض طلباء وفور جذبات سے پھوٹ پھوٹ کر رورہے تھے، بڑی مشکل سے انھیں دلاسا دلایا جاسکا، یہاں اپنی نوسالہ مدرسی کے دوران میں نے پچاسوں

علماء وفضلاء کو استقبال والوداع کہتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن کسی کے تئیں یہ والہانہ عقیدت ومحبت دیکھنے کو نہ ملی۔ یہاں ۱۲/۱۳ روزہ قیام کے دوران طلبہ وساتذہ نے جہاں ان کے گوناگوں علم وآگہی اور فکر ونظر سے استفادہ کیا، وہیں لاشعوری طور پر ان کی روحانیت وربانیت کے شیشہ وجام سے بھی فیض یاب ہوئے۔ ایمان واخلاص اور ہمت وعزیمت پروان چڑھی، دلوں زنگ دور ہوا، عقل وخرد کو پاکیزگی ملی، کتب بینی مطالعہ وعلم کوشی، شب وروز علمی انہماک اور افادہ واستفادہ کے بغیر کسی لمحے کے ضیاع سے گریز اور تمام اوقاتِ لیل ونہار کو علمی مباحثے، سوالات کے جوابات، علمی مسائل کی کھود کرید، کسی حاشیے کی تحقیق، کسی مغالطے کی تصحیح، کسی مضمون کی تیاری وتسوید میں ان کی عجیب وغریب مصروفیت سے (جس کا قصہ ہم دورِ آخر میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ، وغیرہ کے متعلق سنتے چلے آئے تھے) ایسا لگتا تھا کہ علم کا سوق عکاظ اور فکر ونظر کا ذوالمجنہ ومجاز قائم ہوگیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ جیسے امام عظیم کے شاگرد نے یا شاگرد کے شاگرد نے تعلیم وتدریس کی بساط بچھادی ہے''۔

ہندوستان میں علم کا شجر سایہ دار

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں راقم الحروف کو ۴/۵ مہینے ریاض وحجاز میں قیام اور حرمین شریفین کی زیارت کی اولین مرتبہ سعادت حاصل ہوئی جس کا عنوان جامعۃ الملک سعود ریاض میں عربی زبان کی تدریس کے سلسلہ میں پروگرام میں شرکت کرنی تھی، اس موقع سے جہاں متعدد علماء وادباء عرب سے نیاز شرفِ ملاقات وتعارف حاصل ہوا، وہیں علامہ ابوغدہ سے بھی ایک روز تادیر اکتساب فیض کی فرصت ملی۔

راقم الحروف نے اس ملاقات کا تذکرہ اپنے سفرنامے بعنوان ''تین مہینے سعودی عرب اور جوار حرمین میں'' کی ساتویں قسط شائع شدہ الداعی ۴/۱۹ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۰/۲۵ دسمبر ۸۳ھ میں مختصر طور پر کیا تھا۔ اس کے چند جملے یہاں درج کئے جاتے ہیں!

''شب جمعہ وشنبہ ۲۹رجب ویکم شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۲/۱۳مئی ۱۹۸۳ء کو چند احباب کے ساتھ علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ استاذ (کلیہ اُصول الدین) جامعہ امام محمد بن سعود ریاض سے ان کی قیام گاہ واقع میدان رختہ ریاض میں شرف ملاقات وستفادہ حاصل ہوا، شیخ علماء ہند کے بڑے قدرداں اور علوم کتاب وسنت میں ان کی گیرائی وگہرائی کے اور اسلامی علوم میں ان کے منفردانہ رسوخ کے بےحد قائل ہیں۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ، علامہ کشمیری، مولانا بنوریؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ وغیرہ کے بالخصوص بڑے مداح ہیں، اوران کے علمی ترکے سے استفادے کا پیہم تعلق رکھتے ہیں، دیوبند اور اس کے مکتب فکر کو ہندی مسلمانوں کے لئے نجات دہندہ سمجھتے ہیں، اسی لئے جیسے ہی مجلس جمی، شیخ نے دارالعلوم دیوبند کا احوال معلوم کرنا شروع کردیا، اور فرمایا کہ یہ ہندوستان میں ''علم کا شجر سایہ دار'' ہے۔ اس نے فکر اسلامی اور ثقافتِ دینی کی بےحساب خدمت کی ہے۔ ہم اس کی بقاوترقی اور مزید فیض رسانی کے لئے دعا کرتے ہیں، شیخ نے طلبہ واساتذہ کی تعداد، نئی تعمیرات اور کتب خانے میں موجود مخطوطات کی نئی فہرست کی تیاری کی بابت معلوم کیا۔ جب ہم نے یہ کہا کہ ہم لوگ اور اساتذہ وطلبہ دارالعلوم آپ سے حددرجہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں، تو فرمایا کہ مجھے بھی دارالعلوم سے ناقابل بیان محبت ہے، اور میں تو اس کے علماء اور مشائخ کا خوشہ چیں رہا ہوں۔ اس موقع سے شیخ نے اپنی ایک غلط فہمی کا اظہار فرمایا کہ آپ کے ہاں عربی زبان وادب کے ایک فاضل ہیں، میں ان کا بہت مداح ہوں؛ لیکن معلوم ہوا کہ وہ دارالعلوم کو چھوڑ کر سعودی سفارت خانہ میں منتقل ہوگئے ہیں، ان کا نام وحیدالزماں کیرانوی ہے۔ عرض کیا گیا کہ شیخ آپ کو اس سے غلط فہمی ہوئی ہوگی کہ اُن کے بھائی مولانا عمید الزماں کیرانوی عرصے سے وہاں ملازم ہیں اور نام کے تشابہ اور کیرانوی کے اشتراک سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا۔ فرمایا الحمدللہ مجھے اس غلط فہمی سے بے حد تکلیف تھی، وہ بڑے ذہین، قادرالکلام اور عربی کے باصلاحیت اہل قلم ہیں، انھیں دارالعلوم ہی میں رہنا چاہئے۔ ہندوستان واپسی پر انھیں میرا سلام ضرور پہنچادیجئے۔

مولانا بدرعالم میرٹھی اور ایک عرب بدو کا واقعہ

اس موقع سے شیخ نے اپنی تحقیق کے ساتھ طبع شدہ ابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ کی کتاب ''المنار المنيف في الصحيح والضعيف'' حقیر کو ہدیہ کی۔ اپنی مفہودہ تواضع ومحبت کے ساتھ ناچیز نے ان سے ہدیے کے الفاظ اپنے قلم سے تحریر فرمادینے کی درخواست کی، تو انھوں نے صحیح اور مکمل نام معلوم کیا۔ راقم نے (نور عالم خلیل الامینی) بتایا تو گراں قدر دعا دی کہ خدا آپ کو ہدایت کا نور اور تاریکیوں کو کافور کرنے والا بنائے۔ پھر ایک دلچسپ واقعہ سنایا کہ آپ لوگ علامہ بدرعالم میرٹھی کو تو اچھی طرح جانتے ہوں گے، وہ دارالعلوم کے ایک ذی علم فاضل اور ہندوستان کے کبار علماء میں تھے، ایک روز وہ مسجد نبوی میں مواجہہ شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عربی بدو آیا اُس نے صلوٰۃ وسلام کے بعد اُن کو سلام کیا اور اُن سے متعارف ہونا چاہا اور بدویانہ لہجے میں پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے بدرعالم بتایا تو اس نے ناز واعتماد کے عجیب وغریب ایمان افروز ومحبت فروز لہجے میں کہا: نہیں تم بدر عالم (دنیا کا ماہ تمام) نہیں ہوسکتے۔ دنیا کا ماہ تمام اور بدر عالم تو یہ ہیں۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، مولانا بدرعالم پر اس کاشف حقیقت جملے سے جذب ومستی کی کیفیت طاری ہوگئی، وہ دیر تک سر دھنتے اور واہ واہ کرتے رہے''۔

از دل خیزد بر دل ریزد

۲۹/۳۱/ مارچ ۱۹۸۵ء کو دارالعلوم حیدرآباد میں ''حدیث وسیرت نبوی'' کے موضوع پر عالمی مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی، تو اس میں امام حرم شیخ عبدالرحمٰن السدیس اور دیگر عربی وفود کے ساتھ ہم لوگوں کی خوش قسمتی سے شیخ ابوغدہ بھی تشریف لاکر مجلس کی رونق و وقار کا سبب بنے، ایک نشست میں سیرت نبوی کے موضوع پر ان کی پرمغز وبرجستہ تقریر ہوئی۔ عربی زبان کو سمجھنے والے اور نہ سمجھنے والے دونوں طرح کے سامعین، مقرر کے حسن بیان، فصاحت وبلاغت کے عطر وعنبر

سے ڈھلی ہوئی اور حبِ نبوی سے منور زبان سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ان کی تقریر برجستہ اور اچانک ہوگی ورنہ ٹیپ کرنے کا انتظام ضرور کرتا۔ تقریر کے بعد ان سے ملنے کو بڑھا، میں نے علیک سلیک کے بعد شیخ سے پوچھا کہ شاید آپ مجھے نہیں پہچان سکے ہوں گے، فرمایا: ''ومن الذي لا يعرفك من المثقفين الذين يتابعون الداعي'' الداعی کو پابندی سے پڑھنے والا کون لکھا پڑھا آدمی ہوگا جو آپ کو نہ جانے؟ پھر اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ چلنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح اپنے کئی احباب کے ساتھ ڈیڑھ دو گھنٹے تک اُن کی بزم منور سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند کی ختم نبوت کانفرنس

۲۴-۲۶/صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۹-۳۱/اکتوبر ۱۹۸۶ء کو دارالعلوم دیوبند نے عالمی مؤتمر برائے تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کا فیصلہ کیا، تو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اس وقت کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (حال نائب صدر مجلس شوریٰ سعودی عرب) کو مؤتمر کے افتتاح کے لئے اور علامہ ابوغدہ کو اس کی صدارت کے لئے مدعو کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے راقم الحروف نے دیگر اور بھی عرب فضلاء کو خطوط لکھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بخوشی دعوت کو قبول فرمایا؛ لیکن سابقہ مشاغل کی وجہ سے صرف ۳۱/اکتوبر کی نشست میں رونق افروز ہو سکے اور گراں قدر خطاب سے جلسے کی معتبریت میں اضافہ فرمایا۔ ان کی مکمل تقریر اور دارالعلوم کی طرف سے ان کو دیے گئے سپاس نامہ کا متن الداعی کے خصوصی شمارہ ''ختم نبوت'' مورخہ ۱۰-۲۵/نومبر ۱۹۸۶ء کے مشترکہ شمارہ میں پڑھا جا سکتا ہے۔

شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی پہلے سے طے شدہ ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے شریک مؤتمر نہ ہو سکے جس کا اظہار انھوں نے مہتمم صاحب کے نام معذرت نامے میں کیا تھا۔ ان کا یہ مکتوب گرامی ان کی تقریر ہی کی طرح ان کی شگفتہ نگاری اور ان کی انشاو تحریر کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو ترجمے میں چونکہ ان کی خوبیوں کو کما حقہ منتقل نہیں کیا جا سکتا اس لئے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے۔ الداعی کے ختم نبوت نمبر میں اس کا مکمل عربی متن محفوظ ہے وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی تیسری عمومی اسلامی کانفرنس اور لازوال مقدس وبابرکت یادیں

حیدرآباد کی ملاقات کے بعد طویل عرصہ تک شیخ کی زیارت سے محروم رہا؛ تاآنکہ ۱۸-۲۲ر صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱-۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کو رابطہ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں تیسری عمومی اسلامی کانفرنس منعقد کی، جس میں دنیا کے سات سو سے زائد علما ومفکرین اور اہل علم وصحافت مدعو تھے، ہندوستان سے بھی مدعوین کی ایک قابل لحاظ فہرست تھی، جن میں سرفہرست رابطے کے رکن تاسیسی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ افراد میں راقم الحروف اور مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ بھی مدعو تھے۔

رابطہ نے مہمانوں کے قیام کے لئے ہوٹل انٹرکانٹیننٹل (جس کے قاعۃ التضامن الاسلامی میں موتمر کے تمام پروگرام ہوئے) جو حرم سے خاصے فاصلے پر ہے۔ نیز فندق الجیاد میں انتظام کیا تھا۔ یہ ہوٹل حرم پاک سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ خوش قسمتی سے راقم الحروف کو حرم پاک سے متصل اسی ہوٹل میں جگہ ملی، جس سے کعبۃ اللہ کا بار بار طواف اور حرم میں پنج وقتہ نماز کی ادائیگی میں سہولت رہی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اتفاق سے اسی ہوٹل میں شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی فرودگاہ بھی تھی، اور موتمر گاہ آتے جاتے اکثر ایک ہی بس یا کار میں جگہ مل جاتی تھی۔ میرے لئے یہ انتہائی سعادت کی بات تھی کہ خدا کے اس مقدس ترین شہر اور خانہ خدا کے پڑوس میں ہونے والی اس کانفرنس کے طفیل میں بڑے بڑے علماء ودانشوروں کے ساتھ ساتھ شیخ ابوغدہ ایسے علامہ یگانہ وخدا رسیدہ اور محبت رسول وعاشق علم علماء کے طویل صحبت اور پیہم ملاقاتوں کی فرصت نصیب رہی۔ حسن اتفاق سے ہوٹل میں اُن کا اور میرا کمرہ ایک ہی منزل پر واقع تھے، اس لئے ان کے فرصت کے اوقات میں بھی اپنے بعض احباب کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اور ان کے بحر علم وکمال کی موج ہائے بے پناہ کا تماشا ہی سہی دیکھ کر دل کو فرحت اور دماغ کو لطف ملتا۔

حیف کہ اس کے بعد شیخ سے کبھی ملاقات کی سعادت حاصل نہ ہوسکی، کئی بار ریاض جانا ہوا؛ لیکن میری حاضری کے وقت وہ اتفاقاً وہاں موجود نہ ہوتے، کسی علمی اور ضروری سفر پر ہوتے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند (مولانا مرغوب الرحمن صاحب کا برابر اصرار رہا اور ہم اساتذہ دارالعلوم کی خواہش بے پناہ بھی کہ شیخ کو دارالعلوم میں کسی موقع سے ایک دو ماہ کے لئے بلایا جائے تاکہ طلبہ واساتذہ ان سے استفادہ کرکے اپنے مشائخ واکابر سے فیض یاب ہونے کی یاد تازہ کرسکیں۔ لیکن ہم لوگ یہ سوچتے ہی رہے آج کل کرتے کرتے وقت بہت آگے نکل گیا۔ اور شیخ کی عمرعزیز کا قافلۂ سبک خرام رواں دواں اپنی منزل کو جالیا۔ وقت کس کا انتظار کرتا ہے؟ اور لیل ونہار کی گردش کس کے لئے تھمتی ہے؟ رہے نام اللہ کا۔

خدا انھیں صلحاء واتقیاء اور اپس ے برگزیدہ ابنیاء کے ساتھ جنت الفردوس کا مکیں بنائے۔ اوران کے تمام اعزاء قرباء تلامذہ ومحبین ومتعارفین اوران کے دعا کنندہ کو صبر جمیل دے اور اجر جزیل سے نوازے۔ اے خدا ہم تجھی سے سہارا لیتے اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں ہمیں جانا ہے۔ خدا کا درود وسلام اور رحمت وبرکت نازل ہو ہمارے حضرت، ہمارے نبی، ہمارے شفیع محمدؐ پر۔ ان کی آل اوران کی اولاد پر اوران کے تمام اصحاب پر، ساری تعریفیں صرف سارے جہاں کے پالن ہار کے لئے ہے۔

علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کی اہم تالیفات وتحقیقات تصنیف کردہ کتابیں

(۱) صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل ۴/ایڈیشن۔ (۲) العلماء العزاب الذین اثرو العلم علی الزواج (۳) قیمة الزمن عند العلماء ۶/ایڈیشن۔ (٤) الرسول المعلم وأسالیبه في التعلیم. (٥) لمحات من تاریخ

السنة وعلوم الحديث. ۲/ایڈیشن۔(٦) امراء المومنين في الحديث. (٧) الإسناد من الدين ومعه: صحفة مشرقة من تاريخ سماع الحديث عند المحدثين. (٨) السنة النبوية وبيان مدلولها الشرعي. (٩) تحقيق اسمي الصحيحين واسم جامع الترمذي. (١٠) منهج السلف في السؤال عن العلم وفي تعليم ما يقع وما لم يقع. (١١) من أدب الإسلام. (١٢) نماذج من رسائل أئمة السلف وأدبهم العلمي. (١٣) كلمات في كشف أباطيل وافترائات. (١٤) مسئلة خلق القران وأثرها في صفوف الرواة والمحدثين وكتب الجرح والتعديل.

تحقیق کردہ کتابیں

(۱)الرفع والتكيمل في الجرح والتعديل /علامہ عبدالحی فرنگی محلی ۳/ایڈیشن۔ (۲)الأجربة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة /علامہ فرنگی محلی ۲/ایڈیش (۳)تحفة الإخبار بإحياء سنة سيد الأبرار /علامہ فرنگی محلی - نخبة الانظار على تحفة الاخبار۔علامہ فرنگی محلی۔(۴) المنار المنيف في الصيحيح والضعيف امام ابن قیم جوزی ۵/ایڈیشن۔(٦) المصنوع في معرفة الحديث الموصنوع /امام علی قاری ۳/ ایڈیشن۔(۷) قواعد في علوم الحديث /شیخ ظفر احمد تھانوی/۶/ایڈیشن۔(٨) قاعدة في الجرح والتعديل، تاج الدین سبکی/۵/ایڈیشن۔(٩) المتكلمون في الرجال۔ حافظ سخاوی/۴/ایڈیشن۔(۱۰) ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل۔حافظ ذہبی۔ (۱۱) الموقظة في علم مصطلح الحديث /حافظ ذہبی/۲/ایڈیشن۔(۱۲) قفر الأثر في صفو علم الأثر /ابن الحنبلی۔(۱۳) لغة الأريب في مصطلح اثار الحبيب /حافظ زبیدی(۱۴) جواب الحافظ المنذري عن أسئلة في الجرح والتعديل۔(۱۵) توجيه النظر إلىٰ أصول الأثر شيخ طاهر جزائري۔(١٦) ظفر الأماني في شرح مختصر الجرجاني /علامہ فرنگی محلی۔(۱۷) كشف الالتباس عما أورده الإمام

البخاري علیٰ بعض الناس /الغنیمی ـ(۱۸) مکانة الإمام أبي حنیفة في الحدیث / مولانا نعمانی ـ(۱۹) التبیان لبعض المباحث المتعلقة بالقران /علامہ جزائری ـ(۲۰) تصحیح الکتب وصنع الفهارس المعجمة علامہ احمد شاکر ـ(۲۱) تحفة النساك فی فضل السواك ـ علامہ میدانی ـ(۲۲) العقیدة الاسلامیة التي ینشأ علیها الصغار / ابوزید قیروانی ـ(۲۳) الحلال والحرام وبعض قواعدهما في المعاملات المالیة /شیخ الاسلام ابن تیمیہ ـ(۲۴) رسالة مسترشدین /امام حارث محاسبی/۷ ایڈیشن ـ(۲۵) التصریح بما تواتر في نزول المسیح /علامہ محمد انور شاہ کشمیری/۵ ایڈیشن ـ(۲۶) الأحکام في تمیز الفتاویٰ عن الأحکام و تصرفات القاضي والإمام /امام قرانی ۲/ایڈیشن ـ(۲۷) الترقیم وعلاماته /احمد زکی پاشا (۲۸) سباحة الفکر بالجهر بالذکر /علامہ فرنگی محلی ـ(۲۹) قصیدہ "عنوان الحکم" لابی الفتح السبتی ـ(۳۰) رسالة الألفة بین المسلمین /امام ابن تیمیہ ـ ومعها رسالة في الإمامة /امام ابن حزم ظاہری (۳۱) إقامة الحجة علی أن الاکثار من التعبد لیس بدعة /علامہ فرنگی محلی ـ(۳۲) فتح باب العنایة بشرح کتاب النقایة "فقہ حنفی" /ملاعلی قاری ـ(۳۳) فقه أهل العراق وحدیثهم /علامہ زاہد کوثر ـ(۳۴) خلاصه تهذیب الکلام فی اسماء الرجال ـ حافظ خزرجی ـ

(ندائے شاہی مئی، جون ۱۹۹۷ء)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ کو بعد نماز مغرب مشہور مصنف اور صاحب ورع وتقویٰ اور بافیض بزرگ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھنؤ میں وصال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اپنے دور کے زبردست داعی اور مبلغ اور سچی دینی حمیت کے علمبردار تھے، فرق باطلہ خاص کر رضاخانیت اور شیعیت اور اخیر میں مودودیت کے خلاف آپ کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ویسے تو آپ کی ہر تحریر سادگی کے ساتھ مؤثر اور دلوں میں اتر جانے والی ہوتی تھی۔ لیکن بعض کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال مقبولیت عطا فرمائی، جن میں سرفہرست کتاب معارف الحدیث ہے جو واقعی آپ کی زندگی کے شاہکار کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور فعال رکن تھے۔ دارالعلوم کا شورائی نظام کی بحالی اور اس کے تحفظ میں آپ کی ان تھک جدوجہد آپ کی زندگی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ بہرحال آپ کی وفات کا سانحہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ ادارہ ندائے شاہی آپ کے پسماندگان بالخصوص جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی اور جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سجاد ندوی اور دیگر اہل خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔ اور قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حضرت مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب فرمائیں۔

نوٹ:- حضرت مولانا مرحوم سے متعلق مضمون اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں، بقلم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد۔

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۷ء)

❍❖❍

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ

ایک نظر میں

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی، مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

موت العالِم موت العالَم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم. نحمده و نصلي علی رسوله الکریم. أما بعد!

ایک عالم دین کی موت عالم انسان کی موت کے مرادف ہے اس لئے کہ ایک کامل ترین عالم کا اس دنیا سے گذر جانا پوری دنیائے اسلام کے لئے غم خواری کا باعث ہے آج تک جس رشد وہدایت کے سرچشمہ سے پوری دنیا جو سیراب ہورہی تھی وہ اب پیاسی تڑپ رہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عالم دین شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ ہزارہا عابدوں اور زاہدوں کو شیطان گمراہ کرسکتا ہے مگر کامل ترین ایک عالم کو شیطان گمراہی میں مبتلا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ علم نبوت کی نورانی روشنی کے ذریعہ سے عالم دین پر شیطان کا مکروفریب بہت مشکل سے چلتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

فَقِیْهٌ أَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ. (ترمذي شریف ۹۷/۲) — ایک عالم فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

بعض روایات میں فقیہ واحد کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمۃ ایک کامل ترین عالم دین تھے، پوری شریعت کے پاسباں تھے، مسلک دیوبند کے ترجمان تھے، فرقِ باطلہ کے لئے تیز تلوار تھے۔ رشد وہدایت

کا نمونہ تھے، مصنف تھے، مدرس تھے، مناظر تھے، مقرر تھے، غرض یہ کہ انھوں نے پوری زندگی علوم دینیہ کو اپنا واحد مشغلہ بنا رکھا تھا۔ ہر وقت تصنیف و تالیف ان کا مشغلہ رہا۔ سفر میں حضر میں وطن میں گھر میں، منزل میں ہر جگہ اوڑھنا بچھونا ان کا علمی مشغلہ تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ خوش نصیب اور بہترین انسان وہ شخص ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل اچھا ہو اور سب سے بدترین وہ شخص ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل برا ہو۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

عن أبي بكرة أن رجلا قال: يا رسول اللّٰه! أي الناس خيرٌ؟ قال: من طال عمره وحسن عمله، قال: فأي الناس شر، قال: من طال عمره وساء عمله. (ترمذی شریف ۵۹/۲)

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بہترین آدمی کون ہے تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل اچھا ہو پھر سوال کیا کہ بدترین آدمی کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل برا ہو۔

ولادت

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمۃ نے بہت لمبی عمر پائی۔ ۱۸ر شوال ۱۳۲۳ھ میں اپنے آبائی وطن سنبھل میں پیدا ہوئے۔ اسی سال قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ کی وفات ہوئی اور اسی سال حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ نے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ اسی سال حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے دور طالب علمی میں خلافت کمیٹی کی طرف سے جنگ بلقان کے زمانہ میں ترکوں کے لئے چندہ جمع کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا، اور اسی سال حضرت مولانا رسول خاں ہزارویؒ نے دارالعلوم سے فراغت حاصل فرمائی تھی۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن سنبھل ضلع مرادآباد میں اور کچھ دن مدرسہ عبدالرب دلی میں تعلیم پائی۔ پھر دارالعلوم مئو، ضلع اعظم گڑھ میں متوسط درجہ کی تعلیم پوری کی۔

دار العلوم دیوبند میں داخلہ

۱۳۴۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر مختلف فنون کی تکمیل فرمائی۔اور شوال ۱۳۴۴ھ میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ لے کر بخاری و ترمذی محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھی اور شعبان ۱۳۴۵ھ میں دورہ حدیث شریف کے امتحان میں سب سے اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل فرمائی اور اسی سال شوال میں قاضی سجاد حسین میرٹھیؒ نے دار العلوم میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور اسی سال ۱۳۴۵ھ-۱۳۴۶ھ کے تعلیمی سال کے دوران محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری۔اکابر دار العلوم اور اساتذہ عظام کے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ دار العلوم دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل تشریف لے گئے۔جن میں عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثانی مفتی اعظم دار العلوم دیوبند، علامہ شبیر احمد عثانیؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ بھی شامل تھے۔اس لئے قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی اور ان کے ساتھی پورا دورہ حدیث شریف حضرت شاہ صاحب سے نہیں پڑھ سکے۔بلکہ آدھا شاہ صاحب سے اور آدھا حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھا۔

تدریسی خدمات

بہر حال حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند تھے مسلک دار العلوم کے ترجمان تھے۔۱۳۴۵ھ کے اواخر میں دار العلوم سے فراغت کے بعد دار العلوم چلہ امروہہ میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ۱۳۴۸ھ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث بنائے گئے۔چار سال تک وہاں کی مسند صدارت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔۱۳۵۳ھ میں وہاں سے علیٰحدگی اختیار کر کے بریلی میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں سے ماہنامہ ''الفرقان'' کا سلسلہ جاری فرمایا اور قیام بریلی کے زمانہ میں ''مجدد الف ثانی نمبر'' اور ''شاہ ولی اللہ نمبر'' بھی نکالا۔پھر کچھ عرصہ کے بعد ماہنامہ الفرقان کا دفتر لکھنؤ منتقل کر لیا۔

جماعت اسلامی کے ساتھ

کچھ دنوں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ رہ کر جماعت اسلامی کے سرگرم رکن رہے لیکن مولانا مودودی کے نظریات حضرات صحابہ کرام کے سلسلہ میں سخت خطرناک تھے، اور ادھر حضرت مولانا نعمانیؒ کا تعلق حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری علیہ الرحمۃ کے ساتھ تھا۔ اور انھیں سے بیعت وسلوک کی راہ کی تکمیل فرمائی تھی۔ حضرت شاہ صاحب کی روحانی ونورانی توجہات نے ان کو متنبہ فرمایا جس کے نتیجہ میں جماعت اسلامی کو ترک کر کے اس کے خلاف باقاعدہ کتاب لکھی جس میں مودودی صاحب کے خطرناک نظریات سے لوگوں کو روشناس فرمایا ہے۔

دارالعلوم کے رکن شوریٰ

۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ مقرر ہوئے اور شوریٰ کی رکنیت کے وقت ان کی عمر ۳۹؍سال تھی اسی سال حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کی وفات ہوئی اور اسی سال حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی فراغت ہوئی۔ اور اسی سال ہمارے حضرت عارف باللہ مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم مدرسہ شاہی مرادآباد میں زیر تعلیم تھے۔

۱۳۶۲ھ سے ۲۶؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ تک تقریباً ۵۵؍سال مجلس شوریٰ کے اہم ترین رکن ہے۔

تبلیغی جماعت میں شمولیت

آپ نے حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ کی تحریک تبلیغ میں ۱۳۵۸ھ سے گرانقدر حصہ لیا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانہ میں جس طرح حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ صاحب، حضرت شاہ محمد الیاس صاحبؒ کے اہم ترین قوت بازو تھے اسی طرح حضرت مولانا نعمانیؒ بھی بانی جماعت تبلیغ کے قوت بازو تھے۔

بڑے بڑے اجتماعات میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے مولانا منظور نعمانیؒ کو ذمہ دار بنا کر بھیجا ہے۔ اور ۱۳۶۳ھ میں جب حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی وفات ہوئی اور حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ امیر تبلیغ بنے، تو تبلیغی جماعت سے آپ کا مزید گہرا تعلق قائم ہوگیا۔ اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ بڑے بڑے اجتماعات میں شرکت فرمائی۔ اور حضرت مولانا نعمانیؒ پر حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کو کس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی دامت برکاتہم کی تصنیف ''حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت'' کے مقدمہ کے مطالعہ سے واضح ہوگا۔

کافی عرصہ تک مولانا نعمانیؒ رابطہ عالم اسلامی کے اہم ترین رکن بھی رہے۔

مولانا نعمانیؒ کی تصنیفات

مولانا نعمانیؒ نے زندگی کا بڑا حصہ تصنیف و تالیف میں گذرا۔ ان کی شاہکار تصانیف حسب ذیل ہیں :

(۱) معارف الحدیث آٹھ جلدوں میں۔ (۲) الفیۃ الحدیث جو دارالعلوم دیوبند و دیگر مدارس میں داخل درس ہے۔ (۳) اسلام کیا ہے۔ (۴) دین شریعت۔ (۵) قرآن آپ سے کیا کہتا ہے۔ (۶) کلمہ طیبہ کی حقیقت۔ (۷) نماز کی حقیقت۔ (۸) آپ حج کیسے کریں۔ (۹) برکات رمضان۔ (۱۰) تحقیق ایصال ثواب۔ (۱۱) تصوف کیا ہے۔ (۱۲) تذکرہ امام ربانی۔ (۱۳) ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ (۱۴) بوارق الغیب۔ (۱۵) شاہ اسماعیل شہید پر معاندین کے الزامات۔ (۱۶) معرکۃ القلم۔ (۱۷) خاکسار تحریک۔ (۱۸) قرآن علم روشنی میں۔ (۱۹) اسلام و کفر کی حدود۔

ان کے علاوہ جماعت اسلامی کے خلاف اور شیعیت اور خمینی کے خلاف الگ الگ کتابیں لکھیں اور بھی بہت سی کتابیں آپ کی شائع ہو چکی ہیں۔

وفات کا سانحہ

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد (۷۲) سال زندہ رہے۔کل عمر۱۳۲۳ھ سے ۱۴۱۷ھ تک ۹۴/سال ہوئی۔فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتی اعظم ہند سے دوسال بڑے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان من طال عمرہ وحسن عملہ: کا مکمل مصداق تھے۔۹۴/سال کی عمر میں علوم وفنون کا یہ چمکتا ہوا ستارہ اس دار فانی سے روپوش ہو گیا لکھنؤ میں ریلوے اسٹیشن کے قریب مسلمانوں کے عام قبرستان عیش باغ میں مدفون ہوئے۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل اللّٰه یرزقنی صلاحا

میں اگر چہ نیکوں کاروں میں سے نہیں ہو مگر مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے۔شائد نیکوں سے محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے بھی اصلاح کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

ہورہی ہے عمر مثل برف کم ❖ چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم
بزم عالم میں فنا کا دور ہے ❖ جائے عبرت ہے مقام غور ہے
عشرت دنیائے خالی ہیچ ہے ❖ پیش عیش جاودانی ہیچ ہے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے ❖ کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۷ء)

داعیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ

ابھی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا غم تازہ ہی تھا کہ ۱۳؍محرم ۱۴۱۸ھ کو دن میں ایک بجے تبلیغی جماعت کے مقبول ترین رہنما اور معروف مبلغ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے تبلیغی اور دعوتی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پر نہ ہو سکے گا۔ تقریر کا وہ سوز و گداز، برموقع قرآنِ کریم کی تلاوت کی مٹھاس، اور پھر دلنشیں مثالوں کے ذریعے حقائق کو دلوں کی گہرائیوں تک اتارنے کا ملکہ جو اللہ تعالیٰ نے موصوف کو عطا فرمایا تھا، اُس کی مثال خال خال ہی ملتی ہے۔ آپ کے ذریعہ ہزاروں لاکھوں، لوگوں تک دین کا پیغام پہنچا؛ حتیٰ کہ غیر مسلموں تک نے آپ کی تعلیم کا اثر قبول کر کے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام لانے کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی حتیٰ کہ آپ اور تبلیغی جماعت یک جان دو قالب بن گئے تھے۔ کسی اجتماع میں آپ کی شرکت اجتماع کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ یہ تبلیغی اجتماعات وغیرہ کا سلسلہ آپ کے بعد بھی اِن شاء اللہ جاری رہے گا؛ لیکن ہر موڑ پر آپ کی کمی محسوس کی جاتی رہے گی۔

آپ اِن مصروفیات کے باوجود عبادات کے بے حد شوقین تھے، نماز اور تلاوت قرآن کریم سے حد درجہ شغف تھا۔ آپ کی راتیں تلاوت ومناجات میں اور دن دعوت وتبلیغ کی مصروفیتوں میں گذرتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ ہر سال پورے ملک میں بکھرے ہوئے سیکڑوں خدام دین علماء کو نقدی کی شکل میں کچھ نہ کچھ ہدیہ ارسال فرماتے تھے۔ احقر کو بھی کئی مرتبہ یہ سعادت ملی یہ آپ کے حسن اخلاق کی ایک بین دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور امت کو آپ کے نعم البدل سے نوازے، آمین۔

اِدارہ ندائے شاہی بھی اس حادثہ میں اُمت کے ساتھ شریک ہے، اور قارئین سے ایصالِ ثواب کی استدعا کرتا ہے۔ (ندائے شاہی جون ۱۹۹۷ء)

❍❖❍

حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ

(ولادت: ۱؍فروری ۱۹۱۳ء، وفات: ۱۴؍مئی ۱۹۹۷ء)

محرم ۱۴۱۸ھ کے اوائل میں پاکستان کے جید عالم اور مشہور بزرگ حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحبؒ بھی وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب موصوف اکابر رحمہم اللہ کی نشانی اور صاحب فیض شخصیت تھے، بہت سی مفید تصنیفات آپ نے صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑی ہیں، سالہا سال سے آپ شہر ''اٹک'' کی ایک مسجد میں درسِ قرآن دیتے رہے، جو اَب دس بارہ جلدوں میں مرتب ہوکر شائع ہوگئے ہیں۔ اور آپ کی علمیت اور وسعت معلومات کی دلیل ہیں۔ ''تذکرہ دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم'' اور حضرت مدنیؒ کی سوانح حیات ''چراغ محمدؐ'' بھی آپ کی مشہور تصنیفات میں شامل ہیں۔ احقر کو سفر پاکستان (۱۴۰۷ھ) میں قاضی صاحب موصوفؒ سے اٹک شہر میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا، موصوف حضرت مدنیؒ پر فدا تھے اور اسی نسبت سے آپ کے خاندان کے ہر ہر فرد سے تعلق رکھتے تھے۔

خدا کرے کہ قاضی صاحب کی خدمات عند اللہ مقبول ہوں اور اُن کا فیض تا قیامت جاری رہے، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۷ء)

جناب حاجی محمد عبداللہ صاحب

مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور

گذشتہ ۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ (۷؍اگست ۹۷ء) کورات میں گیارہ بجے جمعیۃ علماء مغربی بنگال کے نائب صدراور مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور ضلع بردوان کے مہتمم جناب حاجی محمد عبداللہ صاحب طویل علالت کے بعد وصال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حاجی صاحب مرحوم جمعیۃ علماء کے نہایت سرگرم رکن تھے۔ اکابر علماء سے والہانہ تعلق رکھتے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے مجاز بیعت تھے۔ آپ نے پوری زندگی قوم وملت کی خدمت میں گذاری اور اپنی مسلسل محنت سے مدرسہ عربیہ برنپور کو پروان چڑھایا۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ نے حاجی صاحبؒ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ موصوف ہماری جماعت کے انتہائی مخلص اور جفاکش فرد تھے، ہر وقت خدمت کے جذبہ سے سرشار رہتے تھے۔ ۱۹۵۵ھ میں حضرت مدنیؒ کے آخری سفر حج میں حاجی صاحب بھی قافلہ کے ہمراہ تھے۔ بحری سفر میں جب کہ اکثر رفقاء سفر دورانِ سر وغیرہ عوارض میں مبتلاء تھے، حاجی صاحب ان چند افراد میں تھے جن پر سفر کا کوئی اثر نہیں تھا اور وہ برابر دیگر رفقاء کی تیمارداری اور خدمت میں مشغول رہے۔ حاجی صاحب نے مغربی بنگال صوبائی جمعیۃ کے اسٹیج سے ملی خدمات انجام دیں۔ اور صوباء سطح پر وزراء اور افسران سے روابط قائم کر کے مسلمانوں کی سماجی اور اقتصادی ضرورتوں کو پورا کیا، آپ نے اپنی زندگی میں برنپور میں کئی عظیم کانفرنسیں بھی منعقد کیں جن میں اکابر علماء شریک ہوئے، حاجی صاحب کی ذات سے مدرسہ اسلامیہ پرانی ہاٹ برن پور ضلع بردوان کو بھی بہت فائدہ پہنچا اور آپ کی تگ ودو سے مدرسہ نے کافی ترقی کی، حضرت مہتمم صاحب نے سبھی قارئین اور مدرسہ شاہی کے متعلقین سے اپیل کی ہے کہ وہ حاجی صاحب مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب فرمائیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند درجات نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوزے، آمین۔ (ندائے شاہی ستمبر ۱۹۹۷ء) ❍❖❍

گوشۂ عارف باللہ

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

بانی و مہتمم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

(ولادت: ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۰۷ء وفات: ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء)

ایسا کہاں سے لائیں!

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی یاد

وہ روح جو ۷۷ر سال تک غم فراق میں مضطرب رہی، وہ نفس جو سالہا سال تک آخرت کے شوق میں سرگرداں رہا، وہ مسافر جو ہزار فتنہ سامانیوں کے باوجود دنیا میں رہ کر بھی اپنے کردار سے واقعی ''کن في الدنیا کعابر سبیل'' کا سراپا نمونہ پیش کرتا رہا، انسانیت کی خیر خواہی سے جس کا خمیر اٹھایا گیا، سادگی اور تواضع کے سانچے میں جسے ڈھالا گیا، ریاضت اور مجاہدہ کی بھٹی میں جسے کندن بنایا گیا، اتباع سنت کے نور سے جس کی کشادہ جبیں ضیاء بار اور اطاعت خداوندی کے جذبہ سے جس کا قلب اطہر منور تھا، جس کی زندگی جہد مسلسل کا عنوان، اور جس کی حیاتِ مقدسہ کا ہر ہر لمحہ نفع خلائق کے لئے وقف تھا، جس کے پرتاثیر مواعظ سے اگر ظلمت کدوں کو روشنی ملی اور ہزاروں بے راہ رووں کو ہدایت کا سرا ہاتھ آیا، تو دوسری طرف سینکڑوں تشنگان علوم نبوت نے جس کے فیوض عالیہ سے جی بھر کے سیرابی کا شرف حاصل کیا، جس نے اپنے بلند اور امتیازی کردار سے اسم بامسمّی ''صدیق احمد'' ہونے کا ناقابل تردید ثبوت پیش کیا، اور جس کی عظمت کے اعزاز میں قدم قدم پر دنیا دیدہ و دل فرشِ راہ کرتی رہی، وہی عارف باللہ، محبوب خلائق جنیدِ وقت، احیاء سنت کا علم بردار، علوم نبوت کا عاشق حقیقی، اور نمونۂ اسلاف گذشتہ ۲۳ر ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ر اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات دن میں ۱۰ر بج کر ۱۰ر منٹ پر لکھنؤ کے ایک نرسنگ ہوم میں، ہزاروں جان نثاروں کو روتا، بلکتا چھوڑ کر اپنے محبوب حقیقی سے جاملا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی ذات ان مقبولان بارگاہ میں تھی جن کا محض وجود ہی عالم میں رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے اور جن کی مستجاب دعائیں نہ جانے کتنے حوادث سے رکاوٹ بنی رہتی ہیں، حضرت قاری صاحبؒ جہاں علم وفضل کے آفتاب تھے وہیں اعمال صالحہ، ورع وتقوی اور زہد واخلاص میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ دنیا سے ایسی بے رغبتی کہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ کی نظر میں اس کی حیثیت ٹھیکروں کے برابر بھی نہیں ہے۔ سادگی ایسی کہ دیکھ کر صحابہ کرام کی زندگی کا نقشہ گھوم جائے۔ اخلاق ایسے کہ ایک ہی ملاقات میں دلوں کو موم کر ڈالیں۔ مہمان نوازی کا وہ نمونہ کہ خود مہمان حیرت میں پڑ جائے۔ طلبہ سے وہ شفقت و محبت کہ ہر طالب علم پہلی ہی نظر میں گرویدہ ہو جائے۔ ماتحتوں اور اپنے سے چھوٹوں کی وہ عزت اور حوصلہ افزائی کہ ہر شخص قدرتی طور پر دل سے ممنون ومشکور ہو جائے۔ امت کے لئے تڑپنے والا وہ دل جو دن رات امت کی خیر خواہی کی فکر میں مشغول رہتا، ہدایت واصلاح کا وہ مخلصانہ پُر جوش جذبہ جس نے آپ کی زندگی سے لفظ ''آرام'' گویا حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا، اور آپ دن رات ایک ہی انداز میں جدوجہد اور محنت کے عادی بن گئے تھے، رات کی اندھیری ہو یا دن کا شور شرابہ، سفر ہو یا حضر، موسم اور حالات سازگار ہوں یا ناموافق، الغرض کوئی بھی چیز آپ کی نفع بخش انتھک مصروفیات کے لئے مانع نہ تھی۔

کئی ماہ سے حضرت قاری صاحبؒ کی علالت کی خبریں مل رہی تھیں، اور بار بار یہ داعیہ پیدا ہوتا تھا کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عیادت کا شرف حاصل کیا جائے؛ لیکن ابھی یہ ارادہ ہو ہی رہا تھا کہ ۲۸/ اگست ۱۹۹۷ء کو پونے گیارہ بجے کے قریب مدرسہ میں یہ اندوہناک خبر پہنچی کہ حضرت قاری صاحبؒ وصال فرما چکے ہیں۔ اس خبر نے تمناؤں کو حسرتوں میں بدل دیا۔ بے اختیار زبان سے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' نکلا اور حضرت کا پُرنور سراپا نظروں میں گھوم گیا۔ کہاں دیکھیں گی آنکھیں اب وہ حسن اخلاق اور الفت ومروت کا پیکر، وہ سادگی کا مرقع، عجز وانکساری اور تواضع وفروتنی کا نمونہ اور زہد اسلاف کی زندہ یادگار، واقعہ یہ ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کی وفات سے ایسا خلاء پیدا ہوا ہے جس کی کسک امت مسلمہ عرصۂ دراز تک محسوس کرتی رہے گی۔

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی میں چند اوصاف بہت ہی نمایاں تھے جنھوں نے آپ کی شخصیت کو محبوب خلائق اور مقبول عند اللہ بنا دیا تھا۔

(۱) علم سے بے انتہا شغف

علوم نبوت سے آپ کو حد درجہ عشق تھا۔ حصول علم میں آپ نے ناموافق حالات کے باوجود انتہائی جد وجہد فرمائی اور جابجا سفر فرما کر اپنے وقت کے اساطین امت سے اکتساب فیض کیا۔ اسی عشق نے آپ کو باندھ سے کانپور، پانی پت، مظاہر علوم، سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، ٹونک اور مظفر پور کے مراکز علم کی جادہ پیمائی پر مجبور کیا تھا، جس سے آپ کی ذات معقولات ومنقولات کا سنگم بن گئی تھی اور تحصیلِ علم میں آپ نے اپنے اساتذہ کی نگاہ میں اتنا وقار حاصل کر لیا تھا کہ آپ کے مرشد ومربی حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ اور اُستاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ (۱) فرماتے تھے کہ ’’قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لے کر آئے؟ تو ہم صدیق احمد کو پیش کر دیں گے‘‘ فراغت کے بعد آپ نے اشاعت علم کے لئے اپنی ساری زندگی وقف فرما دی۔ مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جب آپ نے ۱۳۷۱ھ میں خزینۃ العلوم کے نام سے اپنے وطن مالوف ہتھورا باندھ میں جامعہ عربیہ کی بنیاد رکھی تو آپ کے جذباتِ اشاعت علم عروج پر آنے لگے۔ بنجر علاقہ، جہالت کی آماجگاہ، جرائم اور خوف ودہشت کا ماحول، لیکن اس اللہ کے مخلص بندہ نے انہی جاں گسل حالات میں محض اللہ کے بھروسہ پر کام کا آغاز کیا۔ اور مسلمانوں کی مرتد شدہ نسلوں کو دوبارہ ایمان کی دولت سے مشرف کرانے لگا۔ کچے مکان اور کھپریل کے نیچے بیٹھ کر سالوں سال دین کے لئے محنتیں کیں۔ آس پاس کے دیہاتوں اور جنگل نما آبادیوں میں سفر کر کے مسلمان بچوں کو فراہم کرنے اور انھیں دینی علوم سے آراستہ کرنے میں اپنا خون پسینہ کھپاتے رہے۔ ایک مرتبہ خود دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ ’’یہ مدرسہ کچا تھا اور ضلع باندہ کی مٹی ایسی ہے جو

(۱) حضرت مفتی صاحبؒ کا مقولہ ’’النور‘‘ بانڈی پورہ کشمیر کے خاص نمبر قسط۲ میں نقل کیا گیا ہے اور اس میں حضرت شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی کے بارے میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا یہی ارشاد درج ہے۔

برسات میں بہہ جاتی ہے جس کی وجہ سے ہر سال دیواریں اور چھتیں گر جاتیں یا مخدوش ہوجاتیں تھیں'' فرمایا کہ: ''بسا اوقات ایسا ہوتا کہ برسات میں اندر کے حصے میں کیچڑ ہوجاتی اور طلبہ اور اساتذہ کھڑے کھڑے ہاتھ میں کتاب لئے پڑھتے پڑھاتے تھے''۔ فرمایا کہ ''ادھر میری حالت آج بھی یہ ہے کہ اگر کسی سے اپنی ضرورت کے لئے کوئی لفظ بھی زبان سے نکل جاتا تو مارے شرم کے پسینہ آجاتا ہے۔ اس بنا پر مدرسہ کے لئے مالیہ بھی زیادہ فراہم نہ ہو پاتا تھا''۔ پھر فرمایا کہ ''ایک مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو میرا دل بھر آیا اور میں نے اپنے استاذ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صورت حال لکھی، اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ کانپور میں اقامت پذیر تھے، انھوں نے میری ہمّت افزائی فرماتے ہوئے پکی تعمیر کے لئے ایک معتد بہ رقم سردست روانہ فرمائی اور یہ تاکید فرمائی کہ اب کام مت روکنا''۔ فرمایا کہ ''اس کے بعد سے مسلسل اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ضرورت کے اسباب مہیا ہوتے چلے گئے۔ فالحمدللہ''۔

آج یہ مدرسہ ملک کے مرکزی اداروں میں شمار ہوتا ہے اور ایک جہالت زدہ علاقہ میں علوم نبوت کی ضیاء پاشیاں کررہا ہے یہ صرف حضرت قاری صاحبؒ کے بے پایاں اخلاص وتوکل اور علمی شغف کی برکت ہے۔ آخری زمانہ میں آپ کے اسفار حد سے زیادہ ہونے لگے تھے۔ لیکن اس دور میں بھی آپ اپنے متعلقہ اسباق کا حتی الامکان ناغہ نہ ہونے دیتے تھے۔ اور کہیں جلسہ میں تشریف لے جاتے تو راتوں رات چل کر واپس تشریف لاتے اور آتے ہی سبق پڑھادیتے۔ گذشتہ سال ہم لوگ باندہ حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ ''میں طلبہ کے نقصان کا خیال کرتے ہوئے خود ہی سفر کرتا ہوں اور رات ہی میں واپس لوٹ آتا ہوں اگر اپنی جگہ کسی اور مدرس کو بھیج دوں تو وہ ایک جلسہ کے لئے ڈیڑھ دو دن کا ناغہ کرے گا، میں صرف اسباق کی پابندی کے لئے یہ مشقت اُٹھاتا ہوں''۔ اس سے آپ کے بلند پایہ جذبات کا اندازلگایا جاسکتا ہے۔

آپ آداب تعلیم وتعلم پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ اور ان پر نہ صرف یہ کہ خود عمل پیرا تھے؛ بلکہ مدارسِ دینیہ سے وابستہ ہر فرد کو اس راستہ پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر آپ نے دو رسالے ''آداب المتعلّمین'' اور ''آداب المعلمین'' کے نام سے تالیف

فرمائے۔ جو اپنے موضوع پر نہایت مفید اور مقبول ہیں۔ علاوہ ازیں طلبہ کی ناقص استعدادوں کا خیال فرماتے ہوئے آپ نے تجوید، نحو، صرف اور منطق پر مختصر رسالے مرتب فرمائے اور منطق کی ادق کتاب سلم العلوم کی شرح لکھی جو دیگر شروحات کے مقابلہ میں آسان اور جامع ہے۔ اسی طرح شرح جامی کی مبسوط شرح تالیف فرمائی۔ اور اب آخری عمر میں ہوش ربا مصروفیات اور مسلسل اسفار کے دوران شرح تہذیب کی شرح تحریر فرمائی جو آپ کے بے انتہا علمی شغف کی آخری نشانی ہے۔ آپ عمر کے آخری لمحات تک تعلیم و تعلم ہی میں مشغول رہے۔ بدھ ۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ کو ظہر کے بعد آپ نے سلم العلوم کا درس دیا اس کے بعد بخاری شریف کے درس کے لئے وضو فرما رہے تھے کہ مرض الوفات کا آغاز ہوا۔ گویا کہ باقاعدہ ہوش و حواس کے آخری لمحات آپ نے اپنی زندگی کے محبوب مشغلہ میں گذارے۔ اور جب طبعیت زیادہ بگڑنے پر آپ کو باندہ سے لکھنؤ لے جایا جانے لگا تو آپ نے آخری بات یہی ارشاد فرمائی کہ ''مدرسہ کا خیال رکھنا اور طلبہ اور اساتذہ سے سلام کہنا۔'' خدا کرے کہ آپ کا لگایا ہوا یہ علمی گلشن ہمیشہ سرسبز اور داشاب رہے، اور آپ کے لئے بیش از بیش صدقۂ جاریہ کا سامان فراہم ہوتا رہے۔ آمین۔

(۲) سادگی اور تواضع

حضرت قاری صاحب کی زندگی کا نہایت تابناک پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی تکلفات اور تصنع اور بناوٹ سے طبعی طور پر بالکل مستغنی کر دیا تھا۔ آپ کی ہر ہر ادا سے سادگی اور تواضع ٹپکتی تھی، کھانے، پینے، لباس، ضروریات، ہر چیز میں سادگی اختیار فرماتے۔ عام طور پر سفر میں کالی دھاریوں والا معمولی سوتی رومال، کپڑے کا تھیلا جس میں ایک لوٹا، ایک لنگی اور ضرورت ہو تو ایک جوڑا کپڑا، بس یہی چیزیں ساتھ ہوتیں۔ حتی کہ میرے ایک دوست نے جو افریقہ کے سفر میں حضرت قاری صاحب کے ساتھ بمبئی سے جوہانسبرگ گئے تھے بتایا کہ سفر افریقہ میں بھی حضرت قاری صاحبؒ کا کل سامان یہی کپڑے کا تھیلا تھا۔ بمبئی ایئرپورٹ پر الوداع کہنے والے بعض احباب نے بہت زور دیا کہ حضرت کوئی بریف کیس لے لیں۔ لیکن

حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔ گذشتہ سال احقر نے ایک ٹوپی اور عربی رومال ہدیہ میں پیش کیا۔ تو ٹوپی تو قبول فرمالی۔ مگر رومال دیکھ کر فرمایا کہ ''یہ تو آپ ہی کی شان کے لائق ہے''، اور قبول نہیں فرمایا۔ آپ دل سے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے اور اپنے چھوٹوں سے بھی انتہائی اکرام اور احترام کا معاملہ فرماتے تھے۔ عام طور پر مقررین اور واعظین اپنے سامنے جلسہ میں کسی دوسرے کی تقریر پسند نہیں کرتے لیکن آپ کا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ آپ تاکید کرکے اپنے سے قبل کسی دوسرے عالم کی تقریر کراتے اور نہایت غور سے اس کی باتیں سنتے۔ اور پھر عموماً اسی مضمون کو لے کر اپنا وعظ شروع فرما دیتے۔ مرادآباد اور اس کے اطراف میں حضرت قاری صاحبؒ کی تشریف آوری پر کئی پروگراموں میں اپنے وعظ سے قبل اس ناکارہ کو تقریر کا امر فرمایا۔ اور پھر ایک تقریر پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''آج تم نے وہی باتیں کہہ دیں جو میں کہنا چاہتا تھا''۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ صرف آپ کی توجہ کی برکت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ خورد نوازی آپ کے کمال اخلاص اور تواضع کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں احقر کو بار بار دارالعلوم میں حضرت قاری صاحبؒ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، جب آپ تشریف لاتے تو مشتاقانِ زیارت کی بھیڑ لگ جاتی، اور آپ جدھر جاتے طلبہ کا ایک بڑا مجمع آپ کے ساتھ ہوتا۔ کئی مرتبہ طلبہ وغیرہ نے آپ سے دارالعلوم میں وعظ کی درخواست کی تو آپ نے ازراہِ تواضع صاف انکار فرما دیا اور کہا کہ ''جس جگہ اکابر نے وعظ کہا ہو وہاں میں وعظ نہیں کہہ سکتا''۔ اسی طرح ۱۹۹۴ء میں جب آپ مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے اور طلبہ دورۂ حدیث نے تبرّکاً ایک سبق پڑھانے کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا ''جس ادارے میں میں نے درس لیا ہے وہاں درس دینے کی ہمّت نہیں ہے''۔ اسی بے مثال تواضع کا اثر یہ تھا کہ آپ کا قلبِ مبارک بغض و کینہ کے اثرات سے محفوظ تھا۔ آپ اپنے تمام اکابر و معاصرین سے تعلقات استوار رکھتے اور گروپ بندی سے اپنے آپ کو پوری طرح بچائے رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت جماعتی اور مدارس کے اختلافات سے بلندتر تھی، اور آپ کی ذات کو ہر طبقہ میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔

(۳) کمالِ زہد

حضرت قاری صاحبؒ کا ایک ممتاز وصف آپ کا بے مثال زہد و استغناء تھا۔ دنیا آپ کے قدموں میں ذلیل ہوکر آتی تھی؛ لیکن آپ اسے نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ مال داروں کی اصلاح کا جذبہ ضرور تھا؛ لیکن ان کی دولت وثروت سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہ تھی، اسی استغناء نے آپ کو مقبولیت ومحبوبیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا، اور آپ کی ذات حدیث نبویؐ: ''ازهد في الدنيا يحبك الله وازهد فيما أيدي الناسِ يحبك الناس''. (سنن ابن ماجة ۳۰۲، الترغيب و الترهيب ۷٤/٤) (دنیا سے بے رغبت ہوجاؤ عنداللہ محبوب بن جاؤ گے اور لوگوں کے مال ودولت سے اعراض کرنے لگو تو لوگوں کی نظر میں محبوب بن جاؤ گے) کی چلتی پھرتی تفسیر بن گئی تھی۔ آپ نے ساری دینی خدمات حسبۃً للہ انجام دیں، نہ صرف یہ کہ مدرسہ سے مشاہرہ نہ لیتے؛ بلکہ اسفار میں بھی کرایہ کے علاوہ نذرانے وصول نہ فرماتے، اور کہیں کہیں تو اپنا ہی کرایہ خرچ کرکے تشریف لے جاتے، تمام مہمانوں کا صرفہ اپنے حساب سے ادا فرماتے، مدرسہ پر اس کا بوجھ نہ ڈالتے تھے۔

(۴) عشقِ نبوی

علاوہ ازیں اتباع سنت میں بھی آپ کا قدم بہت راسخ تھا۔ معمولی سی معمولی سنت کی ادائیگی کا بھی نہایت اہتمام فرماتے۔ گذشتہ سال ہم لوگ حاضر تھے۔ رات میں آرام فرمانے سے قبل آپ نے وضو فرمایا، پھر ارشاد فرمانے لگے۔ ''اب اٹھتے بیٹھتے تکلیف ہوتی ہے۔ سوتے وقت وضو کا اہتمام دشوار ہوتا ہے؛ لیکن بعض بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک رات باوضو سونے کے لئے انھیں ۱۴ رمرتبہ وضو کرنا پڑا اور ہر مرتبہ پوری بشاشت سے وضو کرتے رہے تاکہ انھیں سنت کے موافق سونا نصیب ہوجائے۔ ایسے بزرگوں کے حالات سے عمل کی ہمّت ہوجاتی ہے''۔ آپ ہر عمل میں اتباع سنت کو ہی ملحوظ رکھتے، اور اسی نیت سے تمام امور انجام دیتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی عالم آپ سے ملنے تھوڑا حاضر ہوتا تو اس کو طلبہ میں بیان کرنے کا

حکم فرماتے۔ ہم چند احباب حاضر ہوئے تو حسبِ معمول آپ نے تقریر کا پروگرام رکھا۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم تو استفادہ کے لئے حاضر ہوئے ہیں، افادہ کے لائق نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ: ''کیا مہمان کا اکرام سنت نہیں ہے''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی یہ عشقیہ جذبات الفاظ کے پیکر میں ڈھل کر منظوم کلام کی شکل اختیار کر لیتے تو اس کے لفظ لفظ سے آپ کے سوز و گداز اور دردِ دل کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں آپ نے بڑی دردانگیز نعت ارشاد فرمائی جس کے چند بند درج ذیل ہیں:

دواؤں سے طبیعت روبصحت ہے نہیں میری
طبیعت مضطرب ہے اب نہیں لگتی کہیں میری
نہیں سمجھا کوئی اس درد کو یہ درد کیسا ہے؟
دواؤں سے شفا ہرگز نہیں ہرگز نہیں میری

علاج اس کا فقط یہ ہے کہ طیبہ ہوں گا ہوں میں
دیارِ قدس میں اشکوں سے تر ہو آستیں میری

متاعِ دردِ دل جو مل گئی مشکل سے ملتی ہے
خدا کا فضل ہے، حالت تو ایسی تھی نہیں میری

نہ دن میں چین ملتا ہے نہ شب میں نیند آتی ہے
سکوں باقی نہیں ہے خاطر اندوہگیں میری

وہ نقشہ جم گیا ہے اب تو دل میں ذاتِ اقدس کا
تصور میں وہ رہتے ہیں نگاہیں ہوں کہیں میری

ہوا دیوانہ جب سے آپ کا خلوت میں رہتا ہوں
کسی سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں میری

آپ کی دیگر نعتیں بھی انہی جذبات کی آئینہ دار ہیں جن میں سے بعض آپ کی تالیف ''سیرت سیدالمرسلین''، میں شائع ہوچکی ہیں۔

الغرض انہی خوبیوں کی وجہ سے خلق خدا آپ کی طرف کھنچی چلی جاتی تھی، آپ کی آمد کی خبرسن کر گاؤں دیہات میں بھی ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہوجاتا اور آپ کا سادہ اور تکلف سے خالی وعظ حاضرین پر اس قدر اثر انداز ہوتا کہ بڑی بڑی مرصع تقریروں سے بھی وہ بات حاصل نہیں ہو پاتی۔ آپ کی باتیں ''از دل خیز و بر دل ریزد'' (دل سے نکل کر دل تک پہنچنے) کا مصداق ہوتی تھیں۔ یہ آپ کی ظاہر و باطن کی یکسانیت اور علم وعمل میں مطابقت کا اثر تھا جسے ہر شخص محسوس کرتا تھا۔

آج حضرت قاری صاحبؒ کی ذات ہم میں گوکہ موجود نہیں مگر آپ کی زندگی کے تابندہ نقوش ہمارے سامنے ہیں۔ ہماری نظر میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں سب سے بڑا خراج عقیدت یہ ہے کہ ہم آپ کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور آپ کی بلند پایہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہمارا یہ عزم حضرت کی روح کو خوش کرنے کا ذریعہ بنے گا، اِن شاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے، اور حضرت مرحوم کے درجات کو بلند سے بلندتر فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

ایک باکمال انسان

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کے سانحہ ارتحال پر

حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مہتمم جامعہ کے تأثرات

مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی مدظلہ نے حضرت قاری صاحب کی وفات کو ایک ملی سانحہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ موصوف کی سب سے بڑی خوبی تواضع وانکساری تھی، آپ مذہب وملت سے بالاتر ہو کر خلق خدا کی خدمت کرتے تھے۔ مسلمان اور غیر مسلم سب آپ کے عقیدت مند تھے اور آپ کی ذات دونوں فرقوں کے لئے شفا اور عافیت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ فرمایا! مجھے دو مرتبہ تھوڑا حاضری کا موقع ملا۔ حضرت والا نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور بہت اصرار کے ساتھ مدرسہ کی مسجد میں بیان کا حکم فرمایا اور واپسی میں انکار کے باوجود کانپور تک ساتھ آئے حضرت قاری صاحب کی سادگی کا اس سے اندازہ لگائیے کہ جب ہم لوگ واپس ہونے لگے تو ہمارے کھانے کے لئے دسترخوان بچھوایا۔ کھانا آ گیا۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کھانے کا حکم فرمایا اور خود دوسرے ضروری کاموں میں مشغول ہو گئے۔ جب ہم فارغ ہونے کے قریب تھے تو تشریف لائے، دسترخوان کا جائزہ لیا اور یہ سمجھ کر کہ ہم لوگ چونکہ فارغ ہو چکے ہیں، اب اُن کی وجہ سے دیر ہوگی، اس لئے بیٹھتے ہی دو روٹیوں میں اچار رکھ کر لپیٹا اور انھیں رومال میں باندھ لیا اور دال کا پیالا اُٹھا کر پی لیا۔ اور فرمایا کہ بس چلئے اور کانپور تک ساتھ تشریف لائے اور راستہ میں جو بھی تعلق والا ملتا اس سے ضرور ملتے۔ چاہے ایک ہی دو منٹ کے لئے جائیں اُس سے ملے بغیر آگے نہ بڑھتے۔ مدرسہ شاہی آپ کا مادر علمی تھا، اس لئے مرادآباد

یا اس کے اطراف میں تشریف آوری کے وقت مدرسہ میں ضرور تشریف لاتے۔ سال گذشتہ میرا کانپور جانا ہوا، اس کے کچھ دن کے بعد حضرت والا مرادآباد تشریف لائے، تو فرمایا کہ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ آپ کانپور آرہے ہیں، تو میں آپ کو وہاں سے ہتھورا لے جاتا۔ سال گذشتہ رمضان سے قبل بھوپال جانا ہوا، منتظمین نے میرے لئے ایک ہوٹل میں قیام کا انتظام کیا تھا، حضرت قاری صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، انھیں جب علم ہوا تو خود ملاقات کے لئے دوسری منزل پر تشریف لائے، پھر جلسہ گاہ میں ملاقات ہوئی، اور اگلے دن شتابدی ایکسپریس سے واپسی میں حضرت قاری صاحب گوالیار تک ساتھ رہے۔ موصوف کی سیٹ دوسرے ڈبے میں تھی؛ لیکن از راہ عنایت خود میرے ڈبے میں تشریف لائے اور جب گوالیار میں اُترے تو مل کر تشریف لے گئے، یہی حضرتؒ سے آخری ملاقات تھی۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آپ واقعی باکمال انسان تھے۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

میرے اُستاذ؛ میرے شیخ

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحبؒ کی حسین یادیں

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُؤَجَّلاً وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا، وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِيْنَ. (آل عمران: ١٤٥)

خدا کے حکم کے بغیر کسی کو موت آنا ممکن نہیں بایں طور کہ اس کی میعاد متعین لکھی ہوئی ہے اور جو دنیا کا نتیجہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا کا حصہ (اپنی معیشت کے مطابق) دیتے ہیں اور جو آخرت کا نتیجہ چاہے ہم اس کو آخرت کا نتیجہ دیتے ہیں اور بہت جلد ہم شکر گزار اور حق شناسوں کو اجر و نعمت عطا کریں۔

اس دنیا کے اندر کوئی انسان اپنے اختیار سے نہیں آ سکتا، خدا کی مرضی سے ہی آتا ہے۔ اور جب اس دنیا سے جاتا ہے تب بھی اپنی مرضی سے نہیں جاتا بلکہ خدا کی مرضی سے ہی جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے خودکشی کر کے اس دنیا سے جاتا ہے تو اس کو آخرت میں سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور جس طرح اس دنیا کے اندر انسان کو اپنی مرضی سے آنے اور جانے کا حق نہیں رکھا اسی طرح اس دنیا کے اندر اپنی مرضی سے رہنے اور جینے کا بھی حق نہیں بلکہ خدا ہی کی مرضی کے مطابق رہنا اور جینا لازم ہے اور جب انسان اپنی زندگی کو خدا کی مرضی کے مطابق بناتا ہے تو ہر مقام پر اللہ تعالی اس کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی باتیں سنتا ہے وہ مومن کامل ہوتا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور کے بعد اس دنیا کے اندر ہر دور میں

مؤمن کامل اور علماء ربانیین، اولیا، قطب اور ابدال پیدا ہوتے رہے ہیں اور اِن شاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر سو سال میں قطب وابدال بدلتے رہتے ہیں اور ہر سو سال میں ایسے ایسے علماء مجددین اور اولیا کرام پیدا فرماتے رہتے ہیں جو اپنے اپنے علاقہ میں اسلام کو چمکاتے رہتے ہیں فتنوں کا مقابلہ کرتے ہیں، ارتداد کو ختم کردیتے ہیں، مسلمانوں کو صحیح راستہ پر لاکھڑا کرتے ہیں، بگڑے ہوئے معاشرے کو سدھارتے ہیں، مٹی ہوئی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

إن اللّٰه عزوجل يبعث لهذه الأمة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها. (مشكاة شريف ٣٦/١)

بے شک اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لئے ہر سو سال پر ایسے لوگ پیدا فرماتے ہیں، جو اس امت کے دین کو شرک وبدعات سے پاک کرکے زندہ کرتے ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر ہندستان میں سیکڑوں قطب وابدال اور علماء ربانیین پیدا فرمائے جن کے ذریعہ سے ہندستان کے اندر ہزاروں مکاتب فکر قائم ہوئے اور مسلمانان ہند کے لئے نور نبوت کا سرچشمہ جاری ہوا۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب نوراللہ مرقدہ بھی اس صدی کے کامل ترین عالم دین اور رہبر بے مثال تھے اور مسلم وغیر مسلم اور ہر مکتب فکر کے لوگ آپ کو خدا کا محبوب ترین ولی سمجھتے تھے۔

تاریخ پیدائش

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کی تاریخ پیدائش کہیں ۱۳۴۵ھ کہیں ۱۳۴۳ھ لکھی ہوئی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ آپ ۱۱/شوال ۱۳۴۱ھ بروز جمعہ موضع ہتورہ ضلع باندہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت والا کی زبان سے سنا ہے کہ آپ کے آباء واجداد موصل سے ہندوستان آئے تھے۔ والد بزرگوار کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔ آپ کے دادا حضرت

قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ نے آپ کی پرورش فرمائی اور تعلیمی ذمہ داری ادا فرمائی۔ آپ نے اپنی عمر کے ستہترویں ۷۷/سال میں اس عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ والد بزرگوار کا نام سید احمد صاحب مرحوم تھا۔

تعلیمی دور

ابتداءً تعلیم وطن میں ہوئی اور حفظ قرآن کریم اپنے جدامجد قاری عبدالرحمٰنؒ کے پاس شروع فرمایا جو راس المحدثین قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتیؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، ان کے وصال کے بعد اپنے ماموں مولانا سید امین الدین صاحبؒ سے حفظ تکمیل فرمائی۔ انھیں سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعدازاں کانپور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب محدث لکھنوی، مولانا مفتی صدرالدین صاحبؒ، مولانا کمال الدین صاحبؒ، مولانا سہراب علیؒ سے کچھ فارسی کتابیں اور عربی کی کتابیں پڑھیں اس کے بعد پانی پت جاکر شرح جامی بحث فعل تک کی تعلیم حاصل فرمائی۔ اس کے بعد مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۵۹ھ میں داخلہ لے کر اصول الشاشی میر قطبی، کنزالدقائق، شرح جامی بحث اسم، سلم العلوم، تلخیص المفتاح وغیرہ پڑھی۔ پھر ۱۳۶۰ھ میں مختصرالمعانی، مقامات، شرح وقایہ، نورالانوار، سبعہ وغیرہ پڑھی۔ پھر۱۳۶۲ھ میں بیضاوی، مشکوٰۃ، مقدمہ مشکوٰۃ، ہدایہ اولین دوبارہ پڑھنے کے لئے داخلہ لیا، مگر سہ ماہی امتحان کے بعد رخصت لے کر گھر تشریف لے گئے اور باندہ سے جب سہارنپور واپس تشریف لارہے تھے۔ اس زمانہ میں ۱۹۴۲ء کا ہنگامہ شروع ہوگیا تھا۔ پورے ملک میں ہر طرف نفسانفسی کا شور تھا، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ وغیرہ کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس ہمہمی میں باندہ سے سہارنپور تک کا سفر نہایت دشوار تھا۔ اس لئے اثنا سفر مرادآباد میں داخلہ لے کر مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم پوری فرمائی۔

حضرت والا مدرسہ شاہی مرادآباد کے داخلہ کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبد الحق مدنیؒ مہتمم مدرسہ شاہی نے فرمایا کہ بھائی ہمارے یہاں تعلیم کے لیے تو داخلہ ہوسکتا ہے مگر

قیام وطعام کے ذمہ دار خود تم رہو گے۔ تو حضرت والا نے جواب دیا کہ حضرت ہم نے تو صرف تعلیم ہی کے لیے درخواست کی ہے قیام وطعام کا کب سوال کیا ہے۔ اس پر مولانا عبدالحق مدنی نوراللہ مرقدہ نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا۔

ایک واقعہ

راقم الحروف حضرت والاؒ کے ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوا، وہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تربت کی زیارت کر کے واپس ہوتے وقت راقم الحروف نے حضرت والاؒ سے دریافت کیا تھا کہ حضرت آپ ۱۳۶۲ھ میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی وفات کے وقت کہاں تھے تو حضرت نے فرمایا میں اس وقت مدرسہ شاہی میں تھا۔

پھر دوبارہ ۱۳۶۳ھ میں مظاہر علوم سہانپور میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا۔ بخاری جلد اول تا کتابُ الطہارت اور جلد ثانی حضرت عبد الطیف صاحب نورا اللہ مرقدہ ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سے اور بخاری جلد اول از کتاب الطہارت تا آخر کتاب اور ابوداؤد شریف مکمل حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے پڑھی، مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب سے، ترمذی وشمائل ترمذی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ سے، نسائی، طحاوی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمدؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے پڑھی۔ مگر سہ ماہی امتحان کے بعد والدہ ماجدہ کی بیماری اور حضرتؒ کے داداؒ قاری سید عبدالرحمٰن صاحب کی وفات کی اطلاع پہونچنے کی وجہ سے فوری طور پر گھر جانا پڑا، جس کی وجہ سے مدرسہ سے باضابطہ رخصت بھی نہ لے سکے۔ اس کے بعد جب واپس تشریف لائے تو شرم کی وجہ سے دوبارہ داخلہ کو بحال کرنے کے لئے ذمہ داران مدرسہ سے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ نیز اس زمانہ میں شوقین طلبہ میں باضابطہ داخلہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے بلا داخلہ دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی۔ اور حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم نور اللہ مرقدہ سے بیعت اور پھر بعد میں خلافت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نوراللہ مرقدہٗ اورحضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری نوراللہ مرقدہ کی خاص توجہ اورشفقت آپ پرتھی۔

پھر۱۳۶۳ھ کے اواخر اور۱۳۶۴ھ کے اوائل میں مدرسہ عالیہ دہلی میں جاکر حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ اورحضرت علامہ ولایت احمد صاحبؒ سے معقولات کی کتابیں پڑھی اس کے بعد معقولات کا زیادہ شوق ہوگیا تھا اس لئے مظفرپور بہار کے کسی مدرسہ میں معقولات کی شہرت تھی تقریباً دوسال تک معقولات کی کتابیں پڑھیں۔

راقم الحروف نے قیام ہتھورا کے زمانے میں حضرت والا کے ایک استاذ سے ملاقات بھی کی ہے جو حضرت والا کے لئے بہار سے تشریف لائے ہوئے تھے اوراس زمانہ میں ریاست ٹونک کی علمی شہرت سن کر وہاں جاکر بھی کچھ تعلیم حاصل فرمائی تھی۔

تدریسی خدمات

غالباً ۱۳۶۷ھ میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں تین ماہ تک تدریسی خدمات انجام دیں، یہ آپ کے تدریسی سلسلہ کا پہلا سال تھا،مگر والدہ ماجدہ کے بار بار اصرار کی بناپر وہاں سے چھوڑ کر وطن کے قریب فتح پور کے مدرسہ اسلامیہ میں تدریسی خدمت کے لئے تشریف لے گئے۔اس زمانہ میں اس مدرسہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں سے۔حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ اورحضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی مدظلہٗ،مولانا عبدالوحید صاحب فتح پوری مدظلہ مدرس تھے۔وہاں پرتقریباً تین چارسال تک شرح جامی وغیرہ پڑھائی۔

مگر باندہ کے مختلف علاقوں میں مسلمان دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہوتے جارہے تھے۔ علاقوں کی صورت حال کو دیکھ کر فتح پور کے مدرسہ سے تدریسی خدمت چھوڑ کر اپنے وطن ہتھورا ضلع باندہ آکر مقیم ہوگئے۔گھر سے قریب ایک وسیع وعریض زمین کے ایک کنارے میں ایک معمولی سا چھپرڈالکر پڑھانا شروع فرمادیا۔وہ چھپر راقم الحروف نے خود بھی دیکھا ہے۔اب وہ

جگہ مطبخ کے احاطہ میں داخلہ ہوگئی ہے۔حضرت والا کے اخلاص اور محنت ہی کا اثر ہے کہ آج وہاں بہت بڑے قلعہ کی شکل میں جامعہ عربیہ ہتھورا کی عمارتیں کھڑی ہیں جس میں دورہ حدیث شریف تک تمام درجات کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے۔

ابتدائی زمانہ تنگی

ہتھورا میں حضرت والا ابتدائی زمانہ میں روزانہ اٹھارہ ، اٹھارہ، بیس بیس سبق پڑھایا کرتے تھے، جنھوں نے اس وقت حضرتؒ سے پڑھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہتوار سے جانب شمال کافی فاصلہ پر ایک معمولی انداز کا جنگل تھا وہاں جا کر حضرت والا خود بھی اپنے کندھے پر لکڑیوں کے گٹھر ڈھو کر لایا کرتے تھے، کبھی جمعہ کے دن کبھی عصر کے بعد کبھی دو پہر کو حضرت والا کے خود یہ کام کرنے کی وجہ سے کبھی کسی طالب علم کو کوئی عذر نہ ہوتا تھا بعد کے طلبہ کی عبرت کے لئے حضرت والا نے خود بھی کئی مرتبہ یہ واقعہ سبق میں بیان فرمایا ہے اور دار جدید کی تعمیر کے شروع کے زمانہ میں خاکسار نے خود بار بار دیکھا ہے کہ حضرت خود اینٹیں ڈھو کر لے جاتے تھے اس قدر محنت اور جفاکشی کے نتیجے میں حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت کے بلند میناروں پر پہنچادیا تھا۔

حضرت سے تعلق کا سبب

شروع میں خاکسار کا اصلاحی تعلق شیخ العرب والعجم حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ تھا۔حضرت شیخ طلبہ کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔مگر حضرت مولانا منور حسین صاحبؒ جو حضرت شیخ کے اجل خلفاء میں سے تھے ان کے توسط سے حضرت شیخ سے اصلاحی تعلق قائم ہو چکا تھا، اس وقت خاکسار حضرت والا عارف باللہ قاری صاحبؒ کو جانتا بھی نہ تھا۔

اتفاق سے دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو جلدی سے کسی پر اعتماد نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی جلدی سے کسی سے عقیدت رکھتے تھے، انھوں نے ہدایہ آخرین کے سبق میں حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کی چند کرامات اور چند واقعات سنائے جس سے ان کے کمالات باطنی اور کمالات ظاہری کی پوری طرح تصدیق ہوتی

تھی، اسی وقت سبق میں ہی ارادہ ہوگیا تھا کہ دیوبند کا سلسلہ تعلیم ملتوی کرکے ایسے مومن کامل کی خدمت میں ضرور کچھ عرصہ گذارنا ہے۔ چنانچہ سال کے آخر میں مرشد ومولائی حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ مدینہ منورہ سے سہارنپور تشریف لائے۔ معمول کے مطابق رمضان المبارک حضرت نور اللہ مرقدہ کے ساتھ سہارنپور میں گذارنا نصیب ہوا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث پڑھنا تھا مگر حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق رحمۃ اللہ علیہ سے، دورۂ حدیث ملتوی کر کے ہتھورا حضرت قاری صاحبؒ کے یہاں ایک سال رہنے کی اجازت مانگی۔ حضرت الاستاذ نے بڑی خوشی سے اجازت مرحمت فرمائی۔ اتفاق سے چند ماہ قبل حضرت قاری صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند کا رکن شوری بنایا گیا تھا، حضرت شوال المکرّم میں مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد دارالعلوم دیوبند کی قدیم مسجد میں حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم کے ساتھ مسجد کے صحن میں موجود تھے احباب نے اشارہ سے فرمایا کہ وہ ہیں جو تشریف لے جارہے ہیں شوق میں آگے بڑھ کر ملاقات کر کے ساتھ ہی درخواست کردی کہ یہ خاکساری آپ کی خدمت میں رہ کر ایک سال پڑھنا چاہتا ہے۔ حضرت نے حیرت سے فرمایا طلبہ دارالعلوم میں داخلہ لینے کے لئے سفارشیں لگاتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں۔ اور تم دوہ حدیث شریف جیسے سال کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہو۔ خاکسار نے ہمت کے ساتھ پھر درخواست کی حضرت خاموش ہوگئے اندازہ ہورہا تھا کہ حضرت والا کو میری بات پر یقین اور بھروسہ نہیں ہے۔

بہرحال حضرت والا کے جانے کے بعد دوسرے روز ہتھورا پہونچ گیا۔ اس وقت داخلہ کا زمانہ تھا۔ حضرت اپنے کمرہ کے سامنے برآمدے میں تشریف فرما تھے اور کچھ طلبہ سامنے بیٹھے تھے۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا یہ تو آہی گیا۔ حضرت کا خیال یہ تھا کہ دارالعلوم میں اکثر طلبہ ہنگامہ میں شریک رہتے ہیں۔ کیا خبر یہ کہیں ہمارے طلبہ پر برا اثر ڈالدے۔ بہرحال چند ہی روز کے بعد اس قدر محبت کرنے لگے کہ سب طلبہ اور اساتذہ بھی اس کا احساس کرنے لگے۔ ادھر

خاکسار کے ذہن میں یہ تھا کہ لوگ بزرگوں کی بیجا تعریف بھی کرتے ہیں۔ جب ساتھ میں رہنا ہوتا ہے اور اندرونی حالات سے واقفیت ہوتی ہے تو بہت سی خامیاں بھی نظر آنے لگتی ہیں۔ اللہ معاف فرمائے شائد یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

مگر پورا سال رہ کر دیکھا کہ آپ منہاج نبوت کے قالب میں پوری طرح اتر چکے تھے۔ ان کی محنت، ان کی جفاکشی، ان کی خدا ترسی، ان کی بے آرمی، ان کی پارسائی، ان کی ہمدردی، ان کی عجز وانکساری، مالداروں سے ان کی بے نیازی، دنیا سے بے رغبتی، امت کے لئے ان کی قربانی، دین کے لئے ان کا فکر، مہمانوں کے ساتھ ان کی رواداری، کمزوروں کے ساتھ ان کا اعزاز، بزرگوں اور ان کی اولاد کے ساتھ ان کا اکرام، اخلاص ومحبت سے بھرپور، کسی کو ایسا نہ سنا ہے اور نہ ہی دیکھا۔

کبھی اس ذات ستودہ صفات نے اپنے جسم کو آرام نہیں دیا۔ اپنے دماغ کو سکون نہیں دیا کسی کے کام کو کبھی ٹالا نہیں۔ کسی کے کام میں کبھی تاخیر نہیں فرمائی، ہلکی آواز کے ساتھ راتوں کو ذکر اللہ میں مشغول رہتے، پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔ آنسوؤں سے رومال تر ہو جاتے تھے۔ تادم حیات ان کی زندگی کے معمولات میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ محبوبیت کے اعلیٰ مقام پر فائز نظر آتے تھے، جو بھی حضرت والا سے ملاقات کرتا وہ یہی سمجھتا کہ حضرت سب سے زیادہ محبت مجھ سے کرتے ہیں۔

یہ خاکسار بہت سے اکابر وبزرگوں کے یہاں کم وبیش وقت گذار چکا تھا، مگر حضرت اقدس سیدی ومولائی ومرشد حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق کے لئے حضرت والا کی ذات عالیہ کے علاوہ کسی کی طرف رجحان پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے اس ذات ستودہ صفات ہی کی طرف مراجعت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خاکسار کی پچھلی زندگی کے مقابلہ میں مستقبل کی زندگیاں بہتر بنائے۔ اور ہدایت کا ذریعہ بنائے اور کمال دین خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

حضرت والا مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامع العلوم کانپور کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، اور بہت سے مدارس کے سرپرست بھی تھے۔

۵؍رجب المرجب ۱۴۰۱ھ میں حضرت والا کو دار العلوم دیوبند کی شوریٰ کا رکن مقرر کیا گیا اور پہلی بار شوال المکرّم ۱۴۰۱ھ میں مجلس شوریٰ میں شرکت فرمائی۔ اسی سفر میں یہ خاکسار دورۂ حدیث شریف ملتوی کر کے حضرت والا کی خدمت میں باندہ حاضر ہوا۔

اس کے بعد ماہ صفر ۱۴۰۲ھ میں کیمپ کا زمانہ تھا اس میں شرکت نہ کر سکے اور معذرت کا خط اس خاکسار کے ہاتھ روانہ فرما دیا۔ پھر ربیع الاول ۱۴۰۲ھ میں مسافر خانہ لکھنو میں شوریٰ ہوئی جس میں حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ مہتمم دار العلوم دیوبند کے استعفیٰ کا مسئلہ بھی سامنے تھا اس میں بھی حضرتؒ نے شرکت نہیں فرمائی۔ پھر جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ اور شعبان ۱۴۰۲ھ کی شوریٰ میں بھی شرکت نہ کر سکے۔ پھر صفر ۱۴۰۳ھ کی شوریٰ میں شرکت فرمائی۔ پھر شعبان ۱۴۰۳ھ اور صفر ۱۴۰۳ھ میں شرکت نہ کر سکے۔ اور ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ میں شرکت فرمائی۔ پھر شعبان ۱۴۰۴ھ میں صاحبزادے کی شادی کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ پھر ۱۴۰۵ھ میں آخری بار شرکت فرمائی۔ پھر شعبان ۱۴۰۵ھ کی شوریٰ میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے استعفیٰ پیش فرمایا۔ اور استعفیٰ دینے سے قبل مجلس شوریٰ کے روح رواں حضرت اقدس مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں سارے مشاغل وعوارض کو پیش فرمایا تو حضرت والا کے حالات کو دیکھ کر حضرت اقدس مولانا نعمانی علیہ الرحمۃ نے استعفیٰ کی منظوری کی سفارش فرمائی۔ چنانچہ استعفیٰ قبول کر لیا گیا۔ ذیل میں استعفیٰ نامہ بعینہٖ درج ہے:

باسمہٖ سبحانہ

مکرم بندہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب (مدظلہ) مہتمم دار العلوم دیوبند، دام کرمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے کہ خیریت سے ہوں۔ احقر کے ذاتی اور مقامی حالات ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے شوریٰ کی رکنیت کو برقرار رکھنا بہت مشکل ہے اس لئے گذارش ہے کہ احقر کو اس سے سبک دوش فرما دیں جس میں دار العلوم کے نظام اور شوریٰ سے کسی قسم کے اختلاف کو ہرگز دخل نہیں، دار العلوم کی ہر خدمت اپنے لئے سرمایہ نجات ہے۔ اِن شاء اللہ ہمیشہ اس کے لئے احقر تیار رہے گا۔

جب بھی ضرورت ہو مطلع فرما دیا کریں۔ اپنے حالات کی تفصیل اپنے بعض اکابر کے سامنے پیش کر دی ہے جو شوریٰ کے اہم ارکان میں سے ہیں۔

احقر صدیق احمد
خادم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ
۵؍رجب ۱۴۰۵ھ

۵؍رجب کو لکھا گیا استعفاء شعبان کی شوریٰ میں پیش ہوا۔ جو منظور کیا گیا۔

الغرض شوریٰ کی رکنیت کے بعد کیمپ سے پہلے ایک مجلس میں شرکت ہوسکی جو شوال ۱۴۰۱ھ میں ہوئی تھی۔ پھر کیمپ کے بعد چار سال تک رکنیت باقی رہی ہے اور اس اثناء میں متعدد مجلسوں میں شرکت فرمائی ہے اور اس اثنا میں حضرت والا کے صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی نجیب احمد صاحب مدظلہ العالی نے ۱۴۰۳ھ تا ۱۴۰۴ھ دو سال تک دورۂ حدیث شریف اور افتاء کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں فرمائی ہے۔

جب حضرت والا دارالعلوم دیوبند تشریف لاتے تو احاطہ دارالعلوم میں حضرت والا کے ہر طرف طلبہ کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ جب مزار قاسمی تشریف لے جاتے تو راستہ میں ہر طرف سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد ساتھ میں جاتی تھی جس کی وجہ سے دور سے دیکھنے والے عجیب حیرت سے دیکھتے تھے، کیا بات ہے اس قدر ہجوم کیوں ہو رہا ہے اور دیکھنے والوں کو وہ حدیث شریف ضرور یاد آتی تھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل امین کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس سے محبت کرو پھر آسمان پر اس کا چرچا ہو جاتا ہے پھر اس کی محبت کا سلسلہ زمین والوں میں جاری ہو جاتا ہے اور تمام انسان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

إذا أحب اللّٰه عبدًا نادى جبريلً إني قد أحببت فلانًا فأحبه، قال: فينادى في السماء ثم تنزل له المحبة في أهل الأرض فذلك	جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو پکار کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو پھر اس کا آسمانوں میں اعلان کیا جاتا ہے، پھر اس کی

قول اللّٰہ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (سنن الترمذي ١٤٩/٢، مسند أحمد ٤١٣/٢) محبت اہل زمین میں اتاری جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ''بے شک جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتا ہے''۔

دنیا سے بے رغبتی

حضرت والا کی زندگی بچپن سے تادم حیات نہایت عسرت اور تنگی کی تھی، نہایت سادہ اور معمولی غذا، بس جس سے انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ سادی روٹی یا باسی روٹی اور چٹنی، اچار آپ کی غذا تھی، حضرت والا کبھی کبھی سبق میں موجودہ سہولت کے شکریہ میں اپنی ابتدائی زندگی اور تنگ دستی کو بیان فرماتے تھے۔ ایک دفعہ صاحبزادہ حضرت مولانا حبیب احمد صاحب اور مولانا نجیب احمد صاحب کا نام لے کر فرمایا کہ کبھی کبھی حبیب نجیب کو کئی کئی وقت مہوا (ایک درخت کا پھل) کھلانے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ حضرت والا کی زندگی میں دنیا کے بارے میں کسی قسم کا کوئی پلان نہیں تھا؛ بلکہ حدیث پاک: ''**کن في الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل، وعد نفسك من أھل القبور**''. (حدیث) (سنن الترمذي ٥٩/٢) کی پوری ترجمانی حضرت والاؒ کی زندگی سے ظاہر ہوتی تھی۔

اگر کوئی شخص حضرت والا کو تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو فرماتے کہ مجھے ضرورت نہیں کسی ضرورت مند کو دے دو، قبول نہیں فرماتے؛ لیکن اگر کسی کا ہدیہ لینے میں اس کی اصلاح نظر آتی تو قبول فرما لیتے اور اسی سفر میں وہ تحفہ کسی دوسرے کو دے دیتے تھے۔ بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اس خاکسار نے بارہا دیکھا ہے کہ کافی موٹی موٹی رقم کے ہدایا پیش کئے جاتے تھے مگر نہایت بے نیازی سے مسترد فرماتے تھے۔ یہ خاکسار بھی بارہا بہت سے احباب کے ہدایا قبول کرنے کے لئے سفارش کرتا تھا مگر قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں لے کر کروں گا کیا؟ کسی اور دیدو، یہ حدیث پاک یاد آتی تھی۔

مـن كـان الآخرة همه جعل اللّٰه غـنـاءً ا في قلبه وجمع له شمله وأتتـه الـدنيـا وهي راغمة ومن كانت الدنيا همه جعل اللّٰه فقره بيـن عيـنيـه وفرق له شمله ولم يـأتـه الـدنيا إلا ما قدر له. (سنن الترمذي ٧٣/٢)

جس کا مقصد ومنتہا آخرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُس کو استغناء کی دولت سے مالا مال فرماتا ہے اور اس کے منتشر کاموں کو بآسانی مکمل کردیتا ہے اور دنیا اُس کے پاس ذلیل وخوار ہوکر آتی ہے اور جس کا مقصد دنیا ہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُس کے دونوں آنکھوں کے درمیان محتاجی کی مہر لگادیتا ہے اور اس کا کام منتشر کردیتا ہے اور دنیا اس کے پاس صرف اتنی ہی آتی ہے جتنی اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔

حضرت والا کی زندگی ''جعل اللّٰه غناه في قلبه وأتته الدنيا وهي راغمة'' کا صحیح مصداق نظر آتی تھی دنیا سے بے رغبتی اور بے نیازی کیوں نہ ہو۔ اس ذات کا تو تصور ہر وقت آخرت کا ہی رہتا تھا۔ ایک دفعہ بیماری کی حالت میں اشعار کی شکل میں یہ کلام ارشاد فرمایا:

ہوا جب سے دیوانہ آپ کا خلوت میں رہتا ہوں
کسی سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں میری

یہ دنیا دار فانی ہے فقط ایک خواب ہے شب کا
جو دیکھا غور سے میں نے تو آنکھیں کھل گئیں میری

جس کا فکر جس کی سوچ ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہو اور فکر آخرت میں بے چین رہتا ہو اس کو اس دنیائے فانی سے کیا تعلق ہوسکتا ہے، وہ رہ گذر کو کب گھر بنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سیاہ کاروں کو حضرت والا کی زندگی سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسباق کی پابندی

۱۴۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں خاکسار کا دورہ حدیث شریف کا سال تھا۔ مگر فراغت

سے قبل حضرت والا کی خدمت میں ایک سال رہنے کا ارادہ ہوگیا۔ لہذا حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ کے مشورہ اور اجازت سے دورۂ حدیث موقوف کرکے ہتھورا ضلع باندہ جاکر حضرت والا کی خدمت میں ایک سال رہنا نصیب ہوا اس سال حضرت والا سے متعلق حسب ذیل کتابیں تھیں۔ شرح جامی، شرح تہذیب، قطبی، مختصر المعانی، جلالین شریف، ہدایہ رابع، مقامات حریری، شرح وقایہ (کبھی کبھی)، الفیہ ابن مالک، اس زمانہ میں وہاں دورہ نہیں تھا۔ ان میں شرح جامی، شرح تہذیب، اور قطبی کا سبق پورے سال تہجد کی نماز کے بعد نماز فجر سے قبل ہوتا تھا۔ سب لڑکے اذان فجر سے تقریباً دو گھنٹہ قبل اٹھتے اور دو چار رکعتیں نفل پڑھ کر درس میں حاضر ہوجاتے تھے۔ سب سے پہلے شرح جامی، اس کے بعد شرح تہذیب پھر قطبی کا سبق ہوتا تھا، اسی اثنا میں فجر کی اذان ہوجاتی تھی۔ اور جماعت سے دس منٹ پہلے تک سبق بند فرمادیتے تھے۔ پھر فجر کی نماز کے بعد متصلاً دوبارہ سبق کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا سب سے پہلے مختصر المعانی اس کے بعد جلالین شریف کا سبق ہوتا تھا۔ پھر کچھ دیر کے لئے وقفہ فرماتے تھے۔ اس کے بعد مدرسہ کا باضابطہ تعلیمی وقت شروع ہوجاتا تھا۔ یہ معمول صرف حضرت والا ہی کا تھا اور جو وقفہ کا وقت ہوتا تھا اس میں مہمانوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ ان میں اکثر تعویذ کے لئے ہوتے تھے۔ نماز اشراق کے بعد ان سب کا کام کردیتے تھے۔ اسی طرح دوپہر کو سبق کے بعد پھر عصر کے بعد تعویذ والوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ ان اوقات میں سب کا کام کردیا کرتے تھے۔ اس کے بعد بقیہ اسباق مدرسہ کے ضابطہ کے مطابق مقررہ گھنٹوں میں ہوتے تھے۔ پورے سال علاوہ سفر کے اس معمول میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ جب سفر میں جانا ہوتا تو اپنے تمام اسباق پڑھا کر ہی روانہ ہوتے تھے پھر سفر سے جب واپس تشریف لاتے تو ایک دم درس گاہ پہنچ جاتے۔ اور مائک میں اعلان ہوجاتا تھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں۔ فلاں جماعت والے درس گاہ میں پہنچ جائیں۔ اگر رات کے ایک بجے یا دو بجے تشریف لاتے تو بھی اسی وقت اعلان ہوجاتا تھا۔ اور سب طلبہ فوراً بھاگے بھاگے بستر چھوڑ کر کتابیں ہاتھ میں لے کر درس گاہ میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ یہ خاکسار بھی حضرت والا کے

تمام اسباق میں شریک رہتا تھا۔ نیز جب کوئی استاذ بیمار ہوجاتے یا سفر میں چلے جاتے تو اس کے متعلق جتنی کتابیں ہوتی تھیں، وہ سب بھی پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت کا کھانا

پورے سال دوپہر کا کھانا درس گاہ میں آیا کرتا تھا۔ طلبہ عبارت پڑھتے، اسی اثنا میں جلدی جلدی کھانا تناول فرمالیا کرتے تھے، اور جوں ہی عبارت ختم ہوئی۔ کھانا بند فرمادیتے۔ پھر دوبارہ نہیں کھاتے تھے۔ ہوشیار طالب علم بتکلف آہستہ آہستہ عبارت پڑھتے تھے تاکہ کچھ کھالیں اور کبھی مرغن کھانا نہیں آتا تھا۔ اکثر باسی روٹی اور اچار آتا تھا۔ اور گوشت کا بھی شوق نہیں تھا۔ اور کبھی بے آرامی کی وجہ سے سر میں چکر اور متلی آنے لگتی تھی اور ایسا بھی بہت دفعہ ہوا کہ آپ طلبہ سے کہتے کہ تم لوگ عبارت پڑھو مجھے الٹی آرہی ہے۔ یہ کہتے ہی فوراً جلدی سے درس گاہ کے سامنے نالی پر پہنچ جاتے اور قے کر لیتے تھے۔ واپس تشریف لاکر نہایت نڈھال ہو جاتے اور تکیہ پر ٹیک لگا کر بڑے بڑے سانس لیتے تھے اور اسی حالت میں سبق کی تقریر شروع ہو جاتی تھی۔ نیز جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اکثر فاقہ سے تشریف لاتے تھے۔ جب طلبہ کو درسگاہ میں آنے کے لئے اعلان کیا جاتا تھا تو آواز گھر میں بھی سنائی دیتی تھی۔ طلبہ کے جمع ہوتے ہوتے گھر سے باسی روٹی اور چٹنی یا اچار آجایا کرتا تھا۔ پھر وہی بات کہ طلبہ عبارت پڑھتے تھے اور اسی اثنا میں کچھ کھالیا کرتے تھے۔

پوری زندگی مدرسہ کی خدمت میں گذاردی مگر کبھی مشاہرہ نہیں لیا، حسبۃً للہ کام کیا۔ حضرتؒ کے تین صاحبزادگان ہیں: حضرت مولانا حبیب احمد صاحب، مولانا نجیب احمد صاحب، مولانا حسیب احمد صاحب، یہ تینوں بھی مدرسہ میں بلا تنخواہ پڑھاتے ہیں۔ اور کسی کو اپنی زندگی میں مدرسہ کا ذمہ دار بننے نہیں دیا۔ تینوں صاحبزادوں نے چھوٹے چھوٹے کاروبار کر رکھے ہیں اس سے گذارا ہوتا ہے اور مدرسہ میں حسبۃً للہ پڑھاتے ہیں۔ حضرت والا کی ایسی زندگی ہم لوگوں کے لئے درس عبرت ہے۔

اہلیہ محترمہ کا انتقال

حضرت والا کی اہلیہ محترمہ مرض الوفات میں تھیں اور ادھر حضرت سبق پڑھا رہے تھے گھر سے اطلاع آئی کہ حالت زیادہ خراب ہوگئی ہے حضرت والا دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر میں واپس آکر دوبارہ پڑھانا شروع کردیا۔ بخاری شریف پڑھا رہے تھے مگر اطلاع آئی کہ حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ حضرت نے یہ سوچا کہ سبق ختم کر کے جاؤں گا۔ اسی اثنا میں اطلاع آئی کہ انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سبق بند کر کے گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں تشریف لاکر پھر سبق پڑھانا شروع کردیا۔ جب ہم لوگ مرادآباد سے تعزیت کے لئے ہتھورا حاضر ہوئے تو حضرت والا نے فرمایا کہ اتفاق کی بات ہے کہ بخاری میں کتاب الجنائز کا بیان چل رہا تھا، اور اتفاق یہ بھی رہا کہ جس وقت طبیعت زیادہ خراب ہونے کی اطلاع آئی تھی اس وقت قریب المرگ کے مسائل چل رہے تھے، اور جس وقت انتقال کی اطلاع آئی اس وقت وہی مسائل چل رہے تھے، اور جس وقت غسل اور کفن دیا جا رہا تھا تو وہی بحث چل رہی تھی، اور جس وقت جنازہ نماز کے لئے لایا گیا تھا اس وقت نماز جنازہ اور دفن کے مسائل چل رہے تھے، حضرت والا کی گفتگو سے ”من أحب لقاء اللّٰہ أحب اللّٰہ لقاء ہٗ“ (سنن الترمذي) کا پورا نقشہ نظر آرہا تھا۔

سفر کی مشقت

حضرت والا کے اسفار کے لئے باضابطہ اصول نہیں ہوتا تھا، جس نے جس طرح پروگرام مانگا اسی طرح وقت دے دیا کبھی کبھی بے ترتیب سفر ہونے کی وجہ سے سفر بھی بہت زیادہ طویل ہوجایا کرتا تھا کئی کئی روز تک سونے اور آرام کے لئے وقت میسر نہیں آتا تھا، جس کے نتیجے میں صاحب فراش مریض کی طرح نڈھال ہوجاتے تھے مگر پھر بھی آرام نہیں فرماتے تھے، حضرت والا سے قریب قریب تمام ہی اسفار میں ایسا ہوتا تھا، کہ اگر کسی ایک جگہ کا پروگرام ہے تو راستہ میں اثناءِ سفر کئی کئی ضمنی پروگرام ہوجایا کرتے تھے، محض دوسروں کے آرام اور ان کے دینی فوائد کے پیش نظر اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے تھے، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک پرگرام کے لئے جتنا وقت

لگنے کا اندازہ ہوتا تھا اتنے میں راستہ راستہ درخواست کرنیوالوں کی درخواست قبول کرنے کی وجہ سے آٹھ آٹھ دس دس پروگرام ہوجاتے تھے آرام اور کھانے کے اوقات کو ان کے لئے قربان کرتے تھے، اس لئے ہتھورا سے حضرت والا کے ساتھ رفیق سفر بن کر جانے کے لئے وہاں کے حضرات میں سے کوئی مشکل سے ہمت کرتا تھا کیونکہ جو بھی ساتھ جاتا تھا، اکثر بے آرامی کی وجہ سے بیمار ہوجاتا تھا۔ کھانے کو تو خوب ملتا تھا۔ مگر سونے کو نہیں ملتا تھا۔

اور دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ باہر کے لوگ ہر طرف سے حضرت والا کے ساتھ وقت لگانے کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔ اور کہیں بھی تشریف لے جاتے تھے راستہ میں لوگ ساتھ ہوجایا کرتے تھے۔ اس لئے روانگی سے واپسی تک مستقل رفیق سفر یا خادم بہت ہی کم ہوا کرتا تھا کہیں کوئی ساتھ ہولیا کہیں کوئی۔

حضرت والا کے سفر کے لئے سواری کی تخصیص نہیں تھی۔ بلکہ جس طرح بھی سواری کا اتفاق ہوتا اسی سے روانہ ہوجاتے تھے۔ کبھی سائیکل کے پیچھے کبھی اسکوٹر کے پیچھے کبھی تانگہ، کبھی ٹرکٹر کبھی ٹرک میں، کبھی بس میں، کبھی کار میں اور کبھی ٹرین میں، الغرض جیسی بھی سواری مل جاتی تھی، بلاتکلف اس پر سوار ہوجاتے تھے۔

حضرت مولانا سید احمد ہاشمی مدظلہ ریلوے کے بڑے افسر تھے۔ انھوں نے حضرت والا کے لمبے لمبے اسفار کی مشقتیں دیکھ کر ریلوے پاس بنوادیا تھا جس سے اے، سی اور فرسٹ کلاس میں سفر کرسکتے تھے مگر حضرت والا اس سے سفر کرنے کو تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے، اس کو جیب میں رکھتے ہوئے ٹکٹ لے کر سفر فرماتے تھے۔

حدیث پاک: ’’اللّٰهم أحيني مسكينًا وأمتني مسكينًا واحشرني في زمرة المساكين يوم القيٰمة. (سنن الترمذي ٢/٦٠) کی پوری پوری جھلک حضرت والا کی ذات ستودہ صفات میں نظر آتی تھی۔

سفر خرچ

حضرت والا صرف واجبی کرایہ لیتے تھے۔ اس سے زائد نذرانہ نہیں لیتے تھے، کار سے

سفر ہوتا تو صرف اس میں تیل ڈالنے کی اجازت ہوتی تھی مگر افسوس یہ ہے کہ بعض بعض سفر میں لوگ تیل بھی نہیں ڈالتے تھے۔ حضرت والا کی زندگی نہایت مسکنت اور غربت کی تھی ایسی حالت میں اپنی جیب سے تیل بھی ڈالنا ہوتا تھا اور اپنے پیسے سے کرایہ اور ٹکٹ فراہم کرنا ہوتا تھا ایک دفعہ خاکسار سے فرمایا کہ مولوی شبیر! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بلا ٹکٹ سفر کرتا ہوں۔

تین عبرت ناک واقعات

ہم یہاں عبرت کے لئے تین واقعات ذکر کر دیتے ہیں:

(۱) مشرقی یوپی میں مدرسہ وغیرہ کی سنگ بنیاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کے متبرک ہاتھ سے سنگ بنیاد رکھنا ہوتا ہے اُس کے ہاتھ میں کدال یا پھاوڑا دیا جاتا ہے، سب سے پہلے مٹی کی کھدائی وہی کرے گا۔ ایک دفع رفیق سفر کی حیثیت سے یہ خاکسار بھی تھا، حضرت اقدس مولانا باقر حسین صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی نے ضلع بستی اور سدھارتھ نگر کے مختلف مقامات میں پروگرام رکھا تھا، اُن میں کئی جگہ سنگ بنیاد کا بھی پروگرام تھا، یا اللہ اس کمزوری کی حالت میں حضرت والا کے ہاتھ میں پھاوڑا دے دیا جاتا تھا۔ ایک جگہ رات کے ڈیڑھ یا دو بجے پہنچے وہاں جو لوگ گاؤں دیہات سے آئے ہوئے تھے سب سو گئے، بجلی بھی نہیں تھی، راستہ بھی نہایت خراب تھا، ۲؍ بجے رات وہاں حضرت والا کے ہاتھ میں پھاوڑا دے دیا گیا، لوگ ٹارچ اور لالٹین لے کر کھڑے ہیں، اور حضرت والا نے اس کمزوری کی حالت میں پھاوڑا مارنا شروع کر دیا، اور پھر اسی وقت فوراً واپس روانہ ہو گئے اور صبح صادق سے پہلے پہلے دوسری جگہ پہنچ گئے، نوم اور آرام سب قربان کر دیا گیا۔

(۲) ایک دفع کانپور، لکھنؤ، بارہ بنکی، فیض آباد، لکھیم پور، سیتا پور، محمدی وغیرہ ایک ہی سفر میں لگاتار پانچ روز کا پروگرام تھا، ایک مقام سے دوسرے مقام تک سو دو سو کلومیٹر کا فاصلہ ہوتا تھا، اور راستہ میں ضمنی پروگرام بھی بار بار ہوتا رہا۔ دن و رات مسلسل کئی روز تک ایک جگہ کے جلسہ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً دوسری جگہ کے لئے روانہ ہو جاتے تھے۔ اسی حالت میں کئی

روز گذرنے کے بعد لکھیم پور میں رات کا پروگرام اور صبح کو محمدی جانا تھا، تو وہاں کچھ وقت رات کو سونے کے لئے ملا تھا، گویا پانچ روز میں صرف دو گھنٹہ کا آرام تھا۔ اس سفر سے واپسی کے بعد یہ خاکسار کئی روز تک بیمار رہا کہ صرف کھانے کو ملتا تھا، سونے کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ فرشتے کے ساتھ انسان کا سفر کیسے ہوسکتا تھا؟

(۳) ایک دفعہ حضرت والا کا پروگرام ضلع ہردوئی میں موضع اسٹی اعظم پور میں بعد نماز عشاء تھا، اس کے ایک دن کے بعد مرادآباد، رام پور، ٹانڈہ، سنبھل، نرولی، ڈھکہ، اوجھاری، حسن پور، امروہہ اور ہاپوڑ وغیرہ کا مسلسل کئی روز پروگرام تھا۔ اعظم پور کے بعد درمیان میں صرف ایک دن خالی تھا، وہ بھی سفر میں گذر سکتا تھا، اس لئے ہم لوگ حضرت والا کو مرادآباد لانے کے لئے اسٹی اعظم پور پہنچ گئے، راستہ اس قدر خراب تھا کہ جناب حاجی ولی الرحمٰن صاحب شمسی کی گاڑی تھی، حضرت مولانا محمد سالم صاحب ہردوئی اُستاد مدرسہ شاہی، حاجی ولی الرحمٰن صاحب اور خاکسار تینوں پیدل چلتے رہے اور خالی گاڑی کو ڈرائیور کسی طرح لاتا رہا۔ ہم لوگ اعظم پور اس وقت پہنچے، جب حضرت والا کا بیان ختم ہو چکا تھا، اسی وقت واپس روانہ ہوگئے۔ رات تقریباً دو بجے سنڈیلہ پہنچ گئے، ہم لوگوں نے درخواست کی کہ رات یہیں آرام فرمائیں اور صبح مرادآباد کے لئے روانہ ہوجائیں، مگر حضرت والا نے ہم لوگوں کو ایک صاحب کے حوالہ کردیا کہ تم لوگ رات یہیں آرام کرلو اور صبح لکھنؤ جا کر حاجی حسنین کے یہاں رہنا اور میں باندہ جا کر سبق پڑھا کر رات کو کسی وقت لکھنؤ پہنچ جاؤں گا، چنانچہ حضرت والا روانہ ہوگئے۔ دن کے دس بجے آٹھ گھنٹہ میں ہتھوارا پہنچ گئے اور وہاں پہنچتے ہی سبق شروع فرمایا، ایک بجے تک سبق پڑھا کر فوراً روانہ ہوگئے اور ۹ ؍بجے رات کو لکھنؤ پہنچ گئے، اسی وقت ہم لوگوں کو لے کر فوراً مرادآباد روانہ ہوگئے، فجر کی نماز مرادآباد میں ادا کی گئی، اور کہیں آرام نہیں فرمایا۔ حدیث پاک: ”**ما لي وللدنيا ما أنا في الدنيا إلا كراكب استظل تحت شجرة ثم راح وتركها**“. (سنن الترمذي ۹۳/۲) کا پورا پورا مصداق نظر آرہے تھے۔

حضرت والا کے سر کا درد

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ کے سر میں مستقل درد رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ درس گاہ میں سب لڑکے سر پر پگڑی باندھ کر آئے، حضرت والا نے دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی ہمیشہ پگڑی باندھتا تھا، مگر ایک عرصہ سے سر میں درد کا عارضہ ہے، جس کی وجہ سے اس سنت پر مستقل عمل نہیں ہو رہا ہے، اور فرمایا طالب علمی کے زمانہ ہی سے سر میں درد کا عارضہ ہے، جو تقریباً چالیس سال سے ہے۔

دیکھنے میں آتا تھا کہ کبھی کبھی سر میں درد کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو جاری ہو جاتے تھے اور آنکھیں بالکل لال ہو جاتی تھیں، یہ تکلیف دیکھ کر وہ حدیث شریف یاد آتی ہے۔

أشد الناس بلاءً الأنبياء ثم العلماء ثم الصلحاء. (الترغيب والترهيب ١٤١/٤)

دنیا میں سب سے زیادہ مصیبت میں مبتلا انبیاء علیہم السلام پھر علماء پھر نیک لوگ ہیں۔

وقوله عليه السلام: أشد الناس بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل، يبتلىٰ الناس علىٰ حسب دينهم. (الترغيب والتربيب ١٤١/٤)

اور فرمایا سب سے زیادہ بلاء اور مصیبت میں انبیاء علیہم السلام ہیں پھر ان کے بعد کے لوگ پھر اُن کے بعد کے لوگ اور لوگوں کو ان کی دین داری کی حیثیت سے مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

اس قدر درد اور تکلیف کے باوجود کبھی بھی اپنے کسی کام میں ناغہ نہیں فرمایا۔ حضرت والا کے اسباق سب سے پہلے ختم ہو جایا کرتے تھے۔

خدا کی مدد کا ظہور

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کو مقبول بندوں کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کرتا ہے۔ خدائے قادر مطلق نے حضرت والا قاری صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات سے بہت سی امداد غیبی کا اظہار فرمایا ہے، یہاں ہم صرف دو واقعے نقل کر دیتے ہیں:

(۱) دیوان گنج کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت والا کے ساتھ رفیق سفر کی حیثیت سے یہ خاکسار بھی تھا، علی الصباح ہتھورا سے روانہ ہوگئے، رائے بریلی، پرتاپ گڈھ، سلطان پور اور الٰہ آباد کے مختلف مقامات میں جانا تھا۔ حضرت مولانا مفتی جلال الدین صاحب دیوان گنج (پرتاپ گڈھ) سے جیپ گاڑی لے کر آئے تھے، اُن کی گاڑی سے تقریباً سات بجے رائے بریلی پہنچ گئے، وہاں حضرت والا کی بڑی صاحبزادی رہتی ہیں، ان کے وہاں رفقاء سفر کے لئے ناشتہ تیار کرنے کو کہلوادیا اور فرمایا کہ اتنے ناشتہ تیار ہو، ہم حضرت والا مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی صاحب مدظلہٗ سے ملاقات کر کے آتے ہیں، وہاں سے جب واپس ہوئے تو دیکھا کہ شہر میں ایک ہنگامہ ہوگیا۔ ایک مسجد میں بم پھٹنے کی وجہ سے کئی جانیں ضائع ہوگئیں، تو شہر کے باہر باہر نکل کر پرتاپ گڈھ کے لئے روانہ ہوگئے۔ وہاں شہر سے کچھ فاصلہ پر دیوان گنج کے نام سے ایک آبادی ہے، مئی جون کا مہینہ تھا، سخت ترین گرمی تھی، پنڈال کے اندر جتنے افراد تھے اُس سے دوگنے سے زیادہ پنڈال کے باہر لوگ تھے، گرمی کی تپش کی وجہ سے نہایت برا حال تھا۔

ساڑھے تین بجے حضرت والا کا بیان شروع ہوا، خطبہ شروع کرنے سے قبل کرسی پر بیٹھتے ہی فرمایا کہ بھائی آپ لوگ دھوپ میں ہیں، ہم سایے میں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ کوئی شکل پیدا ہوجائے، یہ جملہ زبان سے نکلا ہی تھا، فوراً گاڑھا بادل آگیا، ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہوگئیں، اس وقت حاضرین میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور کے بہت سے علماء فضلاء موجود تھے، کسی کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، کوئی مسکرا رہا تھا۔ اسی حالت میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پروگرام چلا، اور عصر کی نماز شہر پرتاپ گڈھ میں ابوالکلام آزاد اسکول میں پڑھنی تھی۔ جب دیوان گنج سے روانہ ہوگئے تو دھوپ پوری طرح اپنی جگہ لوٹ آئی، بادل ہٹ گیا۔ ’’مــن کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ‘‘ (الحدیث) کا پورا منظر دیکھنے میں آرہا تھا۔

(۲) ڈاکوؤں کا واقعہ

دوسرا واقعہ جو اکثر لوگوں کو معلوم بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والا کانپور سے مدرسہ کے لئے کچھ رقم لے کر آرہے تھے، چار ڈاکو آپ کے پیچھے لگ گئے۔ باندہ شہر سے قصبہ بیروجانے کے راستے میں نومیل کے فاصلے پر ہتھورا کے لئے جنگل میں ہی اترنا پڑتا ہے، اُس زمانہ میں وہاں سے ہتھورا کے لئے پکا راستہ نہیں تھا، وہاں پر حضرت والا کے ساتھ وہ ڈاکو بھی اتر گئے، سورج غروب ہو چکا تھا، جب گاڑی وہاں سے روانہ ہوگئی، تو ڈاکوؤں نے تنہا پا کر حضرت والا کو گھیر لیا۔ حضرت والا نے کہا کہ بھائی میرے پاس اپنا ذاتی کوئی پیسہ نہیں، مدرسہ کے طلبہ کا پیسہ ہے، مگر ڈاکوؤں نے زبردستی شروع کردی، تو حضرت نے اطمینان سے رقم نکال کر دے دی، تو وہیں اُن کی آنکھیں اندھی ہوگئیں، ہاتھ پیر شل ہوگئے، صبح تک وہیں پڑے رہے اور حضرت خالی ہاتھ مدرسہ پہنچ گئے۔ تہجد کے بعد دو ہوشیار طالب علم سے فرمایا کہ جاؤ ''نومیل'' میں کچھ مہمان ہیں اُن کو لے آؤ، جب طلبا نے وہاں پہنچ کر کہا کہ آپ لوگوں کو حضرت بلا رہے ہیں۔ ہتھورا کی طرف جب وہ لوگ چلنے لگے تو نظر بھی آنے لگا، ہاتھ پیر بھی کام کرنے لگے، مدرسہ پہنچتے ہی اُن لوگوں نے رقم واپس کردی اور حضرت نے بہت اخلاق کے ساتھ ان کو کمرہ میں ناشتہ کروایا اور اُن لوگوں نے توبہ کرلی اور اُس وقت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا قیام جامع العلوم کانپور میں تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ حضرت کے اُستاذ بھی تھے اور رازداں اور مشیر بھی تھے۔ اور اس رقم کے حصول میں حضرت مفتی صاحب کا بڑا تعاون تھا، اس لئے اِس راز کو حضرت مفتی صاحبؒ سے بیان کردیا تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت! ہر بات چھپانے کی نہیں ہوتی، چنانچہ باندہ کی جامع مسجد میں جمعہ میں دورانِ تقریر حضرت مفتی صاحب نے اِس کو ظاہر فرمادیا، جس کا پورے علاقہ میں بہت اچھا اثر پڑا۔ ایک دفعہ اتفاق سے حضرت نے خاکسار سے بیان فرمایا کہ اس رقم کی مقدار چار ہزار روپیہ تھی اور ہتھورا کے دارقدیم چار ہزار روپیہ تھی، اور ہتھورا کے دارقدیم کے آٹھ دس کمرے اس سے بن گئے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی ہمیشہ شفقت اور تعاون شامل رہتا تھا۔

حضرت والا کی جرأت مندی

ایمرجنسی کے زمانہ میں نسبندی کا ہنگامہ چل رہا تھا، جواز کے فتویٰ کے لئے بڑے بڑے علماء پر اندرا گاندھی کی طرف سے دباؤ ڈالا جا رہا تھا، اس زمانہ میں حضرت والا باندہ شہر کی جامع مسجد میں معتکف ہوگئے، علاقہ میں حضرت والا کی گرفتاری کی افواہ اڑ رہی تھی۔ مسلم وغیر مسلم گاؤں دیہات سے بھی آکر بھیڑ لگا رہے تھے، اندرا گاندھی نے وزیر اعلی اتر پردیش کو حکم دیا تھا اور وزیر اعلیٰ نے کانپور کے اعلیٰ افسر کو حکم دیا کہ از خود جا کر باباجی سے زبانی وتحریری جواز کا فتویٰ حاصل کرلیں۔ چنانچہ کانپور سے اعلیٰ سرکاری عملہ سیکڑوں کی تعداد میں دسیوں گاڑیوں میں باندہ پہنچ گئے، اور باندہ کے کلکٹر ڈی-ایم وغیرہ کو ساتھ لے کر باندہ کی جامع مسجد پہنچ گئے، چند بڑے بڑے افسر گفتگو کے لئے مسجد کے اندر داخل ہوگئے۔ حضرت والا سے سوال کیا کہ کہ نسبندی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور۔ یہ حضرات میرے بڑے ہیں یہ لوگ جو کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں، اس پر کانپور اور لکھنؤ سے آئے ہوئے افسروں نے کہا کہ آپ حکومت کی مخالفت کرتے ہیں؟ اِس پر حضرت والا کو جلال آگیا، اور خوب زور زور سے اُن افسروں سے کہا کہ تم کو اتنی عقل نہیں ہے اور اتنا بھی علم نہیں ہے کہ اختلاف اور مخالفت میں کیا فرق ہے یہ بھی معلوم نہیں۔ اختلاف کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی ایک رائے رکھتا ہے اور مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ راستہ راستہ گلی گلی لوگوں سے کہتا رہے کہ حکومت کا فلاں حکم نہ مانو، میں اپنی ایک رائے رکھتا ہوں، مخالفت نہیں کرتا۔ تمہارے اندر اتنا شعور بھی نہیں ہے، تم کیا حکومت کروگے؟ تمہارے اندر حکومت کرنے کی کیا صلاحیت ہے؟ کیا انسان کو رزق دینے والے تم ہو؟ تم خدا کی قدرت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو۔

اس طرح کے جملے خوب زور زور سے کافی دیر تک کہتے رہے، باندہ ایس پی سٹی حضرتؒ

سے اچھی طرح وقف تھا۔ اس نے کہا کہ بھائیو! باباجی بگڑ گئے، ناراض ہوگئے، معافی مانگ لو، ورنہ تمہاری خیر نہیں، نوکری سمیت سب کچھ خطرے میں ہے۔ تمہارے بال بچے، تمہارا گھر سب کچھ خطرے میں ہیں، تباہ ہوجائیں گے۔ (اللہ اکبر! غیر مسلموں میں بھی ایمانی طاقت کا کتنا بڑا یقین ہے) تو تمام بڑے بڑے افسروں نے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہی اس کے بعد کہنے لگے، ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، یہ کہہ کر سب چلے گئے، پھر کبھی حضرت والا کو نہیں چھیڑا۔ یہ ہے ایمانی طاقت اور صحیح معنی میں بندوں سے نڈر اور خدا کا خوف اور اس پر بھروسہ۔

فتنہ ارتداد کا مقابلہ

جس زمانہ میں حضرت والا فتح پور کے مدرسہ سے ہتھورا منتقل ہو رہے تھے۔ اس وقت باندہ اور اس کے اطراف واکناف میں ارتداد کا ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا تھا۔ گاؤں دیہات کے مسلمانوں نے تو اسلام کا نام بھی بھلا دیا تھا۔ ہندو مسلم نے آپس میں شادی بیاہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بلاتکلف مسلمانوں کی لڑکیوں کی شادی ہندوؤں میں ہونے لگی۔ نماز روزہ کا نام بھی بھول گئے تھے۔ ہندوانہ نام، سلام کا طریقہ بھی وہی تھا ''جے رام'' حضرت والا کے رشتہ داروں کا حال بھی قابل افسوس ہوگیا تھا۔ حضرت والا نے اس فتنہ کا مقابلہ، مناظرہ اور علمی دلائل کے ذریعہ سے نہیں کیا بلکہ ﴿اُدْعُ إِلىٰ سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (الآیۃ) کے پیش نظر اخلاق اور نرمی سے گھر گھر پہنچ کر محنت اور اخلاق حسنہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کانپور وغیرہ کی طرف سے تبلیغ جماعت والوں کو بلایا کرتے تھے، جمعرات کو طلبہ کی جماعت بنا کر خود بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک جماعت کے طلبہ سے کہا تم فلاں کتاب بھی ساتھ لے چلو۔ چنانچہ مغرب، عشاء میں گھروں میں گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے ان کے سامنے بات رکھی جاتی تھی، جب عوام سے فارغ ہو جاتے تو طلبا کو سبق پڑھا دیتے تھے یہ خاکسار بھی بارہا حضرت والا کے ساتھ جماعت میں جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے امت کی اصلاح کے لئے حضرت والا کے اندر ایک دھن پیدا کر دی تھی نیز

حضرت کی تعویذ کا سلسلہ بھی لوگوں کی ہدایت کے لئے بڑا کارگر تھا۔اس طریقہ سے رفتہ رفتہ جو مرتد ہوگئے تھے وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہوگئے اور جو لوگ کشمکش میں تھے ان کا اسلام مضبوط ہوگیا آج بھی وہاں جہالت کی اکثریت ہے پورا علاقہ دور دور تک جہالت ہی جہالت ہے اس علاقہ میں علماء اور قال اللہ اور قال الرسول کا ایک بڑا مرکز قائم ہونا نہایت ضروری تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس کامل ترین عالم دین اور صحیح معنی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کے ہاتھ سے یہ کام لیا ہے جو پورے علاقہ کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو قیامت تک کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنا کر قائم رکھے۔آمین

وفات کا سانحہ

حضرت والا کے دل پر کئی مرتبہ مرض کا حملہ ہوا، آج سے تقریباً ۹ رسال قبل ۱۴۰۹ھ میں دل کے عارضہ کی وجہ سے کانپور میں لمبا علاج چلا، علاج مستقل چل رہا تھا، مگر مرض اپنی جگہ باقی، ڈاکٹر عاجز آ گئے، تو اس موقع پر حضرت نے چند نعتیہ اشعار ارشاد فرمائے تھے۔ جو یہاں درج کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

دواؤں سے طبیعت روبصحت ہے نہیں میری ❖ طبیعت مضطرب ہے اب نہیں لگتی کہیں میری
نہیں سمجھا کوئی اس درد کو یہ درد کیسا ہے ❖ دواؤں سے شفا ہرگز نہیں ہرگز نہیں میری
علاج اس کا فقط یہ ہے کہ طیبہ ہونگا ہوں میں ❖ دیارِ قدس میں اشکوں سے تر ہو آستیں میری
دیار پاک ہوتا اور ہوتی یہ جبیں میری ❖ خدا کی رحمتوں سے زندگی ہوتی حسیں میری
گزر جائے یہ باقی عمر ان کے آستانے پر ❖ جہاں ہیں سرورِ عالم بنے تربت وہیں میری
متاعِ دردِ دل جو مل گئی مشکل سے ملتی ہے ❖ خدا کا فضل ہے حالت تو ایسی تھی نہیں میری
نہ دن میں چین ملتا ہے نہ شب میں نند آتی ہے ❖ سکوں باقی نہیں ہے خاطرِ اندوہگیں میری
ہوا پیدا اسی غم کے لئے راحت کا طالب ہوں ❖ طلب کرتا ہوں ایسی شے جو قسمت میں نہیں میری
وہ نقشہ جم گیا ہے اب تو دل میں ذاتِ اقدس کا ❖ تصور میں وہ رہتے ہیں نگاہیں ہوں کہیں میری

ہوا دیوانہ جب سے آپ کا خلوت میں رہتا ہوں ❖ کسی سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں میری
یہ دنیا دارِ فانی ہے فقط اک خواب ہے شب کا ❖ جو دیکھا غور سے میں نے تو آنکھیں کھل گئیں میری
کسی لائق نہیں ثاقب مگر بخشش کا طالب ہے ❖ نظر بس آپ ہی پر ہے شفیع المذنبیں میری

اس مرض سے مکمل شفایاب نہیں ہوئے تھے کہ درد کو گولی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے حسب دستور اسفار اور اسباق سب کام کرنے لگے۔ ٹانگوں میں درد، اور ریڑھ کی ہڈی میں مستقل درد رہتا تھا، سالہا سال سے یہ درد چل رہا تھا، وفات سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل یہ درد بہت زیادہ شدت اختیار کر چکا تھا، علاج کے لئے کانپور تشریف لے گئے، کئی روز تک علاج چلتا رہا، معمولی آرام ہونے پر باندہ واپس تشریف لے گئے، حسب دستور اسباق اور اسفار شروع ہو گئے، اپنے کمرہ سے مسجد تک آنا جانا دشوار ہو گیا، اس لئے مسجد سے متصل ایک کمرہ میں قیام فرمایا، اور اسی حالت میں اسباق ہوتے رہے، مگر چند روز کے بعد پھر درد نے شدت اختیار کر لی درد نا قابل برداشت ہو گیا، تجربہ کار لوگوں کے مشورہ سے لکھنؤ سٹی اسٹیشن سے قریب سحر نرسنگ ہوم میں داخل کر دیا گیا، لگ بھگ ایک ہفتہ تک وہاں علاج چلتا رہا، معمولی افاقہ کے بعد پھر باندہ واپس لے گئے اور حسب دستور اسباق شروع فرما دیئے۔

۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بروز جمعرات حضرت اقدس مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم کے یہاں مدرسہ دعوت الحق ہردوئی میں جلسہ ہونا طے ہوا، اس میں شرکت کی منظوری دے دی۔

۲۲ / ربیع الثانی بروز بدھ بعد نماز ظہر ایک سبق پڑھانے کے بعد تقریباً ۴ / بجے دن میں بخاری شریف پڑھانے کے لئے وضو فرما رہے تھے، پیر دھوتے ہوئے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے، وہاں ڈاکٹروں نے دوائیں دیں، بخار اترا گیا، مگر ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ لکھنؤ لے جاؤ، چنانچہ رات ہی میں لکھنؤ پہنچ گئے، وہاں سحر نرسنگ ہوم میں داخل کر دیئے گئے تھوڑی دیر میں ہوش آیا، وہاں حضرت والا کے صاحب زادگان اور متعلقین تھے، ان کے سامنے تین باتیں فرمائیں۔

(۱) میرا اسلام کہہ دینا (۲) مدرسہ کا خیال رکھا کریں (۳) آتے جاتے رہا کریں۔

زبان پر ورد جاری تھا، اسی حالت میں پھر بے ہوش ہو گئے دوبارہ ہوش نہیں آیا، اسی روز ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ دس اور ساڑھے دس بجے کے بیچ، ابراہیم و محمدؑ کے خوابوں کی یہ حسین تعبیر اس عالم ناسوت سے عالم لاہوت کو رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جنازہ لکھنؤ سے ہتھورا لایا گیا، حضرت والا کی وفات کی خبر منٹوں میں پورے ملک میں پھیل گئی، ملک کے ہر گوشہ سے تانگوں، ٹرکوں، ٹریکٹروں، بسوں، کاروں، ٹرینوں سے آنے والوں کا ایک شور ہو گیا، نماز جنازہ میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی، نماز ختم ہونے کے بعد ہتھورا پہنچنے والوں کی تعداد شرکت کرنے والوں سے کہیں زیادہ تھی۔

حضرت والا کی وفات کے سانحہ سے ہر طرف غم و رنج اور ہر طرف اَندھیرا اَندھیرا نظر آرہا تھا، تقریباً رات دس بجے نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید حبیب احمد صاحب مدظلہٗ نے پڑھائی، جامعہ کے باہر عامۃ المسلمین کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا، رات کے دس بجے سے صبح چار بجے تک مٹی دینے کا سلسلہ جاری رہا، فرد واحد کی شکل میں قافلہ چلا گیا ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

(ندائے شاہی اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء)

اُستاذ گرامی کی یاد

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ
کی چند خصوصیات اور چشم دید معمولات ومجاہدات کا ذکر

مولانا عبدالجلیل خان صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد

مجھے دو سال ۸۳-۱۹۸۴ء جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، اس دوران حضرت مولانا قاری صاحبؒ کے جن کمالات کا مشاہدہ کیا انھیں بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں تاہم چند یادداشتیں تحریر کررہا ہوں، اس سے حضرت کی شخصیت اور آپ کی عظمت کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مدرسہ اور درس وتدریس

استاذ محترم حضرت مولانا شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذ حدیث ومعقولات جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ نے بیان فرمایا کہ جب حضرت نے ہتھورا میں مدرسہ قائم فرمایا تھا اس انتہائی تنگی کا زمانہ تھا۔ حضرت ہم لوگوں کو صبح سے شام تک خود ہی پڑھاتے تھے تقریباً شام تک ۱۸ر سبق ہوتے تھے جمعہ کے روز ہم لوگ جنگل سے لکڑیاں اکٹھا کرکے لاتے اور اس سے کھانا پکاتے تھے اور کھاتے تھے پیسہ کی تنگی تھی اس لئے مدرس رکھنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ یہ لکڑیاں اتنی مقدار میں ہوتیں کہ ہفتہ بھر کیلئے کافی ہوجاتیں۔ یہ معمول ہر ہفتہ جاری رہتا۔

حضرت کو سب سے زیادہ دلچسپی اور تعلق پڑھنے پڑھانے سے تھا، سخت بیماری کے باعث بھی سبق کا ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ اتفاقاً اگر کوئی استاذ موجود نہیں ہوتا تو حضرت ان کے

اسباق بھی پڑھادیتے۔ باہر کے سفر سے آتے ہی اعلان ہوجاتا کہ حضرت تشریف لاچکے ہیں، شرح جامی کے طلبہ درس گاہ میں حاضر ہوجائیں۔ حضرت درس گاہ میں تشریف فرما ہوکر اپنے سارے اسباق پڑھاتے جب حضرت قاری صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ مرض الموت میں تھیں، حضرت اس وقت درس دے رہے تھے۔ گھر سے اطلاع آئی کہ زیادہ طبیعت خراب ہے۔ تشریف لے چلیں۔ حضرت نے فرمایا چلو سبق مکمل کر کے آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں اطلاع آئی کہ انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ گھر پر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لائے اور پھر پڑھانا شروع کردیا سردیوں میں فجر سے قبل سبق پڑھادیتے تھے۔ بعد الفجر شرح جامی پڑھاتے۔ اس کتاب سے حضرت کو بہت انسیت تھی۔ ایک مرتبہ جلالین شریف کے سبق میں فرمایا کہ جنت میں اللہ رب العزت پوچھے گا تمھیں کیا چاہیئے تو میں یہی کہوں گا کہ ہمارے شاگردوں کو بھیج دیجئے، میں ان کو پڑھاؤں گا حضرت کا یہ معمول تھا کہ جس طرح سفر سے آتے ہی پڑھاتے تھے۔ اسی طرح سفر میں جاتے وقت بھی پڑھا کر تشریف لے جاتے تھے۔

درسیات میں پختگی

حضرت کی درسیات اس قدر مستحکم اور مستحضر تھیں کہ جہاں انگلی رکھ دیا جائے پڑھانا شروع فرمادیتے تھے، ہمارے زمانہ میں صرف جلالین شریف، مشکوۃ شریف کا گہرا مطالعہ فرماتے تھے ورنہ دیگر اسباق کا یہ عالم تھا کہ اگر موقع ملا تو مطالعہ فرمالیا ورنہ کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ حضرت بعض کتابوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اس کتاب کا ۴۰ر مرتبہ، اس کا ۴۲ر مرتبہ، اس کا اتنی مرتبہ تکرار کرایا ہے۔

عبادت وریاضت

حضرت کا یہ معمول تھا کہ خواہ سفر میں ہوتے یا حضر میں، تہجد کا اہتمام فرماتے۔ رات میں بہت پہلے اٹھ جاتے۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہوکر ذکر فرماتے رہتے۔ اسی طرح اشراق،

چاشت، تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد و دیگر نوافل نیز اوابین کا بہت خاص اہتمام فرماتے۔ کم از کم ایک پارہ اوابین میں ضرور پڑھ لیتے۔ اس سے زیادہ بھی ہو جاتا تھا۔ تہجد و اوابین کا اہتمام وہاں کے طلبہ میں بھی ہے۔ مغرب کے بعد اکثر طلبہ اوابین میں ایک پارہ پڑھ لیتے ہیں۔

جمعہ کی نماز ہتھورا میں دیہات ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت جمعہ کے لئے ہمیشہ باندہ تشریف لے جاتے اور مرکز والی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرماتے۔ نماز سے قبل آپ کا وعظ ہوتا تھا۔ بعد نماز مجلس ہوتی تھی۔

مغرب اور عشاء کے درمیان کا معمول

ہمارے زمانہ ۸۳-۱۹۸۴ء میں حضرت کا یہ معمول تھا کہ قیام مدرسہ کے موقع پر بعد نماز مغرب تا عشاء خود مسجد تشریف فرما ہوتے، عشاء کی نماز تاخیر سے ہوتی تھی، نگرانی اور مطالعہ فرماتے رہتے، بعد نماز عشاء سنن و نوافل سے فارغ ہو کر ۵-۶ /افراد پر مشتمل طلبہ کے حلقے بنواتے، اور اس میں طلبہ سے حدیثیں سنتے۔ دعائیں وغیرہ کا آپس میں مذاکرہ کرواتے، پھر تمام طلبہ اکٹھا ہو جاتے، حضرت تنبیہ الغافلین یا ریاض الصالحین یا کوئی اور کتاب خود پڑھتے اور طلبہ کو سمجھاتے، صحابۂ کرامؓ اور بزرگان دین کے واقعات سے طلبہ کو ایسے سمجھاتے کہ شاید کوئی باپ اپنے بیٹے کو سمجھاتا ہوگا، پھر ایک طالب علم کھڑا ہوتا اور وہ حضرت کی کتاب تسہیل التجوید کا ایک دو قاعدہ پڑھتا، حضرت اس طرح سمجھاتے کہ وہیں یاد ہو جاتا، پھر ایک مشاق قاری طالب علم کھڑے ہو کر چند آیتیں مشق کراتا، سارے طلبہ اجتماعی طور پر مشق کرتے، اس کے بعد چھٹی کر دی جاتی، طلبہ پھر اپنے تکرار و مطالعہ میں لگ جاتے، حضرت اپنے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔

قرآن سے شغف

حضرت کو قرآن مجید سے بہت شغف تھا، کوئی طالب علم جاتا اس سے فرماتے قرآن سناؤ، بعض مرتبہ حضرت نے فرمایا جس کا قرآن صحیح نہیں آگے علوم کا سیکھنا حرام ہے۔ کیونکہ اصل کتاب یہی ہے اس کے سمجھنے کے لئے دیگر علوم اور کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

مہمان نوازی

حضرت اپنے مہمانوں کا بہت احترام فرماتے اور بہت زیادہ خیال فرماتے تھے، اگر کوئی بڑی شخصیت ہوتی تو آپ استقبال کے لئے باندہ تشریف لے جاتے، اُن سے وعظ کہلواتے، درس دلواتے۔

مولانا محمد اخلد صاحب رشیدی صاحبزادہ محترم حضرت مولانا رشیدالدین صاحب حمیدی مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد جب پڑھنے کے لئے ہتھورا پہنچے، حضرت کو اطلاع ہوئی تو حضرت نے سبق میں کئی بار اِس کا ذکر کیا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے نواسے پڑھنے کے لئے آرہے ہیں اور خوش ہوئے، اور جس روز وہ صبح والی بس سے پہنچے ہیں، اس وقت ہم لوگ مختصر المعانی پڑھ رہے تھے، حضرت استقبال کے لئے ہم لوگوں کو لے کر قبرستان کے پاس جہاں بس رکتی تھی، وہاں تشریف لے گئے، معانقہ فرمایا، پھر ہم لوگ سامان لے کر مدرسہ میں آئے۔

حضرت کی مہمان نوازی بھی بہت مشہور تھی، مہمان سے ملاقات ہوتی خیریت معلوم کرتے فوراً پوچھتے کیا کھاؤ گے؟ اگر ناشتہ کا وقت ہوتا تو ناشتہ کراتے ورنہ کھانا، آنے کا مقصد اور پروگرام معلوم کرتے، اگر تعویذ کی ضرورت ہوتی، تعویذ دیتے، کوئی سواری ہوتی اس پر بٹھادیتے کہ یہ فلاں جگہ جائے گی چلے جاؤ۔

اگر کوئی مہمان خلاف وقت آجاتا اس کے خاطر پریشان ہوجاتے، خود گاؤں میں جاتے دودھ وغیرہ کا نظم فرماتے۔ ایک مرتبہ عشاء کے وقت کچھ مہمان آگئے، حضرت نے گھر اطلاع کرائی، مولانا سید حسیب احمد صاحب آئے، انھوں نے کہا ابھی کھانا تیار ہوا ہے، حضرت نے فرمایا پورا کھانا اٹھالاؤ، مولانا سید حسیب صاحب نے کہا کہ ابھی گھر والوں نے کھانا نہیں کھایا ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ ایک ٹائم نہیں کھائیں گے تو کیا مرجائیں گے۔

ایک مرتبہ مولانا ارشاد احمد صاحبؒ مبلغ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، مولانا چونکہ نازک مزاج تھے، پھل فروٹ گوشت ہی زیادہ کھاتے تھے، تین روز قیام رہا، حضرت اُن کی وجہ

سے لائٹ نہ ہونے کی صورت میں برابر جنریٹر چلواتے تھے، اور ان کے لئے اصلی دودھ، پھل فروٹ، گوشت وغیرہ کا نظم فرمایا اور بہت خیال فرمایا۔

تواضع وانکساری

حضرت قاری صاحبؒ کے اندر تواضع حد درجہ کی پائی جاتی تھی، کوئی پابندی اوقات نہ تھی کوئی کسی وقت بھی مل سکتا تھا، حضرت کے دل میں یہ بات رہتی تھی کہ میری وجہ سے کسی کا وقت بیکار نہ ہو، فوراً اس کا کام کرتے اور اس کا لحاظ فرماتے کہ ہماری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے، ہر آدمی سے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، ہر آدمی یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے ہی زیادہ محبت فرماتے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ہتھورا تشریف لے جاتے، تو حضرت بہت سارے اسباق حضرت مفتی صاحبؒ سے پڑھواتے تھے، اس وقت حضرت طلبہ کی صف میں بیٹھ جاتے، عبارت پڑھتے، اعتراض کرتے، حضرت مفتی صاحبؒ جواب دیتے، کہیں پر کوئی عبارت سمجھ میں نہ آتی، حضرت مفتی صاحب کے پاس بھرے مجمع میں کتاب لے کر حاضر ہو جاتے تھے۔

دنیا سے بے رغبتی واستغناء

حضرت نے اپنا بچپن، جوانی بلکہ پوری زندگی بہت ہی تنگی اور پریشانی میں گزاری، مگر کبھی اس کا اظہار نہیں فرمایا، بہت صبر اور قناعت سے کام لیا۔ حضرت کا مدرسہ اور حضرت کی شخصیت جب خوب متعارف ہوگئی، بڑے بڑے رؤساء مال دار ہتھورا آتے اور بڑی بڑی رقمیں پیش کرتے، مگر حضرت بالکل قبول نہ فرماتے، کوئی بہت اصرار کرتا اور یہ کہتا کہ حضرت مدرسے کے لئے قبول فرمالیں، تو اس پر یہ فرماتے کہ دفتر میں جمع کردیں۔

مولانا محمد عرفان صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ جب حضرت مفتی صاحب نے آخری اعتکاف مدراس میں فرمایا، تو حضرت مدراس تشریف لے گئے، جب حضرت چلنے لگے تو ایک بڑے مالدار شخص جو اُس مسجد کے ذمہ دار تھے اور انھیں کی دعوت پر حضرت مفتی صاحبؒ وہاں تشریف لے گئے تھے، وہ پچاس ہزار روپیہ ہدیہ پیش کرنے لگے، تو آپ نے فرمایا ہٹاؤ اس کو میں

کیا کروں؟ یہ تو ہمارے لئے وبال جان ہے، پھر اُن صاحب نے کہا اس کو مدرسہ کے لئے قبول فرمالیں! حضرت نے فرمایا کہ آپ خود مدرسہ روانہ کردیں، اس وقت مدراس میں ہتھورا کے سفیر آئے ہوئے تھے، حضرت نے اُن کو بلاکر فرمایا، دیکھو اس سے چندہ مت لینا، جب مدرسہ کے سلسلہ میں استغناء کا یہ عالم تھا تو اپنے بارے میں اس سے کہیں زیادہ استغناء رہا ہوگا۔ حضرت نے پوری زندگی اپنے مدرسہ میں حسبۃً للہ تعلیم دی، کبھی مشاہرہ نہیں لیا، یہاں تک کہ حضرت نے اپنا کوئی عالی شان مکان نہیں بنوایا، کھپریل کا مکان پہلے بھی تھا، اب بھی اسی طرح ہے، دیواریں کچی ہیں، حالانکہ لڑکوں کا بہت اصرار رہا، مکان بن جائے، فرماتے میرے پاس اتنے روپے نہیں ہیں۔

ایک بار تیز بارش کی وجہ سے کچا بیت الخلاء تھا ٹوٹ گیا۔ لڑکوں کا اصرار رہا کہ پورا توڑ کر فلش بیت الخلاء بنوا دیا جائے، اس کی وجہ سے بدبو آتی ہے، حضرت نے فرمایا کہ میرے پاس اتنے روپے نہیں ہیں، بس اسی کو درست کروالو۔

اولاد کی تربیت

حضرت نے اپنی ہی طرح اولاد کی تربیت فرمائی، جب پڑھ کر فارغ ہوئے، حضرت نے فرمایا دیکھو اگر باتنخواہ پڑھانا ہے، تو کسی اور مدرسہ میں چلے جاؤ، میں خط لکھ دوں۔ اور اگر یہیں پڑھانا ہے تو حسبۃً للہ تعلیم دو، اور اپنے گذارے کے لئے کچھ کام کرو۔

حضرت نے اپنے لڑکوں کو مدرسہ میں صرف مدرس رکھا کوئی عہدہ نہیں دیا، آخری وقت تک حضرت نے اپنے لڑکوں میں سے کسی کو ناظم یا ذمہ دار نہیں متعین کیا، اور نہ کسی سے اشارہ کیا، حضرت اپنے بچوں کو سفر میں بھی نہیں لے جاتے تھے۔ ایک بار ایک صاحبزادے اصرار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ بزرگ لوگ اپنے لڑکوں کو ہمراہ لے جاتے ہیں، آپ ہم لوگوں کو نہیں لے جاتے، حضرت نے فرمایا کہ تم بے وقوف ہو، خود بنو، ہماری وجہ سے متعارف ہونا چاہتے ہو؟

نیز حضرت مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ بہت محبت فرماتے تھے، خصوصاً چھوٹے طلبہ کے ساتھ، اُن کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ ہم گھر پر نہیں ہیں۔

اسفار

حضرتؒ کے دینی اصلاحی تبلیغی اسفار بہت ہوتے تھے۔ پروگرام سے ڈائری بھری ہوتی تھی، سفر کرنے میں کوئی خاص سواری کا اہتمام نہ فرماتے، بس یہ ہوتا تھا کہ کتنی جلد واپس آ جائیں، جو بھی سواری ملی بیٹھ گئے، بس، ٹرک، جیپ کار، ٹرین، سائیکل سب میں بلا تکلف سفر فرماتے تھے، فرسٹ کلاس، اور اے سی میں سفر سے منع فرماتے کہ اس میں زیادہ روپیہ خرچ ہوتا ہے، اکثر تھری ٹائر میں سفر فرماتے تھے، بسا اوقات پیدل بھی چلتے تھے۔

یتیموں، بیواؤں، اور لاوارثوں کی کفالت

بہت سارے یتیم، بیوہ اور لاوارث کی کفالت، نگہبانی فرماتے، ان کی خیریت معلوم کرتے، ان سب چیزوں کو حضرت بہت پوشیدہ رکھتے تھے۔ ہمارے زمانہ میں ایک لاوارث باندہ کے تھے، حضرت ان کو مدرسہ میں لے آئے، وہ بیمار رہتے تھے، اکثر لیٹے رہتے تھے، حضرت سفر سے آتے تو فوراً اُن کی خیریت معلوم کرتے، اور اُن کے لئے کچھ کھانے کی چیز لاتے۔

ایک بار وہ بہت زیادہ بیمار ہوگئے، حالت ایسی ہوگئی کہ پائخانہ پیشاب تخت پر ہونے لگا، سارے کپڑے اور تخت سب بدبودار ہوگئے، مکھیاں ہر وقت بیٹھی رہتی تھیں، کئی روز کے بعد حضرت تشریف لائے، یہ حالت دیکھی، پہلے سارے اسباق پڑھائے، پھر ہماری جماعت کو لے کر اُن کے تخت کو اُٹھوایا، باہر لائے، ہم لوگوں سے پانی منگوایا، حضرت نے اُن کو اچھی طرح نہلایا، اُن کے کپڑے صاف کرائے، تخت صاف کیا، پھر ہم لوگوں نے حضرت کے ہمراہ تالاب میں جا کر غسل کیا، پھر چند روز کے بعد اُن کا انتقال ہوگیا، اسی قبرستان میں وہ بھی مدفون ہیں۔

کیا کیا بیان کریں، حضرت کی ہر ہر ادا نرالی، اور قابل تقلید تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے، اور حضرت کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۸ء)

ایک شمع رہ گئی تھی......

حضرت مولانا سید ذوالفقار علی صاحبؒ اُستاذ حدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

طلبہ سے کہا جاتا ہے کہ کسی شیخ وقت سے منسلک رہو، فراغت سے پہلے بھی اور فراغت کے بعد بھی اپنی اصلاح کے لئے کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق ضرور قائم کرو اس کے لئے کسی نہ کسی خانقاہ میں جایا کرو۔

مگر میری رائے یہ ہے کہ طالب علم کا شیخ تو درحقیقت ان کا استاد ہے کیونکہ وہ طالب علم کی رگ رگ سے واقف ہوتا ہے اس کی علمی و عملی کمزوریاں اس کے سامنے ہوتی ہیں وہ اس کے مزاج سے پوری طرح واقف ہوتا ہے صبح سے شام تک اس کا پورا وقت استاذ کی نگرانی میں اور زیر تربیت گزرتا ہے، لہذا وہ ہی اس کی اصلاح کی اہلیت رکھتا ہے، اس لئے میرے بھائیو! تم سے کہتا ہوں کہ اپنے اساتذہ میں سے جس سے زیادہ مناسبت ہو اسی کو اپنا شیخ بنا لیا کرو وہ ہی تمھارے حقیقی شیخ طریقت اور مخلص مشیر ہے اس پر اعتماد کرو اور اپنا بہی خواہ سمجھو۔

اِدھر اُدھر بھاگے بھاگے مت پھرو، جو کچھ لینا ہو اسی سے لے لو، جب تم اس کو اپنا سب کچھ بنا لوگے تو تمہارے لئے جو بات مناسب اور مفید ہوگی، قدرت وہی بات تمہارے استاذ کے دل میں القاء کر دیا کرے گی، کاش کہ استاد اور شاگرد اپنے اس مقام و تعلق کو پہچان لیں تو ہر مدرسہ خانقاہ اور ہر استاذ شیخ اور ہر طالب علم مرید بن سکتا ہے اور پھر علیحدہ سے خانقاہوں کی تلاش کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ وہ کلمات ہیں جو امت مسلمہ کی برگزیدہ شخصیت، شیخ طریقت، پیکر فنائیت، عارف باللہ، یادگار اسلاف، برکۃ الہند حضرت مولانا قاری سید صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترکیسر تشریف آوری کے موقع پر دارالعلوم فلاح دارین کی مسجد میں طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے۔

اس ارشاد گرامی کے ایک ایک نقطہ سے قائل کی بے نفسی، بے غرضی، اپنے کو مٹائے ہوئے ہونا، نیز اساتذہ کا احترام اور طلبہ کی بہی خواہی جھلک رہی ہے۔

افسوس! ۲۸/اگست ۱۹۹۷ء بروز پنجشبہ عالم اسلام اور امت مسلمہ کی یہ مایہ ناز عظیم ہستی کا اپنے ہزاروں تلامذہ، متوسلین، مسترشدین اور محبین کو روتا بلبلا تا چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم نے چاہا تھا کہ نہ ہو، مگر ہوئی صبح فراق
موت کا جب وقت آ جاتا ہے تو ٹلتا نہیں

جولائی ۱۹۹۷ء کے آئل میں انکلیشور مرکز اسلامی کی دارالحدیث کے افتتاح کے موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف کے ایک سبق پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ طلبہ کتابیں لے کر بیٹھ چکے تھے۔

مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر سبق پڑھانے سے معذرت فرمادی کہ بھائی میرا اپنا یہ اصول ہے کہ میں کسی دوسری جگہ کتاب نہ شروع کراتا ہوں نہ کتاب ختم کراتا ہوں اور نہ کوئی سبق پڑھاتا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے اس میں وہاں کی کتاب پڑھانے والے استاذ کی توہین محسوس ہوتی ہے اور طلبہ کو اپنے استاذ سے بدظنی کا خطرہ نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ نو وارد عالم دو چار باتیں زائد بتلا دیگا یا اس کی تعبیر اور تفہیم نادر ہوگی۔ تو طلبہ خیال کریں گے کہ کاش پوری کتاب ہم انھیں سے پڑھتے، ہمارے استاد کی تفہیم یا علم ایسا نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اپنے استاد کے بارے میں یہ تصور اس سے تحصیل علم اور کسب فیض کہ پورے سلسلہ کو بے وقعت کر دے گا

اس لئے میں اپنے طور پر اس کو پسند نہیں کرتا اور نہ اس پر عمل کرتا ہوں البتہ ختم یا افتتاح کی مبارک مجلس میں حاضر ہو جاتا ہوں مگر سبق اسی استاد سے پڑھواتا ہوں۔

البتہ کچھ باتیں طلبہ کو بطور نصیحت عرض کر کے دعا کرا دیتا ہوں۔

اس ارشاد گرامی کے ایک ایک لفظ سے خودنمائی سے گریز، اپنے علم کے اظہار اور بڑائی سے پرہیز، بے نفسی، بے غرضی، فنائیت اور اساتذہ کا بے پناہ احترام صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔

دارالعلوم زکریا جوگواڑ کے افتتاح کے موقع پر مرحوم کو مدعو کیا گیا تھا آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا ''بھائیو! مقامی علماء سے فائدہ اٹھاؤ۔ ان سے وابستہ رہو ان پر اعتماد کرو وہ ہی آپ کے علاقہ کے حالات اور مسائل سے زیادہ واقف ہیں۔ دور سے آنے والے علماء آج آئے کل گئے۔ ان سے اتنے کم وقت میں کتنا استفادہ کرسکو گے وہ تمھاری کیا رہبری کرسکیں گے الحمدللہ آپ کا یہ علاقہ اہل علم اور اصحاب تقویٰ سے مالا مال ہے میں خود ان سے استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتا ہوں۔

جس کے دیدار اور مصافحہ کے لئے لوگ ٹوٹ پڑتے ہوں بڑے بڑے مالدار دعا کرانے کے لئے قطار میں لگے ہوں، متوسلین کی دس دس گاڑیاں سفر میں ساتھ چل رہی ہوں لوگ ۲/۲ منٹ کا وقت مانگ رہے ہوں، اتنی تلقی، پذیرائی، اعزازات اور استقبال کے موقع پر اتنی فروتنی عاجزی اور اپنی ہیچ مدانی کا برسرِ اجلاس اقرار، مقامی علماء کرام ہی سے استفادہ کرنے اور وابستہ رہنے کی تلقین یقیناً زبردست فنائیت، بے غرضی اور بے نفسی کی واضح دلیل ہے۔ جبکہ مرحوم کی افادیت، علم وفضل، درس نظامی کی مشکل ترین کتابوں پر زبردست قدرت، برسوں سے ان کی تدریس میں مشغولیت اور ان میں سے بعض کی مبسوط شروحات مرحوم کے قلم کی رہین منت، ہند بیرون ہند میں بے پناہ مقبولیت، لوگوں کی باطنی اصلاح کا طویل سلسلہ، یہ سب لوگوں کے علم میں تھا۔

کسر نفسی اور مجاہدہ

مرحوم کا مجاہدہ، کسر نفسی، خدمت خلق اور بندگان خدا کی نفع رسانی کی خاطر اپنے آرام

اور صحت کا خیال یہ کرنا دین کی خاطر طویل طویل اسفار، ان میں کئی کئی دن کی مسلسل بیداری، معمولی سواری سے بھی سفر کر لینا آج کی راحت طلب نسل کے لئے ایک حیرت انگیز، مثال تھی۔ اعلیٰ سواریوں اور گراں کرایہ کے سفر سے طبیعت پر گرانی ہوتی تھی کبھی سختی سے منع فرمادیتے۔ ترفہانہ زندگی قطعاً پسند نہ تھی، کھانے پینے رہنے سہنے اور استعمالی اشیاء میں انتہائی میں سادگی اختیار فرماتے، اکثر لنگی کرتے میں بڑے بڑے وقیع اجلاسوں کی صدارت کرنے سے بھی عار نہ فرماتے۔ اپنی راحت وآرام اور سونے کے اوقات کا اصرار کے باوجود قطعاً خیال نہ کرتے، ہر آنے والے کے دکھ درد کو سننے اور اس کے دور کرنے کی فکر میں رہتے۔ کیسے کیسے مہلک امراض سے دوچار تھے لیکن نہ کبھی شکوہ کیا اور نہ علاج پر ضروری توجہ دی۔ ہر وقت امت کے غم میں متفکر رہتے۔ **اولئك ابائی فجئنا بمثلهم.**

مرحوم کا عنداللہ مقام ومرتبہ

ایک مرتبہ ایک قریہ کے مقامی مدرسہ کے کسی قضیہ کے موقع پر لوگ صلح کرانے کی غرض سے مرحوم کو وہاں لے گئے۔ مرحوم نے اپنی عادت کے مطابق مدرسہ سے اختلاف کرنے اور دینی تعلیم کو نقصان پہونچانے والوں کو خدا کا خوف دلایا اور اتفاق واتحاد، ومدرسہ کا تعاون کرنے پر زور دیا مگر مقامی لوگوں کو حضرت کے مقام کا علم نہیں تھا۔ انھوں نے مرحوم کو برسرممبر بہت ہی نازیبا کلمات کہے۔ اللہ کے ولی کے ساتھ یہ سلوک قدرت کو پسند نہ آیا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد وہاں ایسا خطرناک ہندومسلم فساد پیش آیا کہ قریہ کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ مسلمانوں کے کپڑے کی پچاسوں دکانیں راکھ کا ڈھیر بنادی گئیں۔ کئی کروڑ کا نقصان ہوا۔ آج تک وہاں مقدمات سے لوگ رہا نہیں ہوسکے ہیں ان سب کے بعد لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ اس توہین کی سزا ہے، تب سب نے حاضر ہوکر معافی مانگی۔

مرحوم کی تعویذ کا اثر

ایک جگہ دو بہنوں کا شادی کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پورا کا پورا زیور چوری ہوگیا۔

حضرت مولانا کے پاس اطلاع بھیجی گئی۔فرمایا، کیا ہر سال زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی، کہا گیا ہاں ،فوراً تعویذ عنایت فرمایا۔اور کہا اِن شاء اللہ مل جائے گا،مگر آٹھ سال تک زیور نہ ملا جب بھی حضرت سے ذکر کیا گیا فرماتے کہ صبر کرو مل جائے گا،خدا کی شان آٹھ سال کے بعد ایک دن حیرت انگیز طریقہ پر پورا کا پورا زیور بلاکم وکاست مل گیا۔حضرت کی دعا کا اثر تھا ورنہ اتنی طویل مدت کے بعد ملنے کی توقع ختم ہو چکی تھی۔

مرحوم کا روحانی و باطنی مقام

مرحوم مستجاب الدعاء مقبول بارگاہِ ایزدی،موفق من اللہ اور اپنے وقت کے قطب تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے روحانی کسی منصب پر مقرر کر رکھا ہے۔اور آپ کی صرف ہمت کو کسی تکوین امر سے وابستہ کر دیا ہے۔جیسا کہ یہ منصب اہل تصوف کے یہاں اولیاء اللہ کے درجات مقامات اوران سے متعلق خدمات کے لئے تسلیم کئے گئے ہیں۔اگرچہ خود ولی کو علم نہیں ہوتا کہ میں کس مقام پر فائز ہوں۔

مرحوم کو تعلق مع اللہ،عرفان ومحبت ، کشف وکرامات، ورع وتقویٰ، دل کی بیداری، استقامت وعزیمت کی جو دولت من جانب اللہ عطا ہوئی تھا وہ ماضی قریب اور حال کے بہت کم لوگوں نصیب ہوئی ہے۔

رجوع عام

مرحوم کے پاکیزہ اخلاق،خدمت خلق،مہمان نوازی،انسانی ہمدردی کے،مسلم غیر مسلم، امیر غیر یب،شہری دیہاتی، عالم، جاہل،ملکی غیر ملکی، سیاسی،غیر سیاسی،تمام لوگ معترف تھے۔ بڑے بڑے منسٹر ملاقات اور زیارت کے لئے وقت کی تلاش میں رہتے اور دور دراز کا سفر کر کے مرحوم کے دروازے پر موجود ہجوم میں شامل ہو جاتے۔ ہر گھنٹہ کوئی نہ کوئی گاڑی ہتھورا میں واقع قیام گاہ کے دروازہ پر آکر رکتی اور لوگوں کا ایک ہجوم اپنے مسائل کے لئے حضرت کی ملاقات اور

توجہ کا محتاج نظر آتا۔ کسی جگہ تشریف لے جاتے تو دوران سفر متوسلین اور ضرورت مندوں کی گاڑیوں کا ایک قافلہ ساتھ ہوجاتا اور جہاں پہونچے وہاں ہجوم کو قابو میں رکھنا منتظمین کے لئے دشوار محسوس ہوتا۔

مدارس وارباب مدارس سے تعلق

ہندوبیرون ہند میں قائم ہزاروں مکاتب دینیہ مدارس اسلامیہ اور جامعات عربیہ سے مرحوم کا قلبی تعلق تھا۔ مدارس دینیہ کا قیام توان کا ایسا مشن تھا کہ اس کے لئے جئے اوراسی کے لئے جان قربان کردی۔ سیکڑوں مدارس کے سر پرست تھے۔ برادران مدارس ان کی تصدیق کو اپنا سرمایہ افتخار اور اپنے لئے سند اعتبار سمجھتے تھے۔ جو جامعہ ہتھورا، مرحوم نے اپنی ذاتی زمین وقف فرماکر قائم کیا اور ایک جنگل اور دشوار گذار راستہ پر علم کا ایسا گلشن آباد کیا جو دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے طالبان علم نبوت کے لئے سرچشمہ حیات بن گیا۔ ملک کے بڑے بڑے جامعات میں ویسے تو سبھی سے قلبی تعلق اور خیر خواہی تھی، مگر جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا اور اس کے نوعمر مہتمم مولانا غلام محمد وستانوی کے ساتھ جو خصوصی لگاؤ اور شفقت دیکھنے میں آئی اور جس پابندی سے ہر سال اس کے سالانہ اجلاس میں تشریف آوری کے لئے وقت نکالا جاتا تھا اس کو دیکھ کر رشک آتا تھا۔ عزیز القدر مولوی وستانوی موصوف کو حضرت والا نے اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ نیز اپنے جامعہ ہتھورا کی شوریٰ کا رکن بھی منتخب کیا۔

فلاح دارین اور اس کے خدام کی دلداری فرماتے اور بارہا اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس کو سرفراز فرمایا۔ رئیس جامعہ دارالعلوم فلاح دارین حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہ العالی سے بھی بہت محبت فرماتے۔ جامعہ عربیہ اسلامیہ ہتھورا کی شوریٰ میں بھی حضرت کو شامل فرمایا اور بارہا انکے قریہ کاپودرہ تشریف لائے۔

خوردنوازی وشفقت

ملک کے بڑے چھوٹے سبھی اہل علم واصحاب درس آپ سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔

آپ کی شفقتیں سب کو اس طرح حاصل تھیں کہ یہ معلوم نہ ہو پاتا تھا۔ کہ کس سے زیادہ تعلق ہے۔ راقم السطور سے بلا استحقاق ایسی محبت اور شفقت سے پیش آتے کہ حیرت ہونے لگتی۔ اس خاکساری کو مرحوم کے ساتھ بہت طویل طویل سفروں میں کئی کئی دن تک ساتھ رہنے اور خدمت کرنے کا موقع نصیب ہوا اور عجیب بات ہے ان مقامات کے کسی جلسے میں ایسا نہ ہوا کہ حضرت نے حکم دے کر بیان نہ کرایا ہو۔ باوجود شرمندگی اور ندامت کے ''الامر فوق الادب'' کے تحت بیان کرنا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس توجہ اور محبت کو میرے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

حضرت نے متعدد مرتبہ اس خاکسار کو ہتھورا حاضری کے لئے حکم فرمایا۔ دیا مگر افسوس ان کی حیات میں یہ سعادت حاصل نہ کرسکا۔ اس کا ساری زندگی مجھے قلق رہے گا۔

وصال

موت جتنی یقینی ہے، اس کا وقت اتنا ہی غیر یقینی ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے گوناں گوں امراض کی وجہ سے یہ خطرہ ہر وقت لگا رہتا تھا کہ یہ چراغ کہیں گل نہ ہو جائے۔ مگر مرحوم اتنی جلدی پردہ فرمائیں جائیں گے اور زمین اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے ہم سے۔ رخ زیبا چھپالیں گے اور ہم ع روئے گل سیر نہ دم کہ بہار آخر شد'' کہتے رہ جائیں گے۔ اس کی توقع نہ تھی۔

مرحوم اچھے خاصے بخاری شریف کے درس کی تیاری فرما رہے تھے کہ ۲۷ اگست کی شام اچانک عصر کے وضو کے دوران فالج کا حملہ ہوا اور دماغ کی ایک رگ پھٹ گئی۔ مقامی طبی امداد کے بعد فوراً لکھنؤ لے جایا گیا، راستہ میں بے ہوشی طاری تھی، لکھنؤ کے قریب خون کی ایک قے ہوئی اس کے جھٹکے سے ہوش آیا اور فرمایا کہ باندہ اور ہتھورا کے احباب کو میرا سلام کہنا اور قصور کی معافی چاہتا۔ اور مدرسہ کے باب میں اپنے اپنے کام میں لگے رہنے کی وصیت فرمائی اور پھر ایسی خاموشی اختیار کی اس فانی دنیا کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا اور اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس شاداں وفرحاں روانہ ہو گئے۔

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آمد تبسم بر لب اوست

مرحوم کی زندگی کی ہرادا ہر خاص وعام کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ ایسے باکمال لوگ مرتے نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے کارناموں، باقیات صالحات وفیض رسانی کے ذریعہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

آپ کے افکار سے روشن رہے گی کائنات
حشر تک لیتی رہے گی نام تاریخ حیات

سچ ہے عاشق ذات حق کبھی مرتا نہیں ہے۔

نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۷ء)

صاحبزادۂ مکرم جناب احمد بادشاہ رشیدیؒ

مورخہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۹۷ء کی شب میں تقریباً ڈیڑھ بجے مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ کے جواں سال سب سے بڑے صاحبزادے اور جامعہ میں شعبہ اردو دینیات کے استاذ جناب احمد بادشاہ رشیدی ۴۲ رسال کی عمر میں وفات پا گئے، انا اللہ وانا راجعون۔

حوض والی مسجد لا باغ کے قریب ایک قبرستان میں جناب مولانا قاری عبداللہ صاحب کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضرت مہتمم صاحب نے اسی روز بعد نماز ظہر نماز جنازہ پڑھائی۔

موصوف ایک عرصہ سے علیل اور گوناں گوں امراض کے شکار تھے؛ لیکن آخری ایام میں غدود پھولنے کے مرض سے تکلیف میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا، مگر ان مستقل تکالیف کے باوجود موصوف کا صبر وشکر واقعی قابل دید تھا، کبھی زبان پر شکایت کے کلمات نہیں لائے۔ مرحوم نے گو کہ دنیوی تعلیم حاصل کی تھی اور جامعہ ملیہ دہلی میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی تھی؛ لیکن طبعی شرافت اور دین داری میں وہ ممتاز تھے۔ پیر میں مستقل گلٹیوں کی تکلیف کے باوجود مسجد میں نماز باجماعت کی حتیٰ الامکان پابندی کرتے۔ دینی کتابوں کے مطالعہ اور دینی مجالس میں شرکت کا بہت شوق تھا۔ اکابر علماء ومشائخ سے دلی عقیدت رکھتے اور ان کا بار بار تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ تواضع حسن اخلاق اور غم خواری میں بھی مرحوم کا مقام بلند تھا۔ مرحوم کی وفات کو جامعہ کے ہر فرد نے شدت سے محسوس کیا، اور ہر شخص تصویر غم بنا رہا۔ خاص کر مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی مدظلہ کے لئے عمر کے اس مرحلہ میں یہ حادثہ انتہائی المناک ہے۔

اسی طرح مرحوم کی اہلیہ جنھوں نے کسی بھی موقع پر موصوف کی خدمت سے دریغ نہیں

کیا، اور مرحوم کی نانی صاحبہ (اہلیہ حضرت شیخ الاسلامؒ) جن کی گود میں مرحوم کی پرورش ہوئی، خاص طور پر تعزیت کی مستحق ہیں۔ نیز مولانا اخلد رشیدی (مقیم مدینہ منورہ) اور مولانا اشہد رشیدی استاذ جامعہ بھی آج اپنے ہر دلعزیز بھائی کی دائمی جدائی پر غم زدہ ہیں۔

ادراہ ندائے شاہی پورے خانوادہ کے ساتھ غم میں برابر کا شریک ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور سبھی پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

جناب حاجی وحیدالدین صاحبؒ

مورخہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ مطابق ۴ر ستمبر ۹۷ء کو صبح کے وقت حضرت مہتمم صاحب کے عم مکرم جناب حاجی وحیدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طویل علالت کے بعد دیوبند میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بڑے وضع دار، ملنسار، اور دین دار شخص تھے۔ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ دل میں موجزن رہتا تھا، زیادہ تر قیام دیوبند میں رہا۔ بالآخر وہیں وفات پائی اور مزار قاسمی میں مدفون ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مہتمم صاحب اطلاع ملتے ہی دیوبند تشریف لے گئے، اور بعد نماز عصر دارالعلوم کے احاطہ میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

رفتگاں

۱۹۹۸ء - ۱۹۹۹ء

- حضرت مولانا شاہد حسن صاحبؒ
- حضرت مولانا زبیر احمد صاحب دیوبندیؒ
- حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مکیؒ
- حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ
- حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب ندویؒ
- جناب سید احمد شاہ صاحب مرادآبادیؒ
- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ

مولانا عثمان احمد قاسمی جون پوریؒ

اوائل رمضان میں یہ جانکاہ خبر ملی کہ مشہور نعت گو شاعر، صاحب طرز ادیب اور صائب الرائے عالم مولانا عثمان احمد صاحب قاسمی ۴؍ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ مطابق ۴؍ جنوری ۱۹۹۸ء کو وصال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ندائے شاہی کے قارئین موصوف سے متعارف ہوں گے۔ آپ کی تخلیقات گاہے بگاہے رسالہ میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ موصوف بہت خوبیوں کے آدمی تھے، عقیدہ کے بڑے پختہ اور مسلک کے بڑے مبلغ تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اوران کی جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' سے تو عشق تھا، شعر شاعری اور ذوق سلیم گویا کہ گھٹی میں پڑا تھا، ندائے شاہی سے بھی مولانا موصوف کو بڑا انس تھا اور ہر شمارہ کا بہت ناقدانہ انداز میں مطالعہ کرتے تھے۔ پھر کوئی بات پسند آتی تو حوصلہ افزائی کرتے اور کوئی نقص پاتے تو متنبہ فرماتے، موصوف کے گرامی ناموں سے خود احقر کی بہت اصلاح ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے، آمین۔ مرحوم نے آخری خط جو احقر کو تحریر کیا تھا، وہ اس وقت نذر قارئین ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت المکرّم دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ستمبر کے ندائے شاہی میں تحریک آزادی میں علماء کا کردار (کا جو سلسلہ) آپ نے شروع فرمایا ہے وہ وقت کا ایک بڑا تقاضا اور ضرورت ہے۔ سوال وجواب کی صورت میں اور دلچسپی کے ساتھ لوگ پڑھیں گے، ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی تاریخ کو چند ورق میں آپ نے سمیٹ دیا اور کوئی ضروری چیز چھوٹی بھی نہیں۔ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا فن آپ کو خوب معلوم ہے۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور پھر کتابی

شکل میں مطبوع ہو۔ تمہید کے اوپر جو شعر ہے وہ وزن سے خارج ہے، اُس کو اِس طرح کرلیا جائے تو موزوں ہو جائے گا:

فضول جان کر جس کو بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

شفیق جون پوری کا ایک شعر اس موقع کے لئے بہت عمدہ ہے، ملاحظہ ہو:

تمہارا دل اسی کی شرکت محفل ہے بدظن
کہ جس کے دل کے داغوں سے تمہاری بزم روشن ہے

اقبال کا شعر ''اُٹھائے کچھ ورق لالہ نے'' ''نہیں'' ''لالے نے'' ہونا چاہئے الخ۔ والسلام

عثمان احمد غفرلہ
۲۲ر ستمبر ۱۹۹۷ء

بہر حال حضرت موصوف کا حادثہ وفات ہم سب کے لئے غم ناک ہے۔ ہم موصوف کے متعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے۔ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۱۹۹۸ء)

حضرت مولانا شاہد حسن صاحب اُستاذ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے قدیم استاذ حضرت مولانا شاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۷/ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ بروز ہفتہ میں انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف مشہور عالم حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندیؒ کے صاحبزادے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے قرابت داروں میں تھے، مولانا مرحوم نے دارالعلوم دیوبند میں تقریباً ۲۰/سال دینیات اور شعبہ فارسی میں اور ۱۸/سال درجۂ عربی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کی ۵۶/سالہ زندگی کا پورا حصہ علوم دینیہ کے اشتغال میں صرف ہوا مولانا فطرۃً شریف اور بڑے وضع دار اور روادار قسم کے آدمی تھے۔ زندگی کا زیادہ حصہ معاشی الجھنوں میں گذرا؛ لیکن بہت صبر وشکر کے ساتھ سارے مراحل طے کئے، نہ صرف اولاد؛ بلکہ چھوٹے بھائیوں کی تربیت کا حق ادا کیا، سادگی کا پیکر بنے رہے۔ مولانا نے صدقہ جاریہ کے طور پر بے شمار شاگردوں کے علاوہ کئی تصنیفات بھی چھوڑی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی ۱۹۹۸ء)

حضرت مولانا شاہد حسن قاسمیؒ

(تدریس......تصانیف......نقوش وآثار)

مولانا خورشید حسن قاسمی رفیق دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند نے ہر زمانہ میں گراں قدر لعل وگوہر پیدا کئے کہ جن کی مثالی تدریسی، تصنیفی خدمات رہیں۔ان ہی ابناء قدیم اور فرزندان دارالعلوم میں برادر محترم جناب مولانا شاہد حسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بھی ہے جو کہ ۶/مارچ ۱۹۹۸ء بروز جمعہ ۱۰/بجے شب دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی ولادت مبارکہ دسمبر ۱۹۴۲ء میں ہوئی۔مولانا نے ۱۹۵۱ء میں حفظ قرآن کریم مکمل کیا۔اور ۱۹۵۷ء میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے شعبہ فارسی وریاضی سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۶۱ء میں امتیازی نمبرات سے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

مولانا پر فراغت دارالعلوم کے فوراً ہی بعد والد ماجد خلیفۂ ارشد حضرت مولانا سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُستاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم دیوبند کی ناگہانی وفات کے بعد غیر معمولی خانگی ذمہ داریاں عائد ہوگئیں اور مختلف النوع خانگی اور بیرونی مسائل کا طویل سلسلہ قائم ہوگیا؛ لیکن انھوں نے جس ثابت قدمی، اور اولوا العزمی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۱۹۶۳ء میں حضرت مولانا سید محمد نبی صاحب خان جہانپوری قدس سرہٗ العزیز رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند (جدامجد حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری زید مجدہم

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی خصوصی توجہ ومساعی مبارکہ سے مولانا کو شعبۂ اردو دینیات میں بحیثیت مدرس مقرر فرمایا گیا۔ اور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۳ء تک دس سال تک مولانا مذکورہ شعبہ میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے، اور ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۲ء تک شعبۂ فارسی وریاضی میں استاذ مقرر رہے اور علم تصوف وعقائد کی اہم کتب مثنوی شریف وغیرہ کا درس آپ سے متعلق رہا۔

۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۸ء تا حال یعنی اٹھارہ سال تک شعبۂ عربی میں استاذ مقرر رہے، ابتداء میں آپ سے متعلق نفحۃ العرب، قدوری، کنز الدقائق وغیرہ کا درس متعلق رہا، لیکن آخری تین سال سے ہدایہ اولین، ترجمہ قرآن کریم، شرح وقایہ وغیرہ کا درس متعلق رہا، اور اس طرح اکابر کی دعاؤں، فیض توجہ، اور ذاتی علمی ودرسی صلاحیت سے شعبۂ اردو دینیات سے درجہ عربی وسطی اور ہدایہ اولین تک پہنچ گئے۔ مولانا کی مذکورہ علمی ترقی اور تدریسی خدمات تاریخ دارالعلوم کا ایک روشن باب ہے، اور مولانا کی تدریسی صلاحیت کی واضح دلیل ہے۔

مذکورہ تفصیل کے مطابق برادر محترم کا مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں تدریسی دور تقریباً ۳۸ سال پر محیط ہے اس طویل عرصہ میں مولاناؒ کے تلامذہ اور فیض یافتگان کی تعداد ہزاروں پر مشتمل ہے کیونکہ آپ ایک طویل عرصہ تک شعبہ اردو دینیات دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے، اور قدیم دور سے مذکورہ شعبہ میں مقامی طلبہ کی تعداد بہت زیادہ رہی ہے، اس لئے آج بھی دیوبند کے تقریباً ہر محلّہ میں مولانا کے اس دور کے تلامذہ بکثرت موجود ہیں، جس میں بیشتر حضرات تبلیغی اصلاحی اور فلاحی امور میں مشغول ہیں اور ان کے علاوہ ہند وبیرون ہند میں آپ کے ہزاروں تلامذہ اور ان کے تلامذہ درس وتدریس میں اور تصنیفی وتالیفی خدمات میں مشغول ہیں، اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے علاوہ دیوبند کے ہر ایک مدرسہ میں آپ کے براہ راست متعدد تلامذہ کتب متداولہ کے درس میں مشغول ہیں۔

تدریسی خدمات کے علاوہ مولاناؒ کا تصنیفی سلسلہ بھی جاری تھا، جن میں چند تصانیف تا حال شائع ہو چکی ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، مشہور تصانیف کا تعارف حسب ذیل ہے۔

اسلامی قانون فقہ توضیح الوقایہ شرح شرح الوقایہ

یہ کتاب شرح وقایہ از کتاب النکاح تا کتاب الطلاق کی نہایت جامع سلیس اور آسان و مدلل شرح ہے، جس میں مذکورہ ابواب کی تشریح اس طور پر فرمائی گئی ہے کہ جس سے طلبہ اور عوام بسہولت نکاح وطلاق کے احکام و ابحاث فقہیہ کو سمجھ سکیں، طرز نگارش سادہ اور پر مغز ہونے کے ساتھ ساتھ فقہِ اسلامی پر جدید طبقہ کی طرف سے پیش آنے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کو خاص طور پر موضوع بحث بنایا گیا ہے اور مولانا کی یہ وقیع تصنیف ہر طبقہ کے لئے یکساں مفید ہے، اس کی ضخامت ۴۵۰ رصفحات ہے۔

احکام شریعت مصطفیٰ، مسائل سنت و بدعت

یہ کتاب بھی برادر محترم مولانا شاہد حسن صاحبؒ کی اہم تصانیف میں سے ہے، جس میں اہل بدعت، اہل حدیث، جماعت اسلامی وغیرہ فرقوں کی جانب سے اسلاف و اکابر دارالعلوم کی تحریرات پر پیش کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات کے علاوہ مسلک دیوبند کی مدلل اور واضح طور پر ترجمانی فرمائی گئی ہے۔

طلباء دین سے خطاب و فقہی تقاریر

یہ کتاب بھی مولانا کی مرتب فرمودہ ہے جو کہ مولانا نے زمانہ طالب علمی میں مرتب فرمائی تھی، یہ کتاب درحقیقت جد مکرم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی ۱۹۶۰ء میں دیوبند تشریف آوری کے موقع پر مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کے درس مشکوٰۃ کا ایک تاریخی باب ہے، جس کو مولانا نے تقاریر و خطاب کی صورت میں مرتب فرمایا۔

اسلام اور دور جدید یعنی بنگلور انٹرویو

عرصہ قبل مولانا کے بنگلور کے تاریخی سفر کے دوران بنگلور کرناٹک کے ایک اسکالر کی

جانب سے اسلام کے سماجی ومعاشرتی نظام پر پیش کئے گئے اعتراضات کے مدلل اور واضح جوابات، نیز سائنس جدید اور ترقیات جدیدہ کی وجہ سے اسلام کے نظام حیات پر پیش کئے گئے اشکالات کے تفصیلی جوابات پیش کئے گئے ہیں۔

توضیح العقائد کنز الدقائق

یہ کتاب کنز الدقائق کی بے نظیر شرح مع متن وتشریح ابواب ہے۔

اسلام میں مزدور وخواتین کے حقوق

یہ کتاب مولانا کی وزارت تعلیم نئی دہلی میں جمع کردہ پی، ایچ، ڈی درجہ کے مقالہ کا ایک تفصیلی باب ہے جو مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔

بیس نکاتی پروگرام اور اسلام

یہ تصنیف بھی مولاناؒ کے مذکورہ تاریخی مقالہ کا ایک اہم باب ہے، جس میں بیس نکاتی حکومتی پروگرام کی شرعی حیثیت پیش فرمائی گئی ہے۔

ان سب کے علاوہ اگر مولانا کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین، تفسیر وحدیث، فقہ وافتا، وعظ وارشاد وغیرہ پر مشتمل گراں قدر تحریرات اور طلباء دارالعلوم کی مختلف انجمنوں کے اختتامی اجلاس کے موقع پر ہونیوالے گراں قدر خطابات اور مختلف تقاریر واصلاحی مجالس کو جمع کیا جائے تو یقیناً اس کی مقدار سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہوگی۔

مولاناؒ بظاہر ایک سال سے دائیں ہاتھ میں ورم کی تکلیف میں مبتلا تھے، جس میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اور ۱۸؍رمضان المبارک سے اچانک مولانا پر خاموشی طاری ہوگئی۔ ڈاکٹری تشخیص کے مطابق یہ دماغی کینسر کی آخری صورت تھی، جس کا ۱۲؍فروری ۱۹۹۸ء کو آل انڈیا میڈیکل اسپتال نئی دہلی میں آپریشن بھی کرایا گیا؛ لیکن بظاہر یہی آپریشن مولانا کی وفات کا سبب بنا اور ۶؍مارچ کو مولانا دارفانی سے رخصت ہوگئے۔ مولانا کی نماز جنازہ احاطہ مولسری میں ادا کی گئی، اور نماز جنازہ میں

ہزاروں افراد شریک ہوئے، حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، دارالعلوم دیوبند میں بھی اس موقع پر درس کی تعطیل رہی۔اور آیت کریمہ کے ختم کا اہتمام کیا گیا۔اور وقف مدرسہ میں تعطیل رکھی گئی اور وہاں بھی آیت کریمہ کا ختم ہوا اور دونوں مدرسوں کے ذمہ دارن نے مولانا کے سلسلہ میں تعزیتی تاثرات پیش فرمائے۔اور مولانا کے جنازہ میں اہل دیوبند کے عظیم مجمع کے علاوہ دونوں مدرسوں کے اساتذہ کرام وطلباء نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔

مولانا کے پسماندگان میں والد محترم اور اہلیہ کے علاوہ دو صاحبزادے مولوی حافظ عارف حسن قاسمی، شاکر حسن قاسمی بی، اے، چار صاحبزادیاں، دو بھائی مفتی محمد سلیمان قاسمی واحقر خورشید حسن قاسمی ہیں دعا ہے کہ خداوند قدوس مولانا کے درجات بلند فرمائے۔اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۸ء)

حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ

(ولادت: ۱۹۱۸ء وفات: ۱۹۹۸ء)

جمعیۃ علماء صوبہ بہار کے صدر نشین اور بہار کی معروف خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کے روح رواں اور محکمہ شرعیہ (امارت شرعیہ ہند) کے صدر، حضرت مولانا شاہ عون صاحب مجیبی قادری نے ۶/اپریل ۱۹۹۸ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شاہ صاحب موصوف نہایت ذی علم اور ملک کی باوقار شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر سے پُر خلوص تعلق رکھتے تھے، آپ کا تعلق اگر چہ خانقاہی سلسلوں سے تھا اور رسومات ظاہرہ کی پابندی بھی آپ کو کرنی پڑتی تھی، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپ اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے علماء دیوبند سے بھی گہرا ربط رکھتے تھے، آپ اوراد ووظائف کے پابند تھے اور قرآن پاک کی تلاوت سے خصوصی انس رکھتے تھے، جب بھی خالی وقت ملتا تو قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پر نہ ہو سکے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب موصوف کو غریق رحمت فرمائے، درجات بلند فرمائے، اور ان کی عظیم خدمات کو صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

حضرت مولانا زبیر احمد دیوبندیؒ اُستاذ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے مقبول استاذ حضرت مولانا زبیر احمد صاحب دیوبندیؒ گذشتہ ۱۸رذی الحجہ ۱۴۱۸ھ کو مختصر علالت کے بعد دیوبند میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف انتہائی شریف، باوقار، سنجیدہ، کم گو اور ہر ایک سے خیر خواہی رکھنے والے بزرگ تھے، پوری زندگی نہایت صبر وشکر اور کفایت شعاری کے ساتھ گذاردی، آپ کا درس عام فہم اور مقبول تھا، اہم اور پیچیدہ مباحث کو نہایت سہل پیرایہ میں پیش فرماتے تھے، جس سے ہر طرح کی استعداد رکھنے والے طلباء مطمئن ہوجاتے تھے۔

راقم الحروف کو حضرت الاستاذ موصوف سے دو کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی: میبذی اور نسائی شریف۔ موصوف کی درسی تقریر مختصر، جامع اور پوری طرح مرتب ہوتی تھی، انداز درس دل نشین تھا، طلباء کے اشکالات کا خندہ پیشانی سے جواب مرحمت فرماتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے متواضع بھی تھے، اخیر تک اپنے گھر کا سودا سلف خود بازار سے لایا کرتے تھے، جشن صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں جو خلفشار رہا، مولانا موصوف اس میں بالکل یکسو رہے، اور کسی بھی معاملہ میں فریق نہیں بنے، اور مدرسہ کی طرف سے جو بھی خدمت سپرد کی گئی اس کو بحسن وخوبی بجالائے۔ موصوف کی ایک صاحب زادی کا نکاح حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہٗ (جو موصوف کے درسی رفیق بھی ہیں) کے صاحب زادے حافظ حسین احمد مدنی سے ہوا ہے، اس رشتہ سے آپ بہت مسرور تھے، بہر حال حضرت موصوف کی وفات دارالعلوم دیوبند اور اس کے متعلقین کے لئے ایک اہم سانحہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

❍❖❍

حضرت مولانا قاری عبدالحفیظ مین پوریؒ

راقم الحروف نے ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم جن حضرات اساتذہ سے حاصل کی ان میں حضرت الاستاذ مولانا قاری عبدالحفیظ صاحب مین پوری مفتاحی بھی شامل ہیں۔قاری صاحب موصوف جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے مایۂ ناز استاذ تھے، بالخصوص ابتدائی کتابیں بہت جی لگا کر پڑھاتے تھے۔احقر نے بھی گلزار دبستاں، آمد نامہ، گلستاں، پند نامہ، اخلاق محسنی اور نفحۃ العرب وغیرہ کتابیں آپ سے پڑھی تھیں۔موصوف نے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد سے فراغت حاصل کی تھی۔

راقم الحروف سے حضرت الاستاذ موصوف انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، احقر کے مدرسہ شاہی سے وابستہ ہونے کے بعد موقع بموقع یہاں تشریف لاتے اور حالات دیکھ کر مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔موصوف کا مزاج اگر چہ ظریفانہ تھا، اور جب اپنے ہم عصروں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو اپنے لطائف وظرائف سے مجلس کو زعفران زار بنائے رکھتے، لیکن تقریباً آپ کی پوری عمر معاشرتی الجھنوں اور معاشی تنگیوں کے ساتھ گذری، اور بڑے بڑے حوصلہ شکن حالات سے آپ کو گذرنا پڑا؛ لیکن سب باتوں کو حیرت انگیز طور پر برداشت کرتے رہے۔اخیر میں بیمار ہو کر اپنے چھوٹے بھائی کے پاس مین پوری میں مقیم تھے، وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

احقر کو کئی ہفتوں کے بعد انہیں چھوٹے بھائی کے خبر دینے سے وفات کا علم ہوا اور ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ موصوف نے یہ وصیت کی ہے کہ ان کی سب کتابیں وفات کے بعد احقر کے حوالہ کر دی جائیں، چناں چہ وصیت کے مطابق موصوف کے داماد (مقیم امروہہ) کے توسط سے حضرت الاستاذ کی کتابوں کا قیمتی ذخیرہ احقر کو موصول ہو گیا۔یہ کتابیں نہ صرف قیمتی ہیں بلکہ حضرت الاستاذ کی بے پایاں شفقت کی یادگار بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، آمین۔

❍❖❍

مجاہد آزادی مولانا عبدالرؤف بریلویؒ

از: مولانا اسحٰق صاحب سنبھلی

ممتاز مجاہد آزادی، عالم باعمل، جدوجہد کے پیکر مولانا عبدالرؤف خاں صاحب بریلوی سابق ایم، ایل،سی ۳۰ راگست ۱۹۹۸ءکو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سیاسی رہنما، صحافی، شاعر اور کامیاب پارلیمنٹرین تھے، خدمت خلق کا جذبہ اس درجہ تھا کہ کسی بھی مظلوم اور ضرورت مند کی پکار پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور اس کا کام کرا کر ہی ہٹتے تھے، جمعیۃ علماء ہند اور آزادی کی تحریک سے ان کو عشق تھا، قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ اتحاد ان کا محبوب موضوع تھا۔

پیدائش وابتدائی تعلیم

مولانا عبدالرؤف صاحب ریاست چھتاری ضلع بلند شہر کے ایک علمی گھرانے میں ۶ر اکتوبر ۱۹۱۸ءکو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم، اردو فارسی کے عالم، اپنے والد جناب منشی عبدالغفور صاحب سے حاصل کی، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

دارالعلوم میں آپ کی صلاحیت کو ابھرنے کا کافی موقعہ ملا، جب وہ ملاحسن وغیرہ کتابوں پر پہونچے تو آپ کے ساتھیوں کے بقول آپ کے اردگرد طلبہ جمع ہونے لگے جو آپ کی ذہانت اور درس میں سوال وجواب سے بیحد متأثر تھے، عصر کے بعد اور رات کو آپ کے پاس طلبہ جمع ہو جاتے اور آپ ان کو دن کے سبق کی تکرار کراتے، تکرار کی مجلس کیا ہوتی تھی ایک کلاس لگ جاتا

تھا، دارالعلوم سے آپ نہایت امتیازی نمبروں کے ساتھ کامیاب ہوئے اور اچھے عالموں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

مدرسہ اشاعت العلوم بریلی سے وابستگی

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مشہور عالم دین اور مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے بانی و مہتمم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کو بریلی لے آئے۔

مولانا محمد یٰسین صاحب نہ صرف یہ کہ دیوبند کے مکتب فکر سے وابستہ تھے بلکہ جنگ آزادی میں شریک کانگریسی بھی تھے۔ انھوں نے مولانا کو اپنے یہاں مدرس مقرر کیا اور صاحبزادی محترمہ کی شادی بھی آپ کے ساتھ کردی، مولانا عبدالرؤف صاحب نہایت کامیاب مدرس ثابت ہوئے آپ کے درس کی شہرت دور دور تک ہوگئی اور مدرسہ اشاعت العلوم مرکزی درسگاہ بن گیا۔ وہ دور بریلی میں بہت مشکلات کا تھا، وہاں کی فضا میں سنت کا حقیقی پیغام اور وطن کی جنگ آزادی کی تحریک میں حصہ لینا اپنے کو خطرہ میں ڈالنا تھا۔ مگر مولانا عبدالرؤف اپنی بلند ہمتی اور جرأت کی بدولت دونوں مہموں میں کامیاب رہے، بریلی شہر کے علاوہ تحصیل نواب گنج، بہیڑی، فرید پور اور میر گنج غرضیکہ پورے ضلع میں اپنے مشن کو کامیابی کے ساتھ پہونچایا اور دارالعلوم دیوبند کے مکتب فکر کے مدارس ومکاتب قائم کئے، مولانا محمد یٰسینؒ کے انتقال کے بعد مدرسہ کی پوری ذمہ داری آپ پر آگئی آپ مدرسہ کے مہتمم ہوگئے، اور اخیر وقت تک اس ذمہ داری کو بہت خوبی سے نبھاتے رہے۔

کانگریس میں شرکت

مولانا عبدالرؤف ایام طالب علمی سے تحریک آزادئ وطن میں زبردست دلچسپی لیتے تھے، بریلی آکر آپ نے کانگریس میں باقاعدہ شرکت کی، اور بریلی شہر، پھر ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر، نائب صدر اور صوبہ کانگریس کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے، نہایت کامیاب مقرر اور خطیب

ہونے کی بدولت کانگریس کو پورے ضلع میں نہایت ترقی پر پہونچایا، آپ کے ساتھی مسٹر رام موتی سابق وزیر، مسٹر پرتاپ چند آزاد سابق ایم، ایل، سی، مولوی عبدالواحد چیئر مین میونسپل بورڈ بریلی رام سنگھ کھنہ وزیر اور سابق مرکزی نائب وزیر فائنس مسٹر ستیش چندر آپ کے ساتھی ہونے پر بہت فخر کیا کرتے تھے۔

قید و بند کے مصائب

آپ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۲ء تک ہر تحریک میں جیل گئے، وہ زمانہ سیاسی قیدیوں کے لئے بہت سخت تھا، بہت سخت مشقتیں لی جاتی تھیں، اور بات بات پر مارا پیٹا جاتا تھا۔

بریلی جیل میں آپ کے ساتھ ضلع کے ساتھیوں کے علاوہ مشہور سوشلسٹ لیڈر مسٹر دامودر سوروپ سیٹھ (جو ۱۹۴۶ء میں صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے) مسٹر گووند سہائے اجیت پرشاد جین اور دوسرے قومی رہنما تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور دوسرے رہنما جب مرادآباد جیل سے بریلی جیل منتقل ہوئے تو مولانا عبدالرؤف نے ان کی بے حد خدمت کی اور ان کو راحت پہونچانے میں کوئی کمی نہ رکھی، اتفاق ہے کہ ان رہنماؤں کے بریلی جیل پہونچنے سے چند دن پہلے مولانا بریلی جیل سے رہا ہو چکے تھے، صوبائی سیاست میں مولانا کا نزدیکی تعلق کانگریس کے ممتاز اور صف اول کے رہنما مرحوم رفیع احمد قدوائی سے تھا۔

کانگریس سے علیحدگی

ملک کی آزادی کے بعد آپ کانگریس کی بے راہ روی اور اس کے کچھ ذمہ داروں میں فرقہ وارانہ ذہنیت کی وجہ سے بہت دل برداشتہ ہوئے، ۱۱؍جون ۱۹۵۰ء پٹنہ کنونشن میں کانگریس سے مستعفی ہو کر اپنے رہنما رفیع احمد قدوائی اور بابو ترلوکی سنگھ وغیرہ کے ساتھ پرجا سوشلسٹ پارٹی قائم کی، آپ اس کے بانی ممبران میں سے تھے، کچھ عرصہ کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو

کے اصرار پر مرحوم قدوائی اور اجیت پرساد جین کانگریس میں واپس چلے گئے، مگر مولانا عبد الرؤف اور پی، ایس، پی کے رہنما اپنی جگہ مستحکم رہے، وہ کانگریس میں واپس نہیں گئے۔

کسان سبھا کی صدارت

مولانا عبدالرؤف کمیونسٹ تو نہ تھے مگر ان کا رجحان بائیں بازو کی سیاست کی طرف تھا، وہ بائیں بازو کی پارٹیوں کی سیکولرازم میں گہری عقیدت اور فرقہ واریت کی مخالفت کی بنا پر ان کی بہت قدر کرتے تھے، چنانچہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب کمیونسٹ پارٹی کی تقسیم کے بعد مولانا عبد الرؤف کو ۱۹۶۴ء میں کسان سبھا یوپی کا صدر منتخب کیا گیا، کمیونسٹ رہنما ڈاکٹر زیڈ، اے احمد، کالی سنگھ شکلا اور رمیش سنہا وغیرہ کو مولانا پر غیر معمولی اعتماد تھا اور مولانا کی جدوجہد اور سرگرمیوں کے بہت مداح تھے۔

پنتھ جی کا مقابلہ

آزادی کے بعد پنتھ جی صوبہ کے وزیراعظم تھے مگر کسی قانون ساز ہاؤس کے ممبر نہ تھے۔ بریلی سے یوپی اسمبلی کی سیٹ خالی ہونے پر موصوف نے اسمبلی کے لیے کھڑے ہونے کا اعلان کیا، بریلی کے قرب وجوار کے مسلمانوں میں اس قدر پستی تھی کہ پنڈت گووند بلبھ پنتھ کو پسند نہ کرتے ہوئے بھی ان کا مقابلہ کرنے کی بات نہ سوچ سکے تھے۔ تب مولانا عبدالرؤف نے پنتھ جی کے مقابلہ پر الیکشن لڑنے کا اعلان کیا جس سے سارے صوبہ میں ہلچل مچ گئی۔ مولانا پر بہت زور اور دباؤ ڈالے گئے۔ اسمبلی اور کونسل کی ممبری کے لالچ دیئے گئے۔ مگر مرد مجاہد مولانا عبد الرؤف اپنی رائے پر قائم رہے اور نہایت ہی غربت اور بے سروسامانی کے عالم میں الیکشن لڑا۔ ایک دن ایسا بھی آیا کہ لاؤڈ اسپیکر اور دری اور روشنی والوں کی ادائیگی کے لیے مولانا کے پاس کچھ نہ تھا۔ تب مولانا نے اپنے گھر پر کھڑے ہو کر دودھ دینے والی بکری مع دونوں بہت چھوٹے بچوں کے فروخت کر دی اور ان کے داموں سے ادائیگیاں کر دیں۔ پنتھ جی کی طرف سے پیسہ

کی ریل پیل تھی۔ ہزاروں خوشامدی ٹھیکیدار آگے پیچھے تھے اور روپیہ پانی کی طرح بہار ہے تھے۔اس عالم میں الیکشن کا نتیجہ ظاہر ہی تھا مولانا کو شکست ہوئی۔مگر بریلی، پورے صوبہ یوپی اور ملک کے مسلمانوں اور کمزور طبقوں کے حوصلے بہت بڑھے اور سراسیمگی دور ہوئی۔

صحافتی زندگی

مولانا نے ایک ہفتہ وار اخبار مشاورت کے نام سے جاری کیا جس میں مولانا کی تقریروں کی طرح مضامین نہایت پرجوش اور بے باک ہوتے تھے۔

کونسل کی ممبری

مولانا عبدالرؤف عوام وخواص میں بہت مقبول تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں روہیل کھنڈ لوکل باڈیز حلقے سے لیجسلیٹو کونسل کے لئے کھڑے ہوئے۔یہ الیکشن آپ نے ٹرین، بس اور پیدل ہی چل کرلڑا۔مولانا کے پاس کوئی گاڑی نہ تھی، جب کہ دوسرے امیدواروں کے پاس کئی کئی گاڑیاں تھیں،مولانا بہت بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئے۔مولانا چودہ سال کونسل کے ممبر رہے اور نہایت کامیاب مقرر اور پارلیمنٹرین ثابت ہوئے۔

وقف بورڈ میں

اسی عرصہ میں مولانا عبدالرؤف سنی سینٹرل وقف بورڈ یوپی کے ممبر منتخب ہوئے وہاں بھی اپنی وقیع اور سرگرم خدمات سے ممتاز ممبر رہے۔اب مولانا کی خدمات کا میدان ریاست کے ہر ضلع میں پہنچ گیا۔مولانا نے کتنے ہی اوقاف غلط قبضوں سے نکلوائے۔بددیانت متولیوں کو علیحدہ کرایا،اوقاف کے لئے مولانا کی خدمات کی دھوم مچ گئی۔

وقف بورڈ کی یہ تجویز کہ فروخت شدہ موقوفہ جائیداد کی قیمت وقف بورڈ میں جمع ہوا کرے اور متولی صاحب جب وقف کے لئے نئی جائیداد خریدیں تب وہ رقم دی جائے۔مولانا مرحوم ہی کی تجویز تھی جس کے نتیجہ میں ہزاروں موقوفہ جائدادیں فروخت ہونے سے بچ گئیں۔

جمعیۃ سے وابستگی

مولانا عبدالرؤف ایام طالب علمی ہی میں جمعیۃ علماء ہند سے والہانہ طور پر وابستہ ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مدنی خانوادہ کے زبردست شیدائی تھے۔ مولانا مدنی بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے۔

بریلی آکر جمعیۃ کی توسیع و تنظیم کو اپنا فرض بنالیا۔ نہ صرف بریلی شہر بلکہ مواضعات اور مضافات میں جمعیۃ کی تنظیم کی۔

صوبہ بلکہ پورے ملک میں جمعیۃ کے لئے دورے کرکے اور بے مثل خطاب کے ذریعہ جمعیۃ کو پھیلایا۔ آپ نے تمام عمر جمعیۃ کی ہر آواز پر لبیک کہا۔ جمعیۃ کی تحریک جیل بھرو میں جیل گئے تہاڑ جیل میں رہے۔ دوسری مرتبہ دوبارا اپنے کو گرفتاری کے لئے پیش کیا مگر سرکار کی پالیسی جیل نہ بھیجنے کی تھی۔ اس لئے جیل دوبارہ نہیں بھیجے گئے۔

آپ شہر و ضلع جمعیۃ علماء کے صدر رہے۔ صوبائی جمعیۃ کا تو آپ کے بغیر تصور ہی نہیں تھا۔ آپ برابر صوبہ جمعیۃ کے نائب صدر رہتے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں ریاستی جمعیۃ کے صدر منتخب ہوئے اس عرصہ میں آپ نے صوبہ بھر میں دورے کرکے جمعیۃ علماء کے نظام کو بہت ترقی دی۔ آپ بے شمار وفود کے ساتھ وزیروں اور حکام سے ملے اور مظلوموں کو انصاف دے دیا۔ وفات کے وقت بھی آپ ریاستی جمعیۃ علماء کے نائب صدر تھے۔ آپ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی میں مخصوص مدعو کی حیثیت سے برابر حصہ لیتے رہے اور بہت مفید اور جرأت مندانہ مشورہ دیتے تھے۔

اخلاق و شرافت کے پیکر

مولانا موصوف اخلاق و شرافت کا پیکر اور نہایت متواضع تھے، خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچاتے تھے، کوئی بھی مظلوم یا ضرورت مند آپ سے مدد یا سفارش کے لئے درخواست کرتا تو آپ فوری کھڑے ہو جاتے تھے اور بسا اوقات پیدل ہی اس کے ساتھ چل دیتے، اصرار

کرنے بعد آپ سواری پر بیٹھتے تھے، ورنہ کوشش یہی ہوتی کہ پیدل جا کر اس کا کام کرادیں۔ آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزایاں تھیں جن میں آپ کے بڑے صاحبزادے عبدالودود خاں کا جوان العمری میں انتقال ہوگیا۔ جس نے آپ کو توڑ دیا، آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد عبدالسلام خان بہت ہی سعادتمند اور ہونہار ہیں۔ مرحوم مولانا کا سیاسی وسماجی کاموں خاص کر مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے معاملات میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے علاوہ مرحوم مولانا عبدالرؤفؒ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے زبردست عقیدت تھی، اور حضرت شیخ الحدیثؒ بھی مولانا کی بہت قدر فرماتے تھے۔

افسوس کہ ملت کا یہ سرمایہ افتخار، علم وعمل کا پیکر، آزادی کی لڑائی کا ممتاز رہنما، ملکی اتحاد اور یکجہتی کا رہبر، اخلاق وشرافت کا مجسمہ، قوم ووطن کا بےلوث خادم ۳۰ راگست ۱۹۹۸ء کو ہمیشہ کے لئے سب سے جدا ہوگیا۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۸ء)

جناب افتخار فریدیؒ کی رحلت

مشہور مجاہد آزادی تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن اور اکابر واسلاف کے شیدائی جناب افتخار فریدی صاحب (مرادآباد) گذشتہ ۳/ رجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۵/ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو طویل علالت کے بعد وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک پاؤں سے معذور ہونے کے باوجود حیرت انگیز ہمت کے مالک تھے، جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار کی قیادت میں آزادئ ہند کی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا۔ اپنے وقت کے سبھی اکابر سے آپ کے نیازمندانہ تعلقات تھے۔ عرصہ تک تبلیغی جماعت کے لئے نہایت قیمتی خدمات انجام دیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں جماعت کا کام رائج کرنے میں مرحوم کا بڑا حصہ تھا۔ معاشرہ کی اصلاح کی فکر آپ پر غالب رہتی تھی، جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی مرادآباد کی مختلف مساجد میں تشریف لے جاتے اور کسی بھی نماز کے بعد ۴-۵/ منٹ کا مختصر وعظ فرماتے، جس میں کسی عمل خیر کی ترغیب یا کسی برائی پر نکیر فرماتے اور اس کے برے انجام سے ڈراتے تھے۔ آپ کی وفات سے جہد وعمل کی ایک یادگار رخصت ہوگئی۔ مرحوم کی نماز جنازہ اسی دن ظہر کے بعد مسجد پختہ سرائے میں ادا کی گئی، اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۸ء)

حضرت مولانا سعید احمد خاں مکیؒ

یہ خبر علمی، دینی اور دعوتی حلقوں میں نہایت افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ اواخر رجب ۱۴۱۹ھ میں جماعت تبلیغ کے عالمی رہنما، مخلص عالم دین، بزرگ روحانی پیشوا حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مکیؒ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً میں وفات پاکر مبارک قبرستان جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے صحبت یافتہ اور ان کے معتمد حضرات میں تھے۔ عالم عرب میں دعوت وتبلیغ کا کام پھیلانے میں مولانا موصوف کا زبردست حصہ ہے۔ مولانا نے اپنے بے پایاں اخلاص، اصلاح کی بے انتہا تڑپ اور ملت سے سچی خیرخواہی کے جذبہ سے عربوں کو بے حد متأثر کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومتی سطح پر ممانعت پیش آنے کے باوجود آج بھی جماعت کی سرگرمیاں عرب ممالک میں بدستور جاری ہیں۔ عرب ممالک کے علاوہ مرکز نظام الدین دہلی، اور مرکز رائے ونڈ پاکستان میں بھی مولانا موصوف کو کلیدی اہمیت حاصل تھی اور مولانا کے مشوروں کو بڑی وقعت دی جاتی تھی۔ آپ کے دردِدل سے لکھے گئے مکاتیب اور تجربات ومشاہدات پر مبنی رہنما تحریریں کارکنان تبلیغ کے لئے مشعل راہ ہیں جن کے بعض مجموعے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ مولانا موصوف بڑے اونچے اخلاق کے حامل تھے، تواضع اور جود وسخا کے اوصاف آپ کی زندگی میں نمایاں نظر آتے تھے، آپ نے عمر عزیز کا بڑا حصہ حجاز مقدس بالخصوص مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً میں گذارا اور اللہ تعالیٰ نے جنت البقیع کی مٹی عطا فرما کر زندگی بھر کے خواب کو شرمندہ تعبیر کردیا۔

۱۹۹۶ء میں سفر حج کے دوران ایک دن احقر مسجد نبوی میں دائیں طرف کے دالان میں

بیٹھا ہوا تھا، اچانک ایک کونے میں ایک نہایت نورانی صورت بزرگ شخصیت پر نظر پڑی، احقر کے دل میں ملاقات کا داعیہ پیدا ہوا چناں چہ آگے بڑھ کر مصافحہ کی سعادت حاصل کی تو معلوم ہوا کہ یہی حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب ہیں، موصوف کو جب یہ پتہ چلا کہ احقر کا تعلق مدرسہ شاہی مرادآباد سے ہے، نیز حضرت مدنیؒ کی نسبت کا بھی علم ہوا تو نہایت خوش ہوئے اور رات میں اپنے ہمراہ کھانے میں شرکت کی دعوت دی، چناں چہ عشاء کے بعد زیارت اور صلاۃ وسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر حضرت مولانا موصوف کی رہائش گاہ نزد مسجد نور میں حاضری دی، موصوف کے نواسے لینے کے لئے آئے تھے، مولانا موصوف نے نہایت اکرام کا معاملہ فرمایا اور کھانے سے فراغت کے بعد چلتے ہوئے کھجور کے ڈبے عنایت کئے، اور ساتھ میں کچھ تحفہ احقر کے بدست جناب افتخار احمد فریدی کے لئے ارسال فرمایا، یہی حضرت سے آخری ملاقات تھی۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور آپ کی خدمات جلیلہ کا بے پایاں اجر عطا فرمائے، آمین۔ (ندائے شاہی دسمبر ۱۹۹۸ء)

حضرت مولانا فضل الرحمٰن ٹانڈویؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے برادر نسبتی، مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی اور حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کے حقیقی ماموں جناب مولانا فضل الرحمٰن (ٹانڈہ فیض آباد) گذشتہ ۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ کو دیوبند میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف تقریباً دو مہینے سے سخت علیل تھے، ۸۵/ سال سے زائد عمر پائی، طبعاً شریف، متواضع اور نہایت خلیق تھے، سادگی اور جفاکشی قابل رشک تھی۔

(ندائے شاہی اپریل ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم جون پوریؒ

گذشتہ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ کو مشرقی یوپی کے بافیض بزرگ اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اَجل حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ گورینی جون پور نے تقریباً ۱۰۰ رسال کی عمر میں وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا انتہائی صاحب نسبت، متبع سنت اور بافیض شخص تھے، آپ کے شاگردوں اور متوسلین کا حلقہ بہت وسیع اور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اپنے سلسلہ کے اکابر کی طرح آپ بھی جذبۂ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں ممتاز تھے، اور شریعت کے خلاف کسی بھی چیز کو برداشت کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ آپ نے مظاہر علوم سے فراغت کے بعد ابتدائی تدریسی زندگی مانی کلاں میں گذاری۔ اس کے بعد گورینی میں خود اپنا ادارہ ریاض العلوم کے نام سے قائم فرمایا، جس نے حیرت انگیز طور پر آپ کی سرپرستی اور نگرانی میں ترقی کے منازل طے کئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ علاقہ کا سب سے بڑا ادارہ بن گیا۔ یہ سب حضرت موصوف کی لگن، محنت اور اخلاص کی برکت تھی۔

گذشتہ سال احقر جون پور کے سفر کے دوران حضرت موصوف کی زیارت کی غرض سے ''گورینی'' حاضر ہوا، حضرت والا سے ملاقات ہوئی نہایت اکرام کا معاملہ فرمایا، چلتے ہوئے احقر نے عرض کیا کہ حضرت سر پر ہاتھ رکھ دیں تو حضرت نے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے از راہِ تواضع ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مجھ سے سر پر ہاتھ رکھواتا ہے تو میں یہ تصور کرتا ہوں کہ اس ہاتھ رکھنے سے خود میرے ہاتھ بابرکت ہو جائیں گے، یہی سوچ کر ہاتھ رکھتا ہوں، آپ کا یہ

تصور آپ کی فنائیت اور بے نفسی کی کھلی دلیل ہے۔

حضرت والا کی وفات ملت کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور آپ کے چھوڑے ہوئے صدقات جاریہ کی بقا کا بہتر طور پر انتظام فرمائے۔ آمین۔

حضرت مہتمم صاحب کے تأثرات

مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ کے مولانا موصوف سے نیازمندانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ موصوف نے ایک گفتگو میں درج ذیل تاثرات کا اظہار فرمایا۔

احقر کے ساتھ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم کی بڑی شفقتیں اور عنایتیں تھیں۔ سفر میں مختلف ملکوں اور جگہوں پر ساتھ رہا، آپ کی شخصیت باغ و بہار تھی، سہارن پور میں رمضان المبارک میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ کی خانقاہ میں بارہا حضرت مرحوم کی معیت میں اعتکاف کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ شرف صرف سہارن پور میں نہیں؛ بلکہ ۱۹۸۰ء میں حضرت شیخ الحدیث مرحوم نے فیصل آباد (پاکستان) میں رمضان المبارک گذارا، تو وہاں بھی حاصل رہا۔ اسی طریقہ سے ۱۹۸۱ء میں جب حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اسٹنیگر (ساؤتھ افریقہ) میں رمضان گذارا تو اس وقت بھی حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر مکہ المکرّمہ میں مدرسہ صولتیہ کی جدید عمارت میں مولانا مسعود شمیم صاحب مرحوم کی عنایت سے قیام کے لئے مولانا مرحوم کے برابر والا کمرہ تجویز ہوا۔ جس میں مولانا کے ساتھ کئی دن تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا بہت پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ زاہد خشک نہ تھے بذلہ سنجی اور ظرافت کا بھی وافر حصہ پایا تھا اپنے معمولات کے بے حد پابند تھے۔ شیخ الحدیث قدس سرہ کی مجلس میں بہت مؤدب ہو کر بیٹھتے تھے۔

احقر ایک مرتبہ گورینی حاضر ہوا، مولانا سخت بیمار تھے، ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے کی سخت ممانعت کر رکھی تھی۔ مجھ سے مولانا اپنے تیمارداروں کی شکایت کرنے لگے کہ دیکھئے! ان لوگوں

نے مجھے گویا قید بنا رکھا ہے، کہیں جانے نہیں دیتے، وغیرہ وغیرہ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس بارے میں میں بھی انہی حضرات کا مؤید ہوں۔ آپ کو ڈاکٹروں کے مشورہ کے بغیر آرام ترک نہ کرنا چاہئے، مگر جب احقر واپس ہونے لگا، اور اپنی گاڑی تک پہنچا تو یہ دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا کہ حضرت والا مجھے الوداع کہنے کے لئے میرے پیچھے موجود ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اِس علالت کی حالت میں آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ مگر مولانا اتباعِ سنت کی ادائیگی کے شوق میں گویا اپنی بیماری بھول چکے تھے۔ بہر حال اب مولانا مرحوم کا بدل مشکل ہے، احقر اہل مدارس و متعلقین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۹ء)

تذکرہ:

حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم جون پوریؒ

مولانا مفتی عبدالجلیل خان صاحب مدرسہ شاہی مراد آباد

راقم الحروف کو ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے شعبۂ افتاء میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ کی مفید مجلسوں میں حاضری رہی اور حضرت والا سے قلبی عقیدت پیدا ہوئی۔ اب جب کہ حضرت والا اس دارفانی سے پردہ فرما چکے ہیں، حضرت کے بعض حالات نذر قارئین کئے جاتے ہیں :

ابتدائی حالات وتعلیم

مقام دیوریا، تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد آپ کا وطن تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام محمد شفیع ہے۔ آپ کی نشو ونما یہیں پر ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ عین العلوم ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں حاصل کی۔ پھر دوسرے مدارس میں داخلہ لے کر مزید تعلیم حاصل کرتے رہے۔ شوال ۱۳۴۶ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لے کر دورہ حدیث شریف پڑھا۔ شعبان ۱۳۴۷ھ میں آپ نے فراغت حاصل کی۔

اساتذۂ کرام ورفقاء

آپ نے بخاری شریف اول، ابوداؤد شریف اور شمائل ترمذی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے، بخاری جلد ثانی حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے، مسلم

شریف، ترمذی شریف اور طحاوی شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ سے، نسائی شریف ابن ماجہ شریف حضرت مولانا منظور احمد خانصاحبؒ سے پڑھی۔ اساتذہ کی فہرست میں حضرت مولانا شاہ محمد اسعداللہ صاحبؒ بھی شامل ہیں، حضرت مولانا شاہ الحاج احتشام الحسن صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب امروہوی، حضرت مولانا نذیر حسن صاحب ابن جناب محمد حسن صاحب وکیل روڑکی، آپ کے دورۂ حدیث کے خصوصی رفقاء میں سے ہیں۔

درس وتدریس

شعبان ۱۳۴۷ھ میں جب آپ نے مظاہرعلوم سہارن پور سے فراغت حاصل کی اور اس سے اگلے سال یعنی ۱۳۴۸ھ میں آپ مظاہرعلوم سہارن پور کے معین مدرس استاذ منتخب ہوئے۔ ابتدائی کتابوں کا درس دیا۔ کچھ عرصہ بعد علالت کی وجہ سے وطن واپس ہوگئے۔ صحت یابی کے بعد حضرت نے اپنی دینی خدمات درسیات وتوجہات کا مرکز مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم مانی کلاں ضلع جون پور کو بنایا تقریباً تیس سال تک اس مدرسہ میں رہ کر دینی روحانی اور مذہبی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد کچھ ایسے حالات پیش آئے جس کی وجہ سے حضرت نے یہ مدرسہ چھوڑ دیا۔ پھر چوکیہ گورینی کے پاس لب سڑک اپنی آخری درس گاہ وخانقاہ بنائی، جس کا نام مدرسہ ریاض العلوم رکھا۔ ابتداء میں عمارت کم تھی، مگر چند ہی سال میں حضرت کی توجہات سے یہ مدرسہ ایک بہت بڑی دینی درس گاہ میں تبدیل ہوگیا، جو کافی طول وعرض میں پھیلا ہوا ہے۔

اس مدرسہ میں پرائمری، حفظ وتجوید، عربی وفارسی اور افتاء کی تعلیم دی جاتی ہے تقریباً چھ سات سو طلبہ ہر سال داخل مدرسہ ہوتے ہیں۔

واضح ہو کہ جب تک حضرت کے اندر درس کی طاقت رہی مستقل درس دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بڑے بڑے مایہ ناز شاگرد تیار ہوئے۔ جن میں سرفہرست حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم سابق صدر مفتی مدرسہ ریاض العلوم گورینی، حضرت مولانا

محمد یونس صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا اکرام اللہ صاحب استاذ مدرسہ ریاض العلوم گورینی، حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب استاذ مدرسہ ریاض العلوم گورینی، اور حضرت مولانا منیر احمد صاحب بمبئی وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد شاگردوں کی ہے۔ جن کا احاطہ مشکل ہے۔

عبادات و معمولات ذکر

حضرت والا خواہ سفر میں ہوتے یا حضر میں، تہجد، اشراق، چاشت، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوٗ اوابین اور دیگر نوافل کا بہت خاص اہتمام فرماتے۔ نیز حضرت اپنے اکثر اوقات ذکر الٰہی میں گذارتے تھے۔ جب حضرت کا قیام گھر پر ہوتا تین معمول میں بہت اہتمام فرماتے:

(۱) فجر کی نماز کے بعد مجلس ذکر:- یہ ذکر حضرت اپنی خانقاہ میں فرماتے تھے، مریدین کے علاوہ اساتذہ وطلبہ بھی شریک ہوتے تھے۔

(۲) عصر کے بعد کی مجلس:- اس میں بھی مریدین، اساتذہ، طلبہ شریک ہوتے تھے۔ مجلس میں حضرت کی نصائح عالیہ اور حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کی کوئی کتاب پڑھی جاتی تھی۔

(۳) عصر کی نماز کے بعد متصلاً مسجد ہی میں ختم خواجگان میں شرکت:- اس میں سارے طلبہ واساتذہ شریک ہوتے تھے۔

تواضع و شفقت

حضرت والا کے اندر تواضع وانکساری حد درجہ کی پائی جاتی تھی تاہم طلبہ واساتذہ کے ساتھ بہت شفقت ومحبت فرماتے تھے۔ کوئی طالب علم یا استاذ ملنے کے لئے جاتا تو حضرت اس کی خیرت معلوم فرماتے۔ اگر اس کو پریشان حال دیکھتے تو چپکے سے اس کا تعاون فرماتے۔

اسفار

حضرت والا کے دینی، اصلاحی، تبلیغی اسفار بہت ہوتے تھے، خصوصاً تبلیغی عالمی اجتماعات

میں بہت اہتمام سے تشریف لے جاتے، اور پورے پروگرام میں شریک ہوتے۔ ان میں حضرت کا بیان بھی ہوتا تھا، حضرتؒ کو مرکز نظام الدین دہلی کے لوگ اپنا ایک فرد شمار کرتے تھے؛ لیکن جب آپ کافی بیمار رہنے لگے، ضعف بڑھ گیا، صاحب فراش ہو گئے، تو یہ اسفار بالکل بند ہو گئے۔

بیعت و خلافت

آپ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ خاں صاحب فتح پوری نور اللہ مرقدہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ ان دونوں حضرات سے استفادہ باطنی اور استفاضۂ روحانی فرمایا اور اس بحر ذخار سے خوب سیراب ہوئے۔ آپ نے اولاً حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی جانب سے، پھر دوبارہ ۱۳۹۲ھ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی جانب سے اجازت بیعت و خلافت پائی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے ایک بار اپنی خصوصی مجلس میں فرمایا کہ ''مولوی عبد الحلیم صاحب میرے ان دوستوں میں سے ہیں جن کو مرتبہ حضوری حاصل ہے اور استحضار خداوندی حاصل ہے''۔

مدارس کی سرپرستی

آپ بہت سے مدارس اور اداروں کے ممبر اور سرپرست تھے جن میں سے چند یہ ہیں:
مدرسہ دعوۃ الحق مہسانہ گجرات، مدرسہ سراج العلوم مہولی ضلع بستی، مدرسہ قاسم العلوم جہانگیر گنج ضلع فیض آباد وغیرہ۔

آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ اسی طرح ۱۴۰۰ھ میں آپ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کی مجلس سرپرستان میں شامل کئے گئے۔

نعمت کثرتِ اولاد

جس طرح سے اللہ رب العزت نے آپ کو علوم ظاہری و باطنی کثیر نعمت سے مالا مال فرمایا، اسی طرح کثرتِ اولاد کی نعمت سے بہرہ ور فرمایا۔ راقم الحروف کے زمانہ تعلیم میں لوگوں

نے شمار کیا تو پوتا پوتی، نواسہ نواسی پھر اُن کی اولادیں، اس طرح سے ملا کر تقریباً ۸۰/ افراد ہو چکے تھے۔ اللّٰہم زدفزد۔

حضرت کے سبھی صاحبزادے پڑھے لکھے، حافظ قاری عالم ہیں: تین صاحبزادے مدرسہ ریاض العلوم میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، جن میں سے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہٗ مظاہری ناظم مدرسہ اور حضرت مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی ناظم تعلیمات اور حافظ عبداللہ صاحب استاذ درجہ حفظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۹ء)

❍❖❍

حضرت مولانا طالب علی لاتور، مہاراشٹر

وسط ہند کے مشہور بزرگ، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور جمعیۃ علماء مراٹھ واڑہ کے صدر محترم حضرت مولانا طالب علی صاحب مہتمم مدرسہ مصباح العلوم لاتور گذشتہ ۱۰/ مئی ۱۹۹۹ء کو اپنے وطن مالوف اودگیر ضلع لاتور مہاراشٹر میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف جمعیۃ کے نہایت سرگرم فرد تھے اور پیرانہ سالی کے باوجود سماجی اور اصلاحی کاموں میں دن رات مشغول رہتے تھے۔ مراٹھ واڑہ کے علاقہ میں موصوف کی مخلصانہ دینی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، مدرسہ شاہی سے موصوف کو گہرا تعلق تھا حضرت مہتمم جامعہ زید مجدہم اور دیگر اراکین مدرسہ کے نہایت قدردان تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔ (ندئے شاہی جون ۱۹۹۹ء)

شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن بازؒ

محرم ۱۴۲۰ھ کے وسط میں سعودی عرب کے مفتی اعظم اور مشہور عالم دین شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۷۵ر سال کی عمر میں وصال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بلند پایہ عالم اور احادیث وآثار کے بڑے حافظ تھے، اگرچہ آپ نابینا تھے، لیکن اعلیٰ درجہ کی ذہانت، گیرائی اور ذکاوت کے حامل تھے۔ آپ کا شمار عالم عرب کے ان علماء میں ہوتا تھا جنہوں نے تقلید کے بجائے براہِ راست قرآن وسنت سے استفادہ واستنباط مسائل کی کوشش؛ بلکہ ذہن سازی کی اسی وجہ سے بہت سے اجتہادی مسائل میں تفردات اختیار کرنے کی بنا پر اُن سے دلیل کی روشنی میں اختلاف کی بہت گنجائش موجود تھی۔ عرصہ تک آپ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے، اُس کے بعد سعودی عرب کے اعلیٰ فقہی ادارے ''ادارۃ البحوث والافتاء والدعوۃ والارشاد'' کے سربراہ منتخب ہوئے، اور اس منصب پر فائز رہ کر عظیم علمی ودینی خدمات انجام دیں۔

موصوف نے اپنی دینی رائے کے اظہار میں کافی جرأت کا مظاہرہ کیا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ مؤثر طور پر انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو ان کی خدمات کا بہترین بدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ

(ولادت: ۱۳۴۵ھ، وفات: ۱۴۲۰ھ)

مدرسہ شاہی کے قدیم فیض یافتہ، پاکستان کے مشہور ومقبول عالم اور دارالعلوم کراچی پاکستان کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ماہ وصال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نہایت بااثر عالم تھے، اصل وطن مرادآباد تھا، اس بناء پر درجہ حفظ سے درمیانی عربی درجات تک یہیں مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی، پھر یہاں سے پاکستان ہجرت فرما گئے، اور پاکستان کے مشہور مدرسہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے تعلیم کی تکمیل فرمائی۔ آپ ۱۳۷۱ھ سے دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ اس دوران سینکڑوں تشنگان علوم نبوت نے آپ کے دریائے علم سے اپنی پیاس بجھائی، جن میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب جیسے جلیل القدر علماء بھی شامل ہیں۔ پاکستان بالخصوص کراچی کے عوام کا آپ پر کامل اعتماد تھا، آپ کی تصدیقات اور سفارشیں نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند کے موقع پر جب آپ ہندوستان تشریف لائے تھے، تو دیرینہ تعلق کی بناپر مدرسہ شاہی میں بھی رونق افروز ہوئے اور ایک تحریر کے ذریعہ مدرسہ کی ترقی پر اظہار مسرت فرمایا (یہ تحریر ندائے شاہی کے تاریخ شاہی نمبر میں شامل ہے) حضرت موحوم کے حادثۂ وفات پر ادارہ ندائے شاہی مرحوم کے پسماندگان اور فیضیان فتگان اور متعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے اور قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حضرت مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند سے بلند فرمائیں اور خدمات قبول فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۱۹۹۹ء)

حکیم عبدالحمید (ہمدرد) کا انتقال

ملک کے معروف ومشہور طبیب، ہمدرد دواخانہ کے سربراہ جامعہ ہمدرد کے چانسلر اور متعدد رفاہی اور سماجی اداروں کے روح رواں جناب حکیم عبدالحمید صاحب گذشتہ ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۳ رجولائی ۱۹۹۹ء کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نے ۹۱ رسال کی عمر پائی اور پوری زندگی قوم وملت کی تعمیری اور تعمیری اور سماجی خدمات میں مشغول رہے۔ اُنہوں نے تن تنہا اپنی ہمت اور بے مثال استقلال کی بدولت وہ عظیم الشان کام انجام دیئے جو بڑی بڑی جماعتیں بھی مل کر مشکل ہی سے انجام دے سکتی ہیں۔ حکیم صاحب نے ہمیشہ اپنے کو سیاست سے بچائے رکھا۔ اور خاموشی کے ساتھ قومی خدمت میں لگے رہے۔ تدبر، حلم وبردباری، حقیقت شناسی اور عاقبت اندیشی کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کیا تھا، اوقات اور نظم کی پابندی ضرب المثل اور ذہانت قابل رشک تھی۔ حکیم صاحب کی وفات سے ملت اسلامیہ اپنے ایک عظیم محسن سے محروم ہوگئی ہے۔ تاہم ان کے قائم کردہ اداروں کے ذریعہ قوم وملت کو برابر نفع پہنچتا رہے گا۔ اور حکیم صاحب کا نام زندہ جاوید رہے گا۔ حکیم صاحب موصوف کو دینی مدارس کی ترقی سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ کئی مرتبہ اس موضوع پر آپ نے مدارس کے ذمہ داروں کو اپنے یہاں مل بیٹھ کر غور وخوض کی دعوت دی، اور برابر مدارس کی دشواریوں کو دور کرنے کے لئے کوشاں رہے، تمام مصروفیات کے باوجود خدمت خلق کے جذبہ سے حکیم صاحب نے براہ راست عام مریضوں کو دیکھنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ایک اندازہ کے مطابق ۵۰ سال میں سات لاکھ سے زائد مریضوں نے آپ سے استفادہ کیا۔

وفات کی خبر ملتے ہی جامعہ میں موصوف کیلئے ایصال ثواب کرایا گیا۔ (ندائے شاہی اگست ۱۹۹۹ء)

❍❖❍

حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کراچی

(ولادت: ۱۹۱۵ء وفات: ۱۹۹۹ء)

پاکستانی اخبارات ورسائل سے یہ معلوم ہوکر سخت افسوس ہوا کہ معروف محقق اور صاحب نظر عالم دین حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نوراللہ مرقدہ مؤرخہ ۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۲؍اگست ۱۹۹۹ء کو وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اس دور میں فن حدیث اور فقہ پر گہری نظر رکھنے والے علماء میں سے تھے، آپ نے ابن ماجہ شریف پر گراں قدر تعلیق فرمائی۔ اور لغات القرآن کی صورت میں شاندار علمی ذخیرہ اردو داں طبقہ کو عطا کیا، آپ کی ولادت ۱۸؍ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۸؍ستمبر ۱۹۱۵ء کو صوبہ راجستھان کے شہر جے پور میں ہوئی، موصوف کی پرورش آپ کے تایا حافظ عبدالکریم نے کی، ابتدائی تعلیم اپنے چچا اور والد منشی عبدالرحیم سے حاصل کی، اور موقوف علیہ تک مولانا قدیر بخش بدایونیؒ سے اکتساب علم کیا، اس کے بعد ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا حیدرعلی صاحب ٹونکیؒ کی خدمت میں رہ کر علوم حدیث حاصل کئے، بعد ازاں حیدرآباد دکن تشریف لے گئے، اور وہاں مؤرخ کبیر مولانا محمود حسن خاں ٹونکیؒ کی سرپرستی میں معجم المصنفین نامی کتاب کی تدوین وتالیف میں حصہ لیا، جس سے آپ کی نظر بہت وسیع ہوگئی، ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ ندوۃ المصنفین دہلی کے رکن رکین رہے، اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے وہاں اولاً دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ۱۹۵۴ء سے جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں استاذ مقرر ہوئے اور حدیث کی اعلی کتابوں کا درس دیا، بعد ازاں ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۶ء تک دار العلوم بہاول پور میں قیام رہا پھر واپس کراچی تشریف لے آئے اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن

کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے نگراں مقرر ہوئے، اور اخیر تک اس منصب پر فائز رہے، آپ کی سولہ قیمتی کتابیں شائع شدہ ہیں جو اہل علم کی نظر میں نہایت باوزن ہیں۔ آپ کی وفات سے بجا طور پر علمی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پورا ہونا مشکل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ درجات سے نوازے، اور آپ کی علمی خدمات کو صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

حضرت مرحوم سے متعلق سوانحی معلومات "**الکلام المفید في تحریر الأسانید**" مؤلفہ: مولانا روح الامین قاسمی بنگلہ دیشی سے حاصل کی گئی ہیں۔ (مرتب)

(ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۹ء)

○❖○

حضرت مولانا مہربان علی صاحبؒ بڑوتی

آپ مدرسہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر کے ناظم انجمن دعوۃ الصدق کے سربراہ اور بڑے ذہین عالم تھے، اور اپنے حلقۂ اثر میں مفید دینی خدمات انجام دے رہے تھے، صرف ۴۵ر سال کی عمر میں دماغی مرض میں ۳ر نومبر ۱۹۹۹ء کو وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کا دماغ منصوبہ ساز تھا، آپ نے تمام اُردو فتاویٰ کی یکجا طور پر تبویب کا عظیم کام "جامع الفتاویٰ" کے نام سے شروع کیا تھا، جو اگر مکمل ہو جاتا تو عظیم علمی سرمایہ اور فقہی ماخذ قرار پاتا، مگر اس کی ابھی پہلی جلد شائع ہوئی تھی کہ پیغام اجل آپہنچا۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو غریق رحمت فرمائے اور چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کے اسباب مہیا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا حامد میاںؒ اُستاذ دارالعلوم دیوبند

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے قدیم اُستاذ حضرت مولانا حامد میاں صاحبؒ گذشتہ ۱۳؍رجب ۱۴۲۰ھ کو وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کئی سال سے علیل تھے اسی بناپر دارالعلوم سے سبک دوش ہو گئے تھے۔ ایک عرصہ دراز تک آپ نے دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، ابتدائی متوسط اور بعض اعلیٰ کتابوں کا درس دیا، کافی عرصہ تک جلالین شریف بھی آپ سے متعلق رہی۔ احقر نے بھی الفوز الکبیر اور جلالین شریف آپ سے پڑھی، آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ حضرت مولانا سادگی کا مرقع تھے۔ ہر طرح کی بناوٹ اور خودنمائی سے دور تھے، لباس چال ڈھال، گفتگو کسی چیز سے بھی بڑائی کا احساس نہ ہونے دیتے۔ حتیٰ کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی اکابر جیسا معاملہ فرماتے تھے۔ ہر زمانہ کے بزرگوں سے نیاز مندانہ تعلق رہا۔ بالخصوص فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی عشاء کے بعد والی مجلس میں پابندی سے تشریف لا کر روزمرہ کی خبریں حضرت والا کو سنایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا حامد میاں صاحبؒ نے تقریباً پوری زندگی معاشی تنگی، جفاکشی اور قناعت پر بسر کی، اور اسی حال میں بارگاہ ذوالجلال کے حضور پہنچ گئے۔ قوی اُمید ہے کہ رحمت خاصہ کے دامن میں آپ کو بلند مرتبہ سے سرفراز کیا جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ (ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا سمیع اللہ قاسمیؒ (سٹھلہ)

مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام سٹھلہ میرٹھ کے صدر مدرس حضرت مولانا سمیع اللہ قاسمی بستویؒ گذشتہ ۱۴؍رجب ۱۴۲۰ء کو انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم انتہائی جید الاستعداد عالم، ذکی وفہیم، سلیم الطبع دیانت وامانت اور اعلیٰ اقدار کے حامل تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید تھے اور آپ ہی کے حکم سے ۱۳۶۹ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد مدرسہ قاسمیہ سٹھلہ تشریف لائے اور یہاں اپنے رفیق مکرم حافظ اکرام الٰہی صاحب کے ساتھ پوری عمر دین کی خاموش خدمت میں گذار دی۔ اس وقت سے اب تک تقریباً ۵۰؍سال کے عرصہ میں سیکڑوں تشنگانِ علوم نے آپ سے علمی پیاس بجھائی آپ کو بالخصوص ابتدائی اور متوسط کتابوں پر بڑا عبور تھا۔ کتاب سامنے رکھے بغیر از بر پڑھاتے تھے۔ اور درجہ بندی کی رعایت کئے بغیر ذہین طلبہ کو ایک ہی سال میں آگے کی کتابیں بھی پڑھا دیتے تھے۔ مدرسہ شاہی کے مفتی حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہٗ بھی آپ کے ممتاز شاگردوں میں شامل ہیں۔ بہر حال مولانا کی وفات کا سانحہ اُن کے سبھی تلامذہ، متعلقین؛ بلکہ پورے علاقہ کے لئے المناک ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور آپ فیض کو جاری رکھے، آمین۔

ندائے شاہی اِس المناک موقع پر جناب حافظ اکرام الٰہی صاحب اور مولانا کے صاحبزادگان برادرم مولانا سعید اللہ، مفتی اسعد اللہ اور مولوی سعد اللہ سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے قارئین اور اہل مدارس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے لئے ایصال فرمائیں۔ (ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۹ء)

❍❖❍

حضرت مولانا ابوالبرکات ندویؒ (اندور)

علاقہ مالوہ (مدھیہ پردیش) کے مفتی اعظم اور جید عالم دین، حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب ندوی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۹/شعبان ۱۴۲۰ھ کو اپنے ہزاروں فیض یافتگان کو روتا بلکتا چھوڑ کر بارگاہ ایزدی کے میں حاضر ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ندائے شاہی کے صفحات میں گذشتہ دو ماہ سے موصوفؒ کا تذکرہ آتا رہا ہے۔ اولاً مولانا مرحوم کی جامعہ میں آخری بار تشریف آوری اور طلبہ واساتذہ سے خطاب کی روداد شائع ہوئی۔ پھر پچھلے شمارہ میں نکاح کے متعلق مولانا کا مضمون اور حضرت مہتمم صاحب کے سفر اندور کے ضمن میں موصوف کی پرخلوص محبت کا ذکر کیا گیا۔ کیا پتہ تھا کہ اتنی جلدی مولانا سے دائمی فراق کی نوبت آجائے گی۔ مولانا اس دور کے معتدل الفکر، کثیر المطالعہ اور جید الاستعداد علماء میں تھے، بالخصوص صرف، نحو اور عربی ادب، محاورات، تعبیرات پر کامل دسترس حاصل تھی، عربی کے اشعار اور امثلہ نوک زبان رہتی تھیں۔ اور قرآن مقدس کی فصاحت و بلاغت کی باریکیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اسی طرح اصول وفنون کی کتابوں پر بھی عبور تھا۔

علاوہ ازیں آپ کی طبعیت حسن انتظام اور استغناء کی دولت سے مالا مال تھی۔ اسی صفت کا ثمرہ ہے کہ آپ نے مدرسہ ریاض العلوم اندور کی بنیاد رکھی اور اسے اس شان سے پروان چڑھایا کہ وہ علاقہ کا مضبوط دینی مرکز بن گیا۔

(ندائے شاہی دسمبر ۱۹۹۹ء)

مولانا خالد کمال مبارک پوریؒ

(ولادت: دسمبر ۱۹۳۸ء، وفات: دسمبر ۱۹۹۹ء)

قاضی ظفر مسعود، قاضی منزل مبارک پور

مبارک پور کے مایۂ ناز سپوت مولانا خالد کمال مبارک پوری نے وطن سے ہزاروں میل دور نیوزی لینڈ میں مؤرخہ ۵؍دسمبر ۱۹۹۹ء ہندوستانی وقت کے مطابق ۶؍بجے شام بعمر ۶۶؍سال داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن ۹؍بجے صبح نیوزی لینڈ میں سپرد خاک کردئے گئے، آپ مؤرخ اسلام مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے، آپ کے انتقال کی خبر جیسے ہی مبارک پور بذریعہ ٹیلی فون رات میں ساڑھے سات بجے پہنچی، آپ کے آبائی مقام قاضی منزل پر سوگواروں اور تعزیت کرنے والوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا اور اب تک آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا مرحوم انتہائی ذہین اور باصلاحیت عالم تھے، دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فضیلت حاصل کی، جامعہ سے فراغت کے بعد ۱۹۶۸ء میں سعودی حکومت کی طرف سے گھانا (مغربی افریقہ) میں دین حنیف کی اشاعت کے لئے مبعوث کئے گئے، جہاں ۱۴؍سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دئے۔ اس زمانہ میں یہ علاقہ قادیانیت کا بڑا مرکز تھا آپ نے وہاں رہ کر اسلام کا بہترین تعارف کرایا اور صحیح دینی شعور پیدا کیا۔ جس کے نتیجہ میں پورے گھانا میں قبیلہ کے قبیلہ نے قادیانیت سے توبہ کی اور دوبارہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہوئے، آپ کی ان کارگزاریوں سے خوش ہوکر سعودی حکومت

نے ۱۹۸۰ء میں آپ کو نیوزی لینڈ میں اسلام کا نمائندہ بنا کر بھیجا، جہاں آپ نے اسلام کی صحیح رہنمائی کی اور اسلام کے نام پر بہت سی غلط رسومات اور خرافات کو ختم کرایا اور پورے وقار کے ساتھ اسلام کا نمائندہ بن کر رہے، اور اپنی جد وجہد سے سب سے پہلی مسجد کی ویلنگٹن میں بنیاد رکھی، اور پورے ملک میں مسلمانوں کو آزادی اور برابری کے ساتھ رہنے کا حق دلوانے کی کوششیں کرتے رہے، آج پورے ملک میں مسلمان اپنے تمام تر دینی تخصص اور پوری شان وشوکت سے رہتے ہیں۔

مولانا مرحوم اپنے والد محترم کی طرح طالب علمی کے زمانہ میں ہی اسلامی موضوعات پر نہایت عالمانہ اور فاضلانہ مضمون لکھا کرتے تھے، جو اس زمانہ میں ملک کے مؤقر پرچوں میں چھپتا تھا، قاضی صاحب کہا کرتے تھے، اگر خالد کمال لکھنے پڑھنے کی لائن میں آتے تو مجھ سے آگے جاتے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے دوسرے طریقے سے دین کا بڑا کام لیا۔

اللہ رب العزت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ پسماندگان میں بیوی، ایک لڑکا فوزان طارق، اور بچیاں ہیں، قارئین حضرات سے ایصال ثواب اور دعا کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۰ء)

عارف باللہ

حضرت حاجی سید احمد شاہ مراد آبادیؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل اور ہمارے علاقہ کے خاموش طبیعت، متواضع اور صاحب معرفت بزرگ، حضرت الحاج سید احمد شاہ صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم بجنور گذشتہ ۲۸ر شعبان ۱۴۲۰ھ کو ۸۶ر سال کی عمر میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ صاحب موصوف کا فیض دور دور تک پھیلا ہوا تھا، بالخصوص بجنور اور مراد آباد کے شہروں اور دیہاتوں میں آپ کے متوسلین و متعلقین بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ آپ گوکہ اصطلاحی عالم نہیں تھے؛ بلکہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے تھے، اور بعد میں ۱۳ر سال محکمہ ریلوے میں ملازم رہے، پھر ۲۸ر سال ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۸ء تک مسلم انٹر کالج بجنور میں استاذ رہے؛ لیکن یہ تمام مصروفیات آپ کی دین داری اور سلوک وتصوف کے مشاغل میں حائل نہ ہوسکیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے اور خرقۂ خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ آپ انتہائی متواضع اور کریم النفس بزرگ تھے، سادگی اور فنائیت کا غلبہ تھا، اخفاء حال غیر معمولی تھا۔ اپنی تعریف اور اظہار برتری سے نفرت کی حد تک بعد تھا، آپ نے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ اپنے علاقہ میں اصلاحی خدمات انجام دیں۔ ہزاروں افراد نے آپ سے وابستہ ہوکر راہِ سلوک کے منازل طے کئے، اُن کے

ذریعہ آپ کا فیض صدقۂ جاریہ کے طور پر تا قیامت جاری رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

مدرسہ شاہی سے آپ کا گہرا اور خصوصی تعلق تھا۔ ۱۳۹۹ھ میں آپ کو مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا، اور ۱۴۰۱ھ سے تادم وفات مجلس عاملہ کے رکن رکین بھی رہے، عمر کے اعتبار سے آپ کی صحت عرصہ سے کمزور چل رہی تھی، گونا گوں امراض پیدا ہوگئے تھے؛ لیکن اخیر میں ضعف اس انتہا کو پہنچا کہ گردوں نے اپنا عمل چھوڑ دیا۔ اخیر کے ۱۲؍ یوم زیادہ تر استغراق میں گذرے، اسی عالم میں ۲۸؍ شعبان کو دن میں پون بجے کے قریب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ بھی حسن اتفاق اور آپ کی محبت صادقہ کا ثمرہ تھا کہ اس وقت آپ کے محبوب شیخ کے جانشین حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی (جن کی صحبت میں رمضان گزارنے آپ ہر سال دیوبند تشریف لے جاتے تھے) دہلی میں تشریف فرما تھے، وفات کی خبر ملتے ہی دیگر پروگرام کو ملتوی کرکے آپ مرادآباد تشریف لے آئے اور عشاء کے بعد مدرسہ شاہی دارالطلبہ لال باغ کے احاطہ میں آپ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کے ساتھ شاہ صاحب مرحوم کو آخری آرام گاہ (عقب حوض والی مسجد) تک پہنچا کر واپس ہوئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۰ء)

عارف باللہ حضرت سید احمد شاہ مرادآبادیؒ

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب قاسمی نوگانوی خلیفۂ اَجل حضرت شاہ صاحبؒ

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا:

شیخ طریقت عارف باللہ، مرشدی حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی ولادت ۱۹۱۳ء میں شہر مرادآباد کے محلّہ فیض گنج میں ہوئی اور مرادآباد ہی آپ کا وطن اصلی ہے، مگر چوں کہ آپ نے مسلم انٹر کالج بجنور میں ۲۸ر سال پڑھایا ہے۔ نیز مدرسہ مدینۃ العلوم بجنور کے اہتمام کی خدمات مدت دراز تک انجام دی ہیں، جس کی وجہ سے آپ کی حیاتِ مبارکہ کا بیشتر زمانہ بجنور میں گذارا ہے، اس لئے بعض حضرات آپ کو بجنوری کہتے اور لکھتے ہیں۔

تعلیم

آپ نے قرآن پاک اپنے نانا مرزا غلام بیگ اور سہس پور کے ایک حافظ صاحب سے پڑھا تھا۔

چھ سال کی عمر میں آپ نے محلّہ پیر غیب مرادآباد کے پرائمری اسکول میں داخلہ لیا اور درجۂ چہارم تک اس میں تعلیم حاصل کی۔ پھر محلّہ فیض گنج کے انٹر کالج میں داخلہ لیا ارو درجہ پنجم سے درجہ دہم تک اس میں زیر تعلیم رہے، اور ۱۹۳۳ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔ پھر علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا، اور ۱۹۳۵ء میں بارہواں درجہ پاس کیا۔

ملازمت

انٹر پاس کرنے کے چندسال بعد محکمہ ریلوے میں ملازم ہوئے اور ۱۹۴۸ء تک اس میں

کام کیا۔اس کے بعد رضا انٹر کالج رام پور میں آپ کا بحیثیت ٹیچر تقرر رہوا، اوراس میں آپ نے دوسال تک پڑھایا، پھر حامد ہائی اسکول رام پور میں ٹرانسفر ہوا۔ پھر ایک سال جونیئر ہائی اسکول تحصیل بلاس پور میں پڑھایا، پھر ۲۶؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں مسلم انٹر کالج بجنور میں آپ کا تقرر ہوا، اوراس میں تعلیم دیتے رہے اور ۳۰؍ جون ۱۹۷۸ء میں اس سے ریٹائرڈ ہوئے۔

بیعت وخلافت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے والہانہ محبت اور نہایت حسن عقیدت تھی، اس لئے بیعت ہونے کے لئے آپ کی نظر انتخاب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔

حسنِ اتفاق حضرت مدنیؒ ۱۹۳۸ء میں مرادآباد میں محلّہ بغیہ میں حکیم محمد صدیق صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کے مکان پر تشریف لائے۔ شاہ صاحب بھی ملاقات کے لئے خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لئے درخواست کی۔ حضرت مدنی نے آپ کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا اور زبان حال سے فرمایا۔ ''آمد آں یارے کہ ما می خواستیم''

اور بعد نماز عشاء محلّہ بغیہ کی مسجد میں آپ نے چاروں سلسلوں میں بیعت کرلیا۔ بیعت ہونے کے بعد میخانۂ مدنی سے شرابِ معرفت کے جام بھر بھر کے پیتے رہے۔ نیز پیرومرشد کے حکم کے مطابق مجاہدات وریاضات کر کے منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے رہے۔ الغرض تیز رفتاری سے راہ سلوک کی منزلوں کو طے کر کے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ نیز صاحب کمالات اور مرشد کے معتمد علیہ ہوگئے۔ چنانچہ حضرت مدنیؒ نے ۱۹۵۷ء میں جب کہ بانسکنڈی آسام میں ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف فرمارہے تھے، آپ کو خلافت واجازت سے مشرف فرمایا۔

ارشاد وہدایت

خلافت کی سعادت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ نے اپنے پیرومرشد کے حکم وہدایت

کے مطابق طالبانِ حق اور سالکین راہ سلوک کی رہنمائی کے فرائض بحسن وخوبی اور پوری جدوجہد کے ساتھ انجام دینے شروع کئے۔ کثرت کے ساتھ طالبین آپ سے بیعت ہونے شروع ہو گئے اور چند سال میں ہی آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوگئی۔ اور کثیر تعداد میں بندگانِ خدا آپ سے خوب مستفیض اور مستفید ہوئے، اور آپ نے ۹ر حضرات کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا ہے، جو اپنے علاقہ میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اَوصافِ حمیدہ

حضرت شاہ صاحب بڑے کمالات اور خوبیوں کے حامل اور اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، آپ غایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، ہر وقت اللہ کا خوف اور فکر آخرت کا استحضار رکھنے والے تھے، نہایت رقیق القلب تھے۔ نمازِ تہجد کے بعد دعاء اور مناجات میں بہت روتے تھے۔ رقت قلبی کی وجہ سے جہری دعا مانگنا آپ کے لئے بہت دشوار تھا، ملک وملت و بچاؤ تحریک کے موقعہ پر نئی بستی نوگاوں میں جلسہ کے اختتام پر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کے ارشاد فرمانے کی وجہ سے آپ نے دعا کرائی تو دعا کے آخر تک بس زار وقطار روتے ہی رہے اور دعا کے الفاظ کا زبان سے نکلنا مشکل ہو گیا۔

آپ قرآن پاک کی تلاوت کے عاشق تھے۔ رات دن کے بیشتر اوقات میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔

جب آنکھیں خراب ہونے لگیں تو انھیں اس خیال سے جلدی ہی بنوالیا کہ قرآن پاک کی تلاوت کی سعادت سے محرومی نہ ہو جائے۔ آپ احکام شریعت کے نہایت پابند اور سنن نبوی پر مضبوطی سے کاربند رہتے تھے۔

آپ ضعیفی اور پیرانہ سالی میں بھی تبلیغی اور صلاحی دور دراز کے اسفار پیدل کرلیا کرتے تھے اور فرماتے کہ میرے اندر کوئی کمال تو ہے نہیں، شاید حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے مجھے اس لئے اجازت دی ہے کہ پیدل چل کے کچھ دین کا کام کرلوں۔

انتقال پُر ملال

حضرت شاہ صاحب کو اچانک گردوں کے فعل متاثر ہونے کا رعاضہ پیش آیا اور یہ عارضہ اتنا بڑھا کہ ۲/۱۹۹۹ء کو آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، اور مختلف تدابیر کے باوجود آپ کو افاقہ نہ ہوسکا، اور مؤرخہ ۲۸/شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۷/دسمبر ۱۹۹۹ء سہ شنبہ کو دن کے ایک بجے آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، اور ہم ایک شیخ کامل بہترین مربی، نہایت مشفق پیر و مرشد سے محروم ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن دیدہ ور پیدا

رب کریم حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ ادارہ حفظ الرحمٰن محلّہ لاباغ مرادآباد میں تقریباً ساڑھے آٹھ بجے شب میں آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم نے پڑھائی اور محلّہ لاباغ میں ہی حوض والی مسجد کے عقب میں آپ مدفون ہوئے۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۰ء)

گوشۂ مفکرِ اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل اِنڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

(ولادت: ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۳ء وفات: ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء)

موت العالِم موتُ العالَم

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحبؒ ندوی جوارِ رحمت میں

اس سال ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عالم اسلام کو ایک عظیم صدمہ سے دو چار ہونا پڑا۔ جس کی کسک مدتوں محسوس کی جاتی رہے گی۔ یعنی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی نے اپنے آبائی وطن ''تکیہ کلاں رائے بریلی'' میں ۲۲؍ رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱؍ دسمبر ۱۹۹۹ء کو جمعہ کی نماز سے قبل سورہ یٰسین شریف کی آیت: ﴿فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ (آپ اس کو مغفرت اور عمدہ بدلہ کی خوش خبری سنا دیجئے) پڑھتے ہوئے انتہائی قابلِ رشک حالت میں ۸۶؍ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمةً واسعةً۔

حضرت مولانا کی وفات محض ایک حادثہ نہیں بلکہ ایک صدی کا خاتمہ اور مبارک ترین سلسلۃ الذہب کا اختتام ہے۔ مولانا جیسی بھاری بھرکم، جامع اور عالمی شخصیت سالوں میں کہیں پیدا ہوتی ہے۔ اور ایسی شخصیت کا محض وجود ہی قوم وملت کے لئے بہت بڑا سہارا اور درد کا مداوا بنا رہتا ہے۔ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جو دردمند دل اور وحدت ملّی اور اسلام کی عالمی سربلندی کا جو جذبہ عطا فرمایا تھا، وہ ہر ایک کو میسر نہیں آتا۔ یہ پاک جذبات آپ کو رجال اللہ کی صحبت ونسبت سے حاصل ہوئے۔ اولاً تو مصلح امت اور انقلابی داعی اور مبلغ حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ علیہ کی خاندانی خصوصیات اور برکات اور آپ کی عالمہ فاضلہ والدہ ماجدہ کی

دعائیں اور مثالی تربیت اور برادر اکبر (مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ) کی خاص عنایات ہی کیا کم تھیں۔ پھر ان پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ رئیس المبلغین حضرت مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی بابرکت اور پرتاثیر صحبتوں اور توجّہات عالیہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور ''علی میاں'' کی شکل میں ایسے معتدل، مفکر اور انقلابی مصنف کی تصویر بن کر ابھری جس نے کبھی ''سیرت احمد شہیدؒ'' لکھ کر قوم میں انقلابی اصلاح کی داغ بیل ڈالی تو کبھی **''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین''** (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر) جیسی وقیع ترین کتاب لکھ کر عرب وعجم کے علمی اور دعوتی حلقوں میں ہلچل مچادی، اور سوتے ہوئے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور پھر منجانب اللہ قبولیت کا ایسا دہانا کھلا کہ اسلام کا یہ مخلص ترجمان رائے بریلی اور لکھنؤ کے گوشۂ گمنامی سے نکل کر ملت اسلامیہ کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے عالم اسلام کے کونہ کونہ میں پہنچا۔ اور نہ صرف عوام وخواص کے مجامع بلکہ علمی دانش کدوں اور یونیورسٹیوں کے پرعظمت جلسوں میں جرأت مندانہ اور اثر انگیز محاضرات پیش کر کے اپنے علم وفکر کی دھاک بٹھادی، اور عربوں کو ان کی عظمتِ رفتہ خود انہی کی زبان میں اس انداز میں یاد دلائی کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور وہ دل وجان سے اس پیغام کو قبول کرنے پر تیار ہو گئے۔ ایک عجمی ہندوستانی کو عربوں سے اس انداز میں خطاب کرنے اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کا حوصلہ ایسا عظیم شرف ہے جو قریبی دور میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے علاوہ دوسرے کو بہت کم میسر آیا۔ اس درمیان اگر موقع ملا تو عرب وعجم کے بڑے بڑے مسلم حکمرانوں کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی آپ نے مؤثر طور پر انجام دیا۔ رفتہ رفتہ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں آپ کی فکری دعوت پھیل گئی۔ دسیوں زبانوں میں آپ کی کتاب کے تراجم ہوئے اور بلاشبہ لاکھوں افراد نے

دین کی صحیح روشنی اور اللہ کے مقبول بندوں سے واقفیت آپ کی تصنیفات کے ذریعہ حاصل کی۔

اسلامی فکر کے تعارف اور دینی حمیت وغیرت کو اُبھارنے کے سلسلہ میں آپ کی تحریریں سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ جو برابر آپ کے لئے عظیم صدقہ جاریہ بنی رہیں گی۔ اور یقیناً آخرت میں آپ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنیں گی، خود آپ کو اپنی بعض تحریروں پر اتنا ناز تھا کہ انھیں اپنے لئے ذریعہ نجات اور وسیلۂ مغفرت سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک گفتگو میں آپ نے فرمایا کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ وصیت کر کے جاتا کہ ''**ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین**'' کا باب ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم روح العالم العربی'' کفن کے ساتھ میری قبر میں رکھ دیا جائے، کیونکہ میں اپنے لئے اس تحریر کو نجات ومغفرت کا وسیلہ سمجھتا ہوں۔'' اور واقعی یہ باب اور اس کا عنوان ہے ہی ایسا شاندار، جس کے ہر ہر لفظ سے حرارتِ ایمانی کے شرارے اٹھتے ہیں اور عظمت اسلامی کی کرنیں پھوٹتی نظر آتی ہے۔ اس میں مولانا نے اپنے زورِ قلم کی ساری تابانیاں اس نکتہ کو دل میں جاگزیں کرنے پر صرف کردی ہیں کہ مسلمان کے لئے زمان ومکان کوئی چیز نہیں۔ اس کی اصل قوت تو اسلام اور قرآن ہے۔ اگر یہ قوت عربوں کو نہ ملی ہوتی تو آج ان کا نام ونشان علم وحکمت کی دنیا سے مٹ چکا ہوتا۔ دراصل عربوں کا وجود اور ان کی قیادت وسیادت کا اصل سرچشمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی تو ہے جس نے عربوں کو اوجِ ثریا عطا کیا ہے۔ اور علم و دانش اور حکمت وفراست کے دروازے ان پر کھولے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا علی میاں صاحبؒ نے ۳۲ سال کی عمر میں (جب ''**ماذا خسر العالم الخ** کتاب لکھی) جو نظریہ پوری قوت کے ساتھ پیش کیا تھا، اس پر اخیر دم تک آپ ثابت قدم رہے، اسی جذبہ نے آپ کو شاعرِ مشرق علامہ اقبال اور ان کی انقلاب انگیز شاعری کا ایسا گرویدہ بنایا کہ نہ صرف اُردو داں طبقہ؛ بلکہ عالم عرب میں بھی آپ ہی کے ذریعہ سے علمی، ادبی اور دعوتی حلقوں میں علامہ اقبال کو جانا پہچانا گیا۔ اسی طرح جب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

نے اپنے زورِ قلم سے دین کی سیاسی تشریح کر کے حکومت الٰہیہ کے سبز باغ دکھائے تو حضرت مولانا نے محض دین کی سربلندی کے لئے ان کی آواز میں پوری قوت کے ساتھ آواز ملائی اور عرب و عجم میں جماعت اسلامی کا بہترین تعارف کرایا، لیکن یہ آپ کی حق پسندی تھی کہ جب آپ نے کھلے آنکھوں یہ محسوس کیا کہ مولانا مودودی کا دکھایا ہوا باغ محض خواب ہے اور ان کی حقیقی، فکری اور عملی زندگی اس نعرہ سے ہم آہنگ نہیں ہے تو پھر آپ نے اس تحریک سے پورے شرح صدر کے ساتھ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو الگ کرلیا بلکہ اُردو میں ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' اور عربی میں ''**التفسير السياسي للإسلام**'' لکھ کر ان بنیادی نظریات سے برملا اختلاف اُجاگر کیا، جو سوادِ امّت اور مولانا مودودی کے درمیان نقطۂ اختلاف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی طرح بفضل خداوندی دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی عزت وعظمت کے حصول کے لئے جماعت دعوت وتبلیغ سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ رئیس التبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ کے مقرب خاص اور منظورِ نظر بن گئے۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے وفات سے دو دن قبل انتہائی نقاہت وکمزوری کے عالم میں حضرت مولانا علی میاں سے مخاطب ہوکر فرمایا، ''مولانا میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں، آپ کی کیا تعریف کروں، تعریف محبت کا اوچھا پن ہے''۔ بعد میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت انعام الحسن صاحب کے دور میں بھی آپ کا شمار تبلیغی جماعت کے اساطین اور اکابر میں ہوتا رہا ہے۔

اکابر کی عنایات

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دور کے اکابر اولیاء اللہ سے انتہائی تعلق اور قرب کے مواقع میسر آئے، محبت ومعرفت کی وہ چنگاری جو آپ کے دل میں دارالعلوم دیوبند میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی صحبت اور پھر مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور عارف باللہ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے دست حق پرست پر بیعت کے ذریعہ فروزاں ہوئی تھی وہ آپ کی خداداد استعداد کی بنا پر شعلۂ جوالہ بنتی چلی گئی۔

حضرت لاہوری کی طرف سے بھرپور توجہات اور کامل ترین افاضہ سے آپ مستفیض ہوئے۔ مولانا لاہوریؒ نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا اور آپ کے ساتھ انتہائی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا۔ مثلاً ایک مکتوب میں لکھا:

''میرے دل میں جو آپ کی عزت ہے اسے ضبطِ تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اسی محبت اور عزت کا نتیجہ ہے کہ میں نے حج کی رات مسجد خیف میں آپ کے درجات کی ترقی کے لئے بارگاہِ الٰہی سے استدعاء کی اور الحمدللہ اس نے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پائی''۔

ایک مرتبہ لکھا:

''آپ کی دینی خدمات سے جتنا مجھے سرور حاصل ہوتا ہے، غالباً اتنا کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا''۔

''اسی طرح ایک مرتبہ بڑی محبت سے تحریر فرمایا: ''چونکہ آپ میرے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا جو فضل بھی آپ پر ہو وہ میرے لئے صد فخر ہے''۔ (مولانا علی میاں مشاہیر کی نظر میں)

پھر تقسیم ہند کے بعد اس سفرِ عشق میں مزید گرمی پیدا کرنے کے لئے آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ترغیب وتحریص پر ساقی مئے عرفانِ محبت، عارف باللہ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی مبارک خانقاہ کا رُخ کیا اور بہت جلد خانقاہ رائے پور کے رکن رکین بن گئے۔ اور چاروں سلسلوں میں حضرت کی طرف سے اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ حضرت رائے پوریؒ کمال توجہ اور غایت شفقت کی بنا پر آپ کو مولانائے روم کے لئے شمس تبریزؒ کے مقام سے تشبیہ دیتے تھے۔ آپ کا حضرت رائے پوریؒ کے یہاں کتنا اونچا مقام تھا۔ اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں: ''اگرچہ یہ ناچیز ہی مولانا علیؒ کے رائے پور جانے اور حضرت سے تعلق قائم ہونے کا اوّل ذریعہ بنا اور حضرت سے بیعت کا شرف بھی پہلے ناچیز ہی کو حاصل ہوا لیکن موصوف کی ان خداداد صفات وخصوصیات کی وجہ سے جن کی اللہ کے یہاں اور اس کے مقبول بندوں کے یہاں بھی زیادہ قدر وقیمت ہے،

حضرت کے یہاں محبوبیت کا جو مقام ان کو حاصل ہوا وہ اس ناچیز کے لئے موجب مسرت ہونے کے باوجود ہمیشہ رشک وغبطہ کا باعث بھی بنا رہا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾

حضرت رائے پوریؒ کی توجہ کی انتہا یہاں تک ہوئی کہ آپ اپنے آخری سفر حج ۱۹۵۰ء میں بہ اصرار مولانا علی میاںؒ کو اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا: ''یہ سفر میں نے تمھارے لئے کیا ہے''۔ حسن اتفاق کہ اس سفر میں کعبۃ اللہ کی چابی کے امین شیبی صاحب نے حضرت مولانا کو بیت اللہ شریف میں اپنے ہمراہیوں سمیت داخلہ کی دعوت پیش کی، چنانچہ آپ حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ دو مرتبہ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر عبادت ومناجات کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ خود فرماتے تھے: ''میری زندگی میں یہ عز وشرف کا سب سے مبارک دن تھا''۔

علاوہ ازیں اپنے وقت کے دیگر اکابرین سے بھی آپ کا نیاز مندانہ اور محبت کا تعلق قابلِ رشک طور پر قائم رہا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو آپ کے لئے مشفق والد کی حیثیت رکھتے تھے، ہر اہم معاملہ میں مشورہ، رہنمائی اور کامیابیوں پر پُر خلوص مبارک بادیوں کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔ حضرت کی آپ بیتی میں بھی جا بجا مولانا علی میاںؒ کی آمد ورفت اور تعلق ومحبت کا تذکرہ موجود ہے۔ اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ، اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوریؒ کی خاص عنایات بھی آپ پر رہیں۔ اور حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی کا بھی آپ کے ساتھ سراپا لطف وکرم کا معاملہ رہا۔ اور اخیر میں عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ کا آپ سے جو جو ربط وضبط تھا وہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت قاری صاحبؒ نے آپ کو اپنے سب سے آخری خط میں تحریر فرمایا: ''احقر کو اپنے تمام اکابر سے الحمد للہ ہمیشہ سے عقیدت رہی ہے اور ہے۔ اس وقت حضرت والا کی عقیدت وعظمت جو اس ناکارہ کے دل میں ہے اس کو سب پر فوقیت اور اولیت حاصل ہے۔ اور یہی زندگی کا سرمایہ ہے۔ اللہ پاک آخر وقت تک اس کو باقی رکھے''۔

ان حضرات اکابر کے علاوہ عالم عرب کے اہل تقویٰ بزرگ اور علماء کے بھی آپ سے نیاز مندانہ روابط قائم تھے، جو بجائے خود آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ آپ نے ''کاروان زندگی'' میں لکھا ہے کہ ''بچپن میں میری والدہ محترمہ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں جب بھی کوئی تصنیف یا تحریر لکھوں تو پہلے یہ دعا کیا کروں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَللّٰهُمَّ اٰتِنِيْ بِفَضْلِكَ أَفْضَلَ مَا تُؤْتِيْ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ. (اے اللہ! تو اپنے فضل وکرم سے مجھے ان عطایا میں سے افضل عنایات سے نواز دے جو تو اپنے نیک بندوں کو عطا فرماتا ہے) مولانا فرماتے ہیں کہ میں والدہ ماجدہ کی اس نصیحت پر ہمیشہ عامل رہا۔'' دراصل آپ کو جو قبولیت کا مقام حاصل ہوا، وہ اسی جامع اور عظیم دعا کی اجابت کا اثر تھا۔

ولیس علی اللّٰہ بمستنکر
أن یجمع العالم في واحدٍ

زہد واستغناء

حضرت مولانا کی زندگی میں زہد واستغناء کا وصف بہت نمایاں تھا۔ یہ عنوان اتنا وسیع ہے کہ اگر اس کے متعلق مولاناؒ کے واقعات جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے۔ آپ کو زندگی میں دولت کے حصول اور جاہ وثروت کے ذخیرے جمع کرنے کے جو اسباب ووسائل مہیا ہوئے ان کی مثال خال خال ہی ملتی ہے۔ مگر آپ نے دنیا اور اس کی رنگینیوں کی طرف کبھی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جوانی ہی میں باوجود تنگدستی کے آپ نے ندوہ سے تنخواہ لینی چھوڑ دی تھی۔ اس دور میں دمشق یونیورسٹی سے آپ کو خطیر مشاہرہ پر تدریس کے لئے بلایا گیا، مگر آپ نے ندوہ سے جانا منظور نہیں فرمایا۔ پھر جب محاضرات پیش کرنے کے لئے دمشق تشریف لے گئے اور وہاں کی حکومت کی طرف سے دستور کے موافق بڑی خطیر رقم پیش کی گئی تو آپ نے خود نہ لے کر غریب طلبہ پر تقسیم فرمادی۔ اس طرح کی رقومات کے ساتھ پوری زندگی آپ کا معاملہ یہی رہا۔

۱۴۰۰ھ میں جب آپ کو عالم اسلام کا اعلیٰ ترین اعزاز (شاہ فیصل ایوارڈ) دیا گیا جس کی مقدار دو لاکھ سعودی ریال تھی تو آپ اسے قبول کرنے خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ اپنے ایک نمائندہ کو بھیجا اور یہ ساری رقم دینی مصارف (نصف رقم افغان پناہ گزینوں کے لئے، چوتھائی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے لئے اور بقیہ چوتھائی مدارس تحفیظ القرآن کے لئے) میں صرف کرنے کا اعلان فرمایا۔ اور رمضان ۱۴۱۹ھ میں دبئی میں عالمی مقابلہ قرأت کے موقع پر سال ۱۹۹۹ء کی عظیم عالمی شخصیت کے اعزاز سے نوازے گئے۔ اس موقع پر آپ کی خدمت میں جو انعامی رقم پیش کی گئی وہ سوا کروڑ ہندوستانی روپیوں کے برابر تھی۔ یہ مکمل رقم آپ نے دینی مدارس و جامعات کے لئے وقف فرمادی۔ ایسے ہی ایک موقع پر صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے سیرت النبی جلد سات کا مقدمہ لکھنے پر ایک لاکھ کی رقم پیش کی اس کو بھی آپ نے دیگر مستحقین (علامہ سید سلیمان ندوی کے وارثین، اور دار المصنفین اعظم گڈھ) کے حوالے کر دیا اور اپنے استعمال میں نہیں لائے۔ فجزاهم الله خير الجزاء.

وسیع الظرفی

حضرت مولانا اپنی طبعی شرافت ونجابت کی بناء پر ہر ایک کے ساتھ انتہائی تواضع اور خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور جزئی اور مسلکی اختلافات سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔ اسی بنا پر ہر طبقہ اور مسلک کے لوگ آپ سے وابستہ رہے۔ گویا کہ کسی بھی معاملہ کو سختی سے اور حدود سے تجاوز کر کے حل کرنا آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس نرمی سے بعض اغراض پسند افراد اور جماعتیں کبھی فائدہ بھی اٹھالیتی تھیں۔ لیکن حضرت مولانا اپنے اس مزاج پر آخری دم تک قائم رہے۔ اور ضعف ومداہنت کے طعنوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ انگیز کرتے رہے، تاہم جب ایمان وکفر یا عقیدہ میں اضمحلال کا کوئی بھی موقع سامنے آیا تو آپ نے اپنی زبان وقلم سے پوری جرأت اور حوصلہ کے ساتھ مسلک اور عقیدہ کی وضاحت فرمائی۔ قادیانیت کے خلاف آپ کی تحریریں انتہائی مؤثر اور مقبول ثابت ہوئیں۔ شیعیت کے مسموم اثرات سے پردہ اٹھانے میں

اپنے قلم کا استعمال فرمایا۔ اسی طرح ایک موقع پر جب واقعہ کربلا کے متعلق کتاب کی اشاعت پر ندوہ کے ایک ذمہ دار کی طرف سے تعمیر حیات میں شائع شدہ تبصرہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں تو حضرت مولانا نے اس کی وضاحت میں پوری قوت کے ساتھ علماء دیوبند سے فکری، علمی اور عملی روابط کو آشکارا کیا۔ اور حضرات صحابہؓ سے عظمت ومحبت کا اظہار فرمایا۔ نیز آپ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کے جاری کردہ محرم کے شہدائے اسلام کے جلسوں میں پورے شرح صدر اور اہتمام کے ساتھ شرکت فرما کر عقیدہ اہل سنت سے وابستگی کا اعلان فرماتے رہے اور اخیر عمر میں باوجود ضعف وامراض کے جمعیۃ علماء ہند اور دار العلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقدہ تحفظ ختم نبوت کی بعض کانفرنسوں میں بھی شرکت فرمائی۔ بلکہ دو سال قبل عقائد باطلہ وقادیانیت کی تردید کے لئے ندوۃ العلماء میں عالمی اجلاس بھی منعقد فرمایا جس میں علماء عرب کے ساتھ امام حرم اور امام مسجد اقصیٰ نے بھی شرکت فرمائی۔

ملی خدمت کے میدان میں

حضرت مولانا اگرچہ سیاسی مزاج کے آدمی نہیں تھے؛ لیکن ملی درد اور قومی فلاح کی فکر مندی کی وجہ سے موقع بموقع ملّی قیادت کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ بالخصوص حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی وفات کے بعد جب آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر بنائے گئے، تو آپ نے تقریباً ۲۰ سالہ دورِ صدارت میں انتہائی تدبر کے ساتھ مسلمانوں کے مذہبی امور کی حفاظت کے لئے جدوجہد فرمائی، شاہ بانو کیس میں جب حکومت اور اباحیت پسندوں کی مداخلت سے مسلمانوں کا مذہبی تشخص خطرے میں پڑتا نظر آرہا تھا تو آپ ہی کی قیادت میں بورڈ کی طرف سے احتجاجی تحریک پورے ملک میں چلائی گئی۔ اور حکومت پرسنل لا کے تحفظ کے لئے نیا قانون بنانے پر مجبور ہوئی۔ اسی طرح دو سال قبل جب سرکاری اسکولوں میں وندے ماترم کا شرکیہ گیت پڑھنا لازمی قرار دیا گیا۔ تو آپ نے پوری جرأت کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ ''اگر حکومت اس پر اصرار کرے گی تو ہم مسلمانوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے بچوں کو ان اسکولوں

سے ہٹالیں‘‘۔ یہی وہ جملہ تھا جس نے قومی پریس اور فرقہ پرستوں کے حلقوں میں طوفان برپا کردیا۔ بالآخر حکومت کو وضاحت کرنی پڑی کہ اس گیت کو لازمی قرار دینا حکومت کے منصوبہ میں شامل نہیں ہے۔ نیز دینی تعلیمی کونسل اور دیگر تنظیموں کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔

تحریک پیام انسانیت کے ذریعہ غیر مسلموں تک اسلامی دعوت پہنچانے کے لئے بھی آپ اپنی حد تک کوشاں رہے۔ علاوہ ازیں بہت سی عالمی اسلامی تنظیموں اور اداروں کی مجالس انتظامیہ ومشورہ سے بھی آپ کا اخیر تک تعلق رہا۔ رابطہ ادب اسلامی کے آپ بانی وصدر تھے۔ اور رابطۂ عالم اسلامی کے رکن اساسی تھے، نیز اس وقت آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے سب سے قدیم اور مؤقر رکن تھے۔ جب کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ ۴۰ سال تک (۱۹۶۱ء سے تادم وفات) مسند نظامت پر فائز رہے۔ اور آپ کی ذات سے ندوہ کو جو ظاہری اور معنوی منافع حاصل ہوئے وہ ناقابلِ بیان ہیں۔ بلاشبہ حضرت مولانا ہی کی ذات سے آج ندوۃ العلماء کو عالمی طور پر شہرت وعزت کا مقام حاصل ہوسکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان خدمات کا بہترین بدلہ حضرت مولانا کو آخرت میں عطا فرمائے۔ آمین۔

زندگی کا سب سے بڑا اعزاز

حضرت مولانا کو بفضل خداوندی زندگی میں طرح طرح کے اعزاز ملے؛ لیکن ان میں سب سے بڑا اعزاز یہ عطا ہوا کہ وفات سے تین سال قبل ۸؍شعبان ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۷ء بروز چہار شنبہ بیت اللہ شریف کی تعمیر جدید کے بعد عرب وعجم کے علماء اعیان کی موجودگی میں (جو مکہ معظّمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کی مساجد کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے جمع ہوئے تھے) کعبہ مشرفہ کا دروازہ آپ کے دستِ مبارک میں چابی دے کر کھلوایا گیا، اور سب سے پہلے آپ ہی بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے، واقعی یہ ایسا شرف ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ خود حضرت مولانا نے کاروانِ زندگی میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

’’یہ شرف وسعادت جو اس ناچیز گنہگار کو حاصل ہوئی، اس کا مقابلہ دنیا کے بڑے بڑے

اعزاز نہیں کرسکتے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

(کاروانِ زندگی ششم ص:۳۳۹ بحوالہ مولانا علی میاں مشاہیر کی نظر میں ص ۲۰۹)

بالخصوص ہندوستان اور برصغیر میں اس شرف کی خبر سے مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور عوام وخواص علماء واہلِ دانش کی طرف سے حضرت مولانا کو تہنیت پیش کی گئی۔ ایک عقیدت مند شاعر (مولانا اکبر علی ندوی) نے مبارک باد دیتے ہوئے یہ اشعار کہے:

جاگا کلیدِ کعبہ کے حامل کا بخت ہے
اس رتبہ سے بلند نہیں تاج و تخت ہے

دھو دھو کے پاؤں پیتے ہیں زہرہؔ و مشتری
ندوہ میں بھی طوبیٰ کا پیدا درخت ہے

بختِ سکندری کا بگڑتا ہے پل میں کھیل
وہ بخت کوئی بخت تھا، یہ بخت بخت ہے

اس وقت حضرت مولانا کی تمام خدمات اور افکار وخیالات کا احاطہ مقصود نہیں ہے ان سے واقفیت کے لئے آپ کی بلند پایہ تصنیفات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

لیکن ہم اس تعزیتی مضمون کے اختتام سے قبل آپ کی دو ایسی یادگار تقریروں کے اقتباسات پیش کرنا چاہتے ہیں جو تمام مسلمانوں اور بالخصوص علماء اور طلبہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں اور ہماری نظر میں حضرت مولانا کو سب سے بڑا خراجِ عقیدت یہی ہوگا کہ ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جائے۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں

۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں آپ نے لاکھوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم صاف اعلان کرتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ہم ایسے

جانوروں کی زندگی گذارنے پر ہرگز راضی نہیں جن کو صرف راتب اور تحفظ (سکورٹی) چاہئے کہ کوئی ان کو مارے نہیں، ہم ہزار بار ایسی زندگی گذارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہم اس سرزمین پر اپنی اذانوں اور نمازوں کے ساتھ رہیں گے، بلکہ ہم تراویح اور اشراق و تہجد تک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ ہم ایک ایک سنت کو سینے سے لگا کر رہیں گے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو سامنے رکھ کر کسی ایک نقشہ بلکہ کسی نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں''۔

ہندوستان میں اسلامی تشخص کی حفاظت اور مسلمانوں کی قومی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے کہا :

''مسئلہ ایک مدرسہ یا کسی جامعہ کا نہیں، نہ کسی مکتب خیال، نہ کچھ منصوبوں اور عمارتوں کی تکمیل کا ہے، مسئلہ علوم ایمانی کے باقی رکھنے اور اسلامی تشخص کے تحفظ کا ہے۔ آپ دوسروں کے پیچھے چلنے کے لئے ہرگز پیدا نہیں کئے گئے اور نہ خدا نے آپ کو اس ملک میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ دوسروں کے حاشیہ بردار ہوں، اور آپ لوگوں کے چشم و ابرو کو پہچاننے کی کوشش کریں کہ ملک کس رُخ پر جا رہا ہے، ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں، ہم تو صرف اسلامیت کے دھارے کو جانتے ہیں ہم تو دنیا کی قیادت و امامت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں''۔

ملک کے مسلمانوں کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''آج ملک خودکشی کے لئے قسم کھا چکا ہے، وہ آگ کے خندق میں گرنے کے لئے تیار ہے۔ وہ بداخلاقی اور انسانیت کشی کے دلدل میں ڈوب رہا ہے، آپ ہی ہیں جو ہندوستان کیا پورے ایشیا میں کسی ملک کو بچا سکتے ہیں، آپ اللہ اور رسول کی بات کہیے، آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نیلام کی منڈی میں اتر آئیں اور اپنا سودا کرنے لگیں کہ بولی بولی جائے، آپ متاع نایاب ہیں، اللہ کے سوا کوئی آپ کی خریداری کا حوصلہ نہیں کرسکتا، اس لئے میں ڈنکے کے چوٹ پر کہتا ہوں۔ (کاش میں آپ کے دلوں اور دماغوں پر بھی چوٹ لگا سکتا) کہ اس ملک کو تنہا آپ بچا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کے پاس عقیدۂ توحید اور انسانی مساوات کا اصول ہے۔ آپ کے پاس اجتماعی عدل کا مکمل نظام موجود ہے، آپ ہی ہیں جو ہر چیز سے بالاتر ہیں۔ آپ

ہی ہیں جن کے پاس ایمان بالآخرۃ ہے۔ اور جو العاقبۃ للمتقین پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی نظر طاقت اور قوت پر رہتی ہے۔ اور جن کی نگاہوں میں مال ومتاع اور اکثریت ہی سب کچھ ہے اور نہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو انتخابات میں کامیابی اور پارلیمنٹ تک پہنچ جانے کو ہی بڑی معراج سمجھتے ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو! میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کی روح کا یہی پیغام ہے، حضرت شیخ الہندؒ اسی فکر میں پگھلتے اور گھلتے رہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مولانا مدنیؒ (اپنے اپنے خاص طرز اور اسلوب سے) اسی کے لئے ہمیشہ سوزاں وکوشاں رہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات وملّی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہیں۔ قرآن وسنت کو سینے سے لگائے رکھیں۔ اختلافی مسائل چھیڑنے کے بجائے توحید و سنت پر زور دیں دیوبند کا یہی پیغام ہے۔ اور اس کی یہی خصوصیت رہی ہے کہ اس نے سرمایۂ ملّت کو بچانے کی کوشش کی''۔

پھر آپ نے اخیر میں دیوبندیت کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

''اس درس گاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اختلافی مسائل کے بجائے توحید وسنت پر اپنی توجہ مرکوز کی (اور یہ وہ وراثت وامانت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کے وسیلہ سے اس کو ملی اور ابھی تک اس کو عزیز ہے) دوسری خصوصیت اتباع سنت کا جذبہ اور فکر ہے۔ تیسری خصوصیت تعلق مع اللہ کی فکر اور ذکر و حضوری اور ایمان واحتساب کا جذبہ ہے۔ چوتھا عنصر ہے اعلاءِ کلمۃ اللہ کا جذبہ اور کوشش اور دینی حمیت وغیرت، یہ چار عناصر مل جائیں تو دیوبندی بنتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی عنصر کم ہو جائے تو دیوبندیت ناقص ہے۔ فضلاء دارالعلوم دیوبند کا یہی شعار رہا ہے اور وہ ان چاروں چیزوں کے جامع رہے ہیں''۔ (کاروان زندگی ۲/۲۰۸-۲۱۱)

مدرسہ شاہی میں خطاب

آج سے ۸/سال قبل جنوری ۱۹۹۲ء میں ایک دینی تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے لئے حضرت مولانا مرادآباد تشریف لائے تھے، اس موقع پر مدرسہ شاہی میں بھی رونق افروز ہوئے

اور بعد نماز مغرب مدنی مسجد لالباغ میں مختصر خطاب فرمایا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے فرمایا:

''میں یہاں آ کر قلبی سکون محسوس کر رہا ہوں، اس لئے کہ علم، طلبۂ علم اور یہی مدرسے اور ان کا دینی ماحول ہی میری طبیعت کی دلچسپی کا سامان اور انسیت کا باعث ہے، مجھے افسوس ہے کہ میں تنگی وقت اور پہلے سے مقررہ پروگراموں کی بناپر اس ماحول میں زیادہ وقت نہیں گذار سکا''۔

پھر آپ نے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

''مجھے زیادہ باتیں نہیں کرنی ہے اور نہ تفصیل کا موقع ہے۔ البتہ میں اجمال کے ساتھ طالبینِ علوم نبوت کو دو چیزوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ طلبہ کے لئے اس زمانہ میں خاص کر دو چیزوں کو حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔(۱) اخلاص (۲) اختصاص اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ علم دین سیکھنے میں صرف اور صرف رضائے خداوندی ہی پیش نظر رکھی جائے، اسی کی جانب مشہور حدیث: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ مانوى" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو وہی ملے گا جو اس کی نیت ہو) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اخلاص کو باقی رکھنے کے لئے موقع بموقع احتساب یعنی دل کو ٹٹولتے رہنا بھی ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل ہمارے اندر اس چیز کی بہت کمی پیدا ہو گئی ہے مثلاً بہت سے طلبہ عربی صرف اس مقصد سے پڑھتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ عرب ممالک میں جا کر پیسہ کما سکیں اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ حاصل کر سکیں، خواہ وہ ملازمت گھٹیا سے گھٹیا کیوں نہ ہو۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ بعض ایسے طلبہ جو حدیث پڑھانے کے اہل تھے وہ آج عرب ملک کے تھانہ میں ملازم ہیں جن کا کام صرف یہ ہے کہ کبھی کسی ہندوستانی یا پاکستانی کا معاملہ پیش ہو تو وہ اس کی عربی میں ترجمانی کر سکیں۔ اسی طرح بعض دوست وہاں کی کچہریوں میں ترجمہ کی خدمت کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ ایسے حضرات کے نزدیک اپنی عزتِ نفس اور علم کے مقابلہ میں روپیہ زیادہ وقیع حیثیت رکھتا ہے ابھی ایک ساتھی جو اچھی استعداد رکھتے تھے مجھے ملے۔ کہنے لگے کہ میں فلاں ملک میں ملازم ہوں اور مجھے وہاں ہندوستانی ایک لاکھ روپے ملتے ہیں۔ اس لئے دوستو! ضرورت ہے کہ ہم اس ذلت میں ملوث نہ ہوں۔ اور اخلاص پیش نظر رکھ کر علم سیکھیں اور پھر اس کی تبلیغ ودعوت کا فریضہ انجام دیں۔

اور دوسری چیز اختصاص ہے یعنی کسی خاص فن میں امتیاز پیدا کر لینا کہ اہلِ فن آپ کی

مہارت کی شہادت دیں۔ اس معاملہ میں بھی انحطاط ہوگیا ہے جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مدرسہ شاہی جو اپنی شاندار تاریخ رکھتا ہے اور جس نے علوم نبوت کی اشاعت کے راستے میں قابلِ فخر خدمات انجام دی ہیں اس کے فرزندوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے اسلاف کے مشن کو باقی رکھیں، اور امتیازی خصوصیات کے ذریعہ ملک وملّت کی خدمات انجام دیں۔''

(ماہنامہ ندائے شاہی ص۴۴، ۴۵ فروری ۱۹۹۲ء)

حضرت مولانا علی میاںؒ کی وفات پر پورے عالم اسلام میں گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا، اور خادم حرمین شریفین جلالۃ الملک شاہ فہد کے خصوصی حکم پر رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کی ستائیسویں شب کو حرمین شریفین میں عشاء کے بعد حضرت مولانا کی غائبانہ نماز جنازہ (جو حنبلی مسلک میں جائز ہے) اَدا کی گئی، ایک اطلاع کے مطابق اس وقت حرم مکی میں تقریباً بیس لاکھ اورحرم مدنی میں پانچ لاکھ اَفراد کا عظیم مجمع تھا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾

اخیر میں حضرت مولانا کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی زید مجدہم و دیگر اہل خاندان وغیرہم کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کو اعلیٰ علّیین میں مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کی خدمات پر اجر جزیل سے سرفراز فرمائے آمین۔ سبھی قارئین ومتعلّقین ادارہ سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ حضرت مولانا کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی، فروری ۲۰۰۰ء)

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر

صبر وضبط کی تلقین

از: محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ خلیفۂ اجل حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

ہم سب کے بزرگ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہٗ کی رحلت سے ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کا پر ہونا بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ موقع کس قدر غم اور صدمہ کا ہے اور صدمہ بھی کسی فرد واحد یا کسی ایک ادارہ کا نہیں، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا ہے، اس لئے سبھی اہل ایمان کی تسلی کے لئے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی وفات ۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو بعد نماز جمعہ مسجد حقی میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے جو کچھ بیان فرمایا اس کو آں مخدوم دامت برکاتہم کی نظر ثانی کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، تاکہ غمگین دلوں کی تسلی اور صبر وسکون کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور آں مخدوم کا سایۂ عاطفت امت پر تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

(از مرتب: احقر فہیم احمد نگینوی نائب مفتی مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی)

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم

نحمدهٗ ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أعوذ باللّٰه من الشيطن الرجيم، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ، وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾

یہ قرآن پاک کی دو آیتیں ہیں اور حدیث پاک کا بھی مضمون ہے کہ مؤمن ہر حال میں کامیاب ہے، کیوں کہ ہر انسان کو دو حالتیں پیش آتی ہیں، یا تو طبعیت کے موافق حالت پیش

آئے گی یا طبعیت کے خلاف۔

ایک شخص صبح ہی گھر سے نکلا اور چار پانچ باتیں اس کے ذہن میں ہیں، اب یا تو اس طرح ہوگا جس طرح وہ چاہتا تھا یا نہیں، اگر اسی طرح ہوجائے جس طرح وہ چاہتا تھا تو حدیث پاک کا مضمون ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر کرتا ہے، اور جیسا چاہتا تھا اگر ویسا نہیں ہوا، کچھ باتیں تو طبعیت کے موافق ہوئیں اور کچھ خلاف، جب مؤمن اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

قدم مجذوب کے رکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں

البتہ دونوں کی حمد کے کلمات الگ الگ ہیں جب طبعیت کے موافق معاملہ پیش آئے تو اس موقع پر حمد اس طرح کرتا ہے:

الحمد للّٰه الذي بنعمته تتم الصالحات. شکر ہے اللہ کا جس کے فضل سے اچھے کاموں کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور جب طبعیت کے خلاف معاملہ پیش آئے تو اس طرح حمد کرتا ہے:

الحمد لله علی کل حال. شکر ہے اللہ کا ہر حال میں۔

بہرحال دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور ہر حال میں مؤمن کامیاب ہے، اسی کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الفاظ میں کہا ہے:

کبھی نظر میں جمال تیرا، کبھی نظر میں جلال تیرا
بس اب اور خیال تیرا، کسی کا اس میں گذر نہیں ہے

اور اسی کے ذیل میں یہ شعر بھی ہے: ”قدم مجذوب کے رکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں“۔
طبعیت کے موافق حالات پیش آئے، شکر کیا، آگے بڑھ گئے۔ طبعیت کے ناموافق حالات پیش آئے، صبر کیا آگے بڑھ گئے۔

قدم مجذوب کے رکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
رفیق اک اک جدا منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

کوئی ساتھی تو بے صبری سے گرتا ہے اور کوئی ناشکری سے، طبعیت کے مخالف واقعہ پیش آنے میں تکلیف ہوتی ہے، صدمہ ہوتا ہے، بہت سی باتیں پیش آتی ہیں۔

صدمہ کے اسباب

جب طبعیت کے خلاف واقعہ پیش آئے تو یہ سوچو کہ: إن للہ ما أخذ۔ جو کچھ اللہ تعالی نے ہم سے لیا وہ اسی کا تھا۔ کوئی چیز ہمارے پاس تھی، کوئی جانور ہمارا تھا، اس کی موت ہوگئی، کوئی سامان تھا چوری ہوگیا، کوئی ہمارے عزیز و دوست تھے، ان کی رحلت ہوگئی، یہی صورتیں عام طور سے طبعیت کے مخالف پیش آنے کی ہوتی ہیں۔ اس پر صدمہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس سے ہمارا تعلق تھا، ہماری چیز چلی گئی، ہمیں دوسروں کے یہاں چوریوں کی اطلاعات ملتی ہیں، کسی کی سائیکل کسی کی موٹر، کسی کا اور کچھ گیا ان پر کوئی صدمہ نہیں ہوتا، ایسے ہی کسی کی رحلت کی اطلاع ملتی ہے، اس پر صدمہ نہیں ہوتا، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس سے ہمارا تعلق نہیں تھا۔

دوسرے صدمہ اس لئے بھی ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے ہماری چیز گئی، تم تو اس کے مالک نہیں تھے۔ مثلاً تم سفر حج کو جاتے وقت اپنی کار اپنی کوٹھی کسی کے حوالہ کر گئے تھے، اب دومہینہ بعد آنے کا وقت قریب ہوا تم نے کہلا بھیجا، فلاں تاریخ تک ہم آنے والے ہیں خالی کردو، وہ نفع اٹھا رہا تھا آرام مل رہا تھا اس سے اس کو تکلیف تو ہوگی مگر ہنسی خوشی خالی کرنے کو تیار ہوجائے گا کہ دومہینہ ہی آرام اٹھانے کا موقع دیا۔

تخفیفِ غم کا طریقہ

اسی لئے میرے عزیزو، دوستو! جب کبھی کوئی بات پیش آئے تو اس کا طریقہ بتلایا گیا ہے، یہ سوچو کہ تم اس کے مالک تو ہو نہیں، تمہارے پاس امانت ہے عاریۃً چیز دی گئی ہے، مالک کو حق ہے کہ جب چاہے اپنی چیز کو لے لے۔ اللہ تعالٰی کی دوسری نعمتیں جو ہم کو ملی ہوئی ہیں، ان کو بھی سوچا کرو اور ان پر بھی نظر رکھو، اس سے بھی غم اور صدمہ میں کمی ہوجائے گی۔ جیسے شفیق والدین بچہ کا آپریشن کراتے ہیں، بچہ کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کو تسلی دیتے ہیں، سمجھاتے ہیں، فکر

نہ کر، انشاء اللہ جلد ہی طبعیت ٹھیک ہوجائے گی، ہم لوگ تو موجود ہیں، ایسے موقعوں پر اسی لئے یہ حدیث پاک کا مضمون سنایا جارہا ہے۔

ایک خبر ملی ہے جو ہم سب کے لئے قابل افسوس ہے، ان سے دنیا واقف ہے، لوگوں کو ان سے محبت کا، عظمت کا تعلق ہے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ دو تین دن قبل لکھنؤ سے تکیہ تشریف لے گئے تھے، وہاں پر آج جمعہ سے قبل جب کہ لوگ مسجد جانے کی تیاری کررہے تھے، ادھر ان کی رحلت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ظاہر ہے کہ یہ ہم سب کے لئے صدمہ کا باعث ہے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو صدمہ صحابہؓ نے اٹھایا تھا، اس کے برابر تو کوئی غم نہیں ہوسکتا، انہوں نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کی چیز تھی، امانت تھی، اس نے لے لی، باقی جو نعمتیں ملی ہوئی ہیں وہ اللہ تعالی کی دی ہوئی ہیں۔

راضی برقضاء

اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں کی رحلت ہوجاتی اور فلاں رہتا، تو فرمایا نہیں ہر ایک کے لئے ہم نے وقت مقرر کردیا ہے، لہٰذا تم اپنے لئے خیر سمجھو، کیوں کہ اللہ تعالی حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی، اور حکیم کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ مجذوب صاحب نے اسی کا ترجمہ کیا ہے:

مالک ہے جو چاہے کرے تصرف ❖ کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھا ہوں مطمئن کہ یا رب ❖ حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

اور یہ اطلاع ملی ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد نماز جنازہ وہیں تکیہ میں ہوگی، جہاں مولانا کا قیام ہوتا تھا۔

دو اہم ہدایات

میرے عزیزو! اخیر میں ایک بات اور عرض کردوں، ہمارے اندر دو دینی بیماریاں پیدا ہوگئی ہیں:

(۱) ایک تدفین میں تاخیر کرنا:- سنت طریقہ جو ہماری دینی کتابوں میں لکھا ہے یہ ہے

کہ اگر کسی کا صبح کے وقت انتقال ہوا اور جمعہ مان لیں ایک بجے ہوتا ہے اور قبرستان ایسی جگہ ہے کہ دفن کر کے ساڑھے بارہ بجے تک آ جائیں گے، جمعہ نہیں چھوٹے گا، تو تدفین کے لئے جمعہ کا انتظار کرنا جائز نہیں ہے۔ **لو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تاخير الصلاة عليه، ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة.** (طحطاوي ٣٣٢)

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ جس بستی اور جس شہر میں انتقال ہو وہیں دفن کرنا چاہئے۔ **ويستحب الدفن في محل مات به.** (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٣٣٧)

اصل حکم سنت طریقہ ہے۔ کسی کا عمل حجت نہیں، جن اکابر کی نقل میت ہوئی، بعد کے لوگوں نے کیا، وہ تو زندگی بھر سنت کی تعلیم وتلقین کرتے رہے۔ حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور میں رحلت ہوئی، انہوں نے وصیت وتاکید کی تھی کہ دیکھو مجھے یہیں دفن کرنا، لیکن جو کچھ ہوا بعد کے لوگوں نے کیا۔ اپنے بڑوں کا عمل دیکھو، بس باتیں بتلا دی گئیں، کچھ پڑھ کر تلاوت کر کے ثواب پہنچائیں اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعاء کریں، اصل چیز یہی ہے۔

آخرت کی تیاری کیجئے

عادت اللہ یہی رہی ہے کہ ساری امت نے اپنے بڑوں کا صدمہ اٹھایا ہے، ہر علاقہ میں کوئی نہ کوئی تو بڑا عالم ہوتا ہے، جانے کا سب کا نمبر آتا ہے، اور آیا ہی ہے دنیا میں جانے کے لئے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حضت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے بزرگ تھے، پھر صحابۂ کرامؓ کی شان دیکھو ایک سے ایک اور پھر صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کے لئے ان ساری چیزوں کو سوچا جائے اور آخرت کی فکر و تیاری کی جائے۔

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور ❖ جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
زندگی ایک دن گذرنی ہے ضرور ❖ قبر میں میت اترنی ہے ضرور

اللہ تعالیٰ ان باتوں کو قبول فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۰)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا مشن

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت علم و فضل، تقویٰ و انابت، تدبر و فراست اور دعوت دین کے لحاظ سے ہمہ گیر حیثیت کی حامل تھی، عادت اللہ یہی رہی ہے کہ قصر اسلام کی حفاظت ظاہری طاقت کے بل بوتے پر نہیں، بلکہ ایسے خدامست اور بے تاج کلاہ داعیوں کے دم قدم سے ہوتی رہی ہے، جو زر و جواہر کی چمک دمک سے بے نیاز اور جاہ و منصب کے تنگ خول سے آزاد ہوکر دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی جامع صفات شخصیت نے جس قرینہ سے آداب دعوت کے تقاضے پورے کئے، وہ پوری امت کے لئے قابل تقلید مثالی نمونہ ہے، حضرت مولانا کی پرتاثیر شخصیت کی ہی کشش تھی کہ دوریوں کے صحراء اور فاصلوں کے جنگل حائل ہونے کے باوجود دنیا بھر کے مسلمان، ان پر زندگی میں بھی عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرتے رہے اس عالم فانی سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی ان کی محبت لوگوں کی دھڑکن ہے۔

پچھلے دنوں ڈیوزیوبری، برطانیہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں ایک عالمی سمپوزیم منعقد کیا گیا تھا، جس میں برطانیہ کے سربرآوردہ اہل علم کے علاوہ دیگر ممالک کے بہت سے اصحاب فضل وکمال مندوبین بھی شریک ہوئے، اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اختتامی خطاب فرمایا جس نے سامعین پر نہایت غیر معمولی اور گہرا اثر مرتب کیا، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنے فکر انگیز خطاب میں مولانا علی میاں صاحبؒ کی داعیانہ زندگی کے جن اہم اور بنیادی وعناصر پر روشنی ڈالی، اَرباب دین ودانش کے لئے جو چشم کشا حقائق بیان کئے، اور جس معتدل راہ عمل کی نشان دہی کی وہ دین سے وابستہ افراد کے لئے یقیناً سرمایہ بصیرت ہے افادۂ عام کے لئے یہ خطاب البلاغ کراچی کے شکریہ کے ساتھ ہدیۂ قارین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا وإمامنا وقدوتنا

وأسوتنا وحبيبنا محمد صلى الله عليه وسلم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلىٰ كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد !

حضرات علماء کرام، معزز مندوبین، قابل احترام حاضرین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ میرے لئے ایک سعادت کا مقام ہے کہ آج کے اس اجتماع میں شرکت کی توفیق ہورہی ہے، جو ہم سب کے بزرگ، عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت اور ہر دلعزیز ومحبوب رہنما، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے کے لئے منعقد ہورہا ہے۔ میں اس سمپوزیم کے منتظمین کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس میں شمولیت کی دعوت دیکر مجھے اس سعادت سے نوازا، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہترین صلہ عطاء فرمائے۔آمین۔

مولانا ندوی کی محبوبیت

دنیا میں بڑی قد آور شخصیات آتی رہتی ہیں اور رخصت بھی ہوتی رہتی ہیں، لیکن ایسی ہستیاں خال خال وجود میں آتی ہیں، جو اللہ جل جلالہ کی طرف سے ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ﴾ کی مظہر ہوں، جن کی محبت عالم اسلام کے ہر گوشے میں، ہر طبقہ خیال میں، اور ہر مسلمان کے شیشۂ دل میں اس طرح رچی اور بسی ہوئی ہو کہ جیسے کسی عزیز ترین اور مشفق باپ کی محبت انسان کے رگ وپئے میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے، ایسی شخصیتیں دنیا میں بہت کم ظہور پذیر ہوتی ہیں، اور ایسی ہر دل عزیز شخصیات کا دنیا سے اٹھ جانا بھی عام آدمیوں کے اٹھ جانے کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ ایسے لوگوں کی جدائی کا غم ہر شخص اس طرح محسوس کرتا ہے جیسے اس کے گھر کا کوئی فرد رخصت ہوا ہو؛ بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔

حضرت مولانا کی ہر دلعزیزی کا مظہر

یہ بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت شان، بے پناہ محبوبیت اور ہر دلعزیزی کا ایک

چھوٹا سا مظہر ہے کہ صبح سے آپ، حضرت مولاناؒ ہی کے حوالے سے مختلف حضرات کے افکار وخیالات سن رہے ہیں، سب کی گفتگو کا موضوع ایک ہی شخصیت ہے اور بسا اوقات مکرر باتیں بھی کہی جا رہی ہیں، لیکن کوئی ایک شخص بھی اپنی جگہ سے ہلتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ درحقیقت اس خاص انعام کا ایک چھوٹا سا مظاہرہ ہے جو اللہ جل جلالہ نے حضرت مولاناؒ کو ہر دل عزیزی کی صورت میں عطاء فرمایا ہے۔

میں اس وقت ان باتوں کو دہرانے کے بجائے جو مجھ سے پیشتر مقرر حضرات ارشاد فرما چکے ہیں، مختصر طور پر چند گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں، جن کا مقصد یہ ہے کہ یہ اجتماع اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے بامقصد اور نتیجہ خیز ثابت ہو۔

رسمی تعزیتی اجلاس مقصود نہیں ہونا چاہئے

جب بھی کسی بڑی شخصیت کا انتقال ہوتا ہے، تو آج کل اس کی یاد میں اور اس کے تذکرے کے لئے تعزیتی اجلاس منعقد کیا جاتا ہے اور یہ طریقہ اس وقت دنیا بھر میں رائج ہے، مجھ سے پہلے برادرِ گرامی قدر مولانا سلمان صاحب ندوی نے ارشاد فرمایا کہ حدیث **"اذکروا محاسن موتاکم"** کی تعمیل میں ہر جانے والے مسلمان کا حق ہے کہ اس کے محاسن ومناقب بیان کئے جائیں۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے، لیکن اللہ جل جلالہٗ نے ہمیں اور آپ کو جس دین کا پابند بنایا ہے اور جس دین کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی ہے، اس کی امتیازی تعلیم یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں محض رسمی انداز اختیار کرنے سے گریز کیا جائے اور اس کے بجائے کسی بھی واقعہ یا سانحہ کی اصل روح اور بنیادی مقصد پر توجہ دی جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صدمہ اور رسمی تعزیتی اجلاسات سے گریز

اس روئے زمین پر کوئی بھی صدمہ یا جدائی کا غم اتنا اندوہناک اور جگر گداز نہیں ہے جتنا سرورِ دوعالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے لئے دل خراش تھا، یہ وہ صحابۂ کرام تھے کہ اگر کسی کی موت کی مؤخر کرنا کسی بڑی سے بڑی قربانی کے ذریعہ ممکن ہوتا، تو ان اصحاب کرامؓ کا ہر ایک فرد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سانس کے بدلے ہزاروں زندگیاں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتا، صحابہ کرام کی بے مثال محبت اور عشق کا عالم یہ تھا کہ جب آپ اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو بعض حضرات صحابہ کرام (حضرت عمرؓ) نے یہاں تک کہہ دیا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف نہیں لے جاسکتے اور جو شخص یہ کہے گا کہ آپ کی وفات ہوگئی ہے، اس کی گردن اڑادی جائے گی، لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کا حال اور مقام یہ تھا کہ جب سورۂ نصر کی آیات: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ نازل ہوئیں، تو اس وقت سارے لوگ تو فتح مکہ اور اس کے عظیم ثمرات کا تصور کر کے خوش ہو رہے ہیں؛ لیکن پورے مجمع میں ایک ہی بوڑھے ہیں (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) جو رو رہے ہیں، اس واسطے کہ اس وقت پورے مجمع میں اس آیت کی تفسیر کا صحیح اور مکمل ادراک صرف انہیں کو تھا کہ جب ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کا ذکر فرمادیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مشن پورا ہوگیا اور آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت آپہنچا؛ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا جگر گداز واقعہ پیش آگیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ واحد شخص تھے، جنہوں نے منبر پر کھڑے ہوکر ان لفظوں، میں خطاب کیا کہ:

من كان منكم يعبد محمدًا فإن محمدًا قد مات، ومن كان منكم يعبد الله فإن الله حي لا يموت. (صحيح البخاري / كتاب المغازي)

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آگئی، اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ''حی'' ہے ہمیشہ ''زندہ'' ہے، اللہ تعالیٰ کو کبھی موت نہیں آتی۔

بہر حال حضرات صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے جو صدمہ پہنچا، وہ محتاج بیان نہیں؛ لیکن آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ میں سے ہر ہر فرد نے رسمی اظہار تعزیت اور رسمی اجتماعات منعقد کرنے کے بجائے اپنی ذمہ داری یہ سمجھی کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر آئے اسے لے کر آگے بڑھنا ہم میں سے ہر شخص کا فریضہ ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کوئی رسمی تعزیتی جلسہ تو منعقد نہیں کیا، لیکن آپ کے مشن اور دعوت کو دنیا کی آخری حدود تک پھیلانے اور پہنچانے کا فریضہ اس طرح انجام دیا کہ جس کی نظیر، زمین و آسمان کی نگاہوں نے اس کے بعد کبھی نہیں دیکھی۔

مولانا علی میاںؒ پر اجتماع کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟

اس لئے اپنے محبوب رہنما کو خراج عقیدت پیش کرنا ہمارے لئے یقیناً بڑی سعادت ہے؛ لیکن اس اجتماع کا مقصد (جیسا کہ مولانا سلمان صاحب (حسینی ندوی) نے بجا طور پر فرمایا) یہ ہونا چاہئے کہ حضرت مولانا کی حیات طیبہ سے ہمیں جو سبق ملتا ہے اور جو لائحۂ عمل ان کی زندگی سے ہمارے سامنے آتا ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کچھ ضروری اور اہم نکات پر غور کریں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں، اس طرح یہ اجتماع ہمارے حق میں مفید اور کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی باتیں تو مولانا سلمان صاحب اس طرح بیان فرما چکے ہیں کہ مجھے ان باتوں کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، انہیں حضرت مولاناؒ کے فیوض و برکات سے ہمیشہ بہرور رکھے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی اور تعلیمات سے جو چند نکات، میں اپنی فہم ناقص سے سمجھ سکا، وہ آپ حضرات کی خدمت میں اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ صحیح طور پر انہیں بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا ابوالحسن ندویؒ کی جامعیت کے اسباب کیا تھے؟

ابھی مولانا صاحب نے بھی یہ بات بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو جامعیت کا بڑا اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا، دنیا کی مشہور شخصیتوں کا اپنا مخصوص میدانِ عمل ہوتا ہے، کسی خاص دائرے میں رہ کر اپنا کام کرتی ہیں اور اپنے اس خاص دائرے کے علاوہ دوسرے دائروں سے ان کی نگاہ ہٹی ہوئی ہوتی ہے، لیکن حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں جامعیت عطا فرمائی تھی، اس جامعیت کا بنیادی سبب میری ناقص رائے میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کی پرورش اور تربیت ایسے ماحول میں کی تھی جس میں ''علم برائے علم'' کوئی چیز نہ تھی۔

نرا علم فضیلت کا معیار نہیں

علم و تحقیق کے شناور تو دنیا میں بہت پیدا ہوئے، اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم بہ معنی دانستن یعنی تنہا ''جان لینا'' کسی کی فضیلت کا معیار ہوتا، تو ابلیس سب سے افضل ہوتا، اس لئے کہ اس کے پاس علم کی کوئی کمی نہیں تھی، علم اس کے پاس بہت تھا۔ جس کا اندازہ اس روایت سے کیا جاسکتا ہے جو اگرچہ زیادہ مضبوط نہیں، لیکن مشہور بہت ہے کہ ابلیس، امام رازی جیسے دانشور عالم اور فلسفی کو دنیا سے جاتے وقت بھی اپنے دلائل کی بنیاد پر شکست دے گیا، اس لئے اگر خالی علم کو دیکھا جائے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد شاید ابلیس سے زیادہ علم کسی کے پاس نہیں تھا۔

شیطان کے تین عین

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا ملفوظ مجھے یاد آ گیا، فرمایا کرتے تھے کہ شیطان کے پاس تین عین ہیں، وہ عالم بھی بہت بڑا ہے (جیسا کہ اس کا ذکر اوراوپر آیا ہے) اور شیطان عارف بھی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی اسے حاصل تھی، دلیل یہ ہے کہ جب اسے جنت سے نکالا جارہا تھا، راندۂ درگاہ کیا جارہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے

دھتکارا جا رہا تھا تو عین اس وقت بھی جاتے جاتے اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لی کہ ﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلیٰ یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ (سورۂ حجر) اس سے معلوم ہوا کہ اسے یہ معرفت حاصل تھی کہ اللہ تعالیٰ مغلوب الغضب (یعنی غصے سے مغلوب) نہیں ہوتے اور مانگی ہوئی چیز اگر دینے کے قابل ہو، تو عین اس حالت میں بھی جب کہ نکال رہے ہیں، دے دیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے کی بناء پر وہ عارف بھی ہے، اس کے علاوہ شیطان عاقل بھی بڑا ہے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے شیطان کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے کہا تھا کہ ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ (سورہ اعراف) اس عقلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے، ظاہر ہے مٹی، آگ کے مقابلے میں کمتر ہوتی ہے؛ لہٰذا بجائے اس کے کہ مجھ سے سجدہ کرایا جائے، چاہئے یہ کہ آدم سے سجدہ کرایا جائے، نری عقل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ دلیل بہت مضبوط نظر آئے گی، اور خالص عقل کی بنیاد پر، جو وحیٔ الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، اس کا جواب دینا آسان نہیں ہے، اس لئے حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ شیطان عالم تھا، عارف تھا، اور عاقل بھی تھا لیکن اس میں ایک عین کی تھی کہ وہ عاشق نہیں تھا، اگر اس میں عشق کا سوز ہوتا، تو اس حقیقت کو تسلیم کرتا کہ جب میرا خالق و مالک مجھے سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے، تو اگر بظاہر دیکھنے میں کوئی کمتر معلوم بھی ہو، تب بھی مجھے سجدہ کرنا ہی چاہئے، یہی وہ بات ہے، جسے اقبال مرحوم نے اپنے شعر میں کہا:

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

نرا علم انسان کے لئے مہلک ہوسکتا ہے

اس لئے تنہا علم اگر انسان کی فضیلت کا معیار ہوتا تو شیطان و ابلیس افضل مخلوق ہوتا۔ دیکھئے! آج بھی آپ کے اس ملک میں اور امریکہ و کینیڈا میں علم تفسیر، علم حدیث، اور علم فقہ وغیرہ کے ایسے شناور، موجود ہیں کہ ان کی تحریروں میں ایسے حوالے درج ہوتے ہیں کہ ہمارے بہت

سے علماء نے ایسے حوالے دیکھے بھی نہیں ہوں گے؛ لیکن وہ علم کس کام کا؟ جو انسان کو ایمان کی دولت بھی عطا نہ کرے، اس کی مثال اس محروم آدمی سے دی جاسکتی ہے، جو صبح سے شام تک کسی دریا کے شفاف پانی میں غوطے لگائے؛ لیکن اس کا لب بھی تر نہ ہو، اس لئے میرے والد ماجدؒ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ تنہا علم، معیارِ فضیلت نہیں ہوسکتا۔ خشک اور کھرا علم، جس کے پیچھے عشق، محبت، تقویٰ، عمل، امت کا درد اور دل کا سوز وگداز نہ ہو، وہ علم کسی کام کا نہیں، ایسا علم فتنے دباتا نہیں، فتنے جگاتا ہے، اس واسطے کہ اس کی پشت پر عشق کا سوز اور عمل کی طاقت نہیں ہے اور جب تک یہ بات حاصل نہ ہو، علم، بیکار ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود

یعنی علم کو اگر اپنے جسم پر استعمال کروتو وہ سانپ ہے، اور اگر علم کو دل کے ساتھ استعمال کرو (یعنی دل پر علم اثر انداز ہو) محبت اور عشق کے ساتھ علم کا استعمال ہو، علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خشیت کی دولت نصیب ہوتو وہ علم انسان کے لئے دنیا وآخرت میں بہترین دوست ثابت ہوتا ہے۔

مولانا کے علم کی برکت اور اس کی وجہ

حضرت مولانا قدس سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم عطا فرمایا تھا، جس میں علم کی روح، خشیت، انابت، تواضع، سادگی، علم، تقویٰ اور امت کے لئے تڑپنے کی امنگ پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر تھی، آج چار دانگ عالم میں حضرت مولانا کا جو فیض پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اس کا ذریعہ تنہا حروف ونقوش کا علم نہیں ہے، بلکہ یہ اثر پذیری اور قبولیت درحقیقت اس سوز دروں اور گداز قلب کا نتیجہ ہے، جو رات کی تنہائیوں میں اپنے مالک کے سامنے گڑگڑانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو عطا فرمایا تھا۔ اور یہ دولت اللہ

والوں کی نیاز مندانہ صحبت ومعیت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے علوم حاصل کرنے کے بعد اصلاحِ نفس، اور تزکیہ باطن کے لئے وہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ جیسے بزرگان دین اور اکابر اولیاء اللہ کی خدمات میں، طالب علم کی حیثیت سے حاضر ہوئے اور ان سے مسلسل اکتسابِ فیض کرتے رہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کو ایسا صیقل کیا اور ایسی جلا بخشی کہ اس کی روشنی سے سارا عالم جگمگا اٹھا۔ اس لئے حضرت مولاناؒ کی حیات طیبہ سے ہمیں پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ حروف ونقوش پر اترانے اور علم پر گھمنڈ کرنے کے بجائے مجاہدۂ نفس اور اصلاح باطن کے لئے کسی اللہ والے کے پاس جانا چاہئے، جب وہ اللہ والا علم کو صیقل کرتا ہے، اور اسے جلا بخشتا ہے، تب اللہ تعالیٰ ایسے علم کی خوشبو سے ساری دنیا کو معطر کردیتا ہے۔ یہ پہلا سبق ہے جو ہمیں حضرت مولاناؒ کی زندگی سے حاصل ہوا، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے کام کی بات ہے کہ حصول علم کے ساتھ اگر کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرکے نفس اور باطن کا تزکیہ نہ کیا جائے تو علم میں برکت نہیں ہوتی۔

تصوف کے ساتھ امت کے سلگتے ہوئے مسائل پر نظر

لیکن بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی جب تزکیہ نفس کے ضروری امر پر توجہ دیتا ہے جسے عرف عام میں تصوف وطریقت کہا جاتا ہے تو وہ کسی گوشے میں جا بیٹھتا ہے اور اس کا دعوت وارشاد کا کام ایک خاص حلقے تک محدود رہتا ہے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو اللہ تعالیٰ نے تصوف وطریقت کا بھی امام بنایا تھا، یہ بھی ہوسکتا تھا کہ حضرت مولانا اپنے علم طریقت کو لیکر کسی گوشے میں بیٹھ جاتے، اور عالم اسلام کے سلگتے ہوئے مسائل سے چشم پوشی فرمالیتے، لیکن حضرت مولاناؒ نے یہ انداز اختیار نہیں فرمایا، ان کے دل میں امت مسلمہ کا درد موجزن تھا، ان کے دل میں ایک ایسی آگ سلگی ہوئی تھی، جو انہیں یہ سوچنے اور اس بات پر غور وفکر کرنے پر مجبور کرتی کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی صلاح وفلاح کا کیا راستہ ہوسکتا ہے؟ اس فکر اور

جامعیت کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ، امت کے اجتماعی مسائل کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے تھے۔ اور پیری مریدی کا جو عام تصور ہے، ان کا عملی میدان اس سے کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ گیر تھا۔

ایک استفسار پر مولانا کا حکیمانہ مشورہ

میں اپنے ذاتی معاملات میں حضرت مولانا سے کبھی کبھی مشورہ کرتا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، جب میں پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن تھا، اور حالات کچھ ایسے پیش آرہے تھے کہ کونسل میں میری طبعیت مطمئن نہیں تھی، میں نے اپنے یہ حالات ذکر کر کے حضرت مولاناؒ کو تحریراً مطلع کیا اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اس موہوم امید پر کہ کونسل کے ذریعے پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی کوشش میں میرا بھی کچھ حصہ لگ جائے، میں نے اپنے لکھنے پڑھنے کے کام کا ابھی تک بہت نقصان کیا، اس پر حضرت مولاناؒ نے اپنے جواب میں لکھا کہ میں تمہیں کونسل سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیتا، تم بدستور یہ کام جاری رکھو، پھر معروف صوفی و بزرگ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا یہ مقولہ لکھا کہ:

اگر شیخی کنم ہیچ پیرے در دنیا مریدے نیابد
ولکن مرا کار دگر فرمودہ اند

یعنی اگر میں پیری شروع کردوں اور پیر بن کے بیٹھ جاؤں تو شاید دنیا میں کسی کو کوئی مرید نہ ملے، لیکن مجھے تو اللہ تعالیٰ نے کسی اور کام کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ ''کارِ دگر'' یہی تھا کہ حکمرانوں کو صحیح اسلامی شریعت کی طرف لانے کی مخلص کوشش کی جائے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تصوف و طریقت کے بیش بہا محاسن سے پوری طرح آراستہ فرمایا تھا، جس کا کچھ نقشہ مولانا سلمان صاحب کی تقریر میں آپ کے سامنے آیا، لیکن اس کے باوجود عالم اسلام کے تمام سلگتے ہوئے مسائل میں حضرت مولاناؒ کا حصہ اس طرح موجود ہے کہ آج بحمد اللہ ان کی ذات ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

مسلمانوں کی تفریق وانتشار

حضرت مولاناؒ کی زندگی کا دوسرا اہم نکتہ عبرت آموز بات، جس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے، یہ ہے کہ آج کی دنیا میں بھی علماء اور محققین کی کوئی کمی نہیں، داعی بھی بہت ہیں، دعوت کا کام کرنے والی جماعتیں بھی بے شمار ہیں، سب اپنی اپنی جگہ کام کررہے ہیں، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ یہ سارے کام اپنے خاص حلقوں میں تو بارآور ہورہے ہیں، ان کاموں سے نئے نئے حلقے وجود میں آرہے ہیں، ہر کام اپنا ایک نیا حلقہ پیدا کررہا ہے، لیکن مجموعی طور سے پوری امت پر ان کاموں کا اثر ظاہر نہیں ہورہا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف طریقوں اور انداز میں جاری یہ کام، بعض اوقات امت مسلمہ کے مختلف ٹکڑوں میں بٹ جانے کا ذریعہ بن رہے ہیں چنانچہ ایک طرف جہاں مختلف زاویوں سے دعوت وتبلیغ کے کام ہورہے ہیں، وہاں اشتراک واتحاد کے بجائے باہمی تفریق وتقسیم کا یہ حال ہے کہ یہ جملے بھی زبان زد عالم ہیں کہ یہ فلاں جماعت کا آدمی ہے، یہ فلاں گروہ کا آدمی ہے، یہ فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہے، اس طرح مختلف گروہوں میں، بٹ کر اور منتشر ہوکر یہ کام ہورہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان گروہ بندیوں نے امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو باوجود اس کے کہ سب کی منزل ایک ہے، مختلف ٹکڑیوں میں منقسم کردیا ہے۔

راستوں کو منزل قرار دینے کا نتیجہ

اس تفریق کی وجہ، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظ میں بیان فرمائی ہے، (میرے والد ماجدؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ملاقاتیں بہت کم ہوئیں لیکن جب کبھی حضرت مولانا کا ذکر آتا تو والد ماجدؒ ضرور یہ لفظ ارشاد فرماتے کہ وہ ''موفق من اللہ'' ہیں) تو والد صاحبؒ بڑے کام کی بات یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب بہت سے لوگ کسی مشترکہ منزل کی جانب رواں ہوتے ہیں، سب کی منزل ایک ہوتی

ہے۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے راستے مختلف ہوتے ہیں، کوئی ایک راستے سے جانب منزل رواں دواں ہے، کوئی دوسرا راستہ اختیار کئے ہوئے ہے، کسی نے گھوم کر جانے والا تیسرا راستہ اپنایا ہے، تو ایسے میں ہر شخص کو چاہئے کہ وہ بیشک اپنا راستہ نہ چھوڑے لیکن دوسرے شخص کو صرف اس کا راستہ مختلف ہونے کی بناء پر مطعون بھی نہ کرے، کہ تم نے فلاں راستہ کیوں اختیار کیا؟ کیونکہ سبھی کی منزل ایک ہے اس لئے محض راستے کے مختلف ہونے سے کسی کو برا بھلا کہنا درست طرزِ عمل نہیں ہے، آج ہم لوگوں نے راستے مختلف اختیار کئے، لیکن ہر شخص نے اپنے راستے کو راستہ سمجھنے کے بجائے اسے منزل قرار دیدیا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگر دوسرا راستہ اختیار کر کے منزل کی سمت آگے بڑھ رہا ہے تو اسے اپنا نہیں غیر اور پرایا سمجھا جاتا ہے، اسے مطعون کیا جاتا ہے، اس پر ملامت کی جاتی ہے، اس پر بعض اوقات برملا اعتراضات بھی کئے جاتے ہیں، لیکن کم از کم اتنا تو ہوتا ہی ہے کہ اس کے لئے اپنائیت اور ہمدردی کے جذبات دل میں نہیں رہتے، یہ وہ طرزِ عمل ہے، جس نے ہمیں مختلف گروہوں، اور جماعتوں میں بانٹ دیا ہے۔

مولانا ندویؒ کا گروہ بندیوں سے اجتناب

اللہ جل جلالہ، نے جن سعید روحوں کو اس حقیقت کا اعتراف اور سمجھ عطا فرمائی ہے، ان میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سرفہرست ہے، کوئی گروہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ صرف ہمارے تھے اور ہر گروہ یہ کہتا ہے کہ وہ ہم میں سے تھے، یہ اس لئے کہ حضرت مولاناؒ اس حقیقت سے آشنا تھے کہ سب کی منزل اللہ جل جلالہ کی رضا ہے، اس رضا کے حصول کے راستے مختلف ہو سکتے ہیں، اگر کسی نے ایک راستہ اختیار کیا تو وہ میرا ہی ہے، کسی نے دوسرا راستہ اختیار کیا تو وہ بھی میرا ہی ہے، محض اس وجہ سے کہ کسی نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا، میں اسے پرایا نہیں کہہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ ان کی ہمدردی، محبت اور تعاون ہر ایک سے تھا، اور کسی ایک گروہ سے باضابطہ تعلق ایسا نہیں تھا کہ دوسروں کو وہ غیر سمجھنے لگے ہوں۔ یہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی عمر بھر کا طریقہ رہا، وقتی طور پر مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر بھی بنے، اور اس کے تحت عظیم خدمات بھی

انجام دیں لیکن مستقل طور پر کسی ایک جماعت سے وابستہ کر کے اپنے آپ کو دوسری جماعتوں سے کاٹ لینے کا طریقہ حضرت مولاناؒ نے کبھی نہیں اپنایا۔ اسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو ہر طبقے میں مقبولیت عطاء فرمائی اور اسی ہمہ گیری کی صفت اور وسعت قلبی کا اثر ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں کوئی اختلاف رونما ہوتا، یا نزاع پیدا ہوتا تو حضرت مولاناؒ کا درد مند دل اس سے متاثر ہوتا، اور ایسے اختلاف کے موقع پر صلح صفائی کے لئے جن مقبول شخصیات کے نام لئے جاتے تھے، ان میں حضرت مولانا کا اسم گرامی سرفہرست ہوتا کیونکہ مولاناؒ کی ذات ایسی تھی کہ اختلافات دور کرنے اور مختلف حلقوں کے درمیان مصالحت کرانے میں اس سے مدلی جاسکتی تھی، مگر آج قحط الرجال کا عالم یہ ہے کہ میں وہی جملہ عرض کروں گا، جو خود مولاناؒ نے معمولی تصرف کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''ردۃ ولا ابا بکر لہا'' آج یہ فقرہ اپنی اصل صورت میں دہراتا ہوں کہ ''قضیۃ ولا ابا حسن لھا'' خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کی حیات طیبہ سے ہمیں یہ روشنی ملتی ہے کہ امت مسلمہ میں نظریاتی اور عملی اختلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن اس اختلاف کو اختلاف کی جگہ پر رکھنا چاہئے۔ اللہ کے لئے اسے مسلمانوں کو فرقوں اور گروہوں میں بانٹنے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے، یہ دوسرا اہم سبق ہے، جو ہمیں حضرت مولاناؒ کی زندگی سے ملتا ہے۔

حکمت کے ساتھ حق گوئی کا سلیقہ

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کی ذات میں حق گوئی و بیباکی کے ساتھ حکمت و خیر خواہی کو جمع فرمایا تھا، اور ان دونوں باتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے انہیں امتزاج پیدا کرنے اور توازن و اعتدال برقرار رکھنے کا عجیب و غریب سلیقہ بخشا تھا، ایک طرف یہ بات کہ جہاں کلمہ حق کہنا ضروری ہو، وہاں حق کہنا ہے، دوسری طرف اس کلمہ حق کے ذریعے کوئی فتنہ بھی پیدا نہیں کرنا، کیونکہ کلمہ حق ایک وعظ، ایک نصیحت اور ہمدردی و خیر خواہی کا ایک پیغام ہے، یہ کوئی پتھر نہیں ہے جسے کسی کی طرف اٹھا کر پھینک دیا جائے یا کوئی لاٹھی نہیں ہے، جو کسی پر

مار کر آدمی اپنی رنجشوں کا بخار نکالے، اس کے بجائے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ ایک عظیم فریضہ ہے، اسی بناء پر ایک طرف جہاں یہ بات ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کسی بھی شرعی وملّی مسئلہ میں حضرت مولانا نے مداہنت سے کام لیا ہو، لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جب کسی سے دین کی کوئی بات کہی، تو دل میں اتر کر کہی، اس کی محبت، شفقت اور خیر خواہی کا جذبہ دل میں لے کر خلوص کے ساتھ کہی۔ پیش نظر یہ تھا کہ سننے والا اس بات کو قبول کر لے، اور اگر قبول نہ کرے تو کم از کم اس کو فتنہ کا ذریعہ نہ بنائے۔

دعوت کے اثر پذیر ہونے کی تین ضروری شرائط

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے ان کا ایک ایسا فقرہ یاد آ گیا، جو نہایت مفید اور کام کا فقرہ ہے، مجھے تو اس سے بڑا فائدہ پہنچا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق طریقے سے، حق نیت سے کہی جائے تو کبھی فتنہ پیدا نہیں ہوگا لیکن تین شرطیں ہیں، پہلے یہ کہ بات حق ہو، دوسرے شرط یہ ہے کہ نیت حق ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ طریقہ بھی حق ہو، کہیں اگر حق کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہو جائے، جھگڑا پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان تین باتوں میں سے کوئی بات مفقود تھی، یا تو بات حق نہیں تھی، یا بات تو حق تھی لیکن نیت حق نہیں تھی مثلاً کسی بری نیت سے بات کہی گئی تھی، اپنے کو بڑھانا اور دوسرے کو گرانا مقصود تھا، نیت خراب تھی یا اگر نیت بھی صحیح تھی تو طریقہ صحیح نہیں تھا، اگر طریقہ بھی صحیح ہوتا، نیت بھی درست ہوتی اور بات بھی حق تو فتنہ پیدا نہ کرتی، جلد یا بدیر کبھی اثر دے جاتی۔ دعوت وتبلیغ کے ان آداب وشرائط کی روشنی میں آپ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر یا تحریر کا مطالعہ کر لیجئے، یہ تینوں باتیں ایسی نمایاں نظر آئیں گی کہ شاید ہی کہیں اور نظر آئیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں حق بات، حق نیت کے ساتھ حق طریقے کے مطابق کہنے اور لکھنے کی توفیق خاص عطا فرمائی تھی ہم لوگ اگر اپنی دعوت وتبلیغ اور کام میں یہی راستہ اختیار کر لیں تو آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی ہمیں توفیق مرحمت فرمائے۔

نئے فرقے کیسے وجود میں آتے ہیں؟

چوتھا نکتہ، جو اس مختصر وقت میں آپ حضرات سے بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو جس سلامت فکری اور دھلے ہوئے پاکیزہ خیالات سے نوازا تھا، اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت مولاناؒ عصر حاضر میں ایک عظیم داعیٔ دین اور مصلح بن کر ابھرے۔ ماضی قریب میں آپ داعیوں اور مصلحین کی فہرست پر اگر نظر ڈال کر دیکھیں تو بہت سے لوگوں میں یہ بات نظر آئے گی کہ وہ ایک طوفانی جھونکے کی طرح اچانک ابھرے، بہت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا اور اپنا دیوانہ و مسخر کرلیا، لیکن اس اچانک تسخیر کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ عام جمہور امت سے ہٹ کر ایک نیا فرقہ اور طبقہ وجود میں آ گیا، ماضی قریب میں آپ سے زیادہ مثالیں ملیں گی، کہ ابتداء میں دعوت کا کام شروع ہوا، اسلام ہی کا کام شروع ہوا (اور میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتا) صحیح نیت سے شروع ہوا، لیکن اس کے باوجود ان داعی و مصلح نے اپنا ایک گروہ ایسا بنالیا جو ان کا مداح، ان کا کلمہ گو، ان کے قصیدے پڑھنے والا اور ان کی فکر کو آگے بڑھانے والا ہے، لیکن اس گروہ نے ایسا طرز عمل اور طریقہ کار اختیار کیا کہ خود کو عام جمہور امت اور جمہور علماء امت سے الگ کرلیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس داعی مصلح کی دعوت وفکر ایک مخصوص طبقے تک محدود رہی، اور وہ مخصوص طبقہ امت کے جمہور سے کٹ کر رہ گیا اور امت کو بحیثیت مجموعی فائدہ پہنچنے کے بجائے افتراق وانتشار کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی بنیادی وجہ (میں آپ حضرات سے نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ اس بنیادی وجہ کی تفصیل ذرا توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں) یہ تھی کہ انہوں نے اپنی دعوت کے ساتھ اپنے ذاتی نظریات کا ایسا پیوند لگالیا کہ وہ ان کی دعوت کا جزو لاینفک (لازمی جز) بن گیا، جب کسی کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ اسلام کی دعوت ہوتی ہے امت کے سوادِ اعظم نے جس چیز کو اسلام سمجھا، دعوت اسلام سے اسی کی دعوت مراد ہوتی ہے، بعض اوقات کسی کے دل میں خیال آتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں سوادِ اعظم غلطی پر ہے، اور اس بناء پر وہ سوادِ اعظم سے مختلف کوئی رائے رکھتا ہے اگرچہ یہ بھی بری بات ہے،

جیسا کہ مولانا سلمان صاحبؒ نے ابھی حدیث سنائی: ”مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ“ (مشکاة شريف / باب الاعتصام بالكتاب والسنة) لیکن سوادِ اعظم سے مختلف رائے رکھنے والا اگر اپنی رائے کو اپنی ذات تک محدود رکھے تو شاید وہ بات اتنی فتنہ انگیز نہ ہوگی لیکن جب وہ ایسی رائے اپنی جماعت اور اپنے حلقے کی دعوت کا جز ولاینفک (لازمی جزو) بنا دیتا ہے، اس پر بحث ومباحثے کا دروازہ کھول کر اس پر اصرار کرتا ہے، اور اس کی طرف اسلام کے اجماعی امور کی طرح دعوت دیتا اور اسکے مخالفین پر اتنے ہی شدومد سے تنقید کرتا اور انہیں ملامت کا ہدف بناتا ہے جیسے وہ اسلام کے اجماعی امور اور اس کے لوازم میں داخل ہو یا اسی طرح کا کوئی اور طرزِ عمل اپنا کر اپنے حلقے پر اس نظریہ کا ٹھیکہ لگا دیتا ہے تو اس کے نتیجے، میں جمہور امت سے کٹ کر ایک الگ فرقہ وجود میں آجاتا ہے، اور الگ فرقہ بننے کے نتیجے میں دعوت کے ہمہ گیر پیغام سے امت پر جو اثر مرتب ہونے چاہئے تھے، اس سے وہ خود بھی محروم رہتا ہے اور اپنے متبعین کو بھی محروم کرتا ہے۔

مولانا جمہور علماء امت کے راستے پر گامزن تھے

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے درجات بلند فرمائیں، ان کے بارے میں کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ماضی قریب میں ان کا نام داعیانِ حق میں سرفہرست تھا، اور انہوں نے جو دعوت دی وہ ہمہ گیر اور انقلابی دعوت تھی، الحمد اللہ! اس دعوت نے عرب وعجم پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے، لیکن حضرت مولاناؒ نے اپنی دعوت کو کسی بھی مرحلے پر کسی ایسے نظریئے سے وابستہ نہیں کیا، جو جمہور علماء امت سے ہٹا ہوا ہو، وہ ہمیشہ جمہور امت کے راستے پر گامزن رہے، جسے سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنے جامع ارشادات: ”ما أنا عليه وأصحابي“ اور ”اتبعوا السواد العظم“ کے ذریعے واضح فرمایا، حضرت مولاناؒ اسی راستے کو مضبوطی سے تھامے رہے۔

حالاتِ زمانہ سے واقفیت

بعض لوگ زمانے کی ضروریات اور جدید تقاضوں کے نام پر جمہور علماء امت سے

جداگانہ راستہ اختیار کر لیتے ہیں، اور کبھی یہ، طعنہ دیتے نہیں تھکتے کہ یہ شخص مولوی ہے، زمانے کی ضروریات سے اسے وقفیت نہیں، لیکن حضرت مولانا علی میاںؒ کو کوئی شخص یہ طعنہ نہیں دے سکتا کہ وہ حالات زمانہ سے بے خبر تھے یا اس کی ضروریات سے ناواقف تھے، مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے کسی بھی کام کے دوران کوئی ایسا راستہ اختیار نہیں فرمایا، جو جمہور امت کے مجموعی راستے سے ہٹا ہوا ہو۔

اپنی حدود اختصاص میں رہنا

ایک بیماری خاص طور سے ہمارے دور میں پیدا ہوگئی ہے، اس کی تھوڑی سی تفصیل بھی ضروری معلوم ہوتی ہے، اور اس کا سمجھنا اس لئے آسان ہے کہ یہ دور، اختصاص (Specialization) کا دور ہے، جو آدمی ڈاکٹر ہے وہ انجینئرنگ کے بارے میں کوئی رائے زنی نہیں کرتا، انجینئر ہے تو وہ طب کے حوالے سے اپنی رائے دوسروں پر مسلط نہیں کرتا، اس طرح کرنا دنیاوی علوم کے بھی مسلمہ اصول کے خلاف ہے، لیکن اسلام اور خاص طور پر فقہ کے بارے میں یہ وباء پھیلی ہوئی ہے کہ اگر ایک شخص نے دین کے کسی میدان میں خدمت انجام دی ہے اور اپنے دائرے میں اچھی خدمت کی ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ چونکہ میں نے اپنے دائرے میں دین کی عظیم خدمت انجام دی ہے؛ لہٰذا اسلام کے ہر شعبے کے علم میں بھی میرا مقام بہت بلند ہے، اور اس غلط فہمی کے نتیجے میں وہ تفسیر، حدیث اور فقہ میں عمل جراحی شروع کر دیتا ہے، اس عمل جراحی کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کو متحد کرنے کے بجائے ان میں افتراق وانتشار کا ایک نیا دروازہ کھولتا ہے، افتراق کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی سوچا سمجھا اور مسلمہ نظریہ صدیوں سے چلا آرہا ہے، اور پوری امت اس کو مانتی آرہی ہے؛ لیکن اچانک ایک شخص اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے یوں نہیں، یہ ہونا چاہئے، تو ظاہر ہے ساری دنیا، اس کی مسلط کردہ ایسی تحقیق (جو مسلمہ نظریہ کے خلاف ہو) کو تسلیم کرنے کے لئے تیار تو نہیں ہوگی، (اور امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ جیسے مجتہد کی اگر ساری دنیا متفقہ طور پر تقلید نہیں کرتی تو آج کے دور میں کسی غیر ماہر فن

کی تقلید پر دنیا کیسے متفق ہوسکتی ہے؟) چنانچہ ایسی رائے زنی پر لازماً کچھ لوگ اختلاف کریں گے اور امت دو طبقوں میں بٹ جائیگی، نتیجہ یہ ہے کہ ایک آدمی، جس کی خدمات اپنے دائرے میں اچھی اور عمدہ تھیں اور ان کے نتائج بھی اچھے تھے، لیکن جب اس نے اپنے آپ کو خود ساختہ طور پر فقیہ بنالیا تو مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کر دیا۔

فقہی معاملات میں مولانا کی احتیاط

اب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بات سنئے! اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وفضل کا جو اونچا مقام عطا فرمایا تھا، وہ صرف علم ادب، تاریخ اور تفسیر وحدیث کی حد تک محدود تو نہیں، انہوں نے علم فقہ بھی جلیل القدر اساتذہ سے حاصل کیا تھا، اگر وہ کبھی فقہ کی کوئی بات کہتے تو بے بنیاد تو نہ ہوتی کہ لوگ یہ کہہ دیں کہ مولانا علی میاںؒ نے یہ کیا بات کہہ دی؛ لیکن وہ ساری عمر فقہ کے معاملے میں حد درجہ احتیاط فرماتے رہے۔

مولانا کی تواضع اور فقہ میں احتیاط کا ایک واقعہ

فقہ کے معاملے میں حضرت مولانا کے انتہائی محتاط رویئے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ معظّمہ میں ملاقات کے لئے میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا (حضرت مجھ سے بڑی شفقت ومحبت فرماتے تھے) تو سلسلہ گفتگو کے دوران فرمایا کہ بھئی! فقہ میں بات کرتے ہوئے تو ڈر لگتا ہے؛ لیکن آپ لوگ چونکہ فقہ کے کام میں مشغول ہیں، اس لئے ایک مشورہ دیتا ہوں، اس پر ذرا غور فرمالیں، مجھے کوئی جزم نہیں ہے، صرف مشورہ ہے کہ آج کل چونکہ زمانہ کے حالات اتنے بدل گئے ہیں کہ اس میں ہر مسئلہ میں کسی ایک ہی فقہ پر بہر حال جمود کرنا اُمتِ مسلمہ کے لئے تنگی کا سبب بن جاتا ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کی آسانی کے لئے ''حیلہ ناجزہ'' میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے؟ تو یہ بتایئے کہ اس قسم کے دوسرے مسائل میں جن میں امت کو دشواری ہے، کسی اور امام کے قول پر فتویٰ دے دیا جائے تو

کوئی حرج تو نہیں ہے۔ دیکھئے! حضرت مولاناؒ نے مجھ سے اس طرح کی بات کی، حالانکہ میں ان کے ادنیٰ شاگرد کے درجے میں بھی نہیں ہوں، میں نے یہ عرض کیا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کو اسی بات کی نصیحت فرمائی ہے اور امداد الفتاویٰ میں لکھا ہوا ہے کہ خاص طور پر معاملات کے سلسلے میں لوگوں کو تنگی سے بچانے کے لئے ائمہ اربعہ میں جس کے ہاں کوئی سہولت ملے، اسے بوقت ضرورت اختیار کر لینا چاہئے حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو ہمارا کام چل گیا''۔

فقہ میں غلطی دعوت کو نقصان پہنچاتی ہے

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل کے جس اعلی مقام پر فائز تھے اس کے باوجود فقہی مسائل میں انہوں نے جزم کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میرے کام کا ایک دائرہ ہے، اور ضروری نہیں ہے کہ میں ہر میدان میں اختصاص (Specializatoon) کا دعویٰ کروں اور اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کروں، کیونکہ اگر ایسا کیا گیا اور وہ رائے فی الواقع غلط ہوئی، تو وہ رائے بحیثیت مجموعی دعوت کو نقصان پہنچائے گی، مثال کے طور پر ایک شخص نے عیسائیت کی تردید میں زبردست کام کیا اور اس کا فائدہ بھی بڑے پیمانے پر لوگوں کو پہنچا، لیکن ردعیسائیت پر بڑا کارنامہ انجام دینے کی وجہ سے اگر وہ یہ سمجھ لے کہ مجھے فقہ میں درک اور کمال حاصل ہے اور اسکی بنیاد پر شاذ آراء کی تشریح شروع کردے تو یہ چیز فتنے کا سبب بن جاتی ہے، اور اس کی بناء پر اس نے عیسائیت پر جو کام کیا تھا، بعض اوقات اس کی تاثیر بھی ماند پڑنے لگتی ہے، الحمد للہ! حضرت مولاناؒ کبھی بھی ایسی کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوئے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی اعزاز بخشا اور سربلندی عطاء فرمائی۔ فقہی مسائل مین مولاناؒ کا مزاج یہ رہا کہ کبھی جمہور امت کے راستے سے نہیں ہٹے اور نہ اپنی رائے کا اظہار کر کے کبھی کوئی فتنہ کھڑا کیا، فقہ کے مسائل میں رائے مختلف ہو سکتی ہے، لیکن ایسے میں آدمی اپنی رائے کو اپنی ذات تک محدود رکھے، خود اپنے طور پر اس پر عمل کرنا چاہے

تو کرلے، لیکن اس سے فتنہ پیدا نہ کرے، اور امت میں اس کو افتراق اور انتشار کا ذریعہ نہ بنائے، حضرت مولاناؒ ہمیشہ اسی مزاج اعتدال پر قائم رہے۔ دوسروں کو اپنی رائے پر مجبور کرنا خاص طور پر جبکہ ''امور مجتہد فیہا'' میں ہو، ہرگز صحیح طرز عمل نہیں ہے۔

کن امور میں دعوت کا فریضہ عائد ہوتا ہے؟

یہ بات امام غزالیؒ نے لکھی ہے اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بار بار ارشاد فرمایا کرتے تھے (یاد رکھنے کے قابل بات ہے) کہ مجتہد فیہ امور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد نہیں ہوتا، صرف مجمع علیہ اور مسلمات دین کے بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مجتہد فیہ مسئلہ مین کوئی دوسرا راستہ اختیار کئے ہوئے ہے، تو اس کو مطعون کرنا ہرگز تبلیغ کا تقاضا نہیں ہے اور حضرت مولاناؒ نے ایسی بات کو کبھی بھی مقصود نہیں بنایا، آپ دیکھئے! اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعوت کے ذریعے لوگوں کو کتنا نفع پہنچایا۔

اختلاف رائے کا فطری سبب اور اس کی حدود

آخری گذارش یہ ہے کہ اختلاف رائے کے بارے میں جو طرز عمل حضرت مولاناؒ کا تھا، اسکا ذکر بحمد اللہ سامنے آ گیا، لیکن جیسا کہ فطری طور پر دو آدمیوں کے نہ چہرے ایک جیسے ہوتے ہیں، نہ مزاج ایک طرح کے ہوتے ہین اور نہ فہم۔ اس لئے جب تک فہم کے سانچے مختلف رہیں گے اختلاف بھی رہیگا، چنانچہ دنیا میں اختلافات کا سلسلہ ہر شعبے میں جاری ہے، لیکن اختلاف کی مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اس کے لئے کچھ حدود بھی مقرر ہیں۔ ایک اختلاف، کفر اور اسلام یا حق اور باطل کے درمیان ہوتا ہے، ایک اختلاف فروعی مسائل میں اجتہاد اور رائے کا ہوتا ہے، ایک ختلاف مشرب و مسلک کے حوالے سے سامنے آتا ہے، بلکہ اس سے بہت آگے صرف مزاج اور ذوق کے فرق سے بھی اختلاف ظاہر ہو جاتا ہے، اس طرح اختلاف کے بہت سے

مراتب اور درجات ہیں، لیکن یہ بات بکثرت دیکھنے میں آتی ہے کہ ہم، کسی درجہ بندی اور فرق مراتب کا لحاظ کئے بغیر ہر طرح کے اختلافات کو ایک ہی پیمانے سے ناپنے لگتے ہیں اور ہر قسم کے اختلاف کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیتے ہیں، مثلاً اجتہادی نوعیت کے اختلاف پر بھی ایسا ہی زبردست اور شدید ردِعمل ظاہر کیا جاتا ہے جیسے کفر و باطل کے اختلاف پر ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات مزاج و مذاق کے اختلاف پر بھی تشدد کا انداز اختیار کر لیا جاتا ہے، اس فرق مراتب کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کے سبب لڑائیاں، جھگڑے اور فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اختلافات بہت رکھے ہیں، وہاں ہر اختلاف کے بارے میں طرزِ عمل اور طریقہ بھی جداگانہ مقرر فرمایا ہے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا طرزِ عمل، اختلاف کے ان آداب اور حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ کے طریقہ پر تھا۔

مداہنت بھی درست نہیں

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی اتنا صلح کل بن جائے کہ وہ صریح کفر اور کھلے باطل کے معاملے میں بھی مداہنت سے کام لے یا لوگوں کے طعنوں سے مرعوب ہو باطل کو باطل نہ کہے۔ مثلاً علمائے اہل حق کو بعض اوقات یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت کفر کا فتویٰ لئے پھرتے ہیں، اس طعنے سے مرعوب ہو کر اجماعی اور صریح کفر کو کفر نہ کہنا مداہنت ہے حضرت مولانا علی میاںؒ ایسی باتوں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور معذرت خواہانہ اور مداہنت کا طرزِ عمل، کفر اور اسلام کے معرکے میں کبھی اختیار نہیں فرمایا، چنانچہ انہوں نے قادیانیت پر پوری کتاب تالیف فرمائی اور قادیانیوں کے کفر کو دو اور دو چار کر کے واضح کیا۔

لیکن جہاں تک فروعی اختلافات کا تعلق ہے، تو مولاناؒ نے کہیں کوئی ایسا فتویٰ نہیں دیا، جو فتنے کا سبب بن سکتا ہے، پوری امت مسلمہ کے اجتماعی دینی مفاد کے پیش نظر ان کا تعلق ہر ایک سے تھا اور ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ پر اخلاص کے ساتھ وہ عمل پیرا تھے۔

اچھے کاموں میں غیروں کے ساتھ تعاون اور حضرت عثمانؓ کا بہترین نمونہ

اختلاف رائے کے باوجود اچھے اور مشترکہ مقاصد میں باہمی تعاون کا نمونہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت سے بھی ہمیں ملتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغی فوجوں نے محاصرے میں لے رکھا تھا، ان پر پانی تک بند کر رکھا تھا؛ یہاں تک کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے درپے تھے، اُس وقت کسی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ حضرت! مسجد نبوی پر ان باغیوں نے قبضہ کیا ہوا ہے، تو کیا ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں؟ یہ سوال اس وقت کیا جارہا ہے جب اُن لوگوں نے حضرت عثمانؓ جیسے خلیفۂ راشد پر ناقابل بیان ظلم کرتے ہوئے اُن کے خلاف زبردست بغاوت کر رکھی تھی، تو ایسے موقع پر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب یہ دیا کہ: ''**إن أحسنوا فأحسن معهم وإن أساء وا فاجتنب أسائتهم**''۔

''یعنی اگر یہ اچھا کام کریں تو تم بھی اُن کے ساتھ اچھا کام کرو، اور برے کام کریں تو اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

اس وقت بھی جب باغی خون کے پیاسے ہیں، خلیفہ راشد کی زبانی سے یہ متوازن کلمہ نکل رہا ہے، جب ایسے باغیوں کے ساتھ خلیفہ راشد نے اس طرز عمل کی تلقین فرمائی تو چھوٹے چھوٹے اختلافات میں یا فروعی مسائل کی بنیاد پر اپنے آپ کو دھڑوں میں بانٹ لینا کیسے درست ہوسکتا ہے! یہ ٹھان لینا کہ اب اس سے بات نہیں ہوسکتی، اب اس سے ملاقات نہیں ہو سکتا، یہ جو باتیں ہمارے معاشرے میں پھیل گئی ہیں، انہوں نے ہمیں ٹکرے ٹکرے کر دیا ہے، پوری امت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ اس کی صلاح وفلاح کا راستہ بند کر دیا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اتنی عظیم عددی طاقت کے باوجود دشمنوں کے لئے نوالہ تر بنے ہوئے ہیں۔ اور ہماری عظیم اجتماعی قوت ﴿هَبَآءً مَّنثُورًا﴾ ہوکر رہ گئی ہے۔ وہ راستہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنایا تھا، اللہ تعالیٰ ہمیں اس راستے پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔

مجھے احساس ہے کہ میں نے اپنے استحقاق سے زیادہ وقت لے لیا، مگر خیال آیا کہ جو مجلس حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقد ہو، اُس میں حضرت مولانا کے اُن اَوصاف کو بیان کئے بغیر مجلس نامکمل رہے گی، اور ہم اگر اُن کی حیاتِ طیبہ سے استفادہ کرنا چاہیں، تو ان نکات کو حرزِ جان بنانا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نکات پر عمل پیرا ہونے اور حضرت مولاناؒ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(ندائے شاہی مارچ، اپریل ۲۰۰۱ء)

رفتـــــــگاں

۲۰۰۰ء - ۲۰۰۱ء

- حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب سنبھلیؒ
- حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ
- حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ
- حضرت مولانا قاری مشتاق احمد صاحب برنیؒ
- حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدیؒ
- حضرت مولاناؒ سید خضر اللہ حسینی صاحبؒ (گل برگہ)
- حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ

مولانا محمد اسحٰق صاحب سنبھلیؒ

رمضان المبارک کے آخری جمعہ ۱۹؍رمضان ۱۴۲۰ھ کی صبح کو مدرسہ شاہی کے رکن رکین، معروف قومی رہنما اور جمعیۃ علماء کے پر جوش اور فعال رکن جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے۔ إنا للّٰه وإنا اليه راجعون۔

موصوف کی نماز جنازہ اسی روز بعد نماز جمعہ مدرسہ مدینۃ العلوم انجمن معاون الاسلام سنبھل میں ادا کی گئی۔ مولانا ایک جرأت منداور پر جوش قائد تھے، ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے سیاست سے دلچسپی تھی۔ ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، بعد ازاں جمعیۃ علماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے سیاسی خدمات انجام دیں۔ مگر ۱۹۵۰ء میں کانگریس سے الگ ہوکر کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ہوئے، اسی کے ٹکٹ پر ۱۹۵۸ء میں یوپی کی اسمبلی میں ایم، ایل، سی منتخب ہوئے۔ اور ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء تک امروہہ سیٹ سے پارلیمنٹ کے ممبر رہے، کمیونسٹ پارٹی سے وابستگی کے باوجود آپ نے اخیر تک جمعیۃ علماء ہند سے اپنا سرگرم تعلق استوار رکھا، اور مسلمانوں کے تحفظ کے سلسلہ میں کسی بھی خدمت سے گریز نہیں کیا۔ مدتوں تک آپ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ میں مدعو خصوصی کے طور پر بلائے جاتے رہے۔ نیز یوپی جمعیۃ علماء کے ایک عرصہ سے نائب صدر تھے، اکثر تجاویز آپ ہی کی تیار کردہ یا املا فرمودہ ہوتی تھیں۔ آپ کو خطابت پر پوری قدرت حاصل تھی، اپنے مخصوص انداز بیان سے اپنے موقف کو مدلل کرنا خوب جانتے تھے۔ اسی خوبی کی بنا پر ہندوستان کی پارلیمنٹ میں دوسال ڈپٹی اسپیکر بھی رہے۔ خود فرماتے تھے کہ میں قاسمی برادری کا وہ واحد فرد ہوں جسے پارلیمنٹ کی اسپیکری کا اعزاز ملا۔

مدرسہ شاہی سے آپ کو انتہائی گہرا تعلق تھا، مدتوں سے یہاں کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ

کے انتہائی فعال رکن تھے۔اور موقع بموقع مختلف شعبہ جات کی جانچ پڑتال اورنگرانی پوری توجہ اور ذوق وشوق سے فرماتے تھے۔مدرسہ کے معاملات میں آپ کے مشورے بہت وقیع ہوتے تھے۔رسالہ ندائے شاہی کے مشاورتی بورڈ کے بھی سرگرم رکن تھے۔اور ہر وقت رسالہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔رسالہ کی خوبیوں پر حوصلہ افزائی فرماتے اور نقائص پر خیر خواہانہ انداز میں افسوس کا اظہار کرتے۔مولانا رسالہ کی تصحیح اور باوزن اصلاحی مضامین پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔اس اعتبار سے مولانا سنبھلی کی وفات ندائے شاہی کا ذاتی نقصان ہے۔بلا شبہ مدرسہ شاہی اپنے ایک مخلص مشیر سے محروم ہوگیا۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔اور درجات بلند فرمائے۔آمین

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۰ء)

مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحبؒ

کلکتہ کے مشہور ومعرف عالم، مفسر قرآن حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند گذشتہ ۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو وفات پا گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب مرحوم کلکتہ میں مسلک دیوبند اور اکابر دیوبند کے مضبوط نمائندہ تھے اور شہر کے مسلمانوں پر اچھا خاصا اثر ورسوخ رکھتے تھے۔مرحوم نے سالہا سال تک کلکتہ کی مشہور کولوٹولہ مسجد میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے ذریعہ سے عقائد واعمال کی اصلاح کی خدمت انجام دی۔ان کی وفات سے شہر کلکتہ ایک باوزن دینی شخصیت سے محروم ہوگیا ادارہ ندائے شاہی اس موقع پر مرحوم کے پسماندگان بالخصوص بڑے صاحبزادہ مولانا محمد عرفان صاحب کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے سبھی قارئین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ حکیم صاحب مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب فرمائیں۔اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے اوران کی دینی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۰ء)

❍❖❍

ایک چراغ اور بجھا

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ جوارِ رحمت میں

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے صدر نشیں، برصغیر کے مشہور ومعروف صاحب فتاویٰ استاذ الاساتذہ، عارف باللہ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب الاعظمیؒ مورخہ ۲۰/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۶/فروری ۲۰۰۰ء کو رات دس بجے کے قریب ۹۲/سال کی عمر میں دیوبند میں وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحبؒ اس دور کے اکابر علماء اور عبقری شخصیات میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ مطابق نومبر ۱۹۱۰ء بمقام اوندرا ضلع اعظم گڈھ (مئو) میں ہوئی۔ ابتدائی عربی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی۔ پھر وہاں سے بہار شریف کے مدرسہ عزیزیہ تشریف لے گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے لئے مدرسہ عالیہ فتح پوری میں قیام فرمایا۔ اور وہاں سے از ہر ہند دارالعلوم سے فراغت کے بعد جامع العلوم جین پور اعظم گڈھ میں تقریباً پانچ سال قیام فرمایا پھر مدرسہ جامع العلوم محلّہ دھمال گورکھپور میں مقیم رہے۔ بعد ازاں دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں ۲۵/سال سے زائد عرصہ تک درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کی عظیم خدمات انجام دیں رجب ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور آخری لمحہ تک یعنی تقریباً ۳۵ سال کا عرصہ آپ نے دارالعلوم میں گذارا۔ اس دوران آپ سے سیکڑوں طالبان علوم نبوت نے استفادکیا۔ جن کے ذریعہ آپ کا فیض عالم کے چپہ چپہ میں جاری ہے۔ بیعت وارشاد میں بھی آپ کا رتبہ بہت بلند تھا۔ حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ کے آپ اجلّ خلفاء میں تھے۔ اس دور

میں ہزاروں فتاویٰ تحریر فرمائے جو رجسٹروں میں محفوظ ہیں جن میں سے بعض اہم فتاویٰ ''نظام الفتاویٰ'' کی دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ جو حضرات مفتیان کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں علاوہ ازیں آپ نے شیخ محدث دہلویؒ کی کتاب ''فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان'' کی تصحیح واشاعت کا کام اور علم نحو وغیرہ موضوعات پر بھی قیمتی رسائل آپ نے تالیف فرمائے۔ زہد وتقویٰ، چھوٹوں پر شفقت اور سادگی میں حضرت مفتی صاحبؒ اسلاف کی یادگار تھے۔ آپ کی وفات پر علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بآسانی پُر نہ ہو سکے گا۔

احقر کو مسلسل تین سال حضرت مفتی صاحب موصوف سے استفادہ کا شرف حاصل رہا، تکمیل افتاء کے سال میں ضابطہ کے بطور ''قواعد الفقہ'' کا درس آپ سے متعلق تھا، اور احقر کی تمرین افتاء بھی آپ ہی کے پاس تھی، اس لئے استفادہ کا موقع زیادہ ملتا تھا۔ فطری طور پر حضرت کا ذہن اصولی تھا، فقہ کی کلیات آپ کو مستحضر تھیں اور جو بھی مسئلہ سامنے آتا فوراً اصول کی روشنی میں اسے حل کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ جدید مسائل کی تحقیق وتنقیح اور ان کے تجزیہ سے آپ کو خاص دلچسپی تھی، جس کا اندازہ آپ کے شائع شدہ فتاویٰ سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اخیر عمر میں آپ ایک بات پر بہت زور دیتے تھے اور ایک تحریک کی شکل میں اسے انجام دینے کی طرف توجہ دلاتے تھے، وہ یہ کہ اس وقت ہندوستان میں اردو مٹ رہی ہے اور ہندی غالب آتی جا رہی ہے اور ہمارا سارا دینی سرمایہ ابھی تک زیادہ تر اُردو زبان میں ہے۔ اگر اُردو بالکل مٹ گئی تو نئی نسل دین سے بالکل محروم ہو جائے گی، اس لئے حضرت فرماتے تھے کہ علماء کو لگ لپٹ کر کسی بھی طرح اپنا دینی سرمایہ فوری طور پر ہندی رسم الخط میں منتقل کر دینا چاہئے تاکہ آنے والی نسل دین سے بے بہرہ نہ رہیں، ہم نے دیکھا کہ آخری دور میں آپ پر اس تحریک کا حال طاری تھا اور ہر آنے والے سے اس کا تذکرہ فرماتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کہ یہ تڑپ محض امت کی خیر خواہی کی بنیاد پر تھی۔ اور کوئی غرض اس میں شامل نہ تھی۔

وفات کی اطلاع ملی تو احقر صبح کو دیوبند کے لئے روانہ ہوا جب پہنچا تو جنازہ مولسری

میں لایا جاچکا تھا، باچشم تر نماز جنازہ میں شرکت کی، حضرت کا پرنور سراپا نظروں میں گھوم گیا، ایک ایک کر کے شفقتیں یاد آتی رہیں، اور یادوں کے دریچے کھلتے رہے۔ ساتھ میں مزار قاسمی کی طرف بوجھل قدم بھی اٹھتے رہے، تا آں کہ اللہ کی یہ امانت اسی کے حکم کی تعمیل میں قیامت تک کے لئے پیوند خاک کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ پر بے حد وحساب رحمت وکرم کی بارش فرمائے اور آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اور آپ کی خدمات کا بہتر سے بہتر حصہ آخرت میں عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۰ء)

شہید اسلام

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ

ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ اس اندوہناک خبر نے پورے برصغیر کے دینی و علمی طبقہ کو سکتہ میں ڈالدیا کہ ۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کو پاکستان کے مشہور و معروف عالم دین صاحب معرفت بزرگ اور سنجیدہ اور باوقار دینی رہنما اور مصنف اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر اول حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ نامعلوم قاتلوں نے کراچی میں سفاکانہ طور پر شہید کر کے حق وانصاف کی مقبول اور مؤثر ترین آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا، اور ملت مسلمہ کو ایک عظیم قیمتی سرمایہ سے محروم کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پاکستان میں مقبول علماء امت، زعماء ملت اور پُرعظمت دینی شخصیات کے بے رحمانہ قتل کی یہ تازہ کڑی ہے، قبل ازیں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی، حکیم محمد سعید، مولانا عبید اللہ چترالی اور مولانا حق نواز جھنگویؒ وغیرہ جیسی عظیم شخصیات بھی ایسے ہی بدترین تشدد کا شکار ہو چکی ہیں اور خدا ہی جانے ابھی کتنے علماء کا خون پاکستان کی سرزمین میں جذب ہونا مقدر ہے، افسوس ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے پاکستان میں روز بروز دینی و مذہبی شخصیات کے خون کی پیاس دیوانگی کی حد تک بڑھتی جارہی ہے، مقام ماتم ہے کہ اس قافلۂ شہداء کے قافلہ سالار بن کر حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی بھی رب العالمین کے حضور پہنچ گئے ہیں، اس المناک حادثہ کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، مولانا لدھیانویؒ جیسی پرفیض اور ہمہ گیر شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں، دسیوں سال میں کہیں

کوئی ایسی شخصیت ملت کو میسر آتی ہے، آج پاکستان میں مولانا لدھیانوی کو عوام وخواص کے ہر طبقہ میں بے مثال مقبولیت حاصل تھی۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں جہاں بھی اردو دینیات کا لٹریچر کسی بھی انداز میں پڑھا جاتا ہے وہاں مولانا موصوف کو عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا، دینی مسائل ومشکلات کے حل کے لئے عوام اور علماء دونوں آپ کی رائے پر اعتماد کرتے تھے، آپکے قلم میں وہ سنجیدگی، جاذبیت، معقولیت اور وہ اعتدال تھا کہ کٹر سے کٹر مخالف بھی آپکی تحریریں پڑھکر متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، آپ کو اپنا موقف پوری قوت اور دلائل کے ساتھ تہذیب کے دائرہ میں رہ کر پیش کرنے کا ملکہ حاصل تھا، حالات حاضرہ پر آپ کی گہری نظر تھی، اور نت نئے شرور وفتن کے مقابلہ میں آپ تحریری جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے، آپکی تحریریں دلوں میں اتر جاتی تھیں اور گمراہوں کو راہ یابی کا شرف بخشتی تھیں، علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ تصوف کی چاشنی اور علوم نبوت کے شعور وادراک، پھر جذبۂ دعوت واشاعت نے آپکی باکمال شخصیت کو مزید نکھار کر سراپا فیض بنا دیا تھا، بلاشبہ آپ کو پاکستان میں دینی مرجعیت کا مقام حاصل تھا، اور دینی طبقے میں آپکی ذات ایک بڑی ڈھارس اور غنیمت خیال کی جاتی تھی۔

دین برحق سے حد درجہ شغف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے انتہائی تعلق اور عشق آپ کی تحریروں میں صاف جھلکتا نظر آتا ہے، اسی عشق ومحبت نے آپ کو موجودہ صدی کے سب سے عظیم ارتدادی فتنہ ''قادیانیت'' کے خلاف پوری قوت سے سینہ سپر ہونے پر مجبور کر دیا تھا، اس بدترین فتنہ کے تعاقب کے لئے آپ نے وہ زبردست ناقابل تردید لٹریچر اسلامی کتب خانہ کو عطا کیا ہے کہ پوری ملت اسلامیہ اس عظیم احسان کا بدلہ نہیں ادا کرسکتی، ''تحفۂ قادیانیت'' کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں آپ کی تحریروں کا مجموعہ ردقادیانت کی شاہکار خدمات میں شامل ہے، اور آپ کے لئے شاندار صدقۂ جاریہ ہے، آپ نے قادیانیت کی تردید میں اتنا مواد امت کو فراہم کر دیا ہے کہ آج کوئی بھی قادیانیت کے تعاقب میں کام کرنے والا شخص آپ کی تحریروں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح شیعیت کے خفیہ جراثیم کو امت کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے بھی آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں، ایک ضخیم کتاب ''شیعہ سنی اختلاف اور صراط مستقیم'' کے نام سے تالیف کر کے اس فرقہ کی کفریہ ہفوات کو مؤثر انداز میں طشت از بام کیا۔ اور اپنی مخصوص طرز نگارش کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا، عصر حاضر کے دیگر باطل نظریات اور گمراہ فرقوں کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لئے بھی آپ کا قلم پوری احتیاط اور قوت کے ساتھ چلتا رہا، چنانچہ اس موضوع پر آپ کی کتاب ''اختلافِ اُمت اور صراط مستقیم'' اتنی مقبول ہوئی کہ اس کے چند سالوں میں دسیوں ایڈیشن شائع ہوئے اور برابر یہ سلسلہ جاری ہے، اس کتاب نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دئے اور آپ کے معتدل قلم سے متاثر ہو کر ہزاروں افراد تعصب کے تنگ خول سے نکل کر کھلے دل سے سوچنے اور فکر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے علاوہ دانشور طبقوں کی طرف سے جدت پسندی یا اکابر علماء کی قدر ناشناسی کی جب بھی کوئی تحریک اٹھی تو حضرت مولانا لدھیانویؒ کا قلم سر بکف ہو کر میدان میں آ کھڑا ہوا اور اسلام کے نادان دوستوں کی ایسی خبر لی کہ انہیں کوئی جواب ہی نہ بن پڑا، اور ایسی فتنہ انگیز تحریکیں پنپنے سے پہلے ہی دم توڑ گئیں۔

مولانا لدھیانویؒ کی پوری زندگی اسلام کی خاموش خدمت سے عبارت تھی، ماہنامہ ''بینات'' کے چشم کشا ''بصائر وعبر'' اور روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحات اور دینی مسائل کے جوابات کے ذریعہ آپ نے اسلام اور دین برحق کی صحیح اور مضبوط ترجمانی کا جو حق ادا کیا وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

شہادت کے وقت مولانا موصوف کی عمر ہجری حساب سے تقریباً ۷۰ سال تھی کیونکہ آپ کا سنہ پیدائش ۱۳۵۱ھ ہے، مولانا کا آبائی وطن ضلع لدھیانہ کا ایک قصبہ عیسی پور تھا، تقسیم ہند کے وقت آپکا پورا خاندان ضلع ملتان کی ایک آبادی میں منتقل ہو گیا، آپ نے تعلیم کی تکمیل جامعہ خیر المدارس ملتان میں ۱۳۷۴ھ میں فرمائی۔ تعلیم کے بعد اپنے مشفق استاد حضرت مولانا خیر محمد

جالندھریؒ خلیفۂ اجل حضرت تھانویؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ اور حضرت مرحومؒ کی وفات (۱۳۹۰ھ) کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کی طرف رجوع فرمایا اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ نیز عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی سے بھی مجاز بیعت ہوئے۔

مولانا لدھیانویؒ نے فراغت کے بعد روشن والا ضلع لائل پور میں دو سال، اور ماموکانجن ضلع لائل پور میں دس سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر ۱۹۶۶ء میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر رسالہ ''بینات'' کراچی سے منسلک ہوئے اور اسی دوران ساہیوال اور ملتان میں قیام رہا اور حضرت بنوریؒ کی وفات (۱۹۷۷ء) کے بعد مستقلاً جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں قیام فرمایا، ۱۹۷۸ء سے پاکستان کے معروف روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان سے دینی مسائل کے جوابات آسان انداز میں لکھنے شروع کئے، جو اَب تک مرتب ہوکر ۱۰ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں اور عوام وخواص میں انتہائی مقبول ہیں۔

آپ نے بعض اہم کتابوں کے اردو تراجم بھی کئے، جن میں ''خاتم النبیین'' مصنفہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، ''سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ'' اور حضرت مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کی درود شریف کے صیغوں کی جمع وترتیب پر مشتمل کتاب ''ذریعة الوصول إلیٰ جناب الرسول ﷺ'' کا ترجمہ بھی قابل ذکر ہے۔

۱۳۷۴ھ سے ہی آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں میں شامل تھے، اور اس میدان میں وقیع ترین خدمات انجام دیں آپ کی وفات سے بالخصوص عالمی مجلس کو جو نقصان پہنچا وہ ناقابل تلافی ہے۔

اس سال حج کے موقع پر مولانا موصوف سے مکہ معظّمہ میں شرف زیارت نصیب ہوا، بہت شفقت سے پیش آئے اور ایک جامع دعا کثرت سے پڑھنے کی تلقین فرمائی، جو افادہ کی

غرض سے ذیل میں پیش ہے:

یَا رَبّ کُلِّ شَيءٍ، بِقُدْرَتِكَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ، لَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ، وَاغْفِرْلِيْ کُلَّ شَيْءٍ.

اے ہر چیز کے خالق و مالک! تیری ہر چیز پر قدرت کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ فرما، اور میری ہر طرح کی غلطی کو معاف فرمادے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم شہید کو اعلیٰ درجات سے نوازے، اور وصال کے بعد بھی آپ کے فیض کو پوری طرح جاری وساری رکھے، اور اُمتِ مسلمہ کو مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۰ء)

آہ ! حضرت مولانا

مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہیدؒ

از: مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری فاضل افتاء وتخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

اٹھتے جاتے ہیں اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

وہ شخصیت جس کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے صدق گوئی کے لئے پیدا کیا، جس کے قلم کو تعلیمات کتاب وسنت کی نشر واشاعت اور باطل فتنوں کی سرکوبی کے لئے وجود بخشا، جس نے وقت پڑنے پر وقت کے حکمرانوں کو بھی متنبہ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا، جس کے قلم کی جولانی اور اثر انگیزی نے اگر ایک طرف بے شمار افراد کی اصلاح کی تو دوسری طرف باطل طاقتوں خصوصا مرزائی ٹولے کے بے بنیاد عقائد کو نیست ونابود کرنے میں وہ کارنامہ انجام دیا، جس کو رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا، جس کے قلم سے ردقادیانیت کے سلسلے میں نکلنے والے رسائل نے مرزائیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کی شخصیت صرف پاکستان میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک مایہ ناز عالم دین، ایک بلند پایہ محقق ومحدث، دین اسلام کے ایک عظیم محافظ، ایک باغیرت وباحمیت انسان، تحریر میں اپنی مثال آپ اور صاحب نسبت بزرگ ہونے کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں تھی، جس نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ اور محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ جیسی عبقری شخصیات کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر اپنی روح کو جلا بخشی۔

مگر افسوس ملت اسلامیہ کے اس گنجینۂ علم وفن کو چند بدبختوں نے بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنا کر ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ ۱۳رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات کا ہے، جب آپ معمول کے مطابق صبح کو تقریباً ساڑھے نو بجے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر اپنی گاڑی سے تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں ایک پھل فروش کے یہاں سے آپ اُتر کر پھل لیا کرتے تھے، اس دن پھل فروش کی دوکان کے سامنے گاڑی رکوا کر آپ نے اس سے کہلوایا کہ آج دفتر جانے میں کچھ تاخیر ہوگئی ہے اس لئے کچھ نہیں لیں گے، پھل فروش نے کچھ دیر رکنے کے لئے کہا اور چند تازہ پھل لینے چلا گیا، اسی درمیان دونو جوان گاڑی کے قریب آئے، ایک نے گاڑی کے شیشے کو انگلی سے کھٹکھٹایا مولانا مرحوم پچھلی سیٹ پر تشریف فرما تھے، آپ نے یہ سوچتے ہوئے کہ شاید حاجت مند ہے یا کچھ دریافت کرنا چاہتا ہے، گاڑی کا شیشہ نیچے کر دیا، اس نے آناً فاناً گولیوں کی بوچھار کر دی، جس کے نتیجے میں مولانا مرحوم اور ڈرائیور صاحب موقع پر ہی جام شہادت نوش کر گئے، جب کہ مولانا کے صاحبزادے اور پھل فروش شدید طور پر مجروح ہوگئے۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ جائے واردات کے قریب ایک بینک کی عمارت پر پولیس کے جوان تعینات تھے، جب اُنہوں نے فائرنگ کی آواز سنی تو بجائے اس کے اپنے فریضہ منصبی کو ادا کرتے ہوئے قاتل مجرم کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دلواتے، بینک کی عمارت میں گھس گئے، اور دن دہاڑے انسانیت کا خون بہانے والے درندے بلا خوف وخطر دندناتے ہوئے نکل گئے۔ حضرت مولانا اور اُن کے رفیق کو تو شہادت کا وہ عظیم مرتبہ ملا جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، مولانا مرحوم کی گراں قدر خدمات کا صلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب شہادت سے سرفراز کر کے دے دیا، جن کے جنتی اور منعم علیہ ہونے پر دنیا ہی میں مہر لگا دی گئی ہے۔ دوسری جانب محروم القسمت قاتلوں نے اُمت کے اس مایۂ ناز فرد کے خون سے اپنے ہاتھوں کو لال کر کے ہمیشہ ہمیش کے لئے ذلت ورسوائی کو مول لے لیا۔ اغلب خیال یہ ہے کہ اس گھناؤنے فعل کا ارتکاب کرنے والے یقیناً اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوں گے جن کی

نیندوں کو اپنے زوردار قلم سے مولانا مرحوم نے حرام کر رکھا تھا، خواہ یہ لوگ قادیانی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، یا ابن سبا کے خاندان سے منسلک ہوں، یا برسر اقتدار حکومت ہی کے ایجنٹ ہوں۔ حکومت پاکستان نے اگر اس ناحق خون کا فوراً بدلہ نہ چکایا اور ان انسانیت سوز حرکتوں کا سد باب نہ کیا، اور قاتلوں کو گرفتار کر کے سزا نہ دی، تو اربابِ حکومت مؤاخذہ سے نہ بچ پائیں گے۔

گذشتہ ۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ کو جب محدث کبیر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا تو ''بینات'' میں مولانا مرحوم نے اپنے ادارتی مضمون میں لکھا تھا، موت کوئی اچنبھا چیز نہیں ہے کہ اس پر حیرت وتعجب کا اظہار کیا جائے، یہ سنت بنی آدم ہے، یہاں کا آنا جانے کی تمہید ہے، یہاں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے، مگر بعض جانے والے کچھ اس شان سے جاتے ہیں کہ پورے عالم کو سوگوار کر جاتے ہیں، ان کے جانے پر زمین وآسماں روتے ہیں، ان کی موت سے صرف ان کا خاندان ہی متأثر نہیں ہوتا؛ بلکہ دنیائے علم وعمل ان کی موت پر نوحہ کرتی ہے، مجلس علم وادب ویران ہو جاتی ہے، ان کی موت سے علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے، ان کے ذوق ومزاج تقویٰ وتدین اور عبادت و پاکیزگی کے تذکرے دیر تک رہتے ہیں، نظریں ان کی نظیر ومثال ڈھونڈتے عاجز آجاتی ہیں۔

(بینات ماہ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ)

مولانا مرحوم کی لکھی ہوئی یہ تحریر آج خود ان کے اوپر حرف بحرف صادق آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنی رضا ورضوان سے نوازے۔ (آمین)

مولانا مرحوم کا مختصر سوانحی خاکہ

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء ''عیسیٰ پور'' ضلع لدھیانہ میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کی والدہ ماجدہ شیر خوارگی ہی کے زمانہ میں انتقال فرما چکی تھیں، والد ماجد چودھری اللہ بخش صاحب مرحوم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ سے بیعت تھے۔

مولانا مرحوم نے قرآن کریم اپنے والد ماجد صاحب کے پیر بھائی جناب قاری ولی محمد

صاحب مرحوم سے پڑھا، اس کے بعد مختلف مدارس میں عربی کتابیں پڑھیں متوسطات کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے لئے جامعہ خیر المدارس ملتان میں داخلہ لیا اور یہاں چار سال رہ کر اپنی علمی پیاس کو بجھایا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد روشن والا ضلع لائل پور تشریف لے گئے، جہاں ابتدائی عربی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھائیں دو سال بعد ماموں کانجن (لائل پور) آ گئے اور وہاں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب ہوشیار پوری رحمۃ اللہ کی صحبت میں دس سال قیام فرمایا۔

۱۹۶۶ء میں ماہنامہ بینات کے مضامین کی تصحیح وغیرہ کے پیش نظر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نور اللہ مرقدہ نے آپ کو کراچی طلب فرمایا اور حکم فرمایا کہ ماموں کانجن سے ایک سال کی رخصت لے کر یہاں آ جاؤ، چنانچہ حکم کی تعمیل میں تشریف لے آئے اور سال بھر کراچی میں قیام فرمایا، پھر حضرت بنوری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بس اب یہیں قیام کرلو مگر بعض وجوہ کی بناء پر اس حکم کی تعمیل نہ ہوسکی، جب معذرت پیش کی تو فرمایا کہ کم از کم ہر ماہ دس دن بینات کے لئے دیا کرو، ماموں کانجن کے مدرسہ والوں نے اس شرط کو قبول نہ کیا، اس لئے مولانا مرحوم کو ماموں کانجن چھوڑنا پڑا، پھر آپ جامعہ رشیدیہ ساہیوال تشریف لے آئے، یہاں کے ناظم اعلیٰ مولانا حبیب اللہ رشیدی مرحوم نے اس شرط کو قبول فرمالیا، اور آپ ہر ماہ دس دن کے لئے کراچی تشریف لاتے رہے۔

۱۹۷۴ء میں جب حضرت اقدس بنوری علیہ الرحمہ ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے صدر بنے، تو آپ نے مولانا مرحوم کو مجلس کے مرکزی دفتر ملتان بلالیا، مہینہ میں بیس دن آپ ملتان رہتے اور دس دن کراچی میں گزارتے۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء حضرت بنوری علیہ الرحمۃ کی وفات تک یہی سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد مستقل طور پر آپ کراچی منتقل ہو گئے، جہاں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں تدریس حدیث شریف کے ساتھ ساتھ ''بینات'' کی ادارت فرماتے رہے، بینات کے علاوہ ہفت روزہ ختم نبوت ''ماہنامہ اقراء'' کا اسلامی صفحہ اور روزنامہ جنگ میں ''آپ کے مسائل اور ان کے حل'' کے نام سے چھپنے والے بے شمار مضامین ومسائل آپ کے قلم کے بہترین شاہکار ہیں۔

بیعت وسلوک میں آپ نے مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا، ۱۹۷۰ء میں آپ کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی علیہ الرحمہ سے رجوع کیا اور حضرت شیخ نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا، حضرت شیخ کے علاوہ عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی نوراللہ مرقدہ نے بھی سند اجازت وخلافت عطاء فرمائی۔ (اختصار از: آپ کے مسائل اور اُن کا حل ج/۱)

مولانا مرحوم اور دارالعلوم دیوبند

مولانا مرحوم کو دارالعلوم دیوبند اور اکابرین سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی، آپ اکابر علماء دیوبند کے حقیقی جانشین، ان کے علوم ومعارف کے پاسبان اور ان کی روایات کے امین تھے۔ حق پر مضبوطی سے قائم رہنا اور باطل کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے رہنا آپ نے اکابرین دارالعلوم ہی سے سیکھا تھا، قصر نبوت پر ڈاکہ زنی کرنے والے مرزائی ٹولے کے خلاف آپ کے نوک قلم سے نکلنے والے بے شمار مضامین اور دو درجن سے زائد وقیع رسائل تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں اسی سوز اور تڑپ کا نتیجہ ہیں جو آپ کو حضرت بنوری علیہ الرحمہ سے وراثت میں ملی تھی۔

مجھے تو اس وقت مولانا مرحوم کی وہ یادگار تحریر ذکر کرنی ہے، جو انہوں نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے تعارف میں لکھی ہے:

''دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کو کیا دیا؟ اس پر بہت سے حضرات بہت کچھ لکھیں گے مجھے صرف اس قدر کہنا ہے کہ تجدید احیاء دین کی جو تحریک گیارہویں صدی سے ہندوستان کو منتقل ہوئی تھی اور اپنے اپنے دور میں مجدد الف ثانیؒ، محدث دہلویؒ اور شہید بالاکوٹؒ جس امانت کے حامل تھے، دارالعلوم اس وراثت وامانت کا حامل تھا، لوگ ''مدرسہ عربی دیوبند'' کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں، کوئی اسے علوم اسلامیہ کی یونیورسٹی سمجھتا ہے، کوئی جہاد حریت کی تربیت گاہ اسے قرار دیتا ہے، کوئی اسے دعوت وعزیمت اور سلوک وتصوف کا مرکز سمجھتا ہے؛ لیکن میں حضرت حاجی صاحبؒ (حاجی امداداللہ صاحبؒ) کے لفظوں میں اسے بقاء اسلام اور تحفظ دین کا ذریعہ سمجھتا ہوں''۔

دوسرے لفظوں میں آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں، مجددین امت کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا دارالعلوم دیوبند اپنے دور کے لئے مجددین امت کی تربیت گاہ تھی، یہیں سے مجدد اسلام حکیم الامت تھانویؒ نکلے، اسی سے دعوت وتبلیغ کی تجدیدی تحریک ابھری، جس کی شاخیں چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں یہیں سے محدثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین کی کھیپ تیار ہوئی مختصر یہ کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ نابغہ روزگار شخصیتیں تیار کیں، بلکہ اسلام کی ہمہ پہلو تجدید واحیاء کے لئے عظیم الشان اداروں کو جنم دیا، اس لئے دارالعلوم کو اگر تجدید اور احیاء دین کی یونیورسٹی کا نام دیا جائے تو شاید یہ اس کی خدمات کا صحیح عنوان ہوگا''۔ (الرشید، دارالعلوم نمبر ۶۶۷)

ہم نے اور ہم جیسے بہت سے طلبہ نے مولانا مرحوم کی زیارت نہیں کی تھی مگر آپ کے مضامین پڑھ کر ایک قلبی ربط وتعلق پیدا ہوگیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند میں آپ کی اچانک وفات کی خبر پہنچی تو پوری فضاء سوگوار ہوگئی، ہر طالب علم کے چہرہ سے رنج والم کے آثار نمایاں ہونے لگے، دارالحدیث تحتانی کے بابرکت ہال میں تمام حضرات اساتذۂ کرام اور طلبہ جمع ہوئے، سوالاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا گیا، کئی کئی قرآن کریم ختم کئے گئے، اور مرحوم کی بلندی درجات کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔ تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری اُستاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اجمالی ذکر کیا، ردقادیانیت کے سلسلہ میں آپ کی بیش بہا خدمات کو سراہا۔ بعد ازاں حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث (ثانی) دارالعلوم دیوبند نے مولانا مرحوم سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے اوصافِ جمیلہ سے سامعین کو روشناس کرایا اور بلندی درجات کے لئے دعاء کی۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۰ء)

مجاہد آزادی

حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب نوریؒ

جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے نائب مہتمم، مشہور مجاہد آزادی، متصلب عالم دین اور مسلمانوں کے بے باک رہنما حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب نوری مورخہ ۲۶؍صفر ۱۴۲۱ھ کو رات میں دس بجے اکیاسی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم مشرقی یوپی کے انتہائی قابل قدر اور مخلص دینی رہنما تھے۔ آپ نے بہرائچ کو مرکز بنا کر نیپال سے ملے ہوئے سرحدی علاقوں میں گراں قدر دینی خدمات انجام دیں، جگہ جگہ مکاتب و مدارس قائم کئے اور علماء حق کے مسلک کے تحفظ کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ شرک و بدعات کی بیخ کنی میں اور مسلک حق کے تحفظ میں آپکی جرأت و بے باکی ضرب المثل تھی۔ اس سلسلے میں سینکڑوں مناظرے بھی کئے اور اپنے رفیق گرامی حضرت مولانا سلامت اللہ صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ نور العلوم کے ساتھ مل کر ہر مناظرے میں باطل کو شکست سے دوچار کیا، آپکے کامیاب ترین مناظروں میں بدعتیوں سے ''دھانے پور'' کا مناظرہ بہت مشہور ہے۔ جس میں آپ نے مولوی حشمت علی کو لاجواب کر کے میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مولانا مرحوم حق کے اظہار میں انتہائی جری واقع ہوئے تھے کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے اور جس موقف کو حق سمجھتے اس پر مضبوطی سے جمے رہتے۔

آپ کے آباء واجداد انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد قصبہ پلہر ضلع شاہجہاں پور سے ہجرت کر کے قصبہ فخر پور ضلع بہرائچ میں آباد ہو گئے تھے۔ یہیں مولانا مرحوم کی ولادت ۱۹۱۹ء میں

ہوئی۔ابتدائی تعلیم جامعہ نورالعلوم بہرائچ میں حاصل کی اوریہیں سے مشکوٰۃ شریف پڑھ کر فارغ ہوئے۔آپ کے اساتذہ میں بانی جامعہ حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی اورشیخ الحدیث حضرت مولانا حمیدالدین صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔۱۹۴۱ء میں باقاعدہ جنگ آزادی میں شریک ہوئے گاندھی جی کی ستیہ گرہ اور۱۹۴۲ء کے''ہندوستان چھوڑو''آندولن میں مردانہ وارحصہ لیکر کئی سال قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں آپ شہید بھگت سنگھ کی انقلابی پارٹی کے بھی ممبر تھے ایک مرتبہ انگریز حکومت کے وارنٹ گرفتاری سے بچنے کے لئے نیپال میں کچھ دنوں جلاوطنی کی زندگی بھی گذاری۔آپ جمعیۃ علماء کے انتہائی اہم رکن تھے۔برسوں تک جمعیۃ علماء اترپردیش کے نائب صدر کے عہدہ پر رہ کر ملی ودینی خدمت انجام دی۔حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ اوران کے خانوادہ سے آپ کو دلی عقیدت تھی۔بالخصوص صدرمحترم حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہٗ سے گہرے مراسم تھے۔

۱۹۵۸ء میں آپ جامعہ نورالعلوم کے نائب مہتمم بنائے گئے،اورتادم واپسیں اسی منصب پر فائز رہ کر جامعہ کی ہرنوع کی ترقی میں مستعدرہے۔آپ کئی سال سے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا تھے۔رفتہ رفتہ صحت کمزور ہوتی جارہی تھی۔بالآخر ۲۶-۲۷؍صفر کی درمیانی شب میں وقت موعود آپہونچا۔اورآپ اپنے بے شمار شاگردوں اورمتعلقین کو غمزدہ چھوڑ کر بارگاہ ایزدی کے حضور پہنچ گئے۔

دعا ہے کہ اللہ آپ کو درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے اورآپ کی خدمات کا دارین میں بہتر صلہ عطا فرمائے۔آمین

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۰ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا احمد علی صاحب آسامیؒ
خلیفہ اجل حضرت مدنیؒ

(ولادت: ۱۹۱۵ء وفات: ۱۱؍جون ۲۰۰۰ء)

آسام کے مشہور ترین بزرگ اور پرفیض شخصیت، عالم ربانی، دارالعلوم بانسکنڈی کے شیخ الحدیث، مشرقی صوبوں کے امیر شریعت اور جمعیۃ علماء آسام کے صدر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۸؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کو طویل علالت کے بعد بمبئی کے ایک اسپتال میں رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ مشرقی ہندوستان کے انتہائی پراثر، بافیض اور ہمہ گیر خدمات کے حامل بزرگ تھے۔ آپ کی شان بیان کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کو بانسکنڈی کے مدرسہ میں بھیجتے وقت آپ کے استاذ محترم اور شیخ کامل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مدرسہ کی انتظامیہ کو آپ کے تقرر کی ترغیب دیتے ہوئے جو گرامی نامہ لکھا تھا، اس میں یہ الفاظ بھی تھے کہ:

''ان جیسا آدمی لائق اور متقی اگر چراغ لے کر ڈھونڈیں گے تو بھی نہیں ملے گا''۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی فراست ایمانی سے آپ کے بارے میں جو رائے ابتداء میں قائم فرمادی تھی، آپ کی پوری زندگی، اس کی مصداق ہی بنی رہی اور نہ صرف تعلیمی وتدریسی؛

بلکہ جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے وہ زبردست قومی وملی خدمات انجام دیں، جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

آپ کی پیدائش ضلع کریم گنج آسام کے قصبہ بدر پور میں ۱۹۱۵ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم محلّہ کے مکتب میں حاصل کی پھر بدر پور کے سینٹر مدرسہ میں داخل ہوکر حضرت مولانا مصدر علی صاحب جو حضرت مولانا انور شاہؒ صاحب کے خاص شاگرد تھے، ان سے تلمذ کا شرف حاصل کیا، متوسط تعلیم کے بعد سلہٹ کے مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ جہاں حضرت مولانا سید زماں صاحب پشاوری اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ہزاروی کی شاگردی اختیار کی۔ سلہٹ میں پہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے؛ لیکن کچھ بیماری اور بعض اعذار کی وجہ سے وہاں سے واپس تشریف لے گئے اور دس سال تک سلسلۂ تعلیم منقطع رہا، پھر دوبارہ داخلہ لے کر ۱۹۵۰ء میں دورۂ حدیث شریف سے ۱۹۵۱ء میں دورۂ تفسیر سے فراغت حاصل کی۔

۱۹۵۵ء سے تادم وفات یعنی ۴۵ سال تک مسلسل آپ نے دارالعلوم بانسکنڈی میں قیام فرماکر دینی وعلمی خدمات انجام دیں۔

۱۹۹۴ء میں آپ کو میراباڑی کی ایک زبردست کانفرنس میں مشرقی ہندوستان کے سات صوبوں کا امیر شریعت منتخب کیا گیا، مشرقی ہندوستان میں آپ کے مریدومتوسلین کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ اس علاقہ میں آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا بظاہر پر ہونا مشکل ہے اور اس حادثہ پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارہ کو مولانا مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے۔ اور ان کے فیض کو جاری وساری رکھے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۰)

حضرت مولانا جلیل احمد صاحب سیوہارویؒ

جمعیۃ علماء اتر پردیش کے سابق صدر، مدرسہ شاہی کے رکن رکین اور معروف قومی رہنما، حضرت مولانا جلیل احمد صاحب سیوہاروی مؤرخہ ۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ بروز جمعہ نماز جمعہ سے قبل طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مغرب کے بعد حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی اور شاہی مسجد سیوہارہ کے قریب مدفون ہوئے۔

مولانا موصوف بڑے دین دار، صاحب اثر، اور باکردار لوگوں میں سے تھے۔ عرصۂ دراز تک جمعیۃ علماء اتر پردیش کے صدر رہے، اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سمیت متعدد دینی وعصری اداروں کے رکن رکین تھے، آپ کے والد ماجد مولانا بشیر احمد بھٹہ صاحب بھی جمعیۃ علماء کے سرگرم قائدین میں تھے، اکابر علماء سے نیاز مندانہ ربط تھا۔ اور ملک وملت کی خدمت کے لیے ہمہ تن مستعد رہنے والے لوگوں میں تھے۔ مولانا جلیل احمد صاحب مرحوم اگرچہ سالوں سے صاحب فراش تھے؛ لیکن گذشتہ ۷-۸؍ مہینے پیر کی شدید تکلیف میں گذارے، کافی دنوں مرادآباد اور میرٹھ کے اسپتالوں میں رہے؛ لیکن سکون نہیں ہوا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۰ء)

حضرت امیر الہند مدظلہ کی اہلیہ محترمہ

جوار رحمت میں

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی اہلیہ محترمہ، مہتمم جامعہ حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ کی ہمشیرہ مکرمہ اور مولانا محمود مدنی وغیرہم کی والدہ ماجدہ مؤرخہ ۲۲؍جمادی الاولی ۱۴۲۱ء بروز بدھ فجر کے وقت ۶۵؍سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جاملیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ انتہائی خلیق، دین دار اور صابرہ وشاکرہ خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے وسعت کے ساتھ دل دردمند سے نوازا تھا، آپ نے ایسے گھر میں زندگی گزاری، جہاں مہمانوں کی خدمت سب سے بڑا مشغلہ ہے۔ آپ نے یہ ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی، اور ہر موڑ پر اپنے شوہر نامدار کو راحت پہنچانے میں لگی رہیں۔ موصوفہ بڑی نرم دل تھیں، آخرت کا تذکرہ آتا تو اشک بار ہوجاتیں، دینی کتابیں، وعظ ونصیحت کے مضامین اور اولیاء کرام کی سوانح حیات اکثر مطالعہ میں رکھتیں۔

مرحومہ سالوں سے قلب اور سانس کی بیماریوں میں مبتلا تھیں؛ لیکن ہر تکلیف کو کمالِ صبر کے ساتھ برداشت کرتی رہیں، اور جہاں تکلیف میں کمی ہوئی، سارے معمولات حسبِ معمول شروع ہوجاتے؛ لیکن پچیس روز قبل اچانک سانس میں شدید تکلیف ہوئی اور پھیپھڑوں نے کام کرنا چھوڑ دیا، اعلیٰ سے اعلیٰ علاج میں کوئی دریغ نہیں کیا گیا، اس دوران اگرچہ حضرت امیر الہند مدظلہ العالی انگلینڈ اور امریکہ کے دعوتی سفر پر تھے؛ لیکن ان کی غیر موجودگی میں صاحب زادگان

بالخصوص مولانا محمود مدنی زید کرمہٗ نے جس جانفشانی کے ساتھ والدہ محترمہ کے علاج میں جد وجہد کی وہ انتہائی قابل تحسین ہے؛ تاہم اخیر میں حالت مزید بگڑ گئی، اور مقررہ وقت پر اللہ کے دربار میں حاضری سے کوئی چیز روک نہ سکی۔ میت دہلی سے دیوبند لائی گئی، اور ظہر کی نماز کے بعد احاطۂ دارالعلوم دیوبند میں ہزارہا افراد نے حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کی اقتداء میں موصوفہ کی نماز جنازہ ادا کی، اور مزار قاسمی میں اپنے والد مرحوم کے قدموں میں تدفین عمل میں آئی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے، آمین۔ اس وقت پورا خانوادۂ مدنی سوگوار ہے۔

اِدارہ ندائے شاہی بالخصوص امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہٗ، حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ، اور مولانا محمود مدنی، وصاحب زادگان اور سبھی اہل خاندان سے تعزیت کرتے ہوئے تمام قارئین ومتعلقین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ مرحومہ کے لیے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۰ء)

حضرت مولانا قاری مشتاق احمد صاحب برنیؒ

ازقلم: مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری اُستاد ومفتی جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ

اس عالم رنگ بو میں انسانوں کا مرنا اور جینا کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں ہے۔ روزانہ ہی بے شمار انسان مرتے ہیں اور خاک ارض ان کو ہضم کر جاتی ہے اور ان کی موت پر کوئی کف افسوس ملنے والا بھی نہیں ہوتا لیکن پروردگار عالم نے اس عالم میں بعض ایسی عظیم المرتبت شخصیات بھی پیدا فرمائی ہیں جن کی وفات ہزاروں انسانوں کو سوگ وار بنا دیتی ہے انہی خوش نصیب اور صاحب سعادت لوگوں میں حضرت مولانا قاری مشتاق احمد صاحب نور اللہ مرقدہ' سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی اہم شخصیت بھی ہے جن کے مختصر حالات زندگی درج ذیل ہیں:

نام ونسب اور ولادت

اصل نام مشتاق احمد والد کا نام حکیم بشیر احمد ساکن املیا ضلع بلندشہر یوپی ولادت ۱۴/ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۷ء بروز دوشنبہ۔

آغاز تعلیم

آپ کی تربیت اپنے آبائی گاؤں میں ہوئی، اور ہوشیار ہونے کے بعد نورانی قاعدہ سے آپ کی تعلیم کا آغاز املیا ہی میں ہوا اس کے بعد تقریباً آٹھ سال کی عمر میں جون/۱۹۳۵ء کو آپ اپنے والدین کے ہمراہ جبل پور مدھیہ پردیش تشریف لے گئے اور جاتے ہی درجہ ۳/ میں داخل ہو گیے اور اول نمبر سے پاس ہوئے اس کے بعد درجہ چار پاس کیا۔ والد محترم آپ کو انگریزی تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن والدہ محترمہ کا اصرار اور آپ کا طبعی ذوق قرآن کریم حفظ کرنے کا تھا

چنانچہ والد محترم نے آپ کے طبعی ذوق اور والدہ محترمہ کے اصرار کی رعایت کرتے ہوئے آپ کو حفظ کرانا شروع کرا دیا۔

جبل پور سے بلند شہر منتقلی

پونے تیرہ پارہ جبل پور میں حفظ کرنے کے بعد آپ بلند شہر منتقل ہوگئے اور حافظ عبدالرحمٰن کی خدمت میں رہ کر حفظ مکمل کیا، ۱۹۳۹ء میں بارہ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کی۔

عربی و فارسی کی تعلیم کا آغاز

حفظِ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ نے مدرسہ قاسمیہ کالی مسجد بلند شہر میں داخلہ لیا اور جناب مولانا حشمت علی مرحوم سے فارسی کی تعلیم شروع کی اور مشکوٰۃ شریف جلالین شریف تک تمام ہی کتابیں آپ نے مولانا مرحوم سے پڑھیں اور اعلیٰ نمبرات حاصل کیے آپ کا قیام مدرسہ قاسمیہ بلند شہر میں ۱۹۴۶ء تک رہا۔

دار العلوم میں داخلہ اور فراغت

۱۹۴۶ء ہی میں ۲۰/شوال ۱۳۶۵ھ کو آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دوبارہ مشکوٰۃ شریف، ملاحسن، میبذی اور شرح عقائد وغیرہ کتب اور تجوید حفص کا کورس مکمل کیا، اس کے بعد آئندہ سال ملک تقسیم ہوگیا اور راستوں کے مخدوش ہونے کی وجہ سے تین ماہ گھر ہی پر قیام رہا اور ۲۷/محرم الحرام ۱۳۶۷ھ کو پھر دار العلوم پہنچے جس کی وجہ سے دورۂ حدیث کی اہم مباحث چھوٹ گئی، اس وجہ سے اساتذۂ کرام کے مشورہ سے دورۂ حدیث کے بجائے حماسہ، ہدایہ اخیرین بیضاوی شریف سورہ بقرہ اسباق تجویز ہوئے اور قرآت سبعہ کا نصاب مکمل کیا پھر اس کے بعد شوال ۱۳۶۷/ء تا شعبان ۱۳۶۷/ھ آپ نے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی ساتھ ہی قرأت سبعہ میں قرآن کریم کا اجراء مکمل کیا، دورۂ حدیث شریف کے بعد ایک سال طب کی کتابیں پڑھیں اور اس کے ساتھ ہی دیوان متنبّی، حسامی اور قرأت عشرہ پڑھی۔

خصوصی اساتذۂ کرام

دارالعلوم میں رہ کر علوم نبوت کے جن درخشندہ ستاروں سے آپ نے اکتساب فیض کیا ان میں سرفہرست شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا اسم گرامی ہے اور دوسری عظیم شخصیت شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کی ذات گرامی ہے اس کے علاوہ مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ مرادآبادی، مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، مولانا محمد عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ، مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ، مولانا شریف احمد صاحبؒ، مولانا عبدالخالق صاحب ملتانیؒ، مولانا معراج الحق صاحبؒ صدیقی دیوبندی، میاں جی اختر حسین صاحبؒ، حکیم محمد عمر صاحب بھی آپ کے اساتذہ کرام میں سے ہیں۔

خصوصی رفقاء درس

آپ کے رفقاء درس میں سب سے اہم شخصیت امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی ذات گرامی ہے اس کے علاوہ حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مہتمم جامعہ عربیہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارنپور، محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی استاذ تخصص فی الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا محمد عثمان غنی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بستوی مقیم حال مدینہ منورہ جیسی نابغہ روزگار شخصیات آپ کے ساتھ درس میں شامل تھیں۔

درس وتدریس کا آغاز

فراغت کے بعد چار ماہ کا وقت آپ نے تبلیغی جماعت میں لگایا اس کے بعد اکابرین دارالعلوم کے مشورہ سے حضرت مولانا سید حمید الدین صاحبؒ کی طلب پر مدرسہ منبع العلوم جامع مسجد

گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں عربی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوگیا اور ڈیڑھ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتب آپ کے زیر تدریس رہیں مدرسہ منبع العلوم میں آپ کا قیام ۳۰ر شوال ۱۳۷۱ھ تک رہا۔

جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تقرر

یکم ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۴ر جولائی ۱۹۵۲ء کو آپ خادم الاسلام تشریف لے آئے۔ آپ روز اول ہی سے جامعہ کے کامیاب مدرس، ناظم تعلیمات اور صدر المدرسین رہے۔ ۱۹۷۶ء میں جب آپ جامعہ میں دورہ حدیث کا آغاز ہوا تو آپ ہی کو شیخ الحدیث منتخب کیا گیا اور بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق کیا گیا عرصۂ دراز تک آپ بخاری شریف کی دونوں جلدوں کا درس دیتے رہے آخری عمر میں بوجہ علالت طبع بخاری جلد ثانی کا درس مولانا قاری محمد اصغر صاحب سے متعلق کیا گیا۔

اور زندگی کے آخری لمحات میں قاری محمد اصغر صاحب ہی دونوں جلدیں پڑھانے لگے قاری صاحب کے دور میں جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ کو تعلیمی وتعمیری ہمہ جہتی ترقی حاصل ہوئی۔ مہتمم جامعہ مولانا ناظر حسین صاحب اور قاری صاحب دونوں ہی بزرگ یک جاں ودو قالب ہوکر جامعہ کی ترقی کے لئے برابر کوشاں رہے۔ آپ مالیہ کی فراہمی اور جامعہ کے تعارف کے لئے ملک کے طول وعرض میں کثرت سے اسفار فرماتے۔ پاکستان، برطانیہ، اور ریاض کے دعوتی اسفار بھی فرمائے، آپ کے ممتاز تلامذہ کی طویل فہرست ہے جس کو صفحہ قرطاس پر لانا دشوار اور باعث طوالت ہے۔

آپ کے تلامذہ ممتاز عربی درسگاہوں میں دین متین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں جو بلاشبہ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں آپ نے اپنی حیات مستعار کی نصف صدی جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی خدمت، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، وعظ ونصیحت میں صرف فرمادی آپ کو آپ کے معاصرین مجسم جلسہ کہا کرتے تھے۔ آپ کا حافظہ کمال کا تھا درسی وغیر درسی کتابوں پر آپ کو عبور تھا، قرآن کریم سے آپ کو خصوصی تعلق اور شغف تھا، روزانہ بلا ناغہ قرآن کریم کی تلاوت کے عادی تھے، آپ بہت اچھے شاعر تھے، فی البدیہہ اشعار کہنے میں آپ کو کمال حاصل

تھا، تاریخ ولادت، تاریخ وفات کو اشعار میں نظم کرنے میں آپ کو خصوصی درک تھا، ع، خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

ملی اور سماجی خدمات

(۱) آپ متعدد دینی درس گاہوں اور مدارس دینیہ کے سرپرست اور رکن شوری تھے۔

(۲) صدسالہ اجلاس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں حالات ناگفتہ بہ ہوئے، جس کے نتیجہ میں مؤتمر ابناء دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، آپ کو اس تمر کا نائب صدر منتخب کیا گیا۔

(۳) ۱۹۶۳ھ میں مولانا ناظر حسین صاحب نے مظلوم وستم رسیدہ عورتوں کی گلوخلاصی کے لئے عدالت شرعیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا، پھر ۱۹۶۵ء جمعیۃ علماء ہند کی ہدایت پر اس ادارہ کا نام شرعی پنچایت، پھر ۱۹۸۶ء میں امارت شرعیہ ہند کے قیام کے بعد اس ادارہ کا نام محکمہ شرعیہ تجویز ہوا، آپ اس ادارہ کے روز اول سے رکن رکین رہے، ۱۹۷۵ء میں مولانا حسن صاحب چاندپوری سابق استاذ جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے بعد آپ کو شرعی پنچایت کا قاضی منتخب کیا گیا، آپ ہی تمام مقدمات کے فیصلے فرمایا کرتے تھے، زندگی کے آخری لمحات تک آپ اس ادراہ سے وابستہ رہے۔

(۴) بابری مسجد کی شہادت کے بعد قاری صاحب کو جمعیۃ علماء شہر ہاپوڑ کا صدر منتخب کیا گیا، آپ کے دور صدارت میں جمعیۃ علماء کو حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ آپ ہی کے دور صدارت میں جمعیۃ کا دارالشفاء قائم ہوا، جو آج مدنی دارالشفاء کے نام سے باشندگان ہاپوڑ کی بلا امتیاز مذہب وملت بے لوث خدمت میں مصروف ہے۔ اس کے علاوہ مسلم فنڈ ہاپوڑ اور جامع مسجد شہر ہاپوڑ کی تعمیر وتوسیع میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔

الغرض خدا تعالیٰ نے آپ کو بے شمار صفات حمیدہ اور خوبیوں کا حامل بنایا تھا۔

علالت اور وفات

آپ کو سب سے پہلے ۱۹۹۱ء میں دل کا دورہ پڑا اور بترا اسپتال دہلی میں آپ کا علاج کرایا گیا، آپ ماشاء اللہ صحت یاب ہوگئے، پھر ریاض کا سفر بھی کیا اور ریاض پہنچ کر آپ کی

طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، آپ واپس آگئے، پھر وقفہ وقفہ سے آپ صحت یاب اور بیمار ہوتے رہے، صحت یابی کے زمانہ میں آپ مدرسہ کی ذمہ داری معمول کے مطابق انجام دیتے رہے۔ آخری مرتبہ آپ تقریباً پونے دوسال بیمار رہے اور آپ صحت یاب نہ ہوسکے، بالآخر ملک الموت صبح صادق سے قبل تہجد کے وقت ۸/شوال ۱۴۲۱ھ شب جمعرات میں آپ کے پاس پہنچ ہی گیا، اور آپ کی روح کو قفس عنصری سے نکال کر چلا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صبح ہوتے ہی مشتاقانِ زیارت جوق در جوق آنے لگے چند ہی گھنٹوں میں پورا شہر اور اطراف وجوانب کے لوگ قاری صاحب کے مکان پر اور جامعہ کے اندر جمع ہوگئے۔ نماز جنازہ بعد نماز ظہر جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی جدید عمارت کے وسیع صحن میں حضرت قاری صاحب کے رفیق درس امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ نے پڑھائی۔ آپ کی نماز میں مولانا سید ارشد مدنی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، مولانا بلال اصغر صاحب استاد دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی استاد دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمود حسن صاحب استاد دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد یعقوب صاحب مرکز نظام الدین کے علاوہ علاقہ کے مدارس کے ذمہ داران اور ہزاروں کی تعداد میں عامۃ المسلمین موجود تھے۔ نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو جامعہ کے قریبی قبرستان محلّہ کریم پورہ بلندشہر روڈ لے جایا گیا اور وہاں آپ کی تدفین عمل میں آئی، اور آپ ہمیشہ کے لئے آسودہ خواب ہوگئے۔

پس ماندگان

آپ کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ تین صاحب زادگان، محمد سالم، قاری محمد عاصم، محمد غانم، صاحبزادیاں، نواسے، نواسیاں، پوتے پوتیاں ہیں ثانی الذکر صاحبزادہ جامعہ میں استاد ہیں اور جامع مسجد شہر ہاپوڑ کے امام ہیں، ماشاء اللہ، خوش اخلاق، اور باوضع آدمی ہیں۔ آپ اپنے والد کے نقش کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سبھی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور قاری صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین۔ (ندائے شاہی جون ۲۰۰۱ء)

❍❖❍

گوشۂ رشید الدینؒ

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد و صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش

(ولادت: ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ء وفات: ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۰ء)

دم بخود ہیں اہل محفل

شمع محفل بجھ گئی

(بروفات : حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہٗ)

موت سے کسی کو رستگاری نہیں، جب انبیاء علیہم السلام جیسے مقربین بارگاہ ایزدی کو دنیا میں دوام نصیب نہ ہوا تو پھر دوسروں کی تو حیثیت ہی کیا ہے یہاں تو جو آیا ہے بہر حال جا کر رہے گا؛ لیکن جانے والے کئی طرح کے ہوتے ہیں، کوئی جاتا ہے تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی بس گھر والے اور قریبی متعلقین اسے آخری آرامگاہ تک چھوڑ آتے ہیں مگر کوئی اس شان سے دنیا سے جاتا ہے کہ ایک عالم اس کی جدائی پر بے چین ہو جاتا ہے. گویا ایک سایہ یکا یک اٹھ گیا ہو یا خیر کا دروازہ اچانک بند ہو گیا ہو۔ کچھ ایسی ہی شان سے ہمارے مشفق و مربی، سرپرست اور رہنما، مہتمم اور قائد حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ نے بھی سفر آخرت اختیار کیا ہے۔ آج ندائے شاہی اپنے سرپرست سے محروم ہے۔ مدرسہ شاہی اپنے مہتمم کی جدائی پر تصویر حیرت بنا ہوا ہے، جمعیۃ علماء یوپی کا منصب صدارت غمگین ہے، بے شمار سالکین معرفت کی نگاہیں اپنے مرشد کو ڈھونڈ رہی ہیں، مگر وہ سب کو چھوڑ کر اپنے رب حقیقی سے اس مقدس جگہ وصال کا شرف حاصل کر چکا ہے، جس جگہ وصال ہونے کی دولت اور نعمت عاشقان نبوت اور محبین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ساری کائنات کی دولتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور جس جگہ روح و جان کو نچھاور کرنا عین سرمایۂ سعادت اور علامت قبولیت ہے۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے

جہاں دفن ہونے کی خواہش ہر مسلمان کے دل میں ہے اور جہاں پیوند زمین ہوکر محبوب کے قدموں میں پڑے رہنا ہی اہل دل کی زندگی کا ماحصل ہے۔

غروب ہوگا کسی دن حیات کا سورج
خدا کرے کہ مدینہ میں ایسی شام آئے

راقم الحروف کو کم وبیش ۱۲ رسال حضرت مرحوم کے زیر سرپرستی خدمت کا موقع ملا۔ اس پورے عرصہ میں حضرت نے حوصلہ افزائی اور قدردانی میں کبھی کسر نہ اٹھا رکھی؛ بلکہ ہر ہر چیز پر نظر رکھ کر بھرپور انداز میں سرپرستی فرمائی۔ مفید مشوروں کو قبول کیا، اچھی باتوں کی رہنمائی کی اور ساتھ میں (اس قرب کے باوجود) اگر کوئی بے اُصولی سرزد ہوئی تو اس پر مناسب تنبیہ فرمائی۔ ندائے شاہی کی ترقی اور اُس کے ذریعہ ملت کی اصلاح کی کوشش سے آپ کو حد سے زیادہ دلچسپی تھی۔ رسالہ کی ہر ہر چیز حتی کہ رجسٹر ممبران تک کو موقع بموقع خود ملاحظہ فرماتے، رسالہ کے معیار کو بڑھانے کے لئے مشاورتی بورڈ کی مجالس میں جائزہ لیا جاتا، اور رسالہ کے مفاد میں مناسب فیصلے لئے جاتے۔ یہ آپ کی توجہ کا ثمرہ ہے کہ آج ''ندائے شاہی'' کا حلقۂ ممبران ہزاروں میں ہے اور اکثر ممبران سے سالانہ زرتعاون وصول ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اس وقت بحمدہ تعالیٰ رسالہ ''ندائے شاہی'' اپنے سالانہ خرچ کا خود ہی متحمل ہے اور مدرسہ کی دیگر مدوں کا روپیہ اس میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، فالحمدللہ تعالیٰ۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرت والا کی ایسی دلچسپی اور کامل توجہ رسالہ کو میسر نہ آتی تو ندائے شاہی کو ایسی ترقی حاصل ہونا مشکل تھا۔ ندائے شاہی میں حضرت والا کے دو سلسلۂ مضامین قسط وار شائع ہوکر اس کی زینت بنے، جو بعد میں ضخیم کتابوں کی شکل میں بفضلہٖ تعالیٰ شائع ہوکر مقبول ہوئے۔ ایک حضرت ''شیخ الاسلام واقعات وکرامات کی روشنی میں'' اور دوسرے ''معارف وحقائق'' جو مکتوبات شیخ الاسلام سے حسن انتخاب

کا خوب صورت سلسلہ ہے۔ اخیر میں آپ نے ''درس حدیث'' کا سلسلہ شروع فرمایا تھا، جو چند ہی شماروں میں شائع ہوسکا۔

حضرت والا کا درس وتدریس سے اگر چہ زیادہ واسطہ نہیں رہا؛ لیکن انتظامی امور میں لگے رہنے کے باوجود آپ نے مطالعہ اور تحریر کے ذریعہ اپنے علم کو باقی رکھا، حضرات اکابر کے حالات اور تفسیر قرآن کریم سے آپ کو خصوصی شغف تھا، ''معارف القرآن'' کا ترتیب کے ساتھ مطالعہ فرماتے، دوران گفتگو کئی مرتبہ اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ترجمہ ''شیخ الہند'' اور ''فوائد عثمانی'' کو از سر نو نئے عنوانات سے مزین کر کے مرتب کیا جائے؛ تا کہ عوام وخواص کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہو سکے۔

مدرسہ کی زندگی میں آپ کا زور سب سے زیادہ طلبہ واساتذہ کی تربیت پر رہتا تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ مدرسہ سے وابستہ ہر فرد بہترین کردار اور مثالی سیرت کا حامل ہو، تربیت میں کوتاہی آپ کو سخت ناگوار گذرتی، نماز باجماعت کے اہتمام اور طالب علم کے لباس اور تراش اور خراش پر گہری نظر رکھتے، طلبہ جب اپنے کسی معاملہ کی درخواست لے کر جاتے، تو وہیں اُن کی وضع قطع کا جائزہ بھی لیا جاتا، طالب علم کے داڑھی کتروانے سے آپ کو سخت تکدر ہوتا، اور اس کے مرتکب کسی بھی طالب علم کو ایک منٹ بھی مدرسہ میں رکھنا پسند نہ فرماتے، تعلیمی شعبہ جات کو آزادی سے ترقی اور معیار بلند کرنے کی ترغیب کے ساتھ آپ خود بھی اُن کی کارکردگی سے واقفیت کی کوشش کرتے۔ ''درجہ تحفیظ القرآن'' کی اصلاح پر آپ کی مکمل توجہ رہتی، کبھی کبھی حفظ کے طلبہ کو بلوا کر خود اُن کا امتحان لیتے اور کسی کوتاہی پر اُستاد کی گرفت فرماتے، آپ کی توجہات ونگرانی سے ان سب شعبہ جات میں کافی سدھار آیا، اور تعلیمی معیار میں بفضلہٖ تعالیٰ خاصا نکھار محسوس کیا جانے لگا۔

نظم وضبط کے ساتھ ساتھ افراد سے کام لینے کی بھی عمدہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ودیعت فرمائی تھی، خاموشی کے ساتھ متعلقہ افراد سے متعلقہ کام لیتے اور ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے بقدر فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے، ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے رعب بھی آپ کو خوب عطا فرمایا

تھا، آپ کا ماتحت ہر فرد اس بات سے خوف کرتا تھا کہ کہیں کوتاہی اور سستی پر آپ کی گرفت نہ ہو جائے، آپ کے اہتمام میں مدرسہ کے اندر اصول اور قانون سے بالاتر کوئی شخص نہیں تھا۔ ہر شخص کے ساتھ اُصولی معاملہ فرماتے، اہم تعلیمی وتربیتی معاملوں میں آپ اساتذۂ مدرسہ سے مشورہ لیتے، اور جو بات اجتماعی طور پر طے ہو جاتی اُس کو بہرصورت نافذ کرنے کی پابندی فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ طالب علم بھی اُصول شکنی نہیں کر پاتے تھے۔

شروع سے ہی آپ کو ملی وقومی معاملات سے گہری دلچسپی رہی، آنکھیں کھول کر آپ نے گھر میں جمعیۃ علماء اور اکابر دیوبند کا تذکرہ ہوتے سنا، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مجاہدانہ زندگی کا از خود مشاہدہ کیا، اور آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کی، آپ جہاں بھی رہے، جمعیۃ علماء سے وابستہ رہے؛ تا آں کہ ۱۹۹۶ء میں آپ کو جمعیۃ علماء صوبہ اتر پردیش کا صدر منتخب کیا گیا، اس وقت صوبائی جمعیۃ بڑے مالی بحران سے دوچار تھی، آپ نے صدارت قبول کر کے جماعت کی مشکلات کے حل کے لئے تگ ودو کی، اور پورے صوبہ میں جماعت کو متحرک کر دیا۔

سلوک ومعرفت کی راہ میں آپ نے شیخ المشائخ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے دامن فیض سے وابستگی کا شرف حاصل کیا، اور اپنے شیخ کی طرف سے مجاز بیعت ہونے کا اعزاز میسر آیا، پھر ملک وبیرون ملک کے بہت سے افراد آپ کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہو کر آپ کی روحانی ہدایات پر عمل پیرا ہوئے۔

بہرحال آپ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلاء پر ہوتا نظر نہیں آتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم سے متعلق اداروں کی پوری طرح حفاظت فرمائے، اور ان کی چھوڑی ہوئی عظیم امانتوں کا بحسن وخوبی تحمل کرنے کی سعادت سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۱ء)

’’بھائی جی‘‘ کی یاد

بھائی جی کا لقب شعور سنبھالنے کے بعد جب بھی کانوں میں پڑا تو اس کا مصداق ایک تو ’’بھائی جی سعید گنگوہیؒ‘‘ (نبیرہ امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) تھے جن سے خاندان کا بچہ بچہ اُن کی شفقت ومحبت کی بنا پر تعلق رکھتا تھا۔ بھائی جی کا معمول تھا کہ وہ بچوں کو دینے کے لئے اپنے کمرے میں کوئی نہ کوئی چیز (مونگ پھلی یا مرمرے) رکھا کرتے تھے اور جب کوئی بچہ ملنے جاتا تو مٹھی بھر کر اُس کے دامن میں ڈال دیتے۔ اور دوسری طرف ’’بھائی جی‘‘ کے لقب سے مشہور وہ پرکشش شخصیت تھی جو اپنے وقار وتمکنت میں شاہوں کے ہم پلہ اور رعب داب میں کسی بڑے حاکم کا نمونہ تھی، چھوٹے تو چھوٹے ان کے ہم عمر بھی ان سے گفتگو کرتے ہوئے احتیاط کرتے تھے؛ کیوں کہ اُن کی حاضر جوابی اور مخاطب کو خاموش کرنے کی صلاحیت ضرب المثل تھی، مشہور تھا کہ ان کی لفظی گرفت سے بچ نکلنا آسان نہیں۔ عام لوگوں میں ان کی شناخت مولانا رشید الدین حمیدی کے نام سے ہوتی تھی۔ ابھی ہم امروہہ میں زیر تعلیم تھے کہ ’’بھائی جی‘‘ مہتمم بن کر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے باوقار مسند اہتمام پر فائز ہو چکے تھے، اِس لئے امروہہ سے مرادآباد آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا، زمانہ برق رفتاری سے گذرتا رہا، ہم امروہہ سے دیوبند آ گئے۔ دارالعلوم کا آٹھ سالہ دور طالب علمی دیکھتے ہی دیکھتے گذر گیا، اس دوران بھائی جی کی دیوبند آمد پر شفقت آمیز ملاقاتیں ہوتیں۔ اخیر میں ایک مرتبہ ’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی جسے موصوف نے بکمال شفقت قبول فرمایا اور اجلاس میں شرکت کر کے ہم خدام کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ احقر ۱۴۱۰ھ میں ابھی دارالعلوم میں تدریب الافتاء کے آخری سال میں تھا کہ بھائی جی کی تحریک پر مدرسہ شاہی کی مجلس عاملہ نے مدرسہ کی

خدمت کے لئے نائب مفتی کی طور پر احقر کا تقرر طے کیا، چنانچہ حسب طلب ۱۱ر شوال ۱۴۱۰ھ کو احقر حاضر مدرسہ ہوگیا، اور اس طرح بھائی جی کی باقاعدہ سرپرستی میں وقت گذارنے کا آغاز ہوا۔ اس وقت خالہ امی صاحبہ باحیات تھیں، اُن کی شفقتیں بھی حد سے متجاوز تھیں۔ کچھ عرصہ تو گھر ہی کے مہمان خانہ میں قیام رہا، اُس کے بعد نیچے ایک مکان مل گیا، تقریباً ڈیڑھ سال (اپنے گھر والوں کے مرادآباد آنے) تک بھائی جی کی محبت اور خالہ امی صاحبہ کی شفقت کی بدولت کھانا برابر آپ کے گھر پر ہی کھاتا رہا، اور گھر کے ہر فرد کی طرف سے جس قدر و منزلت اور اپنائیت کا معاملہ کیا گیا، وہ نہایت قابل قدر اور باعث شکر ہے۔ ادھر بھائی جی کا معاملہ یہ تھا کہ اپنے ذاتی خطوط کے جوابات احقر کو لکھنے کے لئے دیتے۔ نیز ''ندائے شاہی'' کے ادارتی مضمون کی ذمہ داری آتے ہی احقر کے حوالے کردی، پھر رمضان المبارک میں شاہی مسجد میں تراویح سنانے پر بھی آپ ہی نے ازحد اصرار کیا، اور دینی فائدہ کے پیش نظر یہاں رکنے کا حکم فرمایا، جس کے بفضلہ تعالیٰ بعد میں اچھے نتائج سامنے آئے، اور یہ سلسلہ اب تک قائم ہے۔

معمولات کی پابندی

احقر جب مرادآباد آیا تو دارالطلبہ لالباغ کی مسجد زیر تعمیر تھی؛ لیکن نماز اس میں باقاعدہ شروع ہوچکی تھی، بھائی جی اس وقت زیادہ معذور نہیں تھے، اس لئے مشقت برداشت کرکے پانچوں وقت مکان سے نیچے تشریف لاکر مسجد میں باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ اس آمد و رفت میں بدن پسینہ سے شرابور ہوجاتا مگر جماعت کے شوق میں یہ تکلیف گوارا فرماتے تھے۔ پھر مسجد کے اوپری بالاخانہ میں جب انتظام ہوگیا تو وہاں نمازیں ادا فرمانے لگے، اور اخیر میں جب زیادہ معذوری ہوگئی تو صرف جمعہ کے لئے مسجد تشریف لایا کرتے تھے۔ صبح سویرے اٹھ کر اپنے اور وظائف اور معمولات کی پابندی پوری عمر فرماتے رہے فجر کی نماز کے بعد ناشتہ سے پہلے تلاوت قرآن کریم کا بالالتزام معمول تھا۔ مدرسہ شاہی کے اہتمام پر فائز ہونے کے بعد اگرچہ آپ کا درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ موقوف ہوگیا تھا مگر آپ نے مطالعہ اور تحریر وغیرہ کے ذریعہ علمی

اشتغال جاری رکھا، ندائے شاہی کے سلسلہ وار مضامین ''معارف وحقائق'' جومکتوبات شیخ الاسلام سے عمدہ انتخاب ہے اور ''شیخ الاسلام واقعات وکرامات کی روشنی میں'' خود آپ نے ترتیب دئے۔ اس کے علاوہ معارف القرآن، اور اکابر کی دیگر کتابیں بالاستیعاب مطالعہ میں رہتی تھیں، گھر میں خالی اوقات میں دیر رات گئے تک آپ عموماً رسائل وکتب کے مطالعہ میں مشغول رہتے۔ اخیر عمر میں ''ندائے شاہی'' میں درس حدیث کا سلسلہ اپنی نگرانی میں شروع فرمایا تھا جو آپ کے صاحب زادے جناب مولانا اشہد رشیدی صاحب (جو ماشاء اللہ اب مہتمم ہیں) مرتب کر کے آپ کو دکھاتے اور آپ کی منظوری کے بعد اس کی اشاعت ہوتی تھی۔

اُصول پسندی

مدرسہ شاہی میں بھائی جی کی سرپرستی میں پورے گیارہ سال کا عرصہ گذرا، اس دوران موصوف کی طبعیت کا سب سے خاص وصف جو ابھر کر سامنے آیا وہ موصوف کی طبعی اصول پسندی تھی۔ وہ ہر چیز کو اصول کے دائرہ میں رکھ کر سوچتے تھے۔ بے اصولی انھیں کسی کی طرف سے بھی قطعاً پسند نہ تھی، احقر سے بھی حد سے زیادہ شفقت کے باوجود اگر کوئی بے اصولی دیکھتے تو فوراً متنبہ فرماتے۔ بعض مرتبہ رخصت کی مؤخر درخواستوں پر تحریری تنبیہ فرمائی کہ ہمیشہ پیشگی رخصت لیکر ہی سفر میں جایا کریں، آپ اساتذہ وملازمین کی بے جا بار بار رخصت لینے کو بھی پسند نہ فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس سے دل جمعی میں خلل پڑتا ہے، اس لئے اسی وقت درخواست منظور کرتے جب معلوم ہوجاتا کہ درخواست گذار واقعی ضرورت مند ہے۔ اساتذہ کے درمیان اسباق کی تقسیم میں آپ اس بات کا خاص خیال کرتے کہ کسی استاد کی دل شکنی نہ ہو، بالخصوص پرانے اساتذہ کو چہ میگوئیوں کا موقع نہ ملے۔ ملازمین کی غلطیوں پر سخت گرفت فرماتے، اور کہتے کہ یہ طبقہ نرمی اور درگذر کے ساتھ کام کر ہی نہیں سکتا اس سے اگر کام لینا ہے تو گرفت سخت کرنی پڑے گی۔ چھوٹوں کو کام کرنے کے مواقع فراہم کرنے میں بھی آپ بڑے فراخ دل تھے۔ انکی حوصلہ افزائی کرتے اور مفید مشوروں سے نوازنے میں کمی نہ کرتے۔

تربیت پر خاص توجہ

طلبہ واساتذہ کی تربیت پر آپ کا خاص دھیان رہتا، اپنی مجالس اور عام بیانات میں اس موضوع پر ضرور روشنی ڈالتے، دارالاقامہ کی طرف سے آپ نے اصول تربیت مقرر فرمائے۔ اور طلبہ کے لئے نظام الاوقات وغیرہ کی تعیین فرمائی، تاکہ جو طلبہ بھی یہاں سے جائیں وہ امت کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بن کر نکلیں، اور امت اُن کے ذریعہ سے اصلاح اور ہدایت سے سرفراز ہو، اگر دیگر مدارس میں جانا ہوتا تو وہاں بھی اسی جانب سب سے زیادہ توجہ دلایا کرتے تھے۔

دارالافتاء کا عروج

مدرسہ شاہی میں شعبۂ دارالافتاء اگرچہ اول روز ہی سے قائم ہے اور ملک کے مشہور مراکز افتاء میں اس کا شمار ہوتا ہے؛ لیکن اس شعبہ کو نکھار اور عروج بھائی جی کے دور اہتمام میں نصیب ہوا، آپ نے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ جیسے محنتی اور کام کی دھن رکھنے والی شخصیت کو دارالافتاء کی ذمہ داری دی، اور پھر اس شعبہ میں باقاعدہ تکمیل افتاء وتمرین فتاوی کا سلسلہ جاری ہوا، اور چند ہی سالوں میں اس کی شہرت اتنی زیادہ ہوئی کہ دارالعلوم اور مظاہر علوم جیسے بڑے اداروں سے محنتی طلبہ شاہی کا رخ کرنے لگے، اور اب بھی ہر سال امیدواروں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ منتخب طلبہ کو لینے کے بعد متعدد طلبہ کو واپس کرنا پڑتا ہے۔ دارالافتاء کے سلسلہ میں آپ کا دستور یہ تھا کہ طلبہ کے انتخاب میں مفتیان کی رائے ہی کو حرف آخر سمجھتے تھے، اور بااختیار مہتمم ہونے کے باوجود احقر کو کبھی یاد نہیں کہ آپ نے افتاء کے کسی طالب علم کا داخلہ تعلیمات کے ذریعہ براہ راست کیا ہو۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ کسی طالب علم کو لینے کی خواہش رکھتے تھے مگر ہم لوگوں نے معیار سے کمتر ہونے کا عذر کر کے داخلے سے انکار کر دیا۔ بھائی جی نے زور نہیں ڈالا۔ اسی اعتماد کے بدولت الحمد للہ دارالافتاء کے شعبہ کو بھرپور انداز میں کام کرنے کا حوصلہ ملا، دارالافتاء کے لئے کتابوں کا وجود سب سے اہم چیز ہے اس میں بھی آپ نے کبھی

کوئی دریغ نہیں کیا، چنانچہ بفضلہ تعالیٰ تمام ضروری مراجع کی کتابیں الگ سے دارالافتاء میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شعبہ کو مزید فعالیت کے ساتھ خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

ندائے شاہی کی باقاعدہ سرپرستی

آپ ندائے شاہی کے سرپرست تھے، اور سرپرستی کا واقعی حق ادا فرماتے تھے، رسالہ کی ہر ہر بات پر نظر رکھتے اور کارکنان کی ہر کوتاہی پر فوراً گرفت فرماتے اور رسالہ کی ترقی کے لئے ہر ممکن راستہ اختیار کرنے میں کوئی دریغ نہ فرماتے تھے۔ آپ ہی کی توجہ کے بدولت رسالہ رفتہ رفتہ بتدریج ترقی کرتا رہا۔ کتابت، طباعت، ترتیب مضامین اور توسیع اشاعت ہر معاملہ میں آپ گہری دلچسپی لیتے۔ کبھی احقر کمرے پر تنہائی میں حاضر ہوتا تو کافی دیر تک صرف اسی موضوع پر گفتگو ہوتی کہ رسالہ کی ترقی کے لئے کیا راستے اپنائے جائیں، رسالہ کی مشاورتی بورڈ میں حساب کتاب لے کر کتابت کی اغلاط تک ہر موضوع پر سیر حاصل بحث ہوتی، آپ ہی کی سرپرستی میں اس رسالہ نے دینی اصلاحی صحافت کے حلقہ میں اپنا منفرد مقام بنالیا، اور ہزاروں قارئین کے دلوں کی آواز بن گیا، اس دوران ندائے شاہی نے تاریخ شاہی نمبر کے نام سے مدرسہ شاہی کی تاریخ پر عظیم دستاویزی مواد ۷۴۸ صفحات میں پیش کیا، اور گذشتہ سال حج وزیارت سے متعلق انتہائی قیمتی معلومات پر جامع ''حج وزیارت نمبر'' شائع کیا، یقیناً یہ دونوں کاوشیں بھی آپ کی توجہ کی یادگار ہیں، رسالہ کی ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ نے مدرسہ میں شعبۂ کمپیوٹر کا اجرا فرمایا، جس سے ندائے شاہی کے مضامین اور مواد میں اضافہ اور کتابت کا کام پہلے سے بہت آسان ہوگیا، اور بحمدہ تعالیٰ آپ کا لگایا ہوا یہ پودا اب ایک تناور درخت کی شکل میں پھل پھول کر امت کی اصلاح کا فرض انجام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرور وفتن سے محفوظ رکھ کر اسے مزید ترقیات سے نوازے، آمین۔

حجاز مقدس کا آخری سفر

شعبان ۱۴۲۱ھ میں احقر کا بتوفیق ایزدی عمرہ اور زیارت حرمین شریفین کا پروگرام تھا۔

خیال تھا کہ رمضان کے ۵-۶ روز حجاز مقدس میں گذار کر مرادآباد واپس آجاؤں گا؛ تاکہ شاہی مسجد کے پروگرام میں زیادہ خلل نہ پڑے۔اور ساتھ میں یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں بھائی جی رمضان میں اتنی بھی غیر حاضری کو گوارہ نہ کریں اس لئے ڈرتے ڈرتے اپنا مدعا عرض کیا،تو آپ نے ناگواری تو کجا برجستہ جواب میں نہایت مسرت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ جلدی آنے کی ضرورت نہیں، اطمینان سے ۱۵ر دن وہاں گذار کر آؤ اور ابتدائی ۲۰ دنوں میں یہاں مولانا عبدالقادر صاحب امام مسجد شاہی تراویح اور تفسیر کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ اوراخیر عشرہ میں تم ایک ختم کرلینا۔ چنانچہ اسی کے مطابق سفر کا نظام بن گیا، احقر رمضان شروع ہونے سے قبل ہی حرم محترم میں حاضری سے مشرف ہوگیا، بھائی جی تقریباً ایک ہفتہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔اس دوران ملاقاتیں بدستور رہیں،طبیعت ماشاءاللہ ٹھیک تھی، جب احقر ۱۵ر رمضان کو واپس آنے لگا تو کافی دیر تک مدرسہ کے متعلق گفتگو اور ہدایات فرماتے رہے۔اور تمام امور مشورہ سے انجام دیتے رہنے کی تلقین کی۔احقر حسب پروگرام واپس آگیا،شوال میں آپ کا واپسی کا ارادہ تھا،مگر بعض حالات واشارات کی وجہ سے واپسی نہ ہوسکی،اور مولانا اشہد صاحب مع اہل خانہ واپس تشریف لے آئے۔شوال میں مدرسہ کھل چکا تھا اور داخلوں کی ہماہمی شروع ہوگئی تھی۔ یہاں کی تمام سرگرمیوں سے متعلق تفصیلات باقاعدہ فیکس کے ذریعہ بھائی جی کو بھیجی جاتیں اور آپ اس کی تصویب فرماتے اور کوئی بات مشورہ کی ہوتی تو اپنی رائے تحریر فرماتے۔ اس دوران ندائے شاہی میں اشاعت کے لئے حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحبؒ کا ایک مضمون بھی ارسال فرمایا اور تاکید کی کہ مشاورتی بورڈ کے مشورہ سے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا جائے۔مگر بعض اسباب کی وجہ سے اس کی اشاعت مناسب نہ سمجھی گئی اور اس کی اطلاع ''بھائی جی'' کو دے دی گئی۔الغرض آپ اگرچہ مدینہ منورہ میں تھے؛لیکن مدرسہ کے تمام امور آپ کی نگرانی ہی میں انجام دئے جارہے تھے،اور ہر معاملہ میں آپ گہری دلچسپی لیتے تھے۔اسی دوران ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ کے اواخر میں اچانک اس اطلاع نے سب متعلقین کو تشویش میں مبتلا کردیا کہ

آپ کی طبعیت ناساز ہے۔ مدینہ منورہ رابطہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نمونیہ کی شکایت ہے، مگر افاقہ ہے۔ مگر دو ایک روز بعد پھر خبر آئی کہ حالت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے اسپتال میں داخل کرنے کی نوبت آئی ہے، احقر کو اسی روز حج کے سفر پر روانہ ہونا تھا، مکہ معظّمہ پہنچ کر بھائی اخلد صاحب کو فون کیا، تو انہوں نے بھی تشویش کا اظہار کیا، صحت کے لئے ہر جگہ دعائیں ہونے لگیں، اسی دوران مولانا اشہد صاحب بھی مرادآباد سے مدینہ منورہ حاضر ہوگئے۔ الحمدللہ چند ہی روز میں آپ کی طبعیت رو بہ صحت ہونے لگی، ہوش آگیا، اور پھر اسپتال سے گھر پر ہی تشریف لے آئے، احقر حج کے تقریباً ایک ہفتہ کے بعد مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوا۔ تو بھائی جی کی طبعیت ظاہری طور پر ٹھیک معلوم ہوتی تھی، اور عشاء کی نماز میں حرم شریف بھی جانے لگے تھے، مگر ایک بات حیرت انگیز تھی کہ بھائی جی کی بات چیت بالکل نہ ہونے کے برابر تھی، کوئی بھی ملنے آئے بس سلام اور خیر خیرت سے آگے کوئی گفتگو بمشکل ہی فرماتے تھے۔ اور بشاشت اور مسکراہٹ اور طبعیت کی شگفتگی جو آپ کا خاصہ تھا وہ تو بالکل ناپید تھی۔ ایک دن بھائی اخلد صاحب نے متعلقین مہمانوں کی دعوت کی، مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری بھی شریک تھے۔ وہ اپنے رفیق سفر ایک پیر صاحب کے حالات سنانے لگے جس سے دسترخوان پر موجود تمام حاضرین نہایت لطف اندوز ہوئے اور پوری مجلس قہقہہ زار ہوگئی؛ لیکن بھائی جی یہ سب ماجرا خاموشی سے دیکھتے رہے۔ اور پوری مجلس میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ اس صورت حال سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کی طبعیت اندر سے بجھ چکی ہے اور واقعۃً کسی چیز سے دلچسپی اور وابستگی باقی نہیں رہی ہے، زیادہ وقت یا تو بالکل خاموشی یا رسائل وغیرہ کی ورق گردانی میں گذرتا تھا۔ احقر اس دوران کئی مرتبہ ملنے گیا تو بھی زیادہ گفتگو نہیں فرمائی، بس ایک مرتبہ ''حج وزیارت نمبر'' (جو آپ کو پہلی بیماری سے قبل مل چکا تھا) پر پسندیدگی ظاہر فرمائی، اور کہا کہ اسے اور پہلے شائع ہوجانا چاہئے تھا۔

ذی الحجہ کی آخر میں احقر ہندوستان واپسی کے وقت آخری ملاقات کے لئے گیا تو بھی طبعیت میں وہی بے کیفی برقرار تھی، رمضان میں جب واپس آرہا تھا تو ہر بات کے متعلق

ہدایات دی تھیں اور اب حج کے بعد واپسی کے لئے ملا تو نہ مدرسہ کا ذکر تھا نہ رسالہ کا، گویا ان معاملات سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو، بس دعا اور خیریت اور متعلقین سے سلام کہنے کی تاکید کر کے خاموش ہو گئے، یہ واپسی کی ملاقات ہی بھائی جی سے آخری ملاقات بن گئی۔ اس آخری ملاقات کے تقریباً ۱۵ر روز کے بعد ہی آپ پر مرض کا دوسرا بڑا حملہ ہوا اور اسپتال میں تقریباً ڈیڑھ ماہ صاحبِ فراش رہ کر جوار رسول ﷺ میں پیوند خاک ہو گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

بھائی جی نہیں رہے، مگر یہاں کس کو رہنا ہے جو وہ رہتے؟ یہاں تو ہر ایک اپنے نمبر کے انتظار میں ہے؛ لیکن اُن کی یادیں دل کی گہرائیوں میں نقش ہیں، ان کے ساتھ گذرا ہوا زمانہ ایک خواب معلوم ہوتا ہے۔ بس آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اور اُن کی خدمات کو اُن کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

حضرت مولانا رشید الدین حمیدی نور اللہ مرقدہ

مہد سے لحد تک

ضلع فیض آباد (یو پی) کے ایک چھوٹے قصبہ ہنسور میں بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ایک بزرگ الحاج جناب میاں شاہ محبوب علی صاحب اپنی خوش طبعی، وضع داری اور وجاہت میں معروف ومشہور تھے۔ موصوف اگرچہ باقاعدہ کسی مدرسہ سے سند یافتہ عالم نہ تھے؛ لیکن فارسی وعربی دانی اور علم دوستی کی بنا پر علمی مطالعہ کا شوق رکھتے تھے، ان کے ذاتی دارالمطالعہ میں ہر وقت اہم کتابوں کا ذخیرہ موجود رہتا تھا۔

الحاج میاں شاہ محبوب علی صاحب کے یہاں تین صاحبزادے تولد ہوئے: (۱) مولانا حمید الدین (۲) مولوی مجید الدین (۳) مولوی وحید الدین۔ ان میں اول الذکر آگے چل کر بڑے مشہور عالم ہوئے اور شیخ الحدیث والتفسیر کے لقب سے معروف ہوئے۔ حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ کا نکاح ٹانڈہ (ضلع فیض آباد) کے معروف خانوادۂ سادات کی ایک نیک بخت خاتون سید بشیر الدین مرحوم (جو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے چچازاد بھائی تھے) کی صاحبزادی سے ہوا (سید بشیر الدین صاحب کی منجھلی صاحبزادی خود حضرت مدنیؒ سے منسوب ہوئیں، جو اس وقت بحمدہٖ تعالیٰ باحیات ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا حمید الدین صاحبؒ حضرت مدنی کے ہم زلف ہوتے ہیں)

شیخ الحدیث حضرت مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تین اولادیں ہوئیں (۱)

میاں سعید الدین (فضیل) جو والد کی حیات میں ہی وفات پا گئے تھے (۲) مولانا رشید الدین حمیدیؒ (۳) اور صاحبزادی بریرہ خاتون (جو حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ العالی سے منسوب تھیں، اور دو سال قبل واصل بحق ہو گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس وقت انہی حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ کے بعض حالات پر نظر ڈالنا مقصود ہے۔

پیدائش

آپ کی پیدائش ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں اپنے وطن مالوف قصبہ ہنسور ضلع فیض آباد میں ہوئی۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم وتربیت والد محترم حضرت مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ ہوئی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور یہاں اپنے خالو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی سرپرستی میں رہ کر تعلیم کے مراحل مکمل فرمائے۔ آپ کی دارالعلوم سے فراغت ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں ہوئی اسی سال حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا تھا، اس لئے آپ نے بخاری شریف فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، فراغت کے بعد آپ نے دو سال تکمیل فنون میں لگائے اور ۱۳۷۹ھ میں اس سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد دو سال آپ شعبۂ تکمیل افتاء سے منسلک رہے، اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی پر عبور حاصل کیا، اور ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں اس شعبہ سے فراغت ہوئی۔

نکاح

ابھی آپ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم ہی تھے کہ آپ کا نکاح ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی بڑی صاحبزادی سیدہ

ریحانہ مدنی صاحبہؒ سے ہوا، موصوفہ اپنے خانوادہ کی انتہائی دین دار اور وضع دار خاتون تھیں، ورع وتقویٰ خوش خلقی اور عبادت گذاری میں اپنی مثال آپ تھیں، افسوس ہے کہ موصوفہ ۱۹۹۲ء میں معمولی سی علالت کے بعد وصال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تدریس

فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ نے اپنے طبعی ذوق کی بنا پر اپنے اکابر کے حکم سے تدریسی مشغلہ اختیار فرمایا، سب سے پہلے آپ ضلع گونڈہ کے مشہور ادارے مدرسہ فرقانیہ میں استاذ مقرر ہوئے اور دوسال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء تا ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء تک یہاں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد مدرسہ امدادالعلوم زید پور بارہ بنکی میں تقرر ہوا، یہاں تقریباً ۴ سال قیام رہا، آپ کا درس نہایت باوقار اور پاکیزہ ہوتا تھا اور طلبہ آپ کے انداز تفہیم سے نہایت متأثر رہتے تھے۔

مدرسہ دارالرشاد بنکی بارہ بنکی کے منصب اہتمام پر

۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۴ھ میں آپ نے والد محترمؒ کی اجازت اور حضرات اکابرؒ کی سرپرستی میں شہر بارہ بنکی کے ایک محلّہ بنکی میں حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کے وقف کردہ مکان میں مدرسہ دارالرشاد کے نام سے ایک دینی جامعہ کی بنیاد ڈالی اور تقریباً دس سال ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۶ء تک یہاں قیام پذیر رہ کر تدریس واہتمام کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیں، اور ساتھ میں اطراف وجوانب میں اصلاحی اور دینی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، آج بھی اس علاقہ کے لوگ آپ کی خدمات کو یاد رکھتے ہیں اور خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں تشریف آوری

مؤرخہ ۹؍شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق ۷؍اگست ۱۹۷۶ء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس زیرصدارت حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھیؒ منعقد ہوا جس میں

باتفاق رائے یہ تجویز منظور ہوئی: ''اہتمام مدرسہ شاہی کے لئے حضرت مولانا رشید الدین صاحب کا اسم گرامی منظور کیا گیا، مولانا موصوف سے درخواست کی جائے کہ وہ اہتمام کو قبول فرما کر مدرسہ کو استفادہ کا موقع دیں''۔

قائم مقام مہتمم مولانا محمد منظور صاحب القاسمی نے ۱۵ رشعبان کو ایک خط کے ذریعہ آپ کو اس فیصلہ کی اطلاع دی، جس کا جواب آپ نے حضرات اکابر بالخصوص اپنے شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے مشورہ کے بعد شوال ۱۳۹۶ھ کے ابتداء میں منظوری کی صورت میں دیا، اور آپ نے ۷ رشوال ۱۳۹۶ھ کو جامعہ میں تشریف لا کر اہتمام کی ذمہ داریاں باقاعدہ سنبھال لیں، ابتداء میں کچھ عرصہ کیلئے بار بار بارہ بنکی جانے کا سلسلہ رہا، لیکن کام بڑھ جانے کے بعد آپ مستقل طور پر مرادآباد ہی میں مقیم ہوگئے، اور پوری تن دہی سے اپنے تمام وسائل وتعلقات کو کام میں لاکر مدرسہ کو شاہراہ ترقی پر گامزن کرنے میں مصروف ہوگئے آپ جب جامعہ میں تشریف لائے تو مدرسہ کی مالی حالت نہایت غیر مستحکم تھی، عمارتیں بھی انتہائی ناکافی تھیں، طلبہ کی بڑی تعداد شہر کی متعدد مساجد میں مقیم رہتی تھی، عمارتیں مخدوش حالت میں ہورہی تھیں، آپ نے اہتمام کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد بتدریج ان ضروری امور کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ (آپ کے دور کی تعمیرات کی تفصیلات الگ مضمون میں ملاحظہ فرمائیں) اور رفتہ رفتہ جامعہ کو ہر اعتبار سے مستحکم حالت پر پہنچا دیا۔ آپ نے جامعہ کے تعارف اور اس کے حلقۂ احباب میں وسعت دینے کیلئے طویل بیرون ملکی اسفار فرمائے، اور مدرسہ کی شہرت کو چار چاند لگادئے۔

مجلس شوریٰ کی تجویز تحسین

اسی کے اعتراف کے لئے جامعہ کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۲ رشعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۶ رمئی ۱۹۸۲ء میں درج ذیل تجویز منظور ہوئی:

''مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کا جلسہ جناب مہتمم مولانا رشید الدین حمیدیؒ کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باہر دینی مسلم حلقوں میں مدرسہ شاہی کا تعارف طویل سفر فرما کر کیا، مدرسہ کو مسرت ہے کہ اس کے فضلاء اور ہمدرد دنیا کے مختلف ملکوں میں موجود ہیں یہ جلسہ ان ہمدردوں اور کرم فرماؤں، نیز مدرسہ شاہی کے قدر دانوں کا نہایت شکر گذار ہے جنکی زبردست کوششیں اور تعاون اس سلسلہ میں حاصل رہا، مجلس شوریٰ امید کرتی ہے کہ جناب مہتمم صاحب اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے، اور مدرسہ کیلئے مزید تعاون اور ترقی دینے کی سعی فرمائیں گے''۔

جس وقت آپ مدرسہ میں تشریف لائے تو مدرسہ کا سالانہ بجٹ صرف ڈھائی لاکھ روپے تھا۔ جو آپ کی وفات تک بڑھتے بڑھتے ۹۰ لاکھ سے تجاوز کر گیا، جس سے مدرسہ کی ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جامعہ میں مطبخ کا نظام

آپ کے تشریف لانے سے قبل جامعہ میں درجہ سوم عربی سے پہلے درجات کے طلبہ کو مدرسہ سے کھانا جاری کرنے کا معمول نہیں تھا۔ آپ نے اس سلسلہ کو وسعت دیتے ہوئے درجہ اول ہی سے امداد طعام جاری کرنے کا فیصلہ فرمایا، نیز مطبخ میں ایندھن کی دشواری کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے کوشش کر کے مدرسہ میں کوکنگ گیس کے لئے پائپوں کی فٹنگ کرائی اور مدرسہ کے لئے حسب ضرورت گیس سلنڈر منظور کرائے جس سے مطبخ کی دشواریاں ختم ہوئیں اور پکانے کا بہترین نظم قائم ہوگیا۔

طلبہ کی تربیت پر خصوصی توجہ

حضرت مہتمم جامعہؒ کا بہت زیادہ زور طلبہ کی تربیت پر رہتا تھا، آپ کی عین خواہش رہتی تھی کہ مدرسہ سے جو طلبہ بھی فارغ ہوں وہ علمی اور اخلاقی اعتبار سے مثالی نمونہ بن کر نکلیں، چنانچہ آپ نے دارالاقامہ کا باقاعدہ مرتب نظام قائم فرمایا۔ پہلے دارالطلبہ میں جامعہ کی الگ

مسجد نہیں تھی طلبہ واساتذہ محلّہ کی حوض والی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، جہاں نماز کے اوقات وغیرہ کی تعیین میں بھی طلبہ سے زیادہ اہل محلّہ کی رعایت کرنی پڑتی تھی، اِس لئے آپ نے بجا طور پر ضرورت محسوس کی کہ طلبہ کی مستقل نگرانی اور تربیت واصلاح کے لئے الگ مسجد بنائی جائے، چنانچہ آپ نے دارالطلبہ کے احاطہ میں ''مدنی مسجد'' کے نام سے وسیع مسجد تعمیر کرائی جو پورے طور پر مدرسہ کے نظام کے ماتحت ہے۔ یہاں عشاء کی نماز کافی تاخیر سے ہوتی ہے، جس کی بنا پر طلبہ کو مغرب کے بعد کئی گھنٹے مسلسل اساتذہ کی نگرانی میں تکرار ومطالعہ کا موقع مل جاتا ہے۔ نیز آپ نے دارالاقامہ کی نگرانی کے لئے مستقل نگراں متعین فرمائے اوران کے الاؤنس جاری کئے؛ تاکہ وہ پوری تندہی سے اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔

کتب خانہ

آپ نے جامعہ کے کتب خانہ کو ترقی دینے میں بھی نمایاں کردار اَدا فرمایا، آپ کی ذاتی توجہ سے درسیات کے علاوہ شروحات اور جدید مطبوعہ کتب حدیث وفقہ وتفسیر بڑی تعداد میں کتب خانہ کی زینت بنائی گئیں۔ آپ نے کتب خانہ کی عمارت میں بھی توسیع فرمائی اور فن وار کتابوں کی ترتیب پر بھی خاص توجہ دی۔ نیز دارالافتاء کی ہمہ وقتی ضرورت والی کتابیں الگ سے مہیا کرائیں۔

دارالافتاء

پہلے دارالافتاء میں ایک مفتی رہنے کا دستور تھا، آپ نے ضرورت کا خیال فرماتے ہوئے مزید ایک نائب مفتی کا تقرر تجویز فرمایا۔ نیز پہلے نقل فتاوی کے لئے الگ سے کسی فرد کا تقرر نہ تھا آپ نے باقاعدہ نقل فتاوی کے اہتمام کے لئے ایک ناقل کا تعین فرمایا تاکہ دارالافتاء کا ریکارڈ باقاعدہ محفوظ رکھا جاسکے۔ اسی طرح آپ نے تمرین فتاویٰ کے لئے طلبہ کے داخلہ کی منظوری دی۔ اورآپ کی سرپرستی اورتوجہ سے اس شعبہ کو خوب خوب فروغ حاصل ہوا۔

ندائے شاہی کا اجراء

دور حاضر میں تحریر کے ذریعہ دین کی نشر واشاعت کی اہمیت بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔ آپ نے بجاطور پر اس کی اہمیت کو محسوس فرمایا اور ۱۹۸۸ء میں جامعہ سے ایک دینی اصلاحی ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' کا اجراء فرمایا۔ یہ رسالہ گذشتہ ۱۳ سال سے پابندیٔ وقت کے ساتھ بحمدہ تعالیٰ شائع ہورہا ہے اور اس مدت میں اس نے ملک کی اصلاحی صحافت میں اپنا منفرد مقام بنالیا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی یہ یادگار برابر باقی رہے اور خیر وخوبی کے ساتھ دین کی خدمت کا فرض انجام دیتی رہے۔ آمین۔

شعبۂ کمپیوٹر کا قیام

جدید دور میں کمپیوٹر زندگی کی لازمی ضرورت بنتا جارہا ہے۔ کتابت، عالمی معلومات اور حسابات کو حفاظت وغیرہ اہم خدمات اس کے ذریعہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں پیش رفت فرماتے ہوئے آپ نے ۲۰۰۰ء سے جامعہ میں کمپیوٹر کے شعبہ کا آغاز فرمایا۔ اس شعبہ کے قیام سے نہ صرف یہ کہ ندائے شاہی کی کتابت وغیرہ میں آسانی ہوگئی؛ بلکہ جامعہ کے فضلا کو کمپیوٹر کی ٹریننگ دینے کا سلسلہ بھی قائم ہوا۔ اب تک متعدد طلبہ اس شعبہ سے فارغ ہوچکے ہیں۔ اور جابجا اپنی خدمات میں مشغول ہیں۔

دیگر شعبہ جات

جامعہ کے ہر ہر شعبہ پر آپ براہ راست نظر رکھتے تھے درجہ تحفیظ القرآن کی اصلاح پر آپ کی مکمل توجہ رہتی تھی کبھی کبھی حفظ کے طلبہ کو بلوا کر خود ان کا امتحان لیتے اور اگر کوئی کوتاہی نظر آتی تو استاذ سے بازپرس فرماتے۔ آپ ہی کی دلچسپی کی بنا پر اس شعبہ میں معیاری اساتذہ کا اضافہ ہوا اور قرآن کی تعلیم میں خاصا نکھار محسوس کیا جانے لگا۔ اس طرح شعبۂ تجوید کی ترقی کے لئے آپ کوشاں رہتے۔ اور بہتر سے بہتر افراد کی خدمات حاصل کرنے کی سعی فرماتے رہتے

تھے۔ آپ کے اہتمام میں مدرسہ کے اندر اصول وقانون سے بالاتر کوئی شخص نہیں تھا، ہر فرد کے ساتھ اصولی معاملہ فرماتے۔ ہر تعلیمی سال کے شروع اور آخر میں اہم تعلیمی اور تربیتی معاملات پر اساتذہ کی مشاورتی مجلس منعقد ہوتی تھی جس میں کھل کر تمام امور پر بحث ہوتی اور جو بات اجتماعی طور پر طے ہوجاتی حضرت مہتمم صاحبؒ اس کو بہر صورت نافذ کرنے کی پابندی کرتے آپ کی اصول پسندی کی وجہ سے نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ اور ملازمین سب اس بات سے خائف رہتے تھے کہ کہیں کسی کوتاہی اور سستی پر گرفت نہ ہوجائے۔

الغرض حسن انتظام اور مختلف طبائع رکھنے والے اشخاص کو ساتھ لے کر چلنے کی بہترین صلاحیت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے بیعت واجازت

۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اس کے بعد اکثر رمضان المبارک میں اپنے شیخ ومرشد کے ساتھ اعتکاف فرماتے تھے۔ اور آپ کی ہدایات کے مطابق سلوک پر گامزن رہے تا آنکہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں جب کہ حضرت شیخ نے رمضان المبارک فیصل آباد پاکستان میں گذارا تھا، آپ کو حضرت شیخ کی طرف سے مجاز بیعت بنائے جانے کا شرف حاصل ہوا۔ ملک وبیرون ملک آپ کے بہت سے مریدین ومتوسلین تھے۔ جن کی اصلاح وہدایت کا کام آپؒ انجام دیتے رہے۔ شہر مرادآباد میں جو حضرات آپ سے متعلق تھے وہ ہر ہفتہ جمعہ کے دن مغرب کے بعد آپ کی نشست گاہ پر جمع ہوتے تھے یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

ملی خدمات

شروع ہی سے آپ کو ملی وقومی معاملات سے گہری دلچسپی رہی، آنکھیں کھول کر آپ نے گھر میں جمعیۃ علماء اور اکابر دیوبند کا تذکرہ ہوتے سنا۔ چنانچہ آپ جہاں بھی رہے جمعیۃ علماء

سے منسلک رہے، اور اپنی حد تک اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ جمعیۃ علماء ہی کی تحریک پر آپ نے ۱۴۰۶ھ میں محکمہ شرعیہ ضلع مرادآباد کو قائم فرمایا اور تا حیات اس کے صدر و سرپرست رہے۔ اور آپ کی زیرِ نگرانی بہت سے مقدمات کا اس محکمہ سے فیصلہ کیا گیا۔ اس محکمہ کے اراکین میں شہر کے سربرآوردہ علماء اور معززین شامل ہیں، اس کے بعد ۱۹۹۶ء میں آپ کو جمعیۃ علماء اتر پردیش کی صدارت پر فائز کیا گیا۔ آپ کے ذمہ داری سنبھالنے کے بعد صوبائی جمعیۃ پہلے سے زیادہ متحرک ہوئی اور آپ کی قیادت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

بیرونی اسفار

آپ نے مدرسہ کے تعارف اور تبلیغ واصلاح کے مقصد سے ملک اور بیرون ملک کے طویل اسفار فرمائے۔ جن میں سعودی عرب، پاکستان، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ، انگلینڈ، باربڈوز، ویسٹ انڈیز، پناما، ٹرینی ڈاڈ، ماریشس، نیروبی زامبیا وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

آخری سفرِ حجاز

رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ میں آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اسی سال رمضان میں عمرہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

مرض الوفات کی ابتداء

حج سے دس بارہ روز قبل مدینہ منورہ میں نمونیہ کا شدید حملہ ہوا، پھر افاقہ ہوگیا؛ لیکن یہ افاقہ عارضی تھا۔ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ میں دوبارہ شدید مرض لاحق ہوا۔

وفات

۱۱/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ (سعودی تاریخ کے مطابق) بوقت دو پہر بمقام مدینہ منورہ مستشفی الملک فہد، آپ نے وفات پائی۔

نماز جنازہ وتدفین

اسی روز عشا کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں امام حرم شیخ صلاح البدیر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر مقدس قبرستان جنۃ البقیع میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اولاد

آپ کے صاحب زادگان اور صاحب زادیوں کی کل تعداد نو تھی، جن میں سے دو بچیاں بچپن ہی میں ذخیرۂ آخرت ہوگئیں تھیں تیسری صاحبزادی نے ۱۸ سال کی عمر کو پہونچ کر وفات پائی اور دو صاحبزادیاں اس وقت باحیات ہیں۔

صاحبزادوں میں سب سے بڑے جناب ماسٹر احمد رشیدی صاحب تھے جو بادشاہ کے نام سے مشہور تھے وہ جامعہ میں اردو سیکشن کے مدرس رہے، اور ۱۴۱۸ھ میں ۴۲ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک اور صاحبزادے جن کا نام ''اجود'' تھا وہ بھی وفات پا چکے ہیں۔

اس وقت دو صاحبزادے باحیات ہیں:

(۱) مولانا اخلد رشیدی صاحب:-

موصوف کی پیدائش ۱۹۶۱ء میں ہوئی ۱۴۰۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اور ۱۴۱۱ھ میں مدرسہ شاہی کے استاذ عربی مقرر ہوئے اور اس وقت اپنے ذاتی تجارتی سلسلہ میں مدینہ منورہ میں مقیم ہیں اور وہاں رہتے ہوئے مدرسہ کی ترقی میں برابر دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

(۲) مولانا اشہد رشیدی صاحب:-

موصوف کی پیدائش ۱۳۹۱ھ میں ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے ۱۴۱۰ھ میں فراغت حاصل کی، اس کے بعد ۱۴۱۱ھ میں تکمیل ادب کیا اور ۱۴۱۲ھ میں مدرسہ شاہی کے استاذ مقرر ہوئے۔

موصوف کو اپنے والد محترم کے ساتھ رہنے کا کافی موقع ملا اور مدرسہ کے معاملات سے بھی پوری طرح واقفیت اور دلچسپی رہی۔ اسی بناء پر حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے بطور جانشین آپ ہی کو مدرسہ کی انتظامی ذمہ داریاں سپرد فرمائیں۔ اور آپ اللہ کی خاص مدد اور توفیق سے اور کارکنان کے ہر ممکن تعاون کے ساتھ خوش اسلوبی سے کارِ مفوضہ انجام دے رہے ہیں۔ اور مدرسہ کی ترقی و استحکام کے لئے دل و جان سے کوشاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو ہمت و استقامت عطا فرمائے اور ہر قسم کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کی زندگی پر اِجمالی نظر

پیدائش:- ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ھ بمقام ہنسور ضلع فیض آباد۔

والد ماجد:- حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند و شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و نورالعلوم بہرائچ، مدرسہ پیر جھنڈا اکلاں سندھ مدرسہ عالیہ کلکتہ۔

تعلیم:- ابتدائی تعلیم و تربیت والد صاحب کی سرپرستی میں ہوئی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور حفظ قرآنِ کریم سے لے کر انتہائی تعلیم تک دارالعلوم دیوبند ہی میں اپنے خالو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے زیرِ سایہ حاصل کی۔

فراغت:- ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

تکمیل فنون:- ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں شعبۂ تکمیل فنون سے فراغت حاصل کی۔

تکمیل افتاء:- پھر دو سال شعبۂ تکمیل اِفتاء سے منسلک رہے، اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی پر عبور حاصل کیا، ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں اِس شعبہ سے فراغت ہوئی۔

تدریس:- مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء تا ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء) مدرسہ اِمداد العلوم زید پور ضلع بارہ بنکی (۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۷ء)

مدرسہ دارالرشاد بنکی کی تاسیس و اہتمام:- ۱۹۶۷ء میں آپ نے اپنے والد ماجد کی اِجازت اور حضراتِ اکابر کی سرپرستی میں شہر بارہ بنکی کے ایک محلّہ بنکی میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقف کردہ مکان میں مدرسہ دارالرشاد کے نام سے ایک عظیم اِدارہ قائم فرمایا، اور ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۶ء تک تقریباً دس سال اِس اِدارے میں رہ کر تدریس و اہتمام کی ذمہ داریاں انجام دیں۔

مدرسہ شاہی میں تشریف آوری:- شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں حضرات اکابر کے حکم پر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کی مسند اہتمام کو رونق بخشی۔

محکمہ شرعیہ ضلع مراد آباد کا قیام:- ۱۴۰۶ھ میں آپ کی صدارت و سرپرستی میں محکمہ شرعیہ ضلع مراد آباد کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے بیعت واجازت:- ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں بمقام فیصل آباد پاکستان آپ کو حضرت شیخ کی طرف سے مجاز بیعت ہونے کا اعلان کیا گیا۔

مدرسہ شاہی کی ترقیات:- آپ کے ۲۷ رسالہ دور اہتمام میں مدرسہ شاہی کو تعلیمی وتعمیری اور اقتصادی ہر اعتبار سے ترقیات حاصل ہوئیں۔

ندائے شاہی کا اجراء:- ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء سے آپ کی سرپرستی میں جامعہ کے ترجمان ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کا اجراء ہوا۔

بیرونی اسفار:- مدرسہ کے تعارف اور تبلیغ واصلاح کے مقصد سے آپ نے ملک و بیرونِ ملک کے طویل اسفار فرمائے۔ سعودی عرب، پاکستان، جنوبی افریقہ، انگلینڈ، باربڈوز، ویسٹ انڈیز، ٹرینی ڈاڈ، پناما، ماریشس، نیروبی، زامبیا وغیرہ کے دورے بھی فرمائے۔

جمعیۃ علماء اترپردیش کی صدارت:- ۱۹۹۶ء سے تادم حیات آپ صوبائی جمعیۃ علماء کے صدر نشین رہے، اور اِس سلسلے میں بھی سرگرم خدمات انجام دیں۔

آخری سفر حجاز:- اوائل رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ میں آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

مرض الوفات کی ابتداء:- حج سے دس بارہ روز قبل مدینہ منورہ میں شدید مرض کا آغاز ہوا۔

وفات:- ۱۱ر ربیع الاول (سعودی کیلنڈر کے مطابق) بوقت دو پہر بمقام مدینہ منورہ (مستشفیٰ الملک الفہد)۔

نماز جنازہ وتدفین:- مسجد نبوی (بعد نماز عشاء) بعدہ تدفین جنۃ البقیع۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

❍❖❍

بعض اہم تعزیتی پیغامات

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند

عزیز گرامی مولانا رشید الدین حمیدی کا حادثۂ وفات نہ صرف میرے لئے؛ بلکہ خصوصاً جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی اور جمعیۃ علماء کے لئے ایک بڑا نقصان ہے۔ موصوف ایک اچھے منتظم، دور اندیش قائد اور جمعیۃ کے مخلص رہنما تھے، وہ جس ادارہ سے بھی منسلک ہوئے اُس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا، مدرسہ شاہی کے تعلیمی اور تعمیری معیار کو بلند کرنے میں اُن کا بڑا حصہ ہے۔ اتر پردیش کی صوبائی جمعیۃ نے بھی اُن کے دور صدارت میں نمایاں کارکردگی پیش کی۔ موصوف حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں تھے اور بیعت وارادت کے میدان میں بھی مخلوق کی نفع رسانی میں مشغول تھے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اور اُن کی دینی خدمات کو اُن کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

اور سبھی متعلقین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ موصوف کے لئے زیادہ سے زیادہ دعاؤں اور ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔ (حضرت مولانا) سید اسعد مدنی (صاحب)

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

حامداً ومصلیاً! افسوس کہ حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ، جوار رحمت میں منتقل ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا اُن کے ساتھ اپنے شایان شان فضل وکرم کا معاملہ فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا مرحوم نے دار العلوم دیوبند میں علوم دینیہ کی تکمیل کی تھی، اور اس کے بعد اُنہوں نے زندگی بھر دین کی نشر واشاعت کا کام کیا، متعدد مدراس میں تدریسی خدمات انجام

دیں اور متعدد مدارس کے مہتمم رہے، اور ان کے دائرۂ عمل کی توسیع کے لئے کوشاں رہے، خصوصاً جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کو ان کے دور اہتمام میں ہر طرح کی ترقیات حاصل ہوئیں، موصوف ہر شعبہ کے لئے جوہر قابل کی تلاش میں رہتے تھے، اور اس طرح انہوں نے مدرسہ شاہی میں تدریس اور دیگر خدمات کے لئے بہتر افراد کا انتخاب کیا، مالیات کی فراہمی کے لئے اسفار کی زحمت برداشت کی اور مدرسہ کی تعمیری وعلمی ضروریات کو بڑی حد تک پورا کیا۔

اُس کے ساتھ موصوف عالم باعمل اور صاحبِ نسبت انسان تھے، حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری قدس سرہ سے انہیں اجازت حاصل تھی، خود بھی ذکر اور وظائف کے پابند تھے اور اپنے متعلقین کو اس جانب خصوصی طور پر متوجہ کرتے تھے، اور مدارس عربیہ کے طلبہ کے لئے اس کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔

وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے حجاز مقدس کی سرزمین کی طرف رخت سفر باندھنے کا داعیہ پیدا کر دیا، وہاں پہنچنے کے بعد علالت نے شدت اختیار کر لی، علالت طویل ہوئی اور اللہ نے اس پر صبر کی توفیق دی۔ اُمید ہے کہ یہ علالت حدیث پاک کے بیان کے مطابق ان کے حق میں کفارۂ سیئات اور ترقی درجات کا ذریعہ بن گئی ہوگی، اور جب وقت موعود آیا جو ہر انسان کے لئے مقدر ہے، تو وہ پاک صاف ہو کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گئے اور مدینہ طیبہ کی سرزمین پاک نے انہیں قبول کر لیا۔

مولانا مرحوم کی زندگی بھی قابل رشک تھی، اور ان کی وفات بھی قابل صد رشک ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم ان کی مغفرت فرمائے، پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دے، اور ان کی وفات سے علمی اور ملی کاموں کا جو نقصان ہوا ہے ان کی تلافی کی صورت پیدا فرمائے۔ آمین۔ (حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن (صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ کی زندگی ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے، انہوں نے

پوری زندگی تدریس اور انتظامی خدمات میں گذاردی۔ موصوف کا حسن انتظام، نظم وضبط اور اُصول پسندی کا مزاج زبان زد تھا، موصوف کے دور اہتمام میں مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے بے مثال ترقی کی، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند سے مولانا مرحوم کا قریبی ربط تھا، جمعیۃ علماء یوپی کے صدر کی حیثیت سے بھی آپ نے نمایاں ملی خدمات انجام دیں۔

مولانا مرحوم ورع وتقویٰ اور صلاح وفلاح کے اعلیٰ معیار پر بھی فائز تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت واجازت حاصل تھی، چنانچہ اس اجازت کا حق ادا کرتے ہوئے آپ نے بندگان خدا کو رشد وہدایت کے راستہ پر چلانے میں بھی دلچسپی سے حصہ لیا۔

مولانا مرحوم کی مدینہ منورہ میں وفات اور جنۃ البقیع جیسے مقدس قبرستان میں تدفین آپ کی مقبولیت عنداللہ کی دلیل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے، اور اُمت کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ محمد عثمان عفی عنہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

لکھنؤ ۶؍ جون: ناظم ندوۃ العلماء مولانا محمد رابع حسنی ندوی نے مولانا رشید الدین کی وفات کو خدمت علوم دینیہ کی جماعت کا خسارہ قرار دیا ہے اور کہا کہ مرحوم جامعہ قاسمیہ مرادآباد جیسے مؤقر جامعہ کے مہتمم تھے۔ ملت کے مختلف معاملات میں مفید دلچسپی لیتے تھے، اور دینی تعلیم اور ملت کے مسائل کے لئے حلقہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء کی طرف سے جو کوششیں ہوتی رہیں، اُن میں ان کا نمایاں حصہ رہتا تھا۔ مولانا رشید الدین کے والد مولانا حمید الدین صاحبؒ ایک جید اُستادِ حدیث گذرے ہیں، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں برسوں اُستاد حدیث رہے۔ مولانا محمد رابع حسنی نے یہ بھی بتایا کہ خود اُن کو مولانا حمید الدین کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کی وجہ سے بھی وہ مولانا مرحوم سے تعلق وربط رکھتے رہے ہیں، اُن کی وفات سے بڑا دکھ

محسوس کرتے ہیں، مرحوم چوں کہ ہماری علمی وتعلیمی برادری ہی کے فرد تھے، اس لئے بھی ہم وابستگان دارالعلوم ندۃ العلماء اپنے رنج وصدمے کا اظہار کرتے ہیں اور مرحوم کے لئے مغفرت ورفع درجات کی دعا کرتے ہیں۔ (حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی (صاحب)

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

بڑے رنج وغم کے ساتھ یہ اندوہناک خبر سنی کہ میرے محترم عالم دین حضرت مولانا رشید الدین صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد مقدس شہر مدینہ منورہ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس دنیا میں آنے والے ہر شخص کو اپنے وقت پر جانا ہے؛ لیکن اہل تعلق کی جدائیگی قلب پر شاق گذرتی ہے، اور اہل علم کی وفات نہ صرف علمی حلقوں کے لئے ایک خسارہ ہے؛ بلکہ اپنے مشفق استاد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی نسبت وقرابت کی وجہ سے میرے لئے یہ ذاتی نقصان بھی ہے؛ لیکن قضاء الٰہی کے سامنے تسلیم ورضا کے سوا اور کیا چارہ ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

میری تعزیت حضرت مولانا مرحوم کے تمام پسماندگان کو پہنچا دیں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ والسلام قاضی مجاہدالاسلام قاسمی

حضرت مولانا قاضی منظور احمد مظاہری (قاضی شہر کانپور ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا کی رحلت آپ کے اہل خانہ کے لئے جہاں ایک عظیم سانحہ ہے، وہیں اِس دور قحط الرجال میں اُمت مسلمہ کے لئے بھی ایک عظیم حادثہ اور ایک بڑا المیہ ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کی اس سے بڑی کیا کرامت ہوگی کی مدرسہ شاہی کہاں سے کہاں پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ مدرسہ شاہی کے لئے اور اُمت مرحومہ کے لئے نعم البدل نصیب فرمائے۔ **وما ذٰلك على الله بعزيز** ۔ حج کے بعد ذی الحجہ کے اواخر میں دو مرتبہ مسجد نبوی شریف میں شرف ملاقات حاصل ہوا، اس وقت طبیعت بحمد اللہ مائل بہ اعتدال تھی، مگر وقت موعود جب آجائے تو صحت وعلالت سب برابر

ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی کلی مغفرت فرمائے اور جنت کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ للّٰه ما أخذ وله ما أعطى فكل شيء عنده لأجل مسمىٰ۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اور اہل مدرسہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ بڑوں کی رحلت چھوٹوں کے لئے آزمائش اور جو آزمائش پر پورا اُتر جائے اُس کے لئے نعمت ہے؛ کیوں کہ اس طرح چھوٹوں کے کمالات قوۃ سے فعل پر آتے ہیں، اُمید کہ آپ مدینہ طیبہ سے آگئے ہوں گے۔ مدرسہ جامع العلوم میں اطلاع پہنچنے پر اساتذہ وطلبہ نے قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کیا اور دعائے مغفرت کی۔ اہل خانہ اور اہل مدرسہ سے میری جانب سے تعزیت کے کلمات فرمائیں۔

فقط والسلام منظور احمد مظاہری خادم مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور کانپور

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت (ملتان، پاکستان) خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی (پاکستان)

گذشتہ دنوں حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ وفات کی خبر سے قلبی صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا مرحوم ایک باخدا بزرگ، فرشتہ سیرت، نیک خصلتوں کے حامل انسان تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کی ذات کو خوبیوں کا مرقعہ بنایا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی نسبی وروحانی نسبتوں نے اُن کو اوج ثریا پر پہنچا دیا تھا۔ اِس زمانہ میں وہ مرجع خلائق تھے۔ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد اُن کے اخلاص کی اس دھرتی پر زندہ نشانی ہے، جب کہ وہ خود آیت من آیات اللہ تھے۔ اس وقت وہ خانوادہ امدادیہ وقاسمیہ کی روایات کے امین تھے۔ اہل حق کے سرخیل تھے، ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ صدیوں پُر نہ ہو سکے گا۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے، ہر ایک کو جانا ہے، مگر بعض حضرات اس شان سے جاتے ہیں کہ ان کے انتقال پر فرشتے ان کا استقبال کرتے ہیں، یقیناً حضرت مرحوم انہی حضرات میں سے تھے۔ ایک سیدزادہ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار رحمت میں قبر کی جگہ نصیب ہو جائے؛ اس سے بڑا

اور کیا اعزاز ہوسکتا ہے؟ یقیناً رحمت حق نے اس سے فضل وکرم کا معاملہ فرمایا کہ آخر میں اُن کو یہ سعادت نصیب ہوگئی۔

مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد کے درودیوار، طلبا واساتذہ، منتظمین ومعاونین حضرت مرحوم کے صاحب زادگان و جملہ اہل وعیال، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی، مولانا ارشد مدنی، مولانا قاری محمد عثمان (مدظلہم) سب مستحق تعزیت ہیں۔ میری طرف سے ان سب حضرات کو تعزیت پہنچا دیجئے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اُن کی باقیات کو بارآور فرمائے اور پہلے سے زیادہ عظمت ووقعت نصیب فرمائے، اور حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔ عالمی تحفظ ختم نبوت (پاکستان) حضرت مرحوم کے اس غم میں جملہ پسماندگان کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔ حق تعالیٰ آپ سب حضرات کے حامی وناصر ہوں۔ (آمین بحرمۃ خاتم النبیین)

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پاکستان)

کل جامعہ مدنیہ لاہور کے ماہوار رسالہ کی ورق گردانی کرتے ہوئے یکا یک حضرت قدس سرہ کی وفات کا علم ہوکر سکتہ سا طاری ہوگیا، ابھی تک کسی نے ذکر ہی نہیں کیا تھا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ﴾ حضرت کی شفقت ومحبت اور پھر اُن کی جامع الصفات شخصیت اور منبع خیر وبرکت ہونے کی حیثیت سے یہ حادثہ حادثۂ جانکاہ ہے، مگر مرضی مولیٰ کے سامنے بجز صبر وشکر کے چارہ نہیں۔ پاکستان جب بھی تشریف لائے، حضرت والد ماجد (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ) کے ساتھ گہرے تعلق کی وجہ سے اکوڑہ خٹک بھی تشریف لائے، یہ تعلق طرفین کا آخر دم تک قائم رہا، خانوادۂ شیخ مدنی کے لئے یہ ایک بڑا سانحہ ہے، ہم سب خدام اس صدمہ میں پورے خاندان متعلقین متوسلین اور مدرسہ شاہی مرادآباد کے ساتھ شریک تعزیت ہیں، دارالعلوم میں رفع درجات کی دعائیں کی گئیں۔ والسلام

سمیع الحق
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
خادم جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ اور ہم سب کو آں مرحوم کے انتقال کے صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق دے، اور اس عظیم صدمہ پر صبر کے اجر سے محروم نہ کرے۔

عزیزان سامی! اس صدمہ انگیز واقعہ کے اطلاع ملنے کے چند روز بعد ہی احقر مرادآباد حاضر ہوگیا تھا، برادر محترم مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری سے ملاقات ہوئی اور اُن سے تعزیت کی۔ نیز برادر معظم مولانا ارشد مدنی زید مجدہٗ کو بذریعہ فیکس دیوبند، تعزیت نامہ بھیجا۔ آپ لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ حجاز مقدس میں ہیں، اِس لئے رابطہ قائم نہ کرسکا۔ اب اندازہ ہے کہ آپ لوگ مرادآباد واپس تشریف لے آئے ہوں گے! اس خیال کے پیش نظر یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں، اور درحقیقت اپنے دل کا بوجھ ہلکا کررہا ہوں کہ آں مغفور کی شفقتیں اور دل داریاں نیز دیگر خوبیاں یاد آ آ کر خون کے آنسو رلا رہی ہیں؛ لیکن اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں زبان پر ’’مـــا نـقـول إلا مـا یـرضیٰ بـه ربنا‘‘ ہے، اگر چہ اِس کے ساتھ ’’إنـا بـفـراقك یـا رشید! لمحزونون‘‘ کہے بغیر بھی چارۂ کار نہیں نظر آرہا ہے۔ نیز ’’للّٰہ ما أخذ وله ما أعطی وکل شيء عنده بأجلٍ مسمی‘‘ سے رہنمائی ہی نہیں تسلی بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

برادرزادگان عزیز! میری طرف اور تمام اہل خانہ کی طرف سے دلی تعزیت پیش ہے۔ آپ لوگوں کو کلماتِ صبر کی تلقین کرنا گویا تحصیل حاصل ہے کہ آپ خود ماشاء اللہ اصحاب علم وعزیمت ہیں، آپ کے گھرانے سے ہزاروں نے روشنی حاصل کی ہے۔

آخر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں اُن کے والد گرامی (عم رسول اللہ ﷺ) کی وفات کے موقع پر جن پر اثر کلمات میں ایک دیہاتی نے تعزیت پیش کی تھی (کہ جن سے حبر الامۃؓ کو بہت زیادہ تسلی حاصل ہوئی تھی) اُن کلمات کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں۔ ’’أجرك خیر من العباس بعدهٗ واللّٰه خیر منك للعباس‘‘ میری طرف سے آپ تمام بھائیوں، بہنوں، عزیزوں کو بعد سلام کے تعزیت پیش کریں۔ شریک غم: محمد برہان الدین سنبھلی

ڈاکٹر رشید الوحیدی (ذاکر نگر نئی دہلی)

میرے دوست عزیز مولانا رشید الدین صاحب اپنے مولیٰ کے دربار پر حاضر ہیں، اِن شاء اللہ کامیاب وسرفراز ہیں، کسی کا چھوٹنا فطری طور پر رنج والم کا موجب ہے، جس سے ہم اور آپ اس وقت دوچار ہیں؛ تاہم مدینہ منورہ میں قیام، طویل بیماری پھر جنت البقیع میں تدفین، ان نعمہائے ظاہری سے مرحوم کے لئے سعادت ومقبولیت کی بڑی امید وابستہ ہے، بے شک اللہ اور اُس کے رسول کی نظر کرم، توجہ اور بندے کے حق میں سعادت ہی سے یہ دولت ملتی ہے، اِس لئے ہمیں صبر وشکر سے کام لینا، مرحوم کے لئے دعائیں کرنا اور شریعت پر استقامت، اسی میں خیر ہے بچو! تم سب محبت اتفاق اور نظم وترتیب سے سارا نظام چلاؤ، اسی میں والدین کی روح کو سکون ملے گا نماز اور دین داری کے تو ماشاء اللہ تم سب عامل ہو۔ ایصالِ ثواب برابر کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر رشید الوحیدی

مولانا احمد نصر بنارسی (مدرسہ عربیہ امدادیہ بنارس)

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے کافی دیر تک قلبی اذیت میں مبتلا رہا، جانا تو سب کو ہے، مگر بعض کا جانا کھل جاتا ہے، سب سے زیادہ افسوس اِس کا کہ جو جا رہا ہے اُس کی مسند افراد سے پر ہو جاتی ہے، مگر جانے والے کی خصوصیات وکمالات اس کا ظاہری وباطنی جمال ونور سب رخصت ہو جاتا ہے، گویا جو جا رہا ہے اُس کی جگہ خالی ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مرحوم کو مردانہ وجاہت عالمانہ وقار صوفیانہ مذاق مجاہدانہ حیات سے نوازا تھا، اُن کی بے پناہ تنظیمی صلاحیت تعمیری فکر قائدانہ زندگی کی جس قدر تعریف کی جائے؛ وہ کم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات قرب سے نوازیں، اُن کے اخلاف وپسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما کر اُن کی مؤمنانہ فراست مخلصانہ زندگی داعیانہ کردار میں اُن کا جانشین بنائے۔

آپ خود میری طرف سے تعزیت قبول فرمائیے، میری اور میرے اہل خانہ اور مدرسہ کی

طرف سے حضرت مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش فرمادیں۔

کون کہتا ہے کہ بچھڑنے کا غم نہیں ہوتا
اور آپ کا بچھڑنا قیامت سے کم نہیں ہوتا

آپ کے غم میں شریک
احمد نصر بنارسی
خادم مدرسہ عربیہ امدادیہ بنارس

جناب اخلاق احمد صاحب وغیرہ (راولپنڈی پاکستان)

آج آپ کا ارسال کردہ رسالہ موصول ہوا، جس میں حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدیؒ کی وفات حسرت آیات پڑھ کر بڑا دکھ ہوا ہے۔ ساتھ ہی کچھ دل کو سکون بھی ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے گھر میں جگہ دی ہے، یہ بہت بڑی سعادت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے، جن کا اللہ نے اپنے نیک بندوں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے، اور آپ تمام حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور یہ سانحہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں، بزرگوں کا سایہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس نعمت سے نواز دے، دعاؤں میں ہم کو بھی شریک سمجھیں۔ ہمارے تو روحانی پیشوا تھے، قدرتِ کاملہ کا یہ کام ہے کسی کو کسی طرح اور کہیں رکھیں، بار بار پڑھتا ہوں تو آنکھوں سے اشک خشک نہیں ہوتے، کہاں ہمیں صبر کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، جو بھی دنیا میں آیا ہے اُس کو فنا ہونا ہے۔ اسی بات پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام سوگواران کو صبر کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین زیادہ خیریت۔ ہم سب کی طرف سے آپ صاحبان کی خدمت میں دست بستہ السلام علیکم۔ فقط والسلام آپ کی دعاؤں کا طالب:

اخلاق احمد، حاجی طلحہ محمود اور حاجی ہارون محمود پاکستان

ایک یادگار شخصیت

تعزیتی اجلاس سے خطاب: حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیو بند

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

آپ حضرات مغرب کے بعد سے مقررین کے خیالات سن رہے ہیں ہر ایک یہی کہہ رہا ہے کہ مولانا مرحوم جیسی صفات والا آدمی کہاں سے آئے گا؟ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اسے جانا تو بہرحال ہے؛ لیکن پہلے ایسا اکثر ہوتا تھا کہ جو جاتا تھا اُس کی جگہ کو پر کرنے والے سامنے آ کر ذمہ داریاں سنبھال لیتے تھے؛ لیکن اب یہ صورت زیادہ ہے کہ جو شخص بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے، کوئی اس خلا کو پر کرنے والا نظر نہیں آتا۔ اس اعتبار سے شخصیات کی اہمیت اور قیمت بڑھ جاتی ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کا مقام

حضرت سعید بن جبیر صاحبؒ مشہور ترین تابعی ہیں، ان کو حجاج بن یوسف (جو بڑا ظالم حاکم تھا جس نے بے شمار صحابہ علماء اور عوام کو بے قصور قتل کیا تھا) نے شہید کرادیا، جب حجاج اس دنیا سے رخصت ہو گیا، تو اس کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اُس سے پوچھا کہ کیا گذری؟ تو اس نے کہا مجھے ہر مقتول کے بدلہ میں ایک مرتبہ قتل کیا گیا اور حضرت سعید بن جبیرؒ کے بدلہ میں دو مرتبہ قتل وموت کی سزا دی گئی۔

کسی نے اس خواب کو سن کر امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ صحابہ کے قتل پر تو ایک مرتبہ قتل کی سزا ہوئی اور تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ۔ جن کا درجہ صحابی سے کم ہے اُن کے قتل پر دو مرتبہ سزا جاری ہوئی، اس کی کیا وجہ ہیت؟ تو آپ نے یہ جواب دیا کہ حضرت سعید بن

جبیرؒ سے پہلے جن حضرات کو قتل کیا گیا، تو علماء امت کے جانثاروں کی کمی نہیں تھی، جو بھی گیا اپنا جانشین چھوڑ کر گیا، جس نے دین کا کام سنبھال لیا؛ لیکن حضرت سعید بن جبیرؒ کو جب قتل کیا گیا، تو ان کی جگہ کو پُر کرنے والا اُمت میں کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا؛ لہٰذا اُمت کو جو نقصان سعید بن جبیرؒ کے قتل سے پہنچا ہے، وہ دوسروں کے قتل سے نہیں پہنچا ہے۔

اس دور کا المیہ بھی یہی ہے کہ جو عظیم شخصیت بھی اپنی جگہ سے اٹھ جاتی ہے، اُس کی جگہ کو پر کرنے والا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آتا۔

مدرسہ شاہی کی عظمت

جب سے یہ حادثہ ہوا ہے، میں یہی سوچ رہا ہوں کہ مدرسہ شاہی کے اس نقصان کی تلافی کیسے ہوگی؟ یہ مدرسہ اِس علاقہ میں عظیم خدمات اور عظیم شخصیات کا ایک گہوارہ ہے، اور مرادآباد کے رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ کیسی کیسی اہم ترین شخصیات یہاں سے وابستہ رہی ہیں، جن کے اخلاقِ فاضلہ اور خدمات کے گہرے نقوش اہل مرادآباد کے دلوں پر نقش ہیں۔

یہاں ایک زمانہ ایسا آ گیا تھا کہ مدرسہ کے انتظام کے لئے کوئی بھاری بھرکم شخصیت نہیں تھی، اور مدرسہ کے روح رواں حضرت مولانا مظفر الدین صاحبؒ تھے، جو حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد تھے، گھڑی کے پرزوں کے تاجر اور دیکھنے میں دبلے پتلے آدمی تھے، مگر مدرسہ شاہی کے سلسلہ میں سراپا اخلاص ہی اخلاص تھے، وہ بار بار مجھ سے کہتے کہ کسی مہتمم کی تلاش ہے، میں اُسے ٹالتا رہا، جب اُن کا زیادہ اصرار بڑھا تو میں نے عرض کیا مولانا آدمی تو ہے مگر اُس کا نام بتانے میں مجھ کو کچھ تردد ہے کہ وہ میرا اقربی عزیز ہے، میں اگر اُن کے متعلق مشورہ دوں اور وہ آ جائیں تو دنیا یہ کہے گی کہ اپنے عزیز کو رکھوا دیا، مگر مولانا مظفر الدین صاحب پھر بھی اصرار کرتے رہے کہ بتاؤ تو سہی وہ کون شخصیت ہے؟ اس وقت مولانا رشید الدین صاحب مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی میں مقیم تھے۔

ایک مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ دیوبند سے بارہ بنکی جا رہے ہیں، تو میں مرادآباد اسٹیشن پر پہنچا، انھیں کچھ وقت کے لئے مرادآباد اُترنے پر آمادہ کر لیا، مولانا میرے ساتھ قیام گاہ پر آئے۔

اور میں نے اُن سے تو کچھ نہیں کہا، بس مولانا مظفر الدین صاحب کو بلا کر اُن کی زیارت کرادی، مولانا مظفر الدین صاحب بڑے مردم شناس آدمی تھے، اُنہوں نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا کہ واقعی یہ ایسی شخصیت ہے جو مدرسہ شاہی کے شایانِ شان ہے، اور پھر کوشش کر کے مولانا کو مسند اہتمام پر فائز کر دیا گیا۔

مدرسہ شاہی میں مولانا حمیدیؒ کی عظیم خدمات

اِس کے بعد سب جانتے ہیں کہ یہاں آ کر مولانا نے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے وہ کسی پر مخفی نہیں ہیں، مدرسہ کی ساکھ کو مضبوط کیا، انتظام کو بہتر بنایا، اور خاص طور پر مدرسہ کی اقتصادی اور مالی مشکلات پر اتنا قابو پایا کہ اس سے پہلے کبھی مدرسہ مالی اعتبار سے اتنی ترقی پر نہیں رہا۔ اُنہوں نے مدرسہ کے تعلیمی معیار کو بھی بلند کیا اور تعمیری ضرورتوں کو بھی بحسن وخوبی پورا کیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُنہوں نے دینی خدمات کے لئے علماء کی ایک مضبوط ٹولی مدرسہ میں جمع کی، جن کی تحریری اور تقریری خدمات کا اہل مرادآباد پر گہرا اثر ہے، یہ علماء جتنی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں اُن کا سہرا مولانا رشید الدینؒ کے سر پر ہوگا۔

مشہور محدث علامہ ابن العربی اپنی شرح ترمذی میں خلفاء راشدین کے فضائل کا ذکر کر تے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی شخصیت انتہائی جامع کمالات ہے، اوران کا دس سالہ دورِ خلافت انتہائی شاندار اور اسلامی تاریخ کا درخشاں باب ہے، اُن کے کمالات اور خدمات کی کوئی نظیر نہیں ہے؛ لیکن دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جو بھی کارنامے انجام دئے، اُن سب کا سہرا امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر آتا ہے؛ اِس لئے کہ اُنہوں نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو امیر المؤمنین بننے کا موقع عطا کیا؛ لہٰذا حضرت عمرؓ کی ہر دینی خدمت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حصہ ہے۔

اس طرح اس مدرسہ میں جو علماء خدمت کر رہے ہیں، ان کی ہر خدمت میں مولانا مرحوم کا بھی حصہ ہے، جنہوں نے ان حضرات کو اس جگہ بیٹھ کر خدمت کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔

میں بار بار یہی سوچ رہا ہوں اور مجھے یہ فکر ہے کہ آخر کون آدمی اُن کی جگہ کو پر کرے گا؟ ایسا آدمی جو اُن جیسی صفات اور کمالات کا حامل ہو، ملک اور بیرون ملک متعارف ہو، بظاہر نظر نہیں آتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان سب سے برتر ہے، وہ کوئی مردِ غیب پیدا کردے جو مدرسہ کو اُس کی سطح پر باقی رکھے، اور مزید چار چاند لگائے تو اُس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو برابر ترقیات سے نوازتا رہے۔

مدرسہ شاہی کا خاص امتیاز

مدرسہ شاہی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مدرسہ آج سے نہیں؛ بلکہ اپنے روزِ قیام سے دارالعلوم کی فکر سے سو کے سو فیصد متحد ہے، اِس مدرسہ کی بنیاد بھی دارالعلوم دیوبند کے روحِ رواں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے رکھی ہے، یہاں کے مشہور بزرگ حضرت مولانا عالم علی صاحب کا انتقال ہوگیا، اور حضرت نانوتویؒ اُن کی تعزیت میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ ایسی جامع ترین شخصیت کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جو خلا پیدا ہوگیا ہے اُس خلا کو کوئی ایک شخص پر نہیں کرسکتا، الا یہ کہ کوئی ادارہ قائم کیا جائے، چنانچہ شاہی مسجد میں اس ادارہ کی بنیاد رکھی گئی، اور اس کا نام ''مدرسۃ الغرباء'' تجویز کیا گیا، جو آج کل مدرسہ شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ایسی ہے کہ یہ ادارہ اُس وقت سے آج تک پوری طرح دارالعلوم کی فکر سے متحد ہے۔

تحریک آزادی ہند کے دوران ایک دور آیا کہ مدرسہ شاہی میں کوئی اہم استاذ ایسا نہیں بچا تھا جو تحریک میں شامل نہیں تھا، اور یہ ساری سرگرمیاں حضرت شیخ الہند اور اُن کے تلامذہ کی آواز پر انجام پارہی تھیں۔ یہی وہ وقت ہے جب حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ نے مدرسہ کی ضرورت کو دیکھ کر مدرسہ شاہی سے تعلق قائم فرمایا، اور اس کی نگرانی کا فریضہ انجام دیا، ویسے تو سبھی مدارس دارالعلوم دیوبند سے مربوط ہیں؛ کیوں کہ وہ اُم المدارس ہے؛ لیکن اِن دونوں مدارس میں جو ہم آہنگی ہے اور فکر میں جو اشتراک ہے اُن میں مدرسہ شاہی کا کوئی شریک نہیں۔

مولانا مرحوم کی خوبیاں

مولانا مرحوم عمر میں آٹھ سال مجھ سے بڑے تھے؛ لیکن اُن کی زندگی ۱۴-۱۵ ؍سال کے بعد دیوبند ہی میں گذری، وہ میرا بچپن تھا۔ اس وقت اُن کا بدن اتنا بھاری نہیں تھا، شکار کے بڑے شوقین تھے، مجھے بھی شکار کی دھت تھی، چنانچہ ہم دونوں ساتھ جایا کرتے تھے۔ اس زمانے کے اندر بھی اُن کے اندر بڑی خوبیاں تھیں، دارالعلوم سے فراغت کے بعد کئی مدارس میں تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دیں، پھر شاہی میں آ گئے۔ اور جہاں بھی رہے پورے وقار کے ساتھ زندگی گذاری، اُن کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ یہ ایسی خوبی ہے جو انسان کو لوگوں کی نظروں میں انتہائی قابلِ قدر بنا دیتی ہے۔ علاوہ ازیں جو اُن کے گھریلو حالات سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ رات کو جاگنے والے تہجد گذار اور ذکر و اذکار کے بے انتہا پابند تھے۔

اہل اللہ کے لئے موت پریشانی کی چیز نہیں

یقیناً موت پریشان کرنے والی چیز ہے؛ لیکن اہل اللہ کے لئے موت پریشان کرنے والی شے نہیں۔ اکابر اَولیا اللہ کو دیکھا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کوئی اُن کے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں ہے، کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، فکر ہوتی ہے کہ میرے بعد کیا ہوگا؟ لیکن آخری وقت میں بیماری کے علاج کے لئے ڈاکٹر یا حکیم کو بلایا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کیا تم مجھ کو مرنے نہیں دو گے؟ اور کثرت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ فلاں کی عمر اتنی ہے اور فلاں کی عمر اتنی ہے، ایسا لگتا تھا کہ دنیا سے بیزار لوگ ہیں، ہماری موت کی یہ حقیقت ہے اور اللہ والوں کے دل میں موت کی محبت ہوتی ہے۔

الموت جسر یوصل الحبیب إلی الحبیب. موت تو ایک پل ہے، ایک محبوب اِدھر کھڑا ہے، دوسرا محبوب اُدھر کھڑا ہے، درمیان میں دریا ہے، ایسی حالت میں ایک محبّ اپنے محبوب سے کیسے ملے؟ فرماتے ہیں موت وہ پل ہے جو ایک محبوب کو دوسرے محبوب سے ملا دیتا ہے، یہ اہل اللہ کے لئے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب موت کا وقت قریب آیا تو فرمایا: "**اللّٰهم إني أحب لقائك وفاحب لقائي**"۔ اے اللہ آخری وقت میں آپ کی ملاقات کومحبوب رکھتا ہوں، اے اللہ آپ بھی مجھ سے ملنے کو محبوب فرمایئے۔ حضرت کی مراد پوری ہوئی۔ مولانا مرحوم کے بارے میں آج ہی ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ ایک مرتبہ میں مولانا کو اسٹیشن پہچانے گیا، تو مولانا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میری ایک تمنا ہے دیارِ حبیب میں وفات ہو، اللہ نے اُن کی تمنا پوری کی، بعض دفعہ جو بات دل سے نکلتی ہے پوری ہو جاتی ہے۔

سچی دعاء جو قبول ہوئی

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ میں حج کے لئے جا رہا تھا، اس زمانہ میں ہوائی جہاز کم تھے، پانی کے جہاز کا سفر تھا، ایک صاحب سجادہ نشین گنگوہ کے رہنے والے تھے، اُن سے ملاقات ہوئی، گھریلو جھگڑوں سے عاجز آ چکے تھے، اُن کے چچا اور بھائیوں میں سجادہ نشینی پر جھگڑا ہوتا تھا، سفر میں بار بار یہ کہتے تھے کہ دعاء کرو وہاں سے واپس نہ آؤں، جب جب ملاقات ہوتی یہی کہتے کہ دعا کرو وہیں رہ جاؤں، واپس نہ آؤں، میں اس زندگی کے جھمیلوں سے عاجز آ گیا ہوں، اس شخص کے دل کی تڑپ دیکھئے۔

میں مدینۃ المنورہ میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس رہا کرتا تھا، کسی طرح اُنہوں نے معلومات کیں کہ ارشد کہاں ہے؟ بہرحال ملاقات ہوگئی، انھوں نے پھر یہی کہا کہ دعا کرو یہیں رہ جاؤں، کچھ دن کے بعد کسی نے اطلاع دی کہ اُن کی طبیعت خراب ہے، میں ہسپتال پہنچا تو وہاں بھی انھوں نے کہا دعا کرو یہیں رہ جاؤں، آخر میں اطلاع ملی کہ اُن کا انتقال ہوگیا، اس آدمی کے اندر ایک تڑپ تھی، اللہ نے قبول کرلیا، اور اللہ کے رسول کے مقدس شہر میں جگہ مل گئی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات

حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، ابھی جسم میں جان باقی تھی، طبیب نے بتایا حضرت کو دودھ پلاؤ، اگر دودھ پیٹ سے زخموں کے راستے نکل جائے، تو

حضرتؓ کی زندگی کی کوئی اُمید نہیں، اور اگر دودھ نہ نکلے تو حیات کی امید کی جا سکتی ہے۔ دودھ پلایا تو زخموں کے راستے نکل گیا، آنتیں کٹ چکی تھیں تو فرمایا: ”**اوص یا أمیر المؤمنین**“! (امیر المؤمنین! بس اب جو وصیت کرنی ہو کر دیجئے) حضرت امیر المومنینؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا، اور درخواست کی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا، اب آخری تمنا ہے انہی کے پہلو میں دفن ہو جانے کی جگہ مل جائے، تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے رکھی تھی؛ لیکن اب میں آپ کے لئے قربان کر دیتی ہوں۔ چنانچہ آپ کی خواہش کے مطابق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔

جنت البقیع میں دفن کی عظیم سعادت

جنۃ البقیع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف ہے، میں نے حضرت مدنی کو دیکھا کہ وہ اَذانِ فجر سے پہلے بقیع غرقد تشریف لے جاتے، اور اذان ہوتے ہی مسجد آ جاتے تھے، بقیع کے دروازہ پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے تھے، جن لوگوں نے دیکھا تو پوچھا کہ آپ اندر کیوں تشریف نہیں لے جاتے؟ فرمایا کہ بقیع غرقد میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے، جہاں کسی صحابی یا تابعی کی قبر نہ ہو، میری ہمت نہیں ہوتی ہے کہ اس کے اندر جاؤں کہ مبادا کسی صحابی یا تابعی کی قبر پر پیر پڑ جائے، یہ وہ بقیع غرقد ہے، جہاں مولانا کو دفن ہونے کی جگہ ملی، اس بقیع غرقد میں پتہ نہیں کس صحابی کی قبر میں پیوند زمین ہو جائے، اللہ نے یہ درجہ عطا فرمایا یہ بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہے۔

یہ تعزیتی جلسے اور جانے والے کا تذکرہ اِس لئے ہوتا ہے کہ اس سے سننے والے کہنے والے کا غم ہلکا ہو جاتا ہے، اور دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور جانے والے کو خراج عقیدت پیش ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمالِ صالحہ اور اخلاص وللہیت کی بنا پر یہ عظیم الشان رتبہ و درجہ عطا فرمایا ہے۔

قابلِ رشک موت

میں ابھی چند دنوں پہلے مولانا مرحوم کی عیادت کے لئے مدینہ منورہ گیا تھا، تو وہ بیہوش رہتے تھے، ۱۰/روز وہاں قیام رہا، روزانہ ساڑھے ۵/ بجے جاتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا میں گیا تو بچوں نے بتایا کہ ارشد مزاج پرسی کے لئے آیا ہے، تو اُنہوں نے ہاتھ اُٹھا کر مصافحہ کرنا چاہا؛ لیکن ہاتھ نہیں اُٹھ پا رہا تھا، اشہد نے اُٹھا کر مصافحہ کرایا، بول نہیں سکتے تھے؛ اِس لئے کہ منہ میں آلہ لگا ہوا تھا، میں نے جب سلام کیا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور جواب دیا، جب میں آ رہا تھا تو اُس دن اُن کی طبیعت زیادہ خراب تھی، شدید بخار تھا، اُس کے چند روز بعد ہی یہ حادثہ پیش آ گیا، اُنہوں نے آنکھیں نہیں کھولیں، اُن کی وفات پر افسوس تو ہے؛ لیکن بہر حال یہ موت قابل صد رشک ہے، کچھ لوگوں کی موت ایسی ہو جاتی ہے کہ اس کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا اظہار الحسن صاحبؒ (تبلیغی مرکز دہلی والے) اپنے رفقاء کے ہمراہ مرکز میں ایک بند کمرہ میں مشورہ کر رہے تھے، مولانا نے اچانک دروازہ کی طرف دیکھا اور کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ تشریف لائیے!'' ساتھیوں نے دروازے کی طرف نظر اُٹھائی، تو دروازہ بدستور بند تھا، پھر جب مولانا کی طرف دیکھا تو مولانا دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔

ہمارے ایک جاننے والے حیدر آباد میں تھے امام تھے، عید کی نماز پڑھا رہے تھے، پہلی رکعت میں جب سجدے میں پہنچے تو سجدے کی حالت میں روح پرواز کر گئی، لوگ پریشان تھے کتنا لمبا سجدہ ہو گیا، دیکھا تو وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

بہر حال بعض دفعہ موت ایسی ہو جاتی ہے کہ آدمی کے وہم وگمان میں بھی وہ بات نہیں ہوتی ہے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے بچوں کی نگرانی فرمائے، مدرسہ کے لئے خیر کے فیصلے فرمائے اور شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

کچھ دیدہ- کچھ شنیدہ

(مدینہ منورہ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کے سفر آخرت کے کچھ مناظر)

حافظ قاری مسعود صاحب امام وخطیب مسجد الرحمۃ مدینہ منورہ

۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مؤرخہ ۳؍جون ۲۰۰۱ء کو مسجد الرحمۃ کے کمرے میں ایک کتاب دیکھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی (دن کے دو بجے ہوں گے) رسیور اٹھایا، آواز آئی، میں ولی اللہ بول رہا ہوں (مولوی ولی اللہ امام مسجد احد) آج ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ مولانا رشید الدین صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔ فون رکھا ہی تھا کہ دوبارہ گھنٹی بجی، فون اُٹھایا تو آواز آئی بھائی قاری مسعود صاحب میں اخلد ہسپتال سے بول رہا ہوں، حضرت والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ہم والد صاحب کو لے کر گھر پر ہی آرہے ہیں۔ آپ گھر آجایئے تھوڑی دیر کے لئے دل ودماغ کی دنیا پر سناٹا چھا گیا، پھر دیر تک حضرت کی یاد آتی رہی، ان کے اوصاف وکمالات یاد آتے رہے، ان کا رسوخ علمی ان کی قوت یاداشت وذکاوت اُن کے صفاتِ عالیہ کے نقوش حافظے پر اُبلتے رہے، جن کی زیارت سے بزرگوں کی بہت سی نشانیاں ایک ذات میں نظر آتی تھیں، واحسرتاہ! آج ہم ان سے محروم ہوگئے۔

احقر اپنے غم زدہ دل کے ساتھ بھائی اخلد مدظلہ (حضرت اقدس کے بڑے صاحبزادے) کے گھر پہنچا، مولانا بایزید صاحب فاضل دیوبند جنوبی افریقہ والے، بھائی حارث، بھائی عفان (حضرت کے چھوٹے داماد) موجود تھے، قاری محمد رمضان صاحب اور ملک عبدالوحید صاحب بھی آگئے، بھائی اخلد مدظلہٗ اور بھائی اشہد رشیدی مدظلہ اور دیگر احباب ہسپتال سے ابھی نہیں پہنچے تھے، ساڑھے چھ بجے کے قریب خصوصی گاڑی سے حضرت کو بھائی اخلد کے گھر بغرضِ غسل لایا

گیا، بھائی اخلد نے بتایا کہ عشاء کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہونی طے ہوئی ہے، جنت البقیع سے چارپائی لائی گئی، وہیں سے غسال بھی آیا، یہ ناچیز دل میں سوچ رہا تھا کہ غسل میں شرکت نصیب ہوجائے تو زہے قسمت، چونکہ وقت بہت کم تھا، غسل کے لئے جب جسم مبارک کو رکھا گیا، تو ایسا معلوم ہوا کہ ابھی سوئے ہیں، جسم نہایت ہی نرم گداز اور ملائم تھا، بھائی اخلد مدظلہ رہنمائی فرماتے رہے۔ یہ ناچیز (راقم الحروف) بھائی اشہد رشیدی مدظلہ کے ساتھ جسم پر پانی ڈالتے رہے، غسل کے بعد تکفین عمل میں لائی گئی۔ چہرہ نہایت ہی پرانوار تھا، جنازہ کو مسجد نبوی شریف میں لایا گیا، مسجد نبوی شریف کے قبلہ کی طرف نماز جنازہ کے لئے ایک بہت بڑا کمرہ بنا ہوا ہے، جس میں جنازہ کو رکھا جاتا ہے، گویا اب جنازہ مسجد شریف کے باہر رکھا جاتا ہے، اور امام صاحب اس کمرہ میں جو مسجد شریف سے باہر ہے کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ عشاء کی نماز عموماً فضیلۃ الشیخ علی عبدالرحمٰن حذیفی پڑھاتے ہیں، امام صاحب اسی دروازے سے تشریف لائے، جس طرف جنازہ رکھا ہوا تھا۔ آج عشاء کی نماز فضیلۃ الشیخ صلاح بدیر حفظہ اللہ (امام وخطیب مسجد نبوی شریف) نے پڑھائی، نماز جنازہ کا اعلان ہوا، نماز کے بعد چارپائی کو اٹھانے والے علماء کرام وحفاظ وقراء حضرات تھے، میت کو جنت البقیع لایا گیا، قبر تیار تھی اور بے قرار شخصیت جو عمر بھر اس تمنا اور آرزو میں تڑپتی رہی کہ اپنے محبوب کے شہر مقدس میں اپنی جان دے، اس کی تمنا پوری ہوئی، رات دس بجے کے قریب اس خزانۂ علم وحکمت وگنجینۂ معرفت کو سپرد رحمت کردیا۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے ❖ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ❖ سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

حضرت کے صاحبزادگان اور متعلقین کا کمال صبر وضبط قابل دید تھا، اس عظیم صدمہ کے دوچار ہونے کے باوجود خود کو سنبھالے ہوئے تھے، تدفین کے بعد دل پرغموں کا بوجھ لئے ہوئے واپس ہورہے تھے، حضرتؒ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا اشہد رشیدی مدظلہ نے مندرجہ ذیل ایک حدیث شریف سنائی: عن عبد اللّٰه ابن عمرو قال: توفي رجل بالمدينة (ممن ولد بالمدينة) فصلى عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وقال: ''ياليته مات

في غيـر مولده" فقال رجلٌ: (من الناس): لم يا رسول اللّٰه؟ فقال: "إن الرجل إذا مـات في غيـر مـولـده، قيـس له من مولده إلىٰ منقطع أثره في الجنة". (رواه أحمد في مسنده والنسائي، وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی مدینہ منورہ میں وفات ہوئی (اس کی جائے پیدائش مدینہ منورہ کی تھی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ کاش یہ اپنی جائے پیدائش کے علاوہ کسی اور جگہ وفات پاتا، صحابہ میں سے کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ ایسا ارشاد کیوں فرمارہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً اِرشاد فرمایا کہ ''جب آدمی جائے پیدائش کے علاوہ کہیں اور وفات پاتا ہے، تو اُس کے لئے جائے وفات اور جائے پیدائش کے برابر ناپ کر حصہ جنت میں سے عطا کردیا جاتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہم سب کو بھی نصیب فرمائے۔

حضرتؒ کی پیدائش ۱۳۵۲ھ فروری ۱۹۳۲ء بمقام ہنسور ضلع فیض آباد میں ہوئی، درس نظامی کا کورس اور دورۂ حدیث شریف آپ نے دارالعلوم میں کیا، اسی گہوارہ علم وفن میں رہ کر افتاء کی تحصیل وتکمیل کی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں دوسال تک پڑھایا، اس کے بعد تین سال مدرسہ امدادالعلوم زید پور بارہ بنکی میں اور دس سال تک مدرسہ دارالرشاد بنکی بارہ بنکی میں تدریس کے فرائض انجام دئے، اس مدرسہ کے آپ بانی اور مہتمم تازندگی رہے۔ اسی طرح اکابر نے آپ کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں منصب اہتمام پر مقرر فرمایا، جس کو تمام زندگی آپ نے احسن طریقہ سے چلایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت کاملہ فرمائے، اُن کے درجات کو بلند فرمائے، اُن کی یادگار مدرسہ شاہی مرادآباد کو قائم ودائم رکھے۔

حضرت رحمۃ اللہ سے اِس ناچیز کی پہلی ملاقات آج سے تقریباً پندرہ سال قبل مسجد نبوی شریف میں ہوئی، یہ ناچیز مسجد نبوی شریف میں بیٹھا تھا، سامنے نہایت ہی خوب صورت چہرے والے سر پر سبز رنگ کا گرم رومال خاص انداز میں باندھے ہوئے بزرگ پر نظر پڑی، پاس بیٹھے ہوئے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا یہ مولانا رشیدالدین ہیں۔

ہندوستان سے تعلق ہے، بندہ فوراً اٹھا اور جا کر مصافحہ کیا، بولنے میں بڑی مٹھاس محسوس ہوئی۔ احقر نے گذارش کی حضرت اگر ناشتہ میرے یہاں فرمالیں تو زہے قسمت! فرمایا آج تو کسی اور سے وعدہ ہے، کل اِن شاء اللہ تمہارے ساتھ جا سکتا ہوں۔ حضرت کی اس شفقت پر دل بہت ہی خوش ہوا۔ دوسرے دن حاضر خدمت ہوا مسجد الرحمۃ میں تشریف لائے، وضو فرمایا، میرے چھوٹے سے کمرہ میں دو رکعت نفل ادا فرمائی، ماحضر تناول فرمایا، دیر تک گفتگو فرماتے رہے، جس کی لذت کا احساس اب تک باقی ہے، میں اپنی کوتاہ علمی کے باعث اس کی تعبیر سے قاصر ہوں۔ اس وقت بھائی اخلد مدظلہ کا مستقل قیام مدینہ طیبہ میں نہ تھا۔ حضرت نے فرمایا میں پاکستان جاتا رہتا ہوں، عنقریب پاکستان جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے درخواست کی اگر لاہور تشریف لے جائیں تو وہاں پر میرے بڑے بھائی حکیم حافظ محمد طیب صاحب قیام پذیر ہیں، اگر ان کو آپ کی آمد کی اطلاع ہو جائے تو بہت خوش ہوں گے۔ حضرت نے پوچھا آپ کے بھائی صاحب وہاں کیا کرتے ہیں؟ عرض کیا وہاں خطیب ہیں، اور اپنا مدرسہ ہے۔ اور ایک رسالہ ''حق چار یار'' کے بانی اور مدیر مسئول ہیں، اور ساتھ ساتھ حکمت بھی کرتے ہیں۔ فرمایا بہت اچھا ضرور اطلاع کروں گا۔ حضرت لاہور تشریف لے گئے، بھائی صاحب مرحوم سے ملاقات بھی ہوئی، بھائی صاحب نے دوا بھی تجویز فرمائی، دوبارہ مدینہ طیبہ تشریف آوری ہوئی، یہ ناچیز ایک دن حضرت اقدس مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مدظلہ کی خدمت میں بیٹھا تھا، حضرت کا فون آیا، مفتی صاحب مدظلہ سے دیر تک گفتگو فرماتے رہے، مفتی صاحب مدظلہ اپنے مخصوص انداز میں بڑی بے تکلفی سے گفتگو فرما رہے تھے۔ مفتی صاحب نے فرمایا بھائی مٹھائی کھلاؤ، تو ابھی ملاقات کرا دیتا ہوں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت نے کیا فرمایا؟ مفتی صاحب مدظلہ نے ہنستے ہوئے رسیور میرے ہاتھ میں دے دیا۔ آواز پہچاننے میں دیر نہ لگی، پوچھا حضرت کب تشریف آوری ہوئی؟ حضرت نے اپنے پروگرام سے مطلع فرمایا، چھوٹوں پر نظر شفقت رکھنا اس خاندان کی امتیازی شان ہے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا تمہارے بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی، انھوں نے دوا بھی دی، اور مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا، تم فلاں وقت آجاؤ، لاہور فون

کر کے ان سے مشورہ کرنا ہے کہ دوا جاری رکھوں یا اب بند کر دوں؟ دوا جاری رکھنے کی صورت میں مزید دوا کے حصول کی کیا صورت ہوگی؟ بھائی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس ناچیز نے رابطہ کیا، فرمایا کہ حضرت سے پروگرام پوچھ لو، دوا کسی جانے والے کے ہاتھ ہندوستان روانہ کر دی جائے گی۔ گذشتہ سال بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے، اب حضرت بھی اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ جانے والوں کی مغفرت فرمائے، ان کے نقش قدم پر ہم سب کو چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

یہ ناچیز غمگین دل کے ساتھ قارئین حق چار یار کی طرف سے اور حضرت جی کی طرف سے بھائی اخلد مدظلہ اور بھائی اشہد رشیدی مدظلہ اور تمام اہل خانہ اور خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنون پیش کرتا ہے۔

حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کچھ یادیں، کچھ باتیں

مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مجھے چند سال پہلے مشہور شامی ادیب وصاحب طرز انشاء پرداز، عربی ادب میں ایک نئے اسکول کے بانی ومؤسس ڈاکٹر عبدالرحمٰن رأفت پاشا کی مشہور زمانہ کتاب ''**صور من حیاۃ الصحابۃ**'' پڑھنے کا اتفاق ہوا، موصوف نے کتاب کے شروع میں بطور خراج عقیدت کے صحابہ کرام سے متعلق یہ الفاظ لکھے:

''اے اللہ! مجھے صحابہ کرام سے بے پناہ محبت ہے، ہنگامۂ محشر میں آپ مجھے اُن میں سے کسی ایک کے ہمراہ کردیں، بارالہا! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ مجھے ان سے محبت آپ ہی کی خاطر ہے''۔

ابھی پچھلے دنوں ان کی ایک دوسری کتاب پڑھنے کا موقع ملا، جس میں اُن کے مختصر سوانحی خاکے میں لکھا ہوا تھا:

''موصوف نے ۱۹۸۶ء میں شہر استنبول (ترکی) میں وفات پائی اور وہاں کے مقبرہ فاتح میں دفن ہوئے، جہاں بہت سے صحابہ کرام اور تابعین عظام آسودۂ خواب ہیں، اُن سے آپ کو اپنی زندگی میں بڑی محبت تھی، مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا جوار عطا فرمایا''۔

دل سے نکلی ہوئی دعا اللہ تعالیٰ نے سن لی

اس تعلق سے عرض ہے کہ اگر حضرت مہتمم صاحب کی وفات ایک طرف باعث غم واندوہ ہے تو دوسری طرف قابل رشک بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ منورہ میں وفات اور جنۃ البقیع میں تدفین کی عظیم سعادت سے ہم کنار کیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے دل کی اَتاہ گہرائیوں سے اس سعادت کے لئے ضرور دعا ماں گی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جوار عطا فرمایا۔

جنۃ البقیع میں دفن کئے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دُفِنَ فِي مَقْبَرَتِيْ هٰذِهٖ أَشْفَعُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. — جو شخص میرے اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا میں اس کے لئے قیامت میں سفارش کروں گا۔

تعارفی ملاقات

حضرت مہتمم صاحبؒ سے میری باضابطہ تعارفی ملاقات ۱۹۹۸ء میں ہوئی، میں شعبان کی چھٹی میں اپنے وطن ہردوئی میں تھا، یہاں مدرسہ شاہی میں میری مدرسی کی بات چل رہی تھی۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ تمہیں حضرت مہتمم صاحب نے بلایا ہے، بلا تاخیر آ کر ان سے ملاقات کرو، وہ اپنے طویل سفر پر تشریف لے جانے والے ہیں، واپسی کئی مہینوں کے بعد ہوگی۔

میں مرادآباد آیا اور آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، آپ نے بڑی شفقت کا معاملہ کیا، آپ نے مجھ سے کچھ چیزوں کے بارے میں معلومات کی، اُن میں سے ایک بات یہ تھی کہ آپ کا سرپرست کون ہے؟ کیا والد صاحب حیات ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے سرپرست میرے بڑے بھائی مولانا محمد صابر صاحب ہیں، میرے زمانہ طالب علمی ہی میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا تھا، بڑے بھائی کی زیرسرپرستی میں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ والد صاحب کے تعلق سے عرض کیا کہ انھیں شیخ الاسلام

حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے عقیدت ونسبت کا شرف حاصل تھا، اگر چہ والد صاحب کو حضرتؒ کی خدمت میں زیادہ وقت لگانے کا موقع نہیں ملا؛ تاہم حضرتؒ ہمارے علاقے میں یا قصبہ محمدی (لکھیم پور) میں جب بھی تشریف لے جاتے، تو ہمارے والد صاحب آپؒ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ حضرت کی آمد ورفت کے علاقے پر دینی اعتبار سے گہرے اثرات ہیں، اس طرح نہ صرف ہمارا گھرانہ؛ بلکہ پورا علاقہ دین داری کے حوالے سے حضرت مدنیؒ کا مرہونِ منت ہے۔

علاقے میں ملی کام سے متعلق دریافت کرنے پر عرض کیا:

اب ہمارے علاقے میں ملی ومسلکی کاموں کی طرف کافی توجہ ہے، چنانچہ ہم دارالعلوم دیوبند کے قدیم وجدید فضلاء نے مل کر قصبہ پہانی میں جمعیۃ علماء کی ایک شاخ قائم کی ہے، جس کے زیر انتظام علاقے میں دینی واصلاحی پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ہمارا علاقہ بھی ہندوستان کی ملک گیر ملی تحریک جمعیۃ علماء ہند سے جڑا ہوا ہے۔

تعلیمی افکار وخیالات

جب آپ کئی مہینہ کے بعد اپنے طویل سفر سے واپس تشریف لائے، تو میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوا، اتفاق سے اُس روز میں مجلس میں تنہا تھا، آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

انگلش میڈیم اسکولوں میں انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے، ابتداء ہی سے طالب علم کو انگریزی پڑھنے، بولنے اور لکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے، اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم اپنا مافی الضمیر انگریزی میں اچھی طرح ادا کر لیتا ہے۔

لیکن ہمارے اسلامی مدارس میں معاملہ اِس سے مختلف ہے، اِن مدارس کا مکمل نصاب عربی زبان میں ہے۔ ایک طالب علم یہ نصاب آٹھ سال تک پڑھتا ہے؛ لیکن عربی میں وہ اپنی بات نہیں کہہ پاتا، اِس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

آپ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

عربی زبان کے حوالے سے ایک بات میں آپ سے بھی کہہ رہا ہوں، اور اس سے پہلے آپ کے شعبے کے اساتذہ سے بھی کہہ چکا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ طلبہ میں عربی مزاج و مذاق پیدا کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ عربی کی ابتدائی جماعتوں میں سے ایک جماعت لی جائے، اُس کی تمام کتابیں عربی میں پڑھائی جائیں۔ جیسے جیسے یہ جماعت سال بسال ترقی کرے اُس کی تدریس کا یہی انداز اور معیار باقی رکھا جائے۔ اس طرح یہ جماعت ایک مثالی جماعت بن جائے گی، اُس کے بعد دوسری جماعتوں کو لے کر ان پر بھی اسی انداز میں محنت کی جائے، اس طرح آہستہ آہستہ تمام جماعتوں کا مزاج و مذاق عربی ہو جائے گا، اُن کی تعلیمی زبان عربی ہو جائے گی، اور مدرسہ کا پورا ماحول عربی بن جائے گا۔

آپ نے یہ بات کئی مجلسوں میں فرمائی، چنانچہ ۱۴۲۰ھ میں اختتام سال کی مجلس تعلیمی میں آپ نے اپنی یہ بات رکھی، اس پر تبادلۂ خیال ہوا...... آپ نے فرمایا: کم از کم ایک ہی کتاب پر تجربہ کر کے دیکھا جائے، چناں چہ مجلس نے عربی چہارم کی ایک کتاب کی تدریس عربی زبان میں طے کر دی؛ لیکن آپ کے اِن تعلیمی افکار و خیالات کو ہم لوگ اپنی کم مائیگی و بے بضاعتی یا عافیت کوشی و سہل انگاری کی وجہ سے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

الثقافة الاسلامية کا اجراء

آپ نے کئی مرتبہ ہم شعبۂ تکمیل ادب کے اساتذہ سے فرمایا کہ آپ لوگ اپنے شعبے کی طرف سے عربی میں رسالہ جاری کیجئے، جس میں آپ لوگوں کے مضامین ہوں۔ نیز شعبۂ تکمیل اَدب کے طلبہ کے بھی مضامین ہوں، اس سے طلبہ کی بھی حوصلہ افزائی ہوگی، اور رسالہ تکمیل ادب اور مدرسہ کا ترجمان ہوگا۔

ہم لوگوں نے مضامین لکھے، اور طلبہ سے بھی مضامین لکھوائے، رسالے کا نام تجویز کرنے کا مرحلہ درپیش تھا، ہم لوگوں نے چند نام لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیے، آپ نے اُن میں سے ''الثقافة الإسلامية'' پسند فرمایا، چنانچہ رسالے کا یہی نام تجویز کر دیا گیا۔

نیز ہم لوگوں نے رسالے کے پہلے شمارے کے لئے آپ سے دعائیہ کلمات لکھنے کی درخواست کی، آپ نے زبانی طور پر کچھ باتیں ارشاد فرمائیں، جنھیں راقم سطور نے عربی کے قالب میں ڈھال کر رسالے کے پہلے شمارے میں شامل کردیا۔ اِس طرح آپ کی زیرِسرپرستی مدرسہ سے عربی رسالہ ''الثقافة الإسلامية'' کا اجراءعمل میں آیا۔

ایک مجلس میں آپ نے اسے ہر تیسرے ماہ منظرعام پر لانے کا فیصلہ فرمایا، اب تک اس کے دوشمارے منظرعام آچکے ہیں، تیسرا شمارہ تیار تھا کہ آپ کا سانحۂ وفات پیش آگیا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ وہ جلد ہی منظرعام پر آئے گا۔

مجھے حضرت مہتمم صاحبؒ کے زیرِسایہ بہت کم وقت گذارنے کا موقع ملا؛ تاہم اس قلیل مدت کے دوران جو اہم چیزیں میرے ساتھ پیش آئیں، انھیں میں نے سپردِ قرطاس کردیا۔

بہرِتسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو بوقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

تھی جہاں کی خاک اُس کی وہ وہاں رخصت ہوا

مفتی اسرار احمد دانشؔ قاسمی نجیب آبادی

فرد واحد کی شکل میں کارواں رخصت ہوا
گلشنِ نبوی کا یا اِک باغباں رخصت ہوا

تھا رگوں میں حضرتِ سادات کا جس کی لہو
چھوڑ کر دنیا کو اب سوئے جناں رخصت ہوا

اہلِ دل اہلِ بصیرت صاحب سوز دروں
یوں کہو دنیا سے اِک پیر مغاں رخصت ہوا

تھا عجم سے اور عرب تک فیض جس کا آہ!
وہ اَمیرِ کارواں شیخِ زماں رخصت ہوا

تھا یقیناً باعثِ صد فخر جس کا اہتمام
نا خدا شاہی کا اَب وہ بے گماں رخصت ہوا

صورت وسیرت فراست میں وہ خود اپنی مثال
حسن کا پیکر امام زِیرکاں رخصت ہوا

وہ رشید الدیں جمعیۃ کو جس پر ناز تھا
کشتیِ اُمت کا اب وہ نگہباں رخصت ہوا

پاسبانی کررہا تھا دین کی جو رات دن
آج یکشنبہ کے دن وہ پاسباں رخصت ہوا

چھن گیا چین وسکوں، ہیں مضطرب قلب وجگر
دلِ پریشاں کا تھا جو جائے اَماں رخصت ہوا

ڈھونڈتا ہے ہند میں دانشؔ تو کیوں اُن کا مزار
تھی جہاں کی خاک اُس کی وہ وہاں رخصت ہوا

سو گئے لو آج جا کر اُنؐ کے ہی یاروں کے بیچ

از: فخر الاسلام نفیسی امروہی

جامعہ شاہی کی کشتی چھوڑ مجدھاروں کے بیچ
چل بسے حضرت حمیدیؒ عشق کے ماروں کے بیچ

جنؐ کی اُمت کے لئے تڑپا کئے رویا کئے
سو گئے لو آج جا کر اُنؐ کے ہی یاروں کے بیچ

وہ وجاہت، شان وشوکت اور وہ رعب و دبدبہ
تھے یقیناً آپؒ جیسے چاند ہو تاروں کے بیچ

حسنِ صورت، حسنِ سیرت، حسنِ حلم و انتظام
لا دکھا دل کوئی اُن سا ایک دل داروں کے بیچ

جن کو اُن سے نسبتیں ہیں جن کو اُن سے قرب ہے
ہے کسی کی آنکھ پرنم، کوئی انگاروں کے بیچ

وہ رشید الدین حمیدیؒ وہ بہارِ جامعہ
ذکر اُن کا خاص ہوگا، اِس کے معماروں کے بیچ

کیسے کہہ دوں؟ حال دل کا ہے خدا ہی جانتا
بعد اُن کے اَب نہیں ہے کوئی غم خواروں کے بیچ

شکوہ و شیون سے حاصل کیا عزیزو! دوستو!
وہ ہوا جو کچھ لکھا قسمت کے تھا پاروں کے بیچ

کس لئے روئیں ضرورت اشک ریزی کی ہے کیا؟
جن کے وہ پیارے تھے پہنچے ہیں انہیں پیاروں کے بیچ
سچ بتاؤ اُس کا مرنا موت ہے یا زندگی؟
جاں تو جاناں میں لگی ہو جسم اغیاروں کے بیچ
بھیج دے نعم البدل اُن کا الٰہی بھیج دے
تذکرے ہیں یہ دعائیں دردِ دیں داروں کے بیچ
آ نفیسؔ تو بھی ہو توبہ کُناں محوِ دعا
گل اُمیدوں کے کھلیں گے دیکھنا خاروں کے بیچ

حضرت مولانا سید رشید الدینؒ کی یاد میں

مولانا مجیبؔ بستوی

فضل وفن کی داستان سید رشید الدینؒ تھے ❖ علم دیں کے آسماں سید رشید الدین تھے
سوگ میں ہے مستقل جمعیۃ علمائے ہند ❖ جس کے میر کارواں سید رشید الدین تھے
خدمتِ دینِ محمدؐ کرتے کرتے اُٹھ گئے ❖ دینِ حق کے پاسباں سید رشید الدین تھے
اُن سے میرا تھا تعلق، اُن سے تھے میرے رسوخ ❖ کتنے مجھ پر مہرباں سید رشید الدین تھے
خدمتِ قوم و وطن کا رہنما جاتا رہا ❖ اُسوۂ پیغمبراں سید رشید الدین تھے
غم مرادآباد کو ہے، بارہ بنکی غم زدہ ❖ آہ اِک کوہِ گراں سید رشید الدین تھے
اشکِ غم ہیں اخلدؔ واشہدؔ کی آنکھوں سے رواں ❖ دونوں کے عزم جواں سید رشید الدین تھے
اسعد مدنؔی کی محفل کا چراغِ ضو فشاں ❖ راحت عمر رواں سید رشید الدین تھے
حُزن میں ڈوبا ہوا ہے مدرسہ دار الرشاد ❖ اس کا دل اور اُس کی جاں سید رشید الدین تھے
مدرسہ شاہی مرادآباد بے رونق ہوا ❖ اُس کی شمع ضوفشاں سید رشید الدین تھے
سونی سونی ہے مرے پیارے وطن کی انجمن ❖ نازش ہندوستاں سید رشید الدین تھے

مغفرت اللہ، مولانا کی فرمائے مجیبؔ
کیا بتاؤں میں کہاں سید رشید الدین تھے

منظوم خراجِ عقیدت

بخدمت گرامی اقدس حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد و دارالرشاد بنکی بارہ بنکی
ازنتیجہ فکر: (مولانا قاری) عبدالستار حلیمی بلالی خادم جمعیۃ علماء تحصیل فتح پور بارہ بنکی یوپی

دنیا سے ایک عالم قرآن چلا گیا ❖ بزم جہاں سے نور چراغاں چلا گیا
کرتا رہا علاجِ دل دردمند جو ❖ وہ غم گسار درد کا درماں چلا گیا
وہ دین کا رشیدؒ وہ مذہب کا رہنما ❖ افسوس وہ مجاہدِ دوراں چلا گیا
کیسا ہے یہ ہجوم ملائک زمین پر ❖ لگتا ہے کوئی صاحبِ ایماں چلا گیا
عالم کی موت سچ ہے کہ عالم کی موت ہے ❖ دین نبی کا ساقیٔ عرفاں چلا گیا
غمگین کیوں نہ ہوتے بھلا حضرت سعیدؒ ❖ محفل سے اُن کی لعل بدخشاں چلا گیا
جس پر نثار گلشن دار الرشاد تھا ❖ وہ باغباں وہ روح گلستاں چلا گیا
داماد با وقار تھا ملت کا پاسباں ❖ مدنیؒ کے گھر کا تاجِ سلیماں چلا گیا
اخلدؔ بہت اُداس ہیں اشہدؔ ہیں غم زدہ ❖ سب کے سکونِ قلب کا ساماں چلا گیا
شاہی مرادآباد کو جس پر بڑا تھا ناز ❖ وہ نائبِ رسول وہ مہماں چلا گیا
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا ❖ آقا کا اِک غلامِ غلاماں چلا گیا
ماتم کناں جمعیۃ علماء ہند ہے ❖ دامن سے اُس کے گوہر تاباں چلا گیا
ہر پل ندائے شاہی سے آتی ہے یہ صدا ❖ جانے کدھر ہمارا وہ سلطاں چلا گیا
یا رب تو اہل خانہ کو توفیق صبر دے ❖ نظروں سے ان کی مہر درخشاں چلا گیا

یہ اضطراب قلب بلالیؔ ہے اس لئے
ملت کے کارواں کا نگہباں چلا گیا

❍❖❍

صنعت مربع بجناب عالی مولانا رشید الدین صاحب حمیدیؒ

۲۰۰۱

	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	
۲۰۰۱	رہبر	لائق	سرور	فائق	قائد	صادق	عارف	اسعد	۲۰۰۱
۲۰۰۱	لائق	سرور	فائق	قائد	صادق	عارف	اسعد	رہبر	۲۰۰۱
۲۰۰۱	سرور	فائق	قائد	صادق	عارف	اسعد	رہبر	لائق	۲۰۰۱
۲۰۰۱	فائق	قائد	صادق	عارف	اسعد	رہبر	لائق	سرور	۲۰۰۱
۲۰۰۱	قائد	صادق	عارف	اسعد	رہبر	لائق	سرور	فائق	۲۰۰۱
۲۰۰۱	صادق	عارف	اسعد	رہبر	لائق	سرور	فائق	قائد	۲۰۰۱
۲۰۰۱	عارف	اسعد	رہبر	لائق	سرور	فائق	قائد	صادق	۲۰۰۱
۲۰۰۱	اسعد	رہبر	لائق	سرور	فائق	قائد	صادق	عارف	۲۰۰۱
	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	۲۰۰۱	

از نتائج قلم محمد طاہر الاعظمی

۲۰۰۱

یہ مصرعہ چاروں طرف سے پڑھا جا سکتا ہے، اور ہر طرف سے سال رحلت ۲۰۰۱ عیسوی برآمد کیا جا سکتا ہے۔

سال وفات مقتدائے جہاں مولانا رشید الدین حمیدی

۵۷۸ ۶۱۴ ۱۲۸ ۶۰۹ ۷۲

۲۰۰۱ عیسوی

از چشم گریاں اسیر حزن احمد سعید قاسمی بھوپال

۶۳۲ ۳۳۶ ۱۹۷ ۲۱۱ ۴۶

۱۴۲۲ھ

وصال منبع الطاف قطب انام مولانا رشید الدین حمیدی

۱۲۷ ۲۸۳ ۲۰۳ ۱۲۸ ۶۰۹ ۷۲

۱۴۲۲ ھ

وہ رشید با مروت
دے گیا اک داغ فرقت
بولا ہاتف سال رحلت
پاک چیزے غرق رحمت

۵۳ ۱۳۰۰ ۶۴۸

۲۰۰۱ عیسوی

از احمد سعید قاسمی حلقہ بگوش جامعہ اسلامیہ ترجمہ والی مسجد بھوپال

۸ ۱۹۷ ۲۱۱ ۴۷۱ ۲۶۶ ۸۰۲ ۴۶

۲۰۰۱ عیسوی

جناب صوفی اسلم صاحب مدینہ منورہ

سلسلۂ قادریہ کے درویش صفت صاحب معرفت بزرگ جناب صوفی محمد اسلم صاحب پنجابی ربیع الاول کے آخری عشرہ میں مدینہ منورہ میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم دسیوں سال سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں مقیم تھے، اور رباط مکی میں مدینہ منورہ کے فقراء وغیرہ کے لئے لنگر کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ پوری زندگی بالکل درویشانہ گذاردی، حضرت کا اکابر اولیاء اللہ سے خصوصی تعلق تھا، ان کا ذکر کرتے تو بے اختیار رقت طاری ہوجاتی، اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں دفن ہونے کی ان کی خواہش پوری فرمائی، اور وہ اپنے متوسلین ومتعلقین کو چھوڑ کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ آخرت کی بھرپور نعمتوں سے مرحوم کو سرفراز فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۱ء)

حضرت مولانا شبیہ احمد فیض آبادیؒ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

ملک کے مشہور عالم دین اور بزرگ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خصوصی شاگرد حضرت مولانا شبیہ احمد صاحب فیض آبادیؒ گذشتہ ۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ کو اپنے وطن مالوف میں بعمر ۷۷؍ سال وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف انتہائی صاحب ورع وتقوی بزرگ تھے، سادگی اور زہد فی الدنیا میں اپنی نظیر آپ تھے، پوری زندگی تعلیم وتدریس میں گذار دی، اور بے شمار تشنگان علم کو فیضان نبوت سے سرفراز کیا، نیز سینکڑوں سالکین معرفت کو رشد وہدایت کی رہنمائی بھی فرمائی۔

موصوف حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے اجل خلفاء میں تھے، موصوف کو خاص طور پر حج وزیارتِ حرمین شریفین سے خصوصی شغف رہا، جب تک بھی طاقت رہی شاید ہی کسی سال حج کا ناغہ کیا ہو، اور حرمین کے اوقات بھی برابر عبادت واذکار میں گذارا کرتے تھے، آپ کی وفات سے بلا شبہ اہل علم ومعرفت ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۱ء)

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ

(ولادت: ۴؍نومبر ۱۹۲۸ء وفات: ۶؍جون ۲۰۰۱ء)

ماہنامہ مظاہر علوم کے مدیر محترم اور ملک کے مشہور تاریخ گو عالم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ بھی گذشتہ ماہ اچانک وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا معروفی بڑے باصلاحیت شخص تھے، اور تاریخ گوئی کے فن میں سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں دینی وعلمی وسیاسی وملی معلومات بھی ان کے نوک قلم پر رہتی تھیں، اس سلسلہ میں آپ کی بعض کتابیں ''عالمی تاریخ'' وغیرہ انتہائی مقبول ہیں، آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے خاص شاگرد تھے، اور جمعیۃ علماء ہند سے بھی گہرا ربط رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آپ کے سلسلہ میں بعض تاریخ ہائے وفات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

صنع مربع بزاہد مولانا محمد عثمان صاحب

۱۴۲۲

	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	
۱۴۲۲	اسعد	عارف	صادق	قائد	فائق	اقدم	لائق	ناصح	۱۴۲۲
۱۴۲۲	ناصح	اسعد	عارف	صادق	قائد	فائق	اقدم	لائق	۱۴۲۲
۱۴۲۲	لائق	ناصح	اسعد	عارف	صادق	قائد	فائق	اقدم	۱۴۲۲
۱۴۲۲	اقدم	لائق	ناصح	اسعد	عارف	صادق	قائد	فائق	۱۴۲۲
۱۴۲۲	فائق	اقدم	لائق	ناصح	اسعد	عارف	صادق	قائد	۱۴۲۲
۱۴۲۲	قائد	فائق	اقدم	لائق	ناصح	اسعد	عارف	صادق	۱۴۲۲
۱۴۲۲	صادق	قائد	فائق	اقدم	لائق	ناصح	اسعد	عارف	۱۴۲۲
۱۴۲۲	عارف	صادق	قائد	فائق	اقدم	لائق	ناصح	اسعد	۱۴۲۲
	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	۱۴۲۲	

زلوائح محمد طاہر الاعظمی

۱۴۲۲

یہ مصرعہ چاروں طرف سے پڑھا جاسکتا ہے اور ہر طرف سے سال رحلت ۱۴۲۲ھ برآمد کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ ہائے وفات

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی مدیر رسالہ مظاہر علوم سہارن پور

طوبیٰ قطعۂ تاریخ	تارخ سوگواری وفات
۲۰۰۱	۲۰۰۱
اعوذ بالله القدوس العليم من الشيطن الرجيم	قال المنان الفتاح سقاهم ربهم شرابًا طهورا
۲۰۰۱	۲۰۰۱
قال الحكم اللطيف سلام عليكم ادخلوا الجنة	بين الماجد الباسط سقاهم ربهم شرابًا طهورا
۲۰۰۱	۲۰۰۱
قال حبيب الله الولي الباسط الموت جسر يوصل الحبيب إلى الحبيب	والله موت العالم الجميل موت العالم
۲۰۰۱	۲۰۰۱
ان العدل العليم يرفع العلم برفع العلماء	مولانا محمد عثمان صاحب معروفی قاسمی رحمه الواحد الجليل
۲۰۰۱	۲۰۰۱
نور مرقده الماجد الغفور	برد مضجعه الواحد المعيد الحميد
۲۰۰۱	۲۰۰۱
مرقد محاسن مولانا محمد عثمان معروفی قاسمی	آہ جانِ حزیں مولانا محمد عثمان معروفی
۲۰۰۱	۲۰۰۱
مرد قابل مدیر مجلّہ مظاہر علوم	آہ گل رعنا مدیر مجلّہ مظاہر علوم
۲۰۰۱	۲۰۰۱
دل نشیں مورخ اسلام	یار تاریخ
۱۴۲۲	۱۴۲۲
لطیف امام تاریخ	آہ سفینہ تاریخ
۱۴۲۲	۱۴۲۲
وداع فن تاریخ	بهبودی ادخلوا الجنة انتم وازواجكم تحبرون
۱۴۲۲	۲۰۰۱

وصال ان المتقین فی ظلل وعیون

۲۰۰۱

آہ محبوب علم وفضل کی شمع فروزاں سوگئی

۲۰۰۱

قول غفور

۱۴۲۲

برخاک پاک اوصد بار سلامتی شود

۲۰۰۱

ازطبع پاک مفتی محمد طاہرالاعظمی

۲۰۰۱

زلوائح محمد طاہرالاعظمی

۱۴۲۲

(ندائے شاہی جولائی۲۰۰۱ء)

مولانا سید خضر اللہ صاحب حسینی قاسمیؒ (گل برگہ)

گذشتہ ۱۴ر جولائی کو ''تقلید کی اہمیت وافادیت'' کے موضوع پر ایک بڑے جلسہ میں شرکت کے لئے کرناٹک کے شہر ''گل برگہ'' جانے کا اتفاق ہوا، اس شہر میں مسلک دیوبند کے تحفظ میں سب سے زیادہ سرگرم شخصیت مولانا سید خضر اللہ صاحب حسینی قاسمی ''صدر مجلس علماء گل برگہ'' کی نظر آئی، احقر کا تو ان سے پہلی ملاقات کا اتفاق ہوا؛ لیکن ان کے بارے میں لوگوں سے جو معلومات ہوئیں ان سے اندازہ ہوا کہ اس علاقہ میں دین کی اشاعت اور تحفظ کے سلسلے میں مولانا موصوف کی خدمات کے نقوش انتہائی واضح اور قابل قدر ہیں، مولانا اس وقت جس مدرسہ اسکندریہ کے مہتمم تھے، وہ خالصۃً غیروں کے علاقہ میں واقع ہے۔ اس پر آر ایس ایس کے لوگوں نے قبضہ کا مکمل پلان بنالیا تھا مگر مولانا نے بعض معززین شہر کے ساتھ مل کر اس مسجد اور مدرسہ کو واگذار کرایا اور پھر وہیں جم کر دینی محنت میں لگ گئے۔ ادھر کچھ عرصہ سے شہر گل برگہ میں علماء حق کی طرف سے دفاع کرنے میں مشغول تھے۔ احقر کو بھی مولانا نے اسی موضوع پر دعوت دی تھی۔ مگر افسوس کہ احقر کی واپسی کے چند روز بعد ہی ۱۲ر جولائی ۲۰۰۱ء کو اچانک مولانا معمولی سے علالت کے بعد سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) احقر کو کئی روز کے بعد گل برگہ سے آمدہ ایک مکتوب کے ذریعہ اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملی، طبیعت پر بہت صدمہ ہوا، مولانا جیسے فکر مند اور مخلص علماء خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور امت کو موصوف کے نعم البدل سے نوازے۔ آمین۔ ذیل میں گل برگہ کے ڈاکٹر فصیح الدین صاحب کا مکتوب نقل کیا جارہا ہے، جس میں مولانا مرحوم کی خدمات اور وفات کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (مرتب)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۲۱ ؍جولائی ۲۰۰۱ء رات ۳۰-۸ بجے اس وقت مسلمانان گل برگہ کے ہوش وحواس اڑ گئے جب انہیں اچانک خبر ملی کہ مولانا سید خضر اللہ حسینیؒ قاسمی اس دنیائے فانی سے چل بسے۔ آہ کسے خبر تھی کہ یہ رات مولانا کی زندگی کی آخری رات تھی، یہ گہری نیند ابدی نیند میں تبدیل ہوگئی، یہ آرام وسکون دائمی ہوگیا۔

اسی روز ظہر تا عصر ایک اجلاس ''رفع اور عدم رفع یدین'' کی بحث کے لئے مدرسہ مظاہر علوم گل برگہ میں علماء مقلدین وغیر مقلدین کی موجودگی میں منعقد ہوا تھا، اس بحث میں مولانا موصوف نے پوری قوت سے حصہ لیا پھر اس کے بعد حضرت مولانا بالکل ہشاش بشاش اپنے مکان واپس لوٹے، مغرب کی نماز ادا فرمائی اور اپنے بال بچوں کے ساتھ ذاتی گفتگو میں مصروف ہی تھے کہ اچانک ایک صفراوی قئے ہوئی، خفیف سی بے چینی ظاہر فرمائی۔ حضرت والا کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں کہ آپ کو کوئی تکلیف ہو رہی ہے کسی ڈاکٹر کو بلوانے بھیجوں، جواب میں مولانا فرمانے لگے ذرا سی بات پر ڈاکٹر کو کیا بلاؤں، پھر مولانا خود انھیں صبر وتحمل کی تلقین فرماتے رہے؛ لیکن حضرت مولانا کی سانسیں غالباً مکمل ہو رہی تھیں۔ اسی کشمکش میں لیٹے ہوئے ''کلمہ توحید'' اور قرآن پاک کی آیتوں کا ورد کرتے کرتے جان جاں آفریں کے سپرد فرمادی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دار فانی سے لوگ رخصت ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک آنکھ بھی ان پر رونے والی نہیں ہوتی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ عزیز واقارب کا ایک محدود حلقہ ان پر آنسوں بہاتا ہے؛ لیکن کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی موت ایک عالم کو تڑپا کے رکھ دیتی ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ کتنی آنکھیں اشکبار ہیں اور کتنے قلب بے چین۔ ان کی موت دلوں کو مضطرب اور دماغوں کو ماؤف کرکے رکھ دیتی ہے۔

حضرت مولانا بلند اخلاق، حد درجہ متواضع اور ملنسار تھے، وہ اسلامی علوم کے باصلاحیت عالم تھے انھیں مسائل شرعیہ کا غیر معمولی استحضار تھا۔ مولانا کو دیو بند اور اکابر دیو بند سے قلبی محبت تھی اکابر علماء کا اور دیو بند کے اپنے اساتذہ کا ہر وقت تذکرہ کرتے رہتے۔ اسلاف کے حالات

وواقعات کو بار بار دہراتے رہتے، وہ شہر گل برگہ میں مسلک دیوبند کے بے باک ترجمان تھے انھوں نے گل برگہ میں آنے والے علماء کا صحیح تعارف کروایا۔

وہ عظیم صبر ورضا کا پیکر اور ہمت واستقلال کا پہاڑ، علم وعمل، زہد وتقوی کا مجسمہ، دار العلوم خلیلیہ کے بانی، دار العلوم اسکندریہ کے مہتمم اور مجلس علمائے گل برگہ کے روح رواں اور اطراف واکناف میں علم کی شمع روشن کرنے والے، دین کے مخلص خادم اور نوجوان علماء وحفاظ کے مربی ورہنما تھے، جو اچانک دار فنا سے دار بقاء کی طرف کوچ فرما گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرماوے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین، یارب العالمین۔

(ڈاکٹر حافظ محمد فصیح الدین چودھری، بلال آباد، گل برگہ)

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۱ء)

حضرت مولانا محمد شمیم صاحب

شیخ الحدیث مدرسہ حسین بخش دہلی

دہلی کے قدیم مدرسہ حسین بخش کے شیخ الحدیث اور نامور عالم دین حضرت مولانا محمد شمیم صاحب ۲۶؍دسمبر ۲۰۰۱ء کلکتہ سے دہلی کے سفر کے دوران ٹرین میں واصل بحق ہوگے۔ انا للہ وانا راجعون۔

موصوف انتہائی صاحب ورع تقویٰ گوشہ نشین اور باوقار بزرگ تھے۔ تقریباً نصف صدی تک مسلسل آپ نے مدرسہ حسین بخش میں حدیث کی خدمت انجام دی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے خاص شاگرد تھے۔ موصوف کو عملیات پر بھی اچھا عبور تھا۔ آپ کے ذریعہ سے ہزاروں بندگان خدا کو اللہ تعالیٰ نے پریشانیوں سے نجات عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۲ء)

حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ

(ولادت: ۳؍دسمبر ۱۹۰۲ء وفات: ۱۸؍نومبر ۲۰۰۱ء)

ملک کے مشہور و معروف صاحب علم و فضل بزرگ اور اس وقت منصب افتاء کے صدر نشین حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک کے اوائل میں ایک سو ایک سال (قمری حساب سے) کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب دور حاضر میں عظیم علمی مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، اور آپ کے فتاویٰ نہ صرف برصغیر؛ بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں قبولیت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جن سے استفادہ اور افادہ کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ رحیمیہ'' دس جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اور اُردو کے علاوہ بعض دیگر زبانوں میں بھی اس کے ترجمہ کا کام ہو رہا ہے۔ فتاویٰ کے علاوہ بھی آپ نے بہت سے رسائل مختلف زبانوں میں مرتب کر کے شائع کرائے اور ہزاروں کی تعداد میں اُن کی تقسیم کا نظم فرمایا۔ احقر کا جب بھی گجرات کا سفر ہوتا تو ملاقات کے لئے حاضری کا شرف حاصل کرتا۔ حضرت مدنیؒ کی نسبت کی وجہ سے نہایت شفقت سے پیش آتے۔ گذشتہ سال حاضری پر احقر نے اپنا ایک رسالہ ''شمائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا، جو حضرت نے اس قدر پسند فرمایا کہ بعد میں اپنے ایک خادم کے ذریعہ سے اس کی طباعت کی اجازت چاہی، احقر نے سعادت سمجھتے ہوئے رسالہ کا نگیٹو دہلی کی پریس میں بھجوا دیا، پھر حضرت موصوف نے اسے اپنے صرفہ سے چھپوا کر تقسیم کیا، اور بعد میں اس رسالہ کا گجراتی زبان میں ترجمہ کرا کر شائع کیا۔ اسے عشقِ نبوی کا نمونہ کہیں یا ایک ناکارہ اور کم علم شخص کی حوصلہ افزائی، بہر حال یہ بات حضرت موصوف کے کمال اخلاق کو ظاہر کرنے والی ہے۔

مفتی صاحب موصوف کی پیدائش شوال ۱۳۲۱ھ میں اپنے وطن مالوف نوساری گجرات میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی اور درسیات کی تکمیل کی سند ۱۳۴۹ھ میں جامعہ حسینیہ راندیر سے حاصل کی۔ تقسیم اسناد کے جلسہ میں محدث العصر حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی بحیثیت صدر جلسہ تشریف فرما تھے۔ فراغت کے بعد سے برابر آپ راندیر میں مقیم رہے اور اپنے جلیل القدر اساتذہ مثلاً حضرت الحاج مولانا محمد حسین صاحب راندیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ، (جو اس وقت راندیر میں مقیم تھے) حضرت مولانا مفتی محمود الحسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کی نگرانی میں افتاء کی خدمات انجام دیں۔ اس دوران آپ جامع مسجد راندیر کے خطیب بھی رہے اور اپنے مواعظ سے دعوت الی اللہ کا کام انجام دیتے رہے۔

آپ کی وفات ایک بڑا علمی اور ملی سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور آپ کے فیض کو تا قیامت جاری رکھے، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۱ء)

رفتگاں

۲۰۰۲ء

- حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ
- حضرت مولانا سید محمد طاہر صاحب منصور پوریؒ
- حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ
- حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ
- جناب سید حبیب محمود احمد مدنیؒ

کہیں سے آبِ بقاءِ دوام لا ساقی!

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جوارِ رحمت میں

عالم اسلام کے نامور بزرگ، اور دینی واصلاحی مقبول کتابوں کے مصنف حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ گذشتہ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو مدینہ منورہ میں واصل بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نہایت جید عالم اور امت کی علمی وعملی اصلاح کے لئے امکانی حد تک کوشش کرنے والے فکرمند بزرگوں میں سے تھے، اور تقریباً گذشتہ ۲۵ر سالوں سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام کا پورا عرصہ آپ نے تصنیفی خدمات میں گذارا۔ وہاں رہ کر آپ پورے عالم بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہتے اور حسب ضرورت اپنے مضامین، مقالات اور کتابوں کے ذریعہ امت کی رہنمائی کا فرض انجام دیتے۔ آپ نے اپنی زندگی کا مقصد تین موضوعات کو بنالیا تھا: (۱) اصلاحِ معاشرہ (۲) مسلک حق کی حفاظت (۳) فرقِ باطلہ کی تردید۔ اور ان تینوں امور کے متعلق مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے آپ جو بھی کر سکتے تھے اس کو انجام دینے میں آپ نے کوتاہی نہیں کی، آپ کی تحریریں سادہ، عام فہم اور بے سند باتوں سے پاک ہوتی ہیں۔ یہی صفات ان کی عوام وخواص میں قبولیت کا سبب ہیں۔ آپ کی ایک کتاب ''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' - جو آپ نے بالکل ابتدائی دور میں لکھی تھی - اتنی مقبول ہوئی کہ اس کے ایڈیشن برابر نکلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ''تحفۂ خواتین'' اور ''تحفۃ المسلمین'' (دو جلد) بھی آپ کی مقبول ترین اصلاحی کتابوں میں شامل ہیں۔

آپ کے متفرق مضامین بھی کئی جلدوں میں پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں۔ نیز آپ کے اخیر دور کا کارنامہ قرآن کریم کی عام فہم اردو تفسیر ہے جو''انوار البیان'' کے نام سے ۹؍جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔اسی طرح اکابر دیوبند کی اسناد حدیث پر آپ کی کتاب''العناقید الغالیہ'' آپ کی معروف کتاب ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیات اور احادیث طیبہ کے ذریعہ نحوی قواعد کے اجراء کی رہنمائی کے لئے آپ نے ''**زاد الطالبین من کلام سید المرسلین**'' اور ''**إرشاد الطالبین بکلام رب العالمین**'' کے نام سے دو کتابیں تالیف فرمائیں جو بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہیں، اور حج وعمرہ کے مسائل ومعلومات پر آپ کے متعدد رسائل کے علاوہ''کتاب الحج''نامی کتاب بہت معروف ومتداول ہے۔آپ کی تصنیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے،جن میں سے کئی کتابوں کے تراجم متعدد زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

مولانا مرحوم کا زہد وتوکل قابل رشک تھا،آپ نے نہایت کس مپرسی کے عالم میں مدینہ منورہ ہجرت کا فیصلہ فرمایا، اور مہاجرین کو جن آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے اُن سے گذرتے ہوئے آپ مکمل طور پر ثابت قدم رہے۔اور دنیا سے منہ موڑ کر پوری دل جمعی کے ساتھ دینی خدمات میں مشغول رہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس میں رہنے کے شوق میں وہاں کے سرد وگرم حالات کو بخوشی انگیز فرماتے رہے۔اخیر عمر میں اگرچہ تعلقات اور فتوحات کی کثرت ہوگئی تھی (جیسا کہ بزرگوں کے آخری دور میں ہوتا ہے) مگر آپ نے وہی اپنی زاہدانہ روش برقرار رکھی، رہائش آپ کی ذاتی نہیں تھی، کسی بخاری صاحبِ خیر نے آپ کو تبرعاً دے رکھی تھی، آپ مع اہل خانہ اسی میں مقیم رہے، تیسری منزل پر آپ کا مکان تھا،اور اس بلڈنگ کی لفٹ عموماً ناکارہ پڑی رہتی تھی، جن دنوں میں وہ خراب ہوتی آپ کا حرم تشریف لانا بھی موقوف ہوجاتا؛اس لئے کہ صحت کی کمزوری کی وجہ سے سیڑھیوں سے اترنا چڑھنا آپ کے لئے دشوار تھا۔ پورے سعودی عرب کے حنفی علماء اور عوام وخواص میں آپ کو مرجع کی حیثیت حاصل تھی، جب بھی کسی کو مسئلہ معلوم کرنا ہوتا آپ سے ٹیلی فون کرکے معلومات حاصل کرلیتا۔ نیز حرم شریف آمد ورفت کے دوران بھی

لوگ مسئلہ پوچھنے کے لئے آپ کو گھیر لیتے، عموماً مسائل آپ کی نوک زبان رہتے، اور ہر مسئلہ کا تشفی بخش جواب مرحمت فرماتے۔ آپ کے مزاج میں ظرافت اور بشاشت کا پہلو نمایاں تھا، اس لئے ہر شخص بے تکلفی کے ساتھ اپنا مدعا آپ کے سامنے رکھنے میں جھجک محسوس نہ کرتا۔ تاہم اگر مسلک حق کے تحفظ یا تردید فرق باطلہ کا معاملہ ہوتا تو آپ کی تحریر اور تقریر دونوں میں تلخی ظاہر ہو جاتی۔ سعودی عرب میں پھیلتے ہوئے ترک تقلید کے رجحان پر آپ برابر فکر مند رہتے تھے اور ہمیشہ علماء کو اس فتنہ کی سرکوبی کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ نیز علماء دیوبند کے متعلق پھیلائی جانے والی گمراہ کن باتوں کے دفاع کے لئے برابر کوشاں رہتے۔ افسوس ہے کہ اب سعودی عرب میں کوئی ان جیسا عمومی اعتماد رکھنے والا پختہ حنفی عالم موجود نہیں رہا۔

حضرت مولانا موصوف کو رسالہ ندائے شاہی سے خصوصی لگاؤ تھا، اکثر آنے جانے والوں کے ہاتھ اس میں اشاعت کے لئے اپنے مضامین اہتمام کے ساتھ بھیجتے رہتے، اور رسالہ جب پہنچتا تو باقاعدگی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتے، اور نہ پہنچنے پر تقاضا کر کے منگواتے۔ تقریباً گذشتہ آٹھ دس سال سے مولانا مرحوم کے مضامین ندائے شاہی میں شائع ہوتے رہے ہیں اور حضرت مولانا کی خاص توجہ کی وجہ سے برابر مولانا کا کوئی نہ کوئی مضمون اسٹاک میں محفوظ رہتا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت مولانا کا سانحۂ ارتحال ندائے شاہی اور اس کے ارکان کے لئے ذاتی صدمہ کی حیثیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ رسالہ اپنے ایک اہم ترین علمی سرپرست اور معاون سے محروم ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، اور ان کی خدمت کو قبول فرمائے، آمین۔

مولانا مرحوم کے مختصر حالات

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب کا وطن مالوف قصبہ ''بسی''، ضلع بلند شہر تھا، اسی بنا پر وہ بلند شہری لکھا کرتے تھے، پیدائش ۱۳۴۳ھ میں ہوئی والد محترم کا نام صوفی محمد صدیق تھا۔ ابتدائی تعلیم متعدد اساتذہ سے وطن میں حاصل کر کے ۱۳۵۶ھ میں مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں

داخل ہوئے اور یہاں عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں، اس کے بعد ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ خلافت جامع مسجد علی گڑھ میں داخلہ لیا، یہاں دوسال رہ کر ہدایہ اولین تک تعلیم حاصل کی، اُس کے بعد ۱۳۶۰ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، اور ۱۳۶۴ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، دورانِ طالب علمی ۱۳۶۳ھ ہی میں آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا تھا، بالآخر حضرت شیخ کے صاحبزادے مخدوم معظم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم نے آپ کو اجازت بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ آثارولی بٹالہ ضلع گورداس پور پنجاب، مدرسہ اسلامیہ کٹھور میرٹھ، مدرسہ کاشف العلوم کلکتہ اور مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستانؒ کی طلب پر پاکستان تشریف لے گئے اور دارالعلوم کراچی میں استادِ تفسیر وحدیث مقرر ہوئے اور دارالافتاء کی ذمہ داریاں بھی انجام دیں، اس کے بعد غالباً ۱۳۹۷ھ میں حجاز مقدس ہجرت فرمائی۔ اور مدینہ منورہ میں مستقل قیام فرمایا، اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کو مملکت سعودی عرب میں حنفی مسلک کے عوام وخواص میں مرجعیت حاصل ہوگئی۔ وہیں رہتے ہوئے آپ نے گذشتہ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ۷۹ سال کی عمر میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

پسماندگان میں متعدد صاحبزادے ہیں جو سب ماشاء اللہ عالم اور صلاح وفلاح کی دولت سے مالامال ہیں، اور دینی خدمات میں مشغول ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۲ء)

ہم غریبانِ وطن کا پاسباں جاتا رہا

ولی اللہ صدیقی مدینہ منورہ

۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ کو عصر کی نماز کے بعد میں اپنے گھر پر حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کا منتظر تھا تقریباً ساڑھے چار بجے وہ تشریف لائے، مگر چہرہ پر بشاشت کے بجائے پریشانی اور افسردگی نمایاں۔ ابھی میں پوچھنے ہی والا تھا اتنے میں انہوں نے سلام کے بعد یہ روح فرسا خبر سنائی کہ ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مہاجر مدنی ہم سے پردہ فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیه راجعون، رحمه اللّٰه رحمةً واسعةً۔ پہلے تو بےیقینی سی کیفیت رہی لیکن تابکے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ماننے بغیر چارہ نہیں اُس ''یقین'' پر نہ یقین کرنا اپنی بھول ہے، ہر ایک کے دنیا سے جانے کا ایک وقت مقرر ہے مگر ہم اپنی غفلت و بےفکری میں اس قسم کے اچانک حادثہ کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں ہوتے حالانکہ بار بار دنیاوی حادثات ''وجاءکم النذیر'' کا سبق دہراتے جاتے ہیں۔

ابھی سال ڈیڑھ سال قبل ہی عالم اسلام کی ایک قدآور شخصیت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا تھا امت مسلمہ ان کے غم کو بھول نہ پائی تھی کہ یہ ایک اور بڑے عالم کی جدائی کا غم آپڑا، اللّٰهم ارحمنا برحمتك وأفرغ علينا صبرك اس قحط الرجال، تجدد پسندی اور اعجاب كل ذي رأي برأيه کے دور میں ان حضرات کا سایہ سر سے اٹھ جانا ہمارے لئے بڑی محرومی کی بات ہے۔ ان حضرات کا وجود رحمت تھا غنیمت تھا یکے بعد دیگر یہ دونوں حادثے ہمیں متنبہ کر گئے کہ ہم بزرگان علماء حق کی قدر کریں، ان سے استفادہ میں پیش پیش رہیں، ان کی زیر سرپرستی اور نگرانی میں اسلام و مسلمین سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں ان کی رہنمائی حاصل کریں۔ حضرت مولانا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی

ذات والا صفات اور آپ کی علمی تحقیقات پر قلم اٹھانا اہل علم و اہل قلم کا کام ہے۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ آپ ایک ناصح و مشفق معلم، مربی، مرشد، اور علم و عمل کے جامع، نمونہ اسلاف تھے۔

فقہائے اہل دیوبند اور علماء احناف میں آپ ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ اور خصوصاً بلاد الحرمین الشریفین میں ہم غریبان وطن کے پاسبان تھے آپ مرجع الخلائق تھے علماء کرام و مفتیان عظام آپ کی خدمت میں حاضری کو سعادت جانتے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کو فخر سمجھتے۔ عوام اپنے پیچیدہ مسائل کا تشفی بخش جواب پاتے آپ کے پاس ہر آنے والا خود کو یہی محسوس کرتا کہ شاید وہی آپ کا سب سے قریبی اور چہیتا ہے آپ ہر ایک سے اس کی مزاج پرسی فرماتے دلجوئی فرماتے اور باتوں باتوں میں اس کے ماحول اور صلاحیت کے موافق کسی دینی خدمت کے لئے اسے آمادہ کر لیتے۔

وقت کو کارآمد بنانا آپ سکھاتے تھے۔ کوئی شخص کسی کام میں لگ جاتا تو ہر طرح آپ اسکی حوصلہ افزائی اور اس کی رہنمائی فرماتے۔ آج ہر ایک بہ زبان حال یہی کہہ رہا ہے :

جس کا سایہ سر پہ تھا اک سایہ بال ہما
آج ہم سے وہ مبارک سائباں جاتا رہا

جس پر آپ کی جتنی شفقت و عنایت تھی وہ اسی قدر آج غم و الم میں ڈوبا ہوا ہے اور اپنے کو یتیم محسوس کر رہا ہے؛ لیکن امر الٰہی اور قضا و قدر پر صبر کرنا ہی ہے۔ اسی پر رحمت خداوندی کا وعدہ ہے۔

العين تدمع والقلب يحزن وأنا بفراقك يا مولانا لمحزونون.

اللہ تعالیٰ اس مُصاب جلَل پر ہمیں صبر جمیل نصیب فرمائے۔

آپ کے معمولات زندگی کا صحیح نقشہ تو وہی کھینچ سکتا ہے جو ہر وقت آپ کے ہاں حاضر باش ہو، میں تو جب بھی حاضر ہوا آپ کو مشغول پایا۔ تصنیف و تالیف اور تعلیم و تدریس آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا؛ حتی کہ آپ عارضہ قلب کی وجہ سے ہسپتال میں داخل تھے عیادت کے لیے جانا ہوا تو یہ دیکھ کے حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں بھی سرہانے کتابیں موجود تھیں۔ اللہ اللہ کیا علم سے شغف تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیضان علم سے پورا عالم سیراب ہو رہا ہے، آپ کے بکھیرے ہوئے لعل و جواہر

سے دامن بھرنے والے ہر جگہ موجود ہیں ۔آپ کی مقبولیت کی شہادت خود آپ کی تصانیف ہیں ۔ایک ایک کتاب بار بار چھپ کر شائع ہو رہی ہے اور دیگر زبانوں میں اس کے ترجمے ہو ہو کر عالم اسلام کے ہر طبقہ کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بن رہے ہیں، **فجزاه الله أحسن الجزاء۔**

ثبات فی الدین رسوخ فی العلم اور اتباع سلف آپ کے ہر انداز سے نمایاں تھا۔حلم تواضع ایسی کہ لوگوں کو آپ سے مل کر حیرت ہوتی ایسا جلیل القدر عالم فقیہہ وقت اور اس قدر سادگی ۔خوش مزاجی اور ظرافت آپ کا خاص وصف تھا،لیکن کوئی خلاف شریعت بات سامنے آئی پھر تو آپ کے غم وغصہ کی انتہا نہ رہتی،اس معاملہ میں آپ کے ہاں کوئی رورعایت اور رواداری نہ تھی ۔ذاتی معاملات میں اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تو فوراً اس کی تلافی فرماتے ہیں ایک بار ایک مہمان کے ساتھ آپ کے یہاں حاضر ہوا مجھے آپ کے معمولات کا علم نہ تھا اتفاق سے وہ آپ کے آرام کا وقت تھا میں نے حکم استیذان کی خلاف ورزی کی کہ دروازے پر ضرورت سے زیادہ دستک دی (کہ تین بار سے زیادہ منع ہے) آپ نے ملاقات پر فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ استیذان کے آداب کیا ہیں؟ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد آپ کی ناراضگی شفقت وعنایت میں بدل گئی حتی کہ چلتے وقت فرمانے لگے تکلیف ہوئی تو معاف کرنا سبحان اللہ بڑوں کی بات ہی بڑی ہے۔

حضرت سے میری آخری ملاقات ایک تقریب میں ہوئی حسب معمول آپ نہایت ہشاش بشاش تھے، اردگرد شاگردوں عقیدت مندوں کا جمگھٹا تھا باتوں باتوں میں لوگوں کو مسکرا دینا آپ کی باغ وبہار طبیعت کا خاصہ تھا ایک صاحب نے نعت شریف سنوانے کی فرمائش کی،حضرت کے حکم پر میں نے مدینہ منورہ سے متعلق ایک نظم سنائی،جس کا مطلع تھا:

جب سے میرا مدینہ وطن ہوگیا ❖ جذبۂ دل مرا موجزن ہوگیا
مجھ میں بیدار ذوقِ سخن ہوگیا ❖ بلبلِ نطق بھی نغمہ زن ہوگیا

آپ نے فرمایا (میرا تعلق ہندوستان کے صوبہ بہار سے ہے) بلبل کو بہار لے جا کر مذکر بنادیا اس پر اہل مجلس بے ساختہ ہنس پڑے۔

اسی مجلس میں آپ نے فرمایا میزبان نے عقیقہ کی دعوت کو کہا تھا یہاں آ کر معلوم ہوا کہ

لڑکی والوں کی طرف سے شادی کی بھی دعوت ہے چلو بھائی ہم تو آ گئے، نیت میں اب تم لوگ گڑبڑ نہ مچاؤ، نیز فرمایا کہ لڑکی والوں کی طرف سے جو دعوت ہوتی ہے اس میں جانا میں نے چھوڑ دیا ہے؛ اس لئے کہ وہ خلاف سنت ہے، اس طرح ایک شادی گھر میں بھی ہم آپ کے فیض سے محروم نہ رہے اور جب تک ہم وہاں رہے اس مینارہ علم نے اس جگہ کو بھی بقعہ نور بنائے رکھا ایک خاص بات اس مجلس میں یہ دیکھی کہ آپ ہر تھوڑی دیر سے قرآن کریم کی تلاوت شروع فرما دیتے اس مجلس میں جتنے بھی حفاظ تھے تقریباً سبھی سے یکے بعد دیگرے آپ نے فرمایا ہاں بھائی سنو! اور تلاوت شروع فرمادی، تلاوت کرتے کرتے ایک بار اچانک آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے لگے، میں اسلام پر ہوں...... میں...... میں اسلام پر ہی ہوں...... پھر تلاوت شروع...... دل نے کہا یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ حضرت کی آخری مجلس اور ہماری یہ آپ سے آخری ملاقات ہے۔ یقیناً آپ کی زبان سے نکلے ہوئے یہ کلمات حاضرین کے دل ودماغ پر نقش ہوں گے اور قیامت میں اگر ہم سے سوال ہوا تو ہم سب بیک زبان آپ کے بارے میں گواہ ہوں گے کہ واقعی آپ اسلام پر تھے۔ **رحمہ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً**

حضرتِ عاشق الٰہی مرکز اہلِ نظر ❖ جانب فردوس اعلیٰ آج ہیں محوِ سفر
حق کی جانب سے بلاوا اُن کا جوں ہی آ گیا ❖ خامشی سے چل دیے فوراً ہمیں وہ چھوڑ کر
پھر انہیں اس دار فانی میں مزہ ملتا کہاں ❖ آ گیا ہو جب کہ حسنِ جنت مأوی نظر
ماہ رمضاں، اور وہ صائم، بابِ ریانی بھی وا ❖ اللہ اللہ ایسی رحلت ہے مبارک کس قدر
دیتے ہیں ''بشریٰ'' ملائک ایسے ہر انسان کو ❖ بندگی میں زندگی جس نے لگادی سر بسر
حق تعالیٰ قدرداں ہے بندگی بس شرط ہے ❖ **سعیھم مشکورًا** اپنا پھر دکھاتا ہے اثر

درس یہ دیتے گئے وہ آخری لمحہ ہمیں
اے ولی رکھنا سدا تم بھی اسے پیش نظر

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۲)

❍❖❍

حضرت مولانا سید محمد طاہر صاحب منصور پوریؒ

خانوادۂ سادات منصور پور کے چشم و چراغ، شیخ الحدیث حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے نورِ نظر، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خاص معتمد اور مشہور عالم حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی مدظلہ کے والد محترم گذشتہ ۷؍شوال کو لکھنؤ میں ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم عرصہ دراز سے صاحب فراش تھے، اور متعدد امراض میں مبتلا تھے، لیکن اللہ نے صبر و شکر کی عظیم دولت سے سرفراز تھا، سخت تکلیف میں بھی کوئی نامناسب جملہ موصوف کی زبان پر نہیں آیا، موصوف نے کم و بیش ۴۰؍سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معتمد مالیات کی نازک ذمہ داری بحسن و خوبی ادا کی۔ اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل اعتماد آپ کو حاصل رہا، آپ کی تعلیم و تربیت میں سب سے بڑا دخل عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کا تھا، جنہوں نے آپ کو اپنے والد سید محمد یوسف صاحب منصور پوریؒ سے باصرار اپنی نگرانی میں لیکر تعلیم و تعلم کے مواقع فراہم فرمایا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے ''جگراؤں''، ضلع لدھیانہ اور پھر مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دہلی میں حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک مظاہر علوم سہارنپور میں مقیم رہ کر عالمیت اور فنون کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ایک سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آخری درجہ میں سماعت کی، تعلیم کے دوران رمضان المبارک اور تعطیل کے ایام مسلسل حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں گزارتے رہے اور آپ کی صحبتوں سے خوب خوب فیضیاب ہوئے۔ آپ کی طبعی شرافت اور عالی نسبی کی وجہ سے حضرت رائے پوریؒ آپ پر انتہائی

شفقت فرماتے تھے۔ مظاہر علوم کے قیام کے زمانے ہی میں آپ حضرت شیخ الحدیثؒ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۴۷ء میں آپ کو حضرت شیخ کی طرف سے اجازت بیعت سے سرافراز کیا گیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے کئی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں لیکن بعض عوارض کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور ۱۹۵۸ء میں آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معتمد مالیات کے طور پر مقرر کئے گئے۔ آپ کو تبلیغی جماعت سے بھی کافی لگاؤ تھا دوران طالب علمی بھی اس میں شرکت کرتے رہے اور فراغت کے بعد حجاز مقدس کا سفر ہوا۔ جہاں آپ نے تقریباً دو سال مقیم رہ کر سعودیہ کے مختلف شہروں اور خلیج کے مختلف ممالک میں جماعت کا کام انجام دیا۔

موصوف کا عقد نکاح مولانا علی میاں صاحبؒ کی حقیقی بھتیجی (ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کی صاحبزادی) سے ہوا تھا (مرحومہؒ کی بھی وفات ہو چکی ہے) آپ کے تین صاحبزادگان اس وقت موجود ہیں۔ (۱) حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی جو ملک کے مشہور داعی اور خطیب، جمعیۃ شباب اسلام کے صدر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث ہیں۔ (۲) مولانا محمد اسحاق صاحب حسینی ندوی موصوف مدرسہ عرفانیہ لکھنؤ کے معزز استاذ ہیں۔ (۳) مولانا سید محمد صہیب صاحب حسینی ندوی موصوف جامعہ سید احمد شہید کٹولی کے ذمہ دار اور استاذ ہیں۔

حضرت مولانا سید طاہر صاحب کے لئے ان کے صالح صاحبزادگان یقیناً صدقہ جاریہ ہیں، ادارہ ندائے شاہی تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی خدمات عالیہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۲ء)

مولانا حافظ اکرام الٰہی صاحب سٹھلہ

علاقہ میرٹھ کے مشہور عالم مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام سٹھلہ کے مہتمم اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خصوصی شاگرد اور خادم مولانا حافظ اکرام الٰہی صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ۹ رجنوری ۲۰۰۲ء وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نے انتہائی جانفشانی کے ساتھ سٹھلہ اور اس کے اطراف میں دینی خدمات انجام دیں۔ اس علاقہ کے اکثر علماء آپ کے اور آپ کے رفیق خاص جناب مولانا سمیع اللہ صاحب بستوی کے فیض یافتہ ہیں۔ موصوف اکابر دیوبند کے عاشق تھے۔ اور ان کے مشن کو ہر ممکن حد تک جاری کرنے والے تھے۔ کئی سال سے موصوف کو رعشہ کی بیماری تھی۔ چلنا پھرنا بہت دشوار تھا آواز نا قابل فہم ہوگئی تھی؛ لیکن تعلق کی بات یہ تھی کہ مہتمم جامعہ مولانا رشیدالدین صاحبؒ کی وفات کو جب سنا اور یہ معلوم ہوا کہ موصوف کے صاحبزادے مولانا اشہد صاحب مدینہ منورہ سے واپس مرادآباد آ چکے ہیں، تو حافظ صاحب نے تمام تر معذوریوں کے باوجود تعزیت کے لئے مرادآباد کا سفر فرمایا اور خود ملاقات کر کے تعزیت فرمائی، موصوف کے اگرچہ کوئی اولاد نہیں تھی لیکن آپ نے اپنے رفیق خاص مولانا سمیع اللہ صاحبؒ کے بچوں کی اپنی اولاد کی طرح پرورش فرمائی یہ سب بچے بحمدہ تعالیٰ حافظ اور عالم ہیں، اور حافظ صاحب کی محنتوں کا ثمرہ ہیں۔ موصوف کے وصال کی اطلاع ملنے پر مدرسہ شاہی سے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب (جو مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام سٹھلہ کے ابنائے قدیم میں سے ہیں اور حافظ صاحب مرحوم کو موصوف سے خاص تعلق رہا ہے) اور راقم الحروف نیز دارالعلوم جامع الہدیٰ کے مہتمم حضرت مولانا محمد اعلم صاحب جنازہ میں شرکت کے لئے سٹھلہ گئے۔ نماز ظہر کے بعد حضرت

مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے موصوف کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں علاقہ اوراطراف کے عوام وخواص کا بڑا مجمع تھا جوموصوف کی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کوان کی خدمات کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔اور مدرسہ کو انکے نعم البدل سے نوازے۔آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۲ء)

مولانا عبدالباسط ابراہیمی، بنارس

بنارس کی مشہور گیان واپی مسجد کے امام مولانا عبدالباسط ابراہیمی ۹رجنوری ۲۰۰۲ء کو وفات پاگئے،اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے باغ وبہار، بلند حوصلہ، نڈراور بے باک عالم تھے، خطابت کا اپنا نرالا انداز رکھتے تھے، وہ جس مجلس میں ہوتے، اپنی باتوں سے حاضرین کومحفوظ کرتے رہتے۔تقریباً دس سال قبل وسط ہند کے دس روزہ طویل اصلاحی سفر میں راقم الحروف کا موصوف کی رفاقت کا اتفاق ہواتھا۔جس میں ان کے جوہر قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔موصوف اس یادگار سفر کو برابر یادرکھتے تھےاور جب بھی ملاقات ہوتی اُس کا تذکرہ کرتے تھے۔موصوف کی عمر اگر چہ بہت زیادہ نہیں تھی؛ لیکن شوگر کی زیادتی نے نڈھال کردیا؛ تا آنکہ وقت موعود آپہنچا، اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اوراعلیٰ درجات سے نوازے۔آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۲ء)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ

ہندوستان کے مشہور وسیع المشرب دقیق النظر، اور ملی وحدت کے جذبے سے سرشار ممتاز عالم دین حضرت مولانا ''قاضی مجاہد الاسلام'' صاحب قاسمی مورخہ ۴؍اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات شام سات بجے دہلی کے اپولو اسپتال میں طویل علالت کے بعد واصل بحق ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب موصوف مسلمانان ہند کے سب سے محترم اور متفق علیہ ادارے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی اور ملی کونسل کے سربراہ تھے۔قاضی صاحب کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں ہوئی آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۵ء میں فراغت حاصل کی۔شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔اس کے بعد آپ نے مدرسہ رحمانیہ مونگیر میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعد ازاں آپ امارت شرعیہ بہار کے منصب قضاء پر فائز کئے گئے اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قضا کی خدمت میں گذارا آپ نے نہایت جانفشانی سے دار القضاء امارت شرعیہ بہار کو وسعت دی اور اس پر عوام کا اعتماد مضبوط کیا۔آپ نے علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ہم عصر علماء کو جدید مسائل پر غور وفکر کی دعوت دینے کے لئے اسلامک آف جیکٹیو اسٹیڈیز دہلی (اسلامی علوم کے معروضی مطالعہ کا مرکز) کے ڈائریکٹر ڈاکٹر منظور عالم صاحب کے تعاون سے اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد ڈالی جس کے زیر اہتمام اب تک تیرہ فقہی سیمنار ملک کے مختلف شہروں میں منعقد ہو چکے ہیں اور متعدد اہم جدید مسائل پر فیصلے اور تجاویز مرتب ہوئیں ہیں۔

ان سیمیناروں میں قاضی صاحب نے قدیم علماء اور مفتیان کے ساتھ جدید علوم کے حامل دانشور اور ریسرچ اسکالروں کو یکجا بیٹھنے کا موقع فراہم کیا، گوکہ موصوف کا یہ انداز فکر بہت سے حضرات کے لئے سخت ناگواری کا باعث بھی بنتا رہا تاہم یہ موصوف کے مشن کا ایک اہم جز

تھا کیونکہ قاضی صاحب قدیم اور جدید طبقوں کی بڑھتی ہوئی دوریوں کو کم کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، اسی بنا پر موصوف دونوں طبقوں میں قابل قبول شخصیت تصور کئے جاتے تھے۔

قاضی صاحب ہندوستان کے متعصّبانہ ماحول میں محض وحدت کلمہ کی بنیاد پر ملی اتحاد کے پر جوش حامی تھے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے غالباً اسی جذبے نے آپ کو ملی کونسل جیسی تنظیم بنانے پر آمادہ کیا جس کے ارکان اساسیہ ملک کے مختلف طبقات فکر کے رہنماؤں پر مشتمل ہیں۔

قاضی صاحب اپنی وسیع المشربی، دانشمندی اور علمی مقام کی بنیاد پر ملک اور بیرون ملک میں وقعت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، عرب ممالک کے ممتاز علماء اور فقہا سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور وہاں کے فقہی بحث وتحقیق کے اداروں کی رکنیت بھی آپ کو حاصل تھی، اللہ نے بے مثال ذہانت سے نوازا تھا اسی بنا پر پے در پے اسفار اور کئی سال سے مسلسل علالت کے باوجود تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدوین کے مشاغل بھی آپ نے بدستور جاری رکھے اس دوران آپ کی مرتب کردہ کئی کتابوں کے عربی تراجم منظر عام پر آئے، نیز آپ نے اپنی نگرانی میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام کویت سے چالیس جلدوں میں شائع شدہ ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' کے اردو ترجمہ کا منصوبہ بنایا جو بفضلہٖ تعالیٰ تکمیل کے قریب ہے۔

قاضی صاحب موصوف کا ذہن منصوبہ ساز تھا پھر حسب ضرورت انہیں دنیوی وسائل بھی مہیا ہوتے گئے جس کی بنا پر مختصر مدت میں مختلف النوع خدمات کی انجام دہی کا شرف آپ کو حاصل ہوا، پرسنل لاء بورڈ کی صدارت کے بعد آپ کا اہم کارنامہ مجموعہ قوانین اسلام (اردو اور انگریزی) کی اشاعت ہے اس کتاب پر عرصۂ دراز سے کام ہورہا تھا لیکن مسودے کی حد تک محدود تھا آپ نے خصوصی توجہ دیکر اس کی اشاعت کرائی جو مسلم پرسنل لاء سے متعلق مسائل میں ہندوستانی عدالتوں کے لئے مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

بہر حال قاضی صاحب موصوف کی وفات ملت اسلامیہ ہند کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے ان جیسی شخصیات بار بار پیدا نہیں ہوتیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور امت کو موصوف کے نعم البدل سے نوازے، آمین۔ (ندائے شاہی مئی ۲۰۰۲ء)

❍❖❍

تم کیا گئے کہ رونق ہستی چلی گئی

(بیاد: حضرت قاضی صاحبؒ)

از: مولانا مصلح الدین قاسمی اُستاذ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

یہ دنیا انقلابات وتغیرات کا گھوارہ ہے، یہاں کی ہر چیز پابند ومجبور ہے، شمش وقمر رفتار پر مجبور ہیں، سمندر طغیانی پر مجبور ہے، پہاڑ استقلال پر مجبور ہے، ٹھیک اسی طرح دنیا کا ہر جان دار کھانے پینے اور موت وحیات پر مجبور ہے، یہاں جو بھی آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن رختِ سفر باندھنا اور اس دار فانی کو خیرباد کہنا ہے، یہ ایک ایسی مجبوری ہے جس سے کسی کو رست گاری نہیں:

موت سے کس کو رست گاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

باقی رہنے والی ذات فقط خدا کی ہے، اس دنیا کی ہر شخصیت خواہ وہ کتنی ہی دل کش، کتنی ہی عزیز اور دل نواز کیوں نہ ہو بالآخر اسے بھی ایک نہ ایک دن رخصت ہونا ہے، کیوں کہ ہر ایک جانے ہی کے لئے آیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی جاتا ہے تو صرف ایک گھر، ایک خاندان اور ایک قبیلہ روتا ہے، اور کبھی کوئی جاتا ہے تو پورا ملک؛ بل کہ پوری ملت اس کے جانے سے لرزہ براندام اور آہ وبکا میں مصروف ومشغول نظر آتی ہے، اور یہ بات اس شخصیت کے لیے ہوتی ہے جس کے دل میں امت کا درد رہا ہو، خدمتِ دین کا جذبہ رہا ہو، جس نے اپنی زندگی میں امت کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا ہو، جس نے زندگی میں دین ومذہب کے تحفظ کا بیڑہ اٹھایا ہو اور اس راہ میں اس نے اپنی توانائیاں صرف کی ہوں۔

ایسے لوگ اُگ کر ڈوب تو جاتے ہیں، مگر اُن کی روشنی باقی رہتی ہے، پوری کائنات اس

روشنی سے فائدہ اٹھاتی ہے اور اپنی متاع گم شدہ کو اس کے اُجالے میں ڈھونڈھتی ہے اور جب کبھی ان کی یاد آتی ہے تو غم زدہ دل، اشک بار آنکھیں اور انسانی وجود دل فگار و بے قرار ہو جاتا ہے۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی علیہ الرحمہ کی شخصیت بھی ایسی ہی جامع اور ستودہ صفات کی حامل تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے انتقال پر پوری ملت اسلامیہ سوگوار ہے، ملت کے کسی بھی فرد کا آنسو اب تک تھمتا ہوا دکھائی نہیں دیتا، تعزیتی پروگراموں کا سلسلہ ملک کے طول وعرض میں جاری ہے، ہر شخص حضرت قاضی صاحب کے غم میں نڈھال اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہے، نیز آپ کی رحلت کو ملت کا ایسا نقصان بتلا رہا ہے جس کی تلافی کے لیے ابھی کافی وقت درکار ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بے انتہا قابل تعریف صفات کے حامل، عزم وارادے کے پکے، استقلال وجواں مردی کے پہاڑ، فقہ اسلامی میں دور رس نگاہ رکھنے والے اور ذہن رسا کے مالک تھے، آپ تقریر وتحریر دونوں میدانوں کے شہ سوار تھے، آپ نے دین متین کی خدمت کے لیے اپنی تحریرات وقف کر رکھی تھیں اور اس خدمت کے حوالے سے آپ اپنی ڈھیر ساری تصنیفات چھوڑ گئے جو بلا شبہ علما وفقہا کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔ زبان بھی اللہ نے آپ کو بہت شستہ، شیریں اور دل کو موہ لینے والی عطا فرمائی تھی، جب آپ تقریر کرتے تو مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا، ایک سناٹے کا عالم ہوتا، ہر شخص پوری توجہ اور مکمل دلچسپی کے ساتھ آپ کی تقریر سنتا اور ہر ایک کی یہی تمنا ہوتی کہ بیان کا یہ سلسلہ جاری رہے، ملال اور اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

یاد آرہا ہے کہ ۱۹۹۳ء کے اوائل میں حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''دارالعلوم الاسلامیہ بستی'' کی وسیع وعریض مسجد میں تقریر فرمائی، تقریباً دو گھنٹے آپ کی تقریر جاری رہی، سامعین کی ایک بڑی تعداد تھی جس میں علما، فضلا اور طلبہ کے علاوہ عصری تعلیم یافتہ حضرات بھی شریک تھے، اختتام کے بعد ہر شخص کی زبان پر یہی جملہ رہا کہ پروگرام ابھی جاری رہنا چاہیے تھا۔ رب کریم نے آپ کے اندر جو مقناطیسی کیفیت ودیعت فرمائی تھی وہ بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے، لوگ کھنچ کر آپ کی طرف مائل ہوتے تھے اور سنجیدگی ومتانت کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص

بلا جھجھک اپنی بات آپ کے سامنے پیش کر دیتا، آپ ہر ایک کی بات بہ غور سنتے، اس کا جواب دیتے اور مفید مشوروں سے نوازتے، آپ ''المستشار مؤتمن'' پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔

زمانۂ طالب علمی کی بات ہے، کہ احقر ''دارالعلوم الاسلامیہ بستی'' میں درجۂ عربی ششم میں زیرِ تعلیم تھا، وہاں سے طلبہ کے ایک وفد کے ساتھ پسونڈہ، ضلع غازی آباد میں طلبہ کے ایک پروگرام میں شریک ہوا جو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے زیر سرپرستی منعقد ہوا تھا، حضرت قاضی صاحب ایک کمرے میں تشریف فرما تھے، طلبہ ہی کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا، یہ حضرت سے پہلی ملاقات تھی، دیگر طلبہ کے ساتھ ہمارا وفد بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوا، سلام وکلام کے بعد جو کچھ آپ نے نصیحت فرمائی تھی آج بھی ذہن میں گردش کر رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: یہاں جمع کرنے کا مقصد تمہارا امتحان لینا نہیں ہے، بل کہ تمہاری خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے، ویسے تو تمہارا رسمی امتحان بھی ہوگا مگر امتحان مقصد اصلی نہیں ہے اس لیے نمبرات کے تفاوت اور کمی بیشی سے تمہیں نہ تو بہت خوش ہونا چاہیے اور نہ بہت رنجیدہ، بل کہ کوششوں کو تیز کرنا چاہیے تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنا مزاج تحقیقی بنائے، جو کچھ لکھے یہ سوچ کر لکھے کہ اس کی تحریرات ہر خاص وعام کے سامنے جائیں گی، اس لیے ایک صفحہ بھی لکھے تو پوری تحقیق کے ساتھ لکھے''۔

قاضی صاحبؒ کی زندگی کے بعض اہم گوشے

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تدریسی خدمت کی انجام دہی کے لیے آپ جامعہ رحمانیہ مونگیر تشریف لے گئے اور ایک عرصے تک طالبانِ علوم نبوت کو اپنے چشمۂ فیاض سے سیراب کرتے رہے اور بہت ہی جلد آپ نے اپنی تگ وتاز مسلسل اور سعی پیہم سے اپنا ایک مقام بنالیا، یہ اس زمانے کی بات ہے جب جامعہ رحمانیہ مونگیر کی رونق حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے تھی، جنہیں اللہ رب العزت نے جوہر شناسی کا خوب خوب ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ اپنے زیر تربیت افراد کو بہت فائق دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک بڑی جماعت کو زندہ جاوید بنادیا، ان کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کر کے انھیں میدانِ عمل کا شہ سوار بنادیا۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کو بھی آپ کے فیض سے اکتساب کا کافی موقع ملا، اور اس صحبت نے آپ کی صلاحیتوں میں جلا پیدا کردیا، جب حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت مقرر ہوئے تو حضرت قاضی صاحب کو امارت شرعیہ میں افتاء وقضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے اور امارت شرعیہ کی تعمیر نو کے لئے پٹنہ بھیج دیا، جہاں آپ کو زندگی کا ایک بڑا میدان مل گیا، آپ نے بے پایاں جدوجہد اور سعی پیہم کے ذریعہ امارت میں ایک نئی روح پھونک دی، اور امارت کی آبرو بن گئے۔ تقریباً ۳۵؍سال امارت سے وابستہ رہے، جس دوران بے شمار معاملات حل کیے اور امارت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے خوب دورے کیے، آپ کی کوششیں بارآور بھی ہوئیں، نتیجتاً ملک کے متعدد مقامات میں دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا، جو آپ ہی کی جدوجہد کی تجسیمی شکل ہے۔

آپ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ مسلک ومشرب اور ادارہ وجماعت کی حد بندیوں سے بالاتر ہوکر ملی اتحاد کے حامی ومؤید تھے اور اس حوالے سے تمام مکاتب فکر کے لوگوں سے مربوط تھے، انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی پوری کوشش کرتے رہتے تھے اور اسی جذبے نے آپ کو ''ملی کونسل'' جیسی تنظیم بنانے پر آمادہ کیا جس کے بنیادی اراکین کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے تھا، چونکہ آپ مسالک ومکاتب فکر کی تمیز اور مذہب کی تفریق کے بغیر سبھی کے خیرخواہ اور ہمدرد تھے، اس لئے ہر مکتب فکر کے لوگ آپ کی آواز پر لبیک کہتے تھے، ورنہ ہندوستان جیسے متعصّبانہ ماحول میں ہر طبقے کے لوگوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع کرنا؛ بلکہ جمع کرکے ایک ساتھ لے کر چلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، بلاشبہ یہ قدم آپ کی وسیع المشربی اور اعلیٰ ظرفی کی علامت ہے کہ آپ نے وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر سب کو جمع کرکے ''ملی کونسل'' کی بنیاد ڈالی، جس کا مقصد مسلمانوں کے مسائل کو موثر طریقے پر پیش کرنا اور اس کے حل کی تدابیر نکالنا تھا، چنانچہ اس پلیٹ فارم سے بھی حضرت قاضی صاحب نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

قاضی صاحبؒ کی زندگی کا ایک اہم بنیادی پہلو ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' سے

متعلق ہے، یوں تو بورڈ کی تشکیل اور اس کی آبیاری میں سب سے زیادہ خون دل صرف کرنے والی شخصیت امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی علیہ الرحمہ کی ہے، مگر دماغی توانائی حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے صرف کی؛ اس لئے کہ قاضی صاحبؒ امیر شریعت کے دست راست تھے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کا سہرا جن حضرات کے سپرد ہوا وہ اپنے وقت کے مایہ ناز عالم دین اور متفق علیہ شخصیت رہے ہیں۔ بورڈ کے پہلے صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ منتخب ہوئے، جو بلاشبہ ملت اسلامیہ کی عظمت کا نشان تھے، آپ کی حکمرانی نہ صرف لوگوں کے ظاہر پر تھی؛ بل کہ آپ لوگوں کے دلوں میں سمائے ہوئے تھے۔ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ صدارت کے منصب پر فائز ہوئے، جن کی علمی، فکری، ادبی، معاشرتی اور دینی و دنیوی خدمات کا سکہ عرب و عجم میں رائج تھا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے وصال کے بعد یہ اہم منصب حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ کے سپرد ہوا، جو وقت کے بڑے مدبر اور فقیہ تھے، روزمرہ کے مسائل کا حل جس خوش اسلوبی سے پیش کرتے تھے، اس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، روز بہ روز بدلتے ہوئے فکری منظر نامے اور نت نئے مسائل کے کینوس پر آپ کی نظر بہت باریک تھی، آپ ان مسائل پر تدبر و تفکر فرماتے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں مسائل کا استنباط اور تخریج کرتے تھے، کتنے ہی پیچیدہ مسائل کیوں نہ ہوں ان کا حل تلاش کر لینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، آپ کی علمی وسعت اور فقہی بصیرت کے سب ہی معترف تھے، اس لئے مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لئے جب آپ کا نام پیش ہوا تو کسی نے آپ کی قیادت پر نہ کوئی سوالیہ نشان قائم کیا اور نہ ہی کسی کی پیشانی پر کوئی شکن آئی؛ بلکہ اتفاق رائے سے سب ہی نے آپ کو بورڈ کا صدر منتخب کیا، اس میں دو رائے نہیں کہ صدارت کا یہ اہم منصب اس وقت آپ کے سپرد ہوا، جب آپ جسمانی اعتبار سے کافی نڈھال ہو چکے تھے، صحت انتہائی خراب ہوگئی تھی تاہم آپ نے بڑی بیدار مغزی کے ساتھ اس کی گتھیاں سلجھائیں۔ صدر بننے کے بعد آپ کا اہم کارنامہ ''مجموعہ قوانین اسلام''

(اردو، انگریزی) کی اشاعت ہے، جس پر عرصۂ دراز سے کام ہو رہا تھا؛ لیکن مسودے کی حد تک محدود تھا، آپ نے اس پر توجہ دے کر اس کی اشاعت فرمائی اور بڑے پیمانے پر اس کی افتتاحی تقریب بھی منعقد کی، اور اب یہ کتاب مسلم پرسنل لاء سے متعلق مسائل میں ہندوستانی عدالتوں کے لئے مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تیزی سے بڑھتی ہوئی تاریکی کے دور میں حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی کی پر کشش شخصیت نہ صرف پیکر خلوص تھی؛ بل کہ علم وحکمت کا روشن چراغ بھی تھی۔ ۵؍اپریل ۲۰۰۲ء کے ''راشٹریہ سہارا'' میں جب یہ خبر پڑھی کہ کل گزشتہ ۴؍اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات شام سات بجے دہلی کے اپولو ہسپتال میں حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی کا وصال ہوگیا، تو باقی اخبار پڑھنے کی خواہش ہی ختم ہوگئی، اور یہ سوچنے لگا کہ اب کتنا ہی ماتم کیجئے کوئی فائدہ نہیں، مثالی شخصیت پیدا نہیں ہوں گی، مٹی کا خمیر خودغرضی میں بدل چکا ہے اور زمانے کی کوکھ اخلاص واخلاق سے خالی ہوتی جارہی ہے۔

بلا شبہ حضرت قاضی صاحب کی رحلت ملت اسلامیہ ہند کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے، ملت اسلامیہ ایک دینی رہبر، قومی پیشوا اور سیاسی قائد سے محروم ہوگئی، ایسے وقت میں جب کہ اسلامیان ہند کو اپنی مذہبی قیادت کی مضبوطی اور پختگی کی ضرورت تھی ایک مفکر کا اٹھ جانا اور ہمہ گیر شخصیت کا داغ مفارقت دے دینا ایک بہت بڑا خلا ہے جس کا پر ہونا بظاہر مشکل ہے مگر وہ ذات چاہے جو ہر چیز پر قادر ہے، اب تو بس یہی ایک مصرع زبان پر آتا ہے۔ ع

تم کیا گئے کہ رونق ہستی چلی گئی

رب کریم حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے، آپ کے پس ماندگان، جملہ متعلقین ومنتسبین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملتِ اسلامیہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۲ء)

فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

عصر حاضر کے معروف محقق صاحب احسن الفتاوی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ذی الحجہ ۱۴۲۲ کی ۶ تاریخ کو انتقال فرما گئے، احقر اس وقت سفر حج میں تھا، اس لئے اس حادثہ کا بروقت علم نہ ہوسکا، پھر گجرات کے المناک سانحہ نے دیگر خبروں کو حاشیہ پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد پاکستان سے کشیدگی کے باعث رسائل وجرائد کی آمد بہت کم رہی، اس لئے بھی یہ سانحہ نظروں سے اوجھل رہا۔ اتفاق سے چند روز قبل دیوبند جانا ہوا تو مولانا خورشید حسن صاحب رفیق دارالافتاء دارالعلوم دیوبند نے یہ المناک خبر سنائی، اور ساتھ میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے اس تأثراتی مضمون کا بھی تذکرہ کیا، جو البلاغ کراچی کے اپریل کے شمارے میں شائع ہوا ہے، چنانچہ وہی مضمون سردست قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ جو کافی حد تک اختصار کے ساتھ جامعیت لئے ہوئے ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لئے احسن الفتاوی جلد اول کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ (مرتب)

۶ رذی الحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۹ رفروری ۲۰۰۲ء ہمارے استاذ محترم یادگار سلف حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات پاگئے، اور رشد وہدایت کا ایک اور عظیم مرکز سونا ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ان شخصیات میں سے تھے جن کی نظیریں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وفضل کی گہرائی کے ساتھ انابت وتقویٰ اور اتباع

شریعت وسنت کا وہ اہتمام عطا فرمایا تھا جو اس پرفتن دور میں کہیں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے خدمت دین کے ہر شعبے میں قابل رشک کام لیا، اور ان کے فیوض کے دریا مختلف جہتوں میں اِن شاء اللہ عرصۂ دراز تک مخلوق خدا کو سیراب کرتے رہیں گے۔

وہ ہمارے ان اساتذہ میں سے تھے جن کے احسانات سے ہماری گردن زندگی بھر جھکی رہے گی، حرف شناسی کی جو کوئی مقدار ہمارے پاس ہے، وہ انہی حضرات اساتذۂ کرام کا فیض ہے جن کے احسانات کا حق ادا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنے فضل وکرم سے اپنے مقامات قرب میں پیہم ترقیات عطا فرمائیں، آمین۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب قدس سرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مریدین میں سے تھے، اور انہوں نے اپنے اس فرزندار جمند کو تعلیم کے لئے اس دور میں دارالعلوم دیوبند بھیجا جب وہ ماضی قریب کی عظیم شخصیتوں سے جگمگا رہا تھا۔ جن حضرات سے انہوں نے علم حاصل کیا، ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، شیخ المعقولات حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ بندے کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اور دوسرے نامور علماء شامل تھے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز صوبۂ سندھ سے کیا، جہاں مختلف مقامات پر تدریس کے علاوہ انہوں نے فتویٰ کا کام شروع کیا، اور پھر ضلع خیر پور کے قصبے ٹھیڑی کے مدرسہ دارالہدیٰ کو اپنا مرکز فیض رسانی بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے انہیں تحقیق وتدقیق اور نکتہ رسی کا ذوق عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ اس ابتدائی دور ہی میں انہوں نے مفصل فتاویٰ کے ذریعے قابل قدر علمی تحقیقات قلمبند اور متعدد کتابیں تالیف فرمائیں۔

ابتدا میں ہمارا دارالعلوم کراچی شہر کے ایک گنجان محلے نانک واڑہ کی ایک تنگ اور بوسیدہ

عمارت میں تھا۔ ۱۳۷۵ھ (مطابق ۱۹۵۵) میں شہر سے دور شرافی گوٹھ کے قریب ایک وسیع رقبہ ایک صاحب خیر نے دارالعلوم کے لئے وقف کیا، اس جگہ عمارتیں تو تعمیر کر لی گئیں، اور مدرسے کو وہاں منتقل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا گیا، لیکن یہ جگہ شہر سے بہت دور لق ودق صحرا میں واقع تھی یہاں تک پہنچنے کے لئے میلوں تک نہ کوئی پختہ سڑک تھی، نہ مواصلات کے ذرائع تھے، نہ بجلی اور رواں پانی کی سہولت میسر تھی۔ ہمارے متعدد بڑے اساتذہ جو کراچی شہر میں رہتے تھے، مثلاً حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتیؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ، حضرت مولانا بدیع الزماںؒ وغیرہ، ان کے لئے اپنی ذاتی مجبوریوں کی بناء پر مدرسے کی نئی عمارت میں منتقل ہونا مشکل تھا، اور دوسری طرف غالباً اسی سال حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہ نے جامع مسجد نیوٹاؤن میں اپنا مدرسہ شروع فرمایا تھا، اس لئے ان حضرات نے حضرت بنوریؒ کے مدرسے میں تدریس کا ارادہ فرما لیا تھا۔ ان حضرات کے اس ارادے کے بنا پر دارالعلوم میں بڑے اساتذہ کا ایک بڑا خلا پیدا ہو رہا تھا۔ اس موقع پر حضرت والد صاحبؒ کے ایماء پر دارالعلوم کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا نوراحمد صاحبؒ نے کچھ نئے اساتذہ سے رابطہ قائم فرمایا، ان میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی، حضرت مولانا اکبر علی صاحب قدس سرہ اور بہاولپور کے حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ شامل تھے۔ چنانچہ جب شوال ۱۳۷۶ھ میں دارالعلوم کی نئی عمارت میں تعلیم شروع ہوئی تو یہ چاروں حضرات دارالعلوم تشریف لا چکے تھے، اور انہوں نے شوال سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔ اور اس طرح ہمیں حضرت مفتی صاحبؒ کی زیارت اور ان سے استفادے کا بہترین موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

اس سال برادر محترم حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی اور راقم الحروف ہدایہ آخرین وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے پاس اس سال ہمارے تین اسباق ہوئے، ایک ملاحسن دوسرے تصریح اور تیسرے سراجی۔ ملاحسن منطق کی کتاب تھی، اور وہ حضرت مفتی صاحبؒ کا خصوصی موضوع نہ تھا، لیکن انہوں نے جس انداز سے وہ کتاب

پڑھائی، اس کے نتیجے میں کم از کم بندے کو منطق سے پہلی بار کچھ مناسبت پیدا ہوئی۔ علم فلکیات حضرت مفتی صاحبؒ کے خصوصی موضوعات میں سے تھا، اس لئے تصریح میں انہوں نے ہمیں نہ صرف فلکیات کے قدیم وجدید نظریات سے باخبر کرایا، بلکہ اس کے ساتھ اپنی اپج سے انہوں نے ہمیں ریاضی کی بھی تعلیم دی، ''خلاصۃ الحساب'' کے منتخب ابواب بھی پڑھائے، اور ریاضی کے مختلف فارمولوں اور اقلیدس کی عملی مشق بھی کرائی۔ علم میراث بھی ان کا خاص موضوع تھا، اور تسہیل المیراث کے نام سے خود ان کی تالیف طلبہ کے لئے بڑی فائدہ مند تھی، اس لئے انہوں نے سراجی کے بجائے ہمیں اس کتاب کے ذریعے علم میراث کی تعلیم دی، اور اس کی عملی مشق اس طرح کرادی کہ مناسخہ کے طویل طویل مسائل ہم اسی دور میں آسانی سے نکالنے لگے۔ انہوں نے ہی ہمیں میراث کا حساب نکالنے کا ایک نیا طریقہ سکھایا جس میں مناسخہ کے طویل مسائل زیادہ اختصار کے ساتھ حل ہو جاتے تھے۔

اگلے سال ہم نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھی۔ یہ علم حدیث میں ہماری پہلی باقاعدہ کتاب تھی، اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے وہ اس شان سے پڑھائی کہ الحمد اللہ حدیث اور اس کے متعلقہ مباحث سے اچھی مناسبت ہوگئی، اسی دوران انہوں نے ہمیں مختلف مسائل کی تحقیق کے عملی کام پر بھی لگایا، وہ کوئی مسئلہ دیدیتے، اور ہمارے ذمے لگاتے کہ کتب خانہ میں جا کر مختلف کتابوں کی مدد سے اس کی تحقیق کریں۔ اس طرح انہوں نے غیر درسی کتب سے استفادے کا سلیقہ سکھایا، چنانچہ جب اگلے سال ہم دورۂ حدیث میں پہنچے اور صحیح بخاری ان سے پڑھنی شروع کی، تو اسی سال انہوں نے ہمیں فتویٰ نویسی سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے مختلف فقہی مسائل کی تحقیق کا کام بھی سپرد کر دیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا درس بڑا پر مغز، معلومات آفریں اور جچے تلے جملوں پر مشتمل متن متین ہوتا تھا، انہیں ہر موضوع سے متعلق علمی لطائف وظرائف بھی کثرت سے یاد تھے، جن کی وجہ سے درس کبھی خشک نہیں ہو پاتا تھا؛ بلکہ اس میں شگفتگی اور دلچسپی برقرار رہتی تھی۔

نظریاتی تعلیم کے ساتھ طلبہ کی عملی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ جب طلبہ میں کوئی عام خامی دیکھتے تو عموماً نمازِ عصر کے بعد اس پر مؤثر تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ دارالعلوم کا یہ وہ دور تھا جب یہاں نہ بجلی تھی، نہ پانی، نہ پنکھے تھے، نہ ٹیلیفون، دارالعلوم کی چند عمارتوں کے علاوہ دور دور تک کوئی عمارت نہ تھی، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے چاہا کہ ہمیں آخر شب میں بیدار ہو کر نماز پڑھنے کی عادت پڑے۔ اس غرض کے لئے وہ مدت تک آخر شب میں اپنے گھر سے اندھیرے میں ہمارے دارالاقامہ کے کمرے تک چل کر تشریف لاتے، اور ہمیں بیدار کرتے۔ کچھ عرصہ ایسا بھی کیا کہ ہمیں بیدار کر کے مسجد میں جا بیٹھتے، اور ہمیں حکم دیتے کہ وضو کر کے وہیں آجائیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کے تشریف لے جانے کے بعد پھر سو جائیں۔

چونکہ دارالعلوم، آبادی سے بہت دور تھا، لہٰذا اگر کوئی طالب علم بیمار ہو جائے تو اسے کسی معالج کے پاس لے جانا کارے دارد تھا، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ٹھیڑی میں رہتے ہوئے ابتدائی علاج معالجہ بھی سیکھ لیا تھا، چنانچہ وہ طلبہ کو فوری طبی امداد بھی پہنچا دیتے تھے، اگر کسی طالب علم کو انجکشن لگانے کی ضرورت پیش آجاتی تو دور دور تک کوئی انجکشن لگانے والا میسر نہیں تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ ایسے طلبہ کو انجکشن لگانے کے لئے خود تشریف لے جاتے، بعد میں یہ خدمت انہوں نے ہمیں بھی سکھا دی تھی، چنانچہ ضرورت کے وقت ہم بھی طلبہ کو انجکشن لگا دیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ایک مثالی استاذ کی طرح تعلیم و تربیت میں جو محنت فرمائی اس کے احسان کا حق ادا کرنے کا ہمارے پاس ان کے حق میں دعائے خیر کے سوا کوئی راستہ نہیں، اور کم از کم اپنی حد تک میرا سر، اس احساس ندامت سے جھک جاتا ہے کہ اساتذہ کی اتنی کوشش کے باوجود نہ میں اپنی اصلاح کر سکا، اور نہ ان کے احسانات کا کوئی ادنیٰ حق ادا کر سکا۔

ابتدا میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ پر علم و تحقیق ہی کے رنگ کا غلبہ تھا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے مشورے پر انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق اور بیعت کا رشتہ قائم فرمایا، اور کچھ ہی عرصہ

میں ان کی طرف سے بیعت وتلقین کی اجازت بھی عطا ہوگئی۔ اس وقت سے ظاہری علم وتحقیق کے ساتھ عشق ومحبت اور باطنی علوم کی آمیزش نے ان کے فیوض کو دوچند کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک منفرد مزاج عطا فرمایا تھا، اوران کے فیوض کے جوہر اس صورت میں زیادہ کھل سکتے تھے جب وہ اپنے اس مزاج کے مطابق خدمت دین میں مصروف ہوں چنانچہ انہوں نے ناظم آباد کی ایک چھوٹی سی جگہ میں فتویٰ کی تربیت کا ادارہ قائم فرمایا جو شروع میں ''اشرف المدارس'' اور بعد میں ''دارالافتاء والارشاد'' کے نام سے معروف ہوا۔ اور جب دار العلوم کراچی سے ان کی رسمی وابستگی ختم ہوئی تو انہوں نے شہرت کے معروف ذرائع سے دور رہتے ہوئے اس ادارے کو اپنا مرکز فیض رسانی قرار دے لیا۔ رفتہ رفتہ اللہ تعالی نے اس ادارے سے بڑے عظیم الشان کام لئے۔ یہاں ان کی ہفتہ وار اصلاحی مجلس عوام وخواص کا مرجع بن گئی، اطراف واکناف سے لوگ اس مجلس میں شرکت کیلئے آتے اور اس کی بدولت سیکڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی میں خوشگوار دینی انقلاب رونما ہوا۔ اسی ادارے سے انہوں نے اپنا مجموعہ فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' کے نام سے آٹھ ضخیم جلدوں میں مرتب فرما کر شائع کیا جو گرانقدر علمی اور فقہی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ ان کے اصلاحی مواعظ کثیر تعداد میں طبع ہوکر اصلاح خلق کا باعث ہوئے۔ ادارے سے بہت سے علماء نے فتویٰ کی تربیت حاصل کی اور اپنے اپنے علاقوں میں فتویٰ کی خدمت انجام دی۔ پھر جہاد افغانستان کے موقع پر اس ادارے نے روسی استعمار کے خلاف جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ ''الرشید ٹرسٹ'' کے نام سے ایک عظیم رفاہی ادارہ قائم ہوا جس نے افغانستان اور پاکستان میں عظیم رفاہی منصوبوں پر کام کیا، اوراب تک اس کی خدمت میں مصروف ہے، ''ضرب مؤمن'' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری ہوا جس نے قلیل عرصہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوکر ذہن سازی میں نمایاں کردار ادا کیا، اوراب کچھ عرصہ سے ''اسلام'' کے نام سے ایک روزنامہ انہی خطوط پر جاری ہوا۔ جانداروں کی تصاویر اور غیر شرعی اشتہارات کے بغیر اس پیمانے کے کسی اخبار کا تصور اس سے

پہلے مشکل تھا، لیکن ان دونوں جریدوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا کہ اس دور میں بھی منکرات کے بغیر اخبارات وجرائد کامیابی کے ساتھ نکالے جاسکتے ہیں۔ یہ سارے صدقہ ہائے جاریہ ان کے نامۂ اعمال کا جگمگاتا ہوا حصہ ہیں۔

دارالعلوم کراچی سے رسمی علیحدگی کے بعد حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے دارالعلوم اور اہل دارالعلوم کے ساتھ شفقت ومحبت کا تعلق ہمیشہ برقرار رکھا، دور بیٹھ کر بھی ہم لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہے، ہمیں بھی یہ ڈھارس تھی کہ ہم ان کی شفقتوں کے سائے میں ہیں، اور بوقت ضرورت ان سے ہدایت ورہنمائی حاصل کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی تھی، حضرت مفتی صاحب وقتاً فوقتاً دارالعلوم تشریف لاتے رہتے، اور بے تکلفی کے ساتھ کچھ وقت گذار کر اور ہدایات دے کر تشریف لے جاتے۔ آخری بار دارالعلوم کے جلسۂ تقسیم اسناد میں اپنے عام معمول سے ہٹ کر تشریف لائے اور دو روز یہاں قیام فرمایا۔

کچھ عرصہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کی آواز بیٹھ گئی تھی، اس لئے اصلاحی مجلس میں بیان موقوف ہو گیا تھا، اس کے باوجود ان کے کیسٹ اور طبع شدہ مواعظ مستفیدین کی پیاس بجھاتے رہتے تھے۔ آخر میں شکر اور گردے کی بیماری کی وجہ سے باہر تشریف لانا بھی بند ہو گیا، کمزوری حد سے زیادہ ہو گئی، میں ۵/ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ کو ایک کام کے سلسلے میں قاہرہ پہنچا، اور ۶ ذوالحجہ کو مجھے قاہرہ ہی میں اپنے بھانجے مولوی فہیم اشرف صاحب سلمہ کا پیغام ملا کہ حضرت مفتی صاحبؒ دنیا سے منہ موڑ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس دنیا کو قیدخانہ فرمایا کرتے تھے، اللہ تعالی نے انہیں اس قیدخانہ سے رہائی عطا فرماکر اپنی منزل مقصود کی طرف بلالیا۔ انہیں اس بات کا بڑا اہتمام تھا کہ کسی کے انتقال کے بعد اس کی تجہیز وتکفین اور تدفین جلد از جلد ہو، چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق انتقال کے بعد تین چار گھنٹے کے اندر اندر ان کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کے تمام مراحل مکمل ہو گئے، اور بالآخر انہیں اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری قدس سرہ

کے پہلو میں ایک ایسی جگہ سپردخاک کیا گیا جو غالباً خودانہوں نے پہلے سے منتخب فرمارکھی تھی۔

بندے کو سفر پر ہونے کی وجہ سے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل نہ ہو سکی، ان کی قبر پر حاضری ہوئی تو ان کے احسانات کے مقابلے میں اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کے تصور سے گردن ندامت جھکی ہوئی تھی، دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالی ان کو اپنے مقامات قرب میں پیہم ترقی عطا فرمائے، اور ہمیں ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔آمین

اللّٰهم أكرم نزله ووسع مدخله، وأبدله دارًا خيرًا من داره وأهلا خيرًا من أهله، واغسله بماء الثلج والبرد، ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده. آمين يا رب العالمين

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۲ء)

فضیلۃ الشیخ
سید حبیب محمود احمد مدنیؒ جوارِ رحمت میں

مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً) کی باوقار شخصیت اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ کے نگراں اور متولی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے برادر خورد مولانا سید محمود احمد مدنیؒ کے صاحبزادے اور اس وقت خانوادۂ مدنی کے سب سے بڑے سرپرست اور مربی، فضیلۃ الشیخ سید حبیب محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۸۶/سال کی عمر میں گذشتہ ۷/رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ کو مختصر علالت کے بعد وفات پا گئے، اور جنت البقیع میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جوار میں مدفون ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سید صاحب مرحوم نہایت رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے، ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے بے مثال تدبر وفراست اور حسن انتظام کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا تھا، عرصۂ دراز تک مدینہ منورہ کی مجلس اَوقاف کے نگراں رہے اور متعدد تعمیری منصوبے آپ کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچے۔ حرمِ نبوی کے انتظامات میں بھی آپ کا دخل رہا، اِسی طرح مدینہ منورہ کے تاجروں کی انجمن کے آپ سربراہ تھے۔ حرم شریف کی نئی توسیع کے بعد اُس کے اطراف میں متعدد عالی شان ہوٹل آپ کی ملکیت میں تھے، جن میں سے کئی ہوٹل اس وقت بھی زیر تعمیر ہیں، آپ کو فطری طور پر علمی مشاغل اور کتابوں کی فراہمی اور اُن کی اِشاعت وطباعت سے دلچسپی تھی۔ مدرسہ علوم شرعیہ کو اپنی ذاتی توجہ سے بامِ عروج تک پہنچایا اور خود اپنے مکان میں ایک عظیم لائبریری قائم فرمائی، جو مختلف علوم

وفنون کی ہزاروں کتابوں اور نادرونایاب مخطوطات پر مشتمل ہے۔آپ نے ہزاروں ریال کے صرفہ سے متعدد غیر مطبوعہ مخطوطات کی شان دار اِشاعت کا انتظام فرمایا، جن میں مدینہ منورہ کی سب سے قدیم تاریخی کتاب ''تاریخ المدینة المنورة لابن شبة البصري'' اورعلامہ سمہودیؒ کی ''خلاصة الوفا'' (۲ جلدیں) اورعلامہ فیروزآبادی کی ''المغانی المطابہ'' (۴ جلد) اور سیرت مقدسہ کی متعدد کتابیں شامل ہیں۔اسی طرح ۳ر جلدوں میں ''الفقه الحنفي وأدلته'' کی اشاعت کا نظم کیا ہے، جو فقہ حنفی کے مستدلات پر ایک قیمتی کتاب ہے، یہ سب کتابیں آپ نے اپنے صرفہ سے چھپوائیں، اور پھر انھیں اہل علم میں مفت تقسیم فرمایا۔غیر مطبوعہ مخطوطہ کتابوں کی طباعت سے آپ کو کس قدر دلچسپی تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ عینیؒ کی تحریر کردہ طحاوی شریف کی شرح ''نخب الافکار'' ابھی تک دنیا میں کہیں شائع نہیں ہوئی ہے، مصر کے کتب خانہ میں اس کے مخطوطے موجود ہیں، مخدوم گرامی حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے گذشتہ سال اس کتاب کی تعلیق وطباعت کا اِرادہ فرمایا، جب سید صاحب سے آپ نے اِس کا ذکر کیا، تو سید صاحب نے مدینہ منورہ سے اپنے ایک معتمد ''شیخ اسعد شیرا'' کو بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ بھیجا، اُنہوں نے وہاں ٹھہر کر سرکاری لائبریری ''دارالکتب العلمیہ'' سے ''نخب الافکار'' کے مکمل نسخہ کا بہت اہتمام سے فوٹو کرایا، اور ایک بڑی اٹیچی میں پیک کر کے مدینہ منورہ لائے، پھر یہ امانت سید صاحب نے ہندوستان لانے کے لئے ہمارے حوالے فرمائی، ہم لوگ اس وقت حج کر کے واپس آرہے تھے۔الحمدللہ اِس کتاب کی پانچ جلدیں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی تحقیق کے ساتھ دیوبند سے شائع ہوچکی ہیں، اور آگے کام جاری ہے۔اس صدقہ جاریہ میں سید صاحب کا بھی حصہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اِن خدمات کو بے حد قبول فرمائے آمین۔

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح مال ودولت سے نوازا تھا، اسی طرح جود وسخا اور اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی اور حسن اخلاق سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ نہ صرف اہل مدینہ بلکہ ملک

وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے آپ کے متعلقین واعزاء آپ کے احسانات سے گراں بار تھے۔ اہل علم اور اصحاب فضل کا آپ بہت اکرام فرماتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا مدینہ منورہ میں "مدرسہ علوم شرعیہ" ہی میں قیام رہتا تھا، جو اس وقت باب جبرئیل کے بالکل قریب تھا، اور سید صاحب پورے ذوق وشوق سے حضرت شیخ کے قیام کے انتظامات فرماتے تھے۔ اب بھی حج کے موقع پر جب صاحب زادۂ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب زید کرمہم تشریف لے جاتے، تو سید صاحب کی طرف سے ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا جاتا تھا، جس میں بڑی تعداد میں وقت پر موجود ہندوستانی احباب وعلماء شرکت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

خاندانی پس منظر

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے والد ماجد جناب سید حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۱۶ھ میں اپنے وطن مالوف ٹانڈہ (فیض آباد) سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی، اُس وقت آپ کے ساتھ جانے والوں میں آپ کے اہل خاندان میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، اور آپ کے بھائی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ، حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ (بانی مدرسہ علوم شرعیہ) سید جمیل احمد صاحبؒ اور سید محمود احمد صاحبؒ شامل تھے۔ اس خاندان نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بڑی سختیاں اٹھائیں، اور بہت آزمائشیں برداشت کیں، جن کو آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے مسجد نبوی میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا (گو کہ بیچ میں کئی سال ہندوستان میں بھی رہنا ہوا) پھر ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا مدنیؒ اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا پہنچا دئے گئے؛ کیوں کہ شریفِ مکہ نے انگریزوں کے ساتھ مل کر خلافتِ عثمانیہ ترکی سے بغاوت کردی تھی، اور ان حضرات کو انگریز کے مطالبہ پر گرفتار کر کے انگریز کے حوالہ کردیا تھا۔ ان حضرات کی گرفتاری کے بعد مدینہ منورہ کی انتظامیہ نے کسی غلط فہمی کی بنا پر حضرت مدنیؒ کے والد

ماجد سید حبیب اللہؒ اور ان کے ساتھ دو صاحب زادوں مولانا سید احمد صاحبؒ اور سید محمود احمد صاحبؒ کو گرفتار کر کے ایڈریا نوپل پہنچا دیا، جب کہ عورتوں اور بچوں کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا گیا، ایڈریا نوپل نہایت سرد جگہ تھی، جس کی تاب نہ لا کر سید حبیب اللہ صاحبؒ وہاں پہنچنے کے ایک مہینہ کے بعد ہی وفات پا گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد مولانا سید احمد صاحب اور سید محمود صاحبؒ مدینہ منورہ واپس آ گئے؛ تاہم بعد ازاں انگریزوں کی شدید ناکہ بندی کے باعث مدینہ منورہ میں سخت قحط سالی کی نوبت آ گئی، فاقہ کشی کی وجہ سے جان کے لالے پڑ گئے اور بھکمری پھیل گئی، گرانی کا یہ حال ہو گیا کہ ایک سونے کی گنی کے بدلے میں ایک روٹی میسر آتی تھی، اور پورا خاندان دن بھر میں صرف ایک روٹی پر گذارا کرتا تھا، جس کی بنا پر ترکی حکومت نے اہل مدینہ کے جان کے تحفظ اور اُن کے لئے خوراک فراہم کرنے کی غرض سے ترکی کے زیر اثر علاقوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا، انہی منتقل ہونے والوں میں سید حبیب اللہ صاحب کے اہل خاندان بھی تھے، اس دوران کچھ عرصہ ''شام'' میں قیام رہا۔ وہیں رہتے ہوئے سید محمود صاحب کے گھر میں ۱۳۳۸ھ میں جناب سید حبیب محمود احمد صاحب کی پیدائش ہوئی، پھر جب حالات کچھ درست ہوئے تو یہ خاندان دوبارہ مدینہ میں آباد ہوا، جب کہ اِن انقلاباتِ زمانہ میں گھرانہ کے ۱۷/افراد راہی ملک عدم ہو چکے تھے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ مالٹا سے رہائی کے بعد ہندوستان میں مقیم رہ کر خدمتِ قوم وملت میں مصروف ہو گئے اور بھائیوں کے اصرار کے باوجود دینی خدمات کی انجام دہی کو مدینہ منورہ کے قیام پر ترجیح دی اور پوری عمر یہیں گذار کر دیوبند میں مدفون ہوئے، جب کہ مدینہ منورہ واپسی کے بعد حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ نے مدرسہ علوم شرعیہ کی تعمیر وترقی کی طرف توجہ مبذول کی، اور حضرت مولانا سید محمود صاحب اولاً شریف مکہ کی حکومت میں محکمۂ قضا میں پیش کار مقرر ہوئے، پھر سعودی حکومت میں جدہ شہر کے قاضی بنائے گئے، بعد ازاں استعفا دے کر مستقل مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر تجارت میں مشغول ہو گئے، جس میں اللہ تعالیٰ نے نہایت برکت عطا فرمائی اور جلد ہی آپ کا شمار اعیانِ اہل مدینہ میں ہونے لگا، اور ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے

عزت سے سرفراز فرمایا۔ سید محمود صاحب کے اکلوتے فرزند سید حبیب محمود صاحبؒ تھے جنھوں نے پوری تعلیم اپنے تائے حضرت مولانا سید احمد صاحب کے زیر سایہ ''مدرسہ علوم شرعیہ'' میں حاصل کی اور پھر اپنے والد محترم کے کاروبار کو اپنی بے مثال صلاحیتوں سے عروج تک پہنچایا، اور سعودی حکومت میں پورے وقار اور خودداری کے ساتھ اونچی سطح پر اپنے روابط برقرار رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ مدینہ کے عوام وخواص حتیٰ کی امراء واعلیٰ حکام کی نظر میں بھی سید صاحب کا اعلیٰ مرتبہ تھا، اور سب ان کا احترام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی اُن کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

سید حبیب صاحبؒ کے تین صاحبزادے ہیں: (۱) ڈاکٹر سید احمد حبیب: جو اس وقت مدینہ منورہ میں وزارتِ صحت میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں (۲) سید عدنان حبیب: آپ اس وقت منطقہ مدینہ منورہ کے بجلی کے شعبہ کے ڈائریکٹر ہیں اور گورنرِ مدینہ کے مشیر ہیں (۳) سید محمد حبیب: موصوف جدہ میں وزارت پٹرولیم میں افسر ہیں۔

سید صاحبؒ کی تین صاحبزادیاں ہیں، جن کے نکاح معزز مہاجر خاندانوں میں ہوئے ہیں، اب یہ خاندان ماشاءاللہ کافی وسیع ہو چکا ہے، اور سب بڑے چھوٹے ماشاءاللہ عافیت اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے ہیں، شروع میں بڑوں نے جو ناقابل تحمل مشقتیں اٹھائیں، یہ سب انہیں کی قربانیوں کا صلہ ہے، جو ان کی نسلیں وصول کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان عظیم نعمتوں کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور ناقدری سے پوری طرح محفوظ رکھیں، آمین۔

مدرسۂ علوم شرعیہ

۱۳۳۸ھ کے بعد جب شریف حکومت نے مدینہ منورہ میں دینی تعلیم کے اِداروں کی طرف توجہ ختم کردی اور سب مدارس میں عصری تعلیم جاری ہوگئی، تو اہل مدینہ کی دینی تعلیم کے نظم کے لئے حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''**مدرسة العلوم الشرعية ليتامى المدينة النبوية**'' کے نام سے سرزمین طیبہ پر آزاد دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جس کی مالی کفالت زیادہ تر ہندوستانی مہاجرین ووارِدین کے ذریعہ ہوتی رہی، اور اس مدرسہ سے بڑا فیض پہنچا، سید

حبیب صاحبؒ کا چوں کہ یہ مادرِ علمی تھا، اس لئے آپ کو اس سے خصوصی شغف تھا، آپ کے انتظام میں آنے کے بعد جب موجودہ سعودی حکومت کی وزارۃ المعارف نے تمام مدارس میں قومی نصاب جاری کرنے پر دباؤ ڈالا، تو سید صاحب نے گو کہ حکومت کا مقرر کردہ نظام مجبوراً قبول کرلیا؛ لیکن مالی اعانت حکومت سے قبول نہ کی؛ بلکہ اپنے خاندانی اثاثہ جات اور اوقاف کے ذریعہ مدرسہ علوم شرعیہ کی ضرورتوں کی تکمیل فرماتے رہے، اس وقت بھی ایک عالی شان ہوٹل مدرسہ کی آمدنی کے لئے زیرِ تعمیر ہے، آپ نے مدرسہ علوم شرعیہ کو مدینہ کے ایک باوقار تعلیمی ادارہ میں تبدیل کیا، اور جدید وقدیم علوم کی تعلیم کا بہتر انتظام فرمایا، حکومتی سطح پر بھی اِس ادارہ کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا جاتا رہا ہے۔

کچھ یادیں

اگرچہ بچپن ہی سے سید صاحب مرحوم کے نام سے کان آشنا تھے؛ لیکن زیارت کا شرف ۱۴۰۷ھ میں پہلے سفرِ حج کے موقع پر حاصل ہوا، یہ سفر بھی ایک یادگار سفر تھا، جو سید صاحب مرحوم کی خاص عنایات سے انجام پایا تھا۔ اس سفر میں احقر کے والدین مکرمین، حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ اور اُن کے اہلِ خانہ، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور اُن کے خاندان کے متعدد افراد اور ان کے علاوہ بھی مختلف حضرات شامل تھے، اور سب کی قیادت حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی فرمارہے تھے، قافلہ کے افراد اولاً جدہ میں جمع ہوئے، جہاں اس وقت مکرم ومحترم جناب بھائی سید احمد اسعد حسین زید فضلہ (صاحب زادہ حضرت امیر الہند) مقیم تھے، پھر سید صاحبؒ نے سب حضرات کو اپنے خرچ پر بذریعہ ہوائی جہاز مدینہ منورہ بلایا، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ کے اہلِ خانہ کو سید صاحبؒ نے حرم شریف کے بالکل قریب اپنے ہوٹل ''النخیل'' میں ٹھہرایا، جب کہ ہم سب لوگ خود موصوف کے مکان پر ٹھہرے، جو اس وقت مسجد غمامہ کے قریب محلّہ عنبریہ میں واقع تھا، اس گھر میں جاکر یہ احساس ہی نہ ہوا کہ ہم سفر میں ہیں؛ بلکہ سید صاحبؒ کی توجہ سے گھر جیسی

اپنائیت نصیب ہوئی، دونوں وقت کھانے میں خود سید صاحبؒ شریک رہتے، اور نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، پھر حج کے ایام قریب آگئے تو سید صاحبؒ نے خود اپنے انتظام سے پورے قافلہ (جس میں کم وبیش ۲۵-۳۰ ر افراد ہو گئے تھے) کے حج کا نظم کیا۔ مدینہ منورہ سے ہی دو بڑی گاڑیاں جن سے ہر ایک میں ۱۵ ر آدمیوں کی گنجائش تھی، پورے سفر میں مکہ معظّمہ، منیٰ، عرفات سب جگہ ہمارے ساتھ رہیں، اور کئی خدام، اور کھانے پکانے کے اسباب، نیز منیٰ، عرفات میں ٹھہرنے کے انتظامات سب سید صاحب کی طرف سے تھے۔ الحمد اللہ نہایت اطمینان کے ساتھ تمام مناسک ادا کئے گئے، اس وقت آج جیسی سہولیات مہیا نہ تھیں؛ لیکن بحمدہ تعالیٰ سید صاحب کے توسط سے نہایت سہولت سے سفر ہوا، حج کر کے پھر ہم لوگ مدینہ منورہ واپس آگئے، اور کئی ہفتہ قیام کے بعد واپسی ہوئی، اور سید صاحبؒ کی شفقتوں کی یاد برابر آتی رہی۔

اسی طرح خاندان کے حضرات جب بھی حج کے لئے جاتے، تو آپ کی خواہش ہوتی کہ وہ آپ ہی کے انتظام میں حج کی سعادت حاصل کریں، مدینہ منورہ میں بہتر قیام کا انتظام فرماتے، بھائی اخلد صاحب اور عزیزم مولوی سید محمد حارث سلمہٗ نے جب کاروبار کی نیت سے مدینہ منورہ میں قیام کا اِرادہ کیا، تو سید صاحب نے دونوں کی سرپرستی اور کفالت فرمائی، اور رہنے کے لئے مکان عنایت کیا، اَب ان لوگوں کے مکانات ہونے کی وجہ سے ہم لوگوں کا قیام سہولت کی بنا پر انہیں حضرات کے پاس ہوتا ہے؛ لیکن جب سید صاحب سے ملنے جاتے، تو پہلا سوال یہی ہوتا کہ اگر قیام میں کوئی پریشانی ہو، تو حرم کے قریب انتظام کر دیا جائے۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم سے سید صاحب کو خاص انس تھا؛ اِس لئے وہ برابر سید صاحب کے مکان ہی میں قیام فرماتے ہیں اور وہاں ان کے لئے ایک کمرہ مخصوص ہے۔ جب کہ حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہم کا قیام حرم کے قرب کی وجہ سے ''النخیل ہوٹل'' میں ہوتا ہے۔ الغرض ان کی عنایات ناقابل بیان ہیں، ہم لوگ حاضر ہوتے تو سید صاحب چاہتے کہ ہم بار بار ان سے ملاقات کرتے رہیں، ہر روز عشاء کے بعد سید صاحب کی باوقار مجلس لگتی تھی، جس میں

مدینہ کے اعیان حضرات اور آپ کے ہم عصر احباب پورے وقار وآداب کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔عموماً ہم لوگ اسی وقت ملاقات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔تیسرے سال کی بات ہے، حج کے موقع پر حاضری ہوئی اور مدینہ میں صرف ایک ہفتہ قیام کا موقع ملا،اور درمیان میں کچھ ایسی مصروفیات رہیں کہ سید صاحب سے پہلی ملاقات کے بعد بس جاتے ہوئے الوداعی ملاقات کے لئے جانا ہوا،بس دیکھتے ہی ناراض ہوگئے اور بہت ناگواری کا اظہار فرمایا کہ تم لوگ اجنبیت برتتے ہو، اور غیروں کی طرح بس آتے اور جاتے ہوئے ملتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ موصوف کی یہ ڈانٹ ڈپٹ دراصل اُن کے دلی تعلق کی دلیل تھی،موصوف خوب اچھی طرح اُردو بولنا پڑھنا جانتے تھے۔اوردن کے اوقات زیادہ تر اپنی لائبریری میں مطالعۂ کتب یا قرآنِ کریم کی سماعت میں گذارتے تھے،جب بھی دوپہر میں ملاقات کے لئے حاضری ہوئی تو اسی مشغلہ میں مشغول پایا۔

سفرآخرت

چوں کہ آپ اپنے معمولات اوراصولوں کے بہت پابند تھے،اس لئے عموماً آپ کی صحت ٹھیک رہتی تھی، چندسال قبل عارضۂ قلب پیش آیا؛لیکن پھر کامل صحت ہوگئی۔وفات سے ۱۲ر روز قبل اچانک آپ پر فالج کا سخت حملہ ہوا،فوراً اسپتال میں داخل کئے گئے، پھر گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا،درمیان میں کچھ ہوش آیا؛لیکن بولنے کی سکت نہ ہوسکی،آخری دن کچھ ہوش زیادہ رہا، بار بار داہنے ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی اٹھاتے رہے،اور ۷ر رمضان المبارک بروز بدھ شام کوعصر کی نماز کے بعد تقریباً ۴ر بجے مدینہ منورہ میں اس دارفانی کوالوداع کہا،اناللہ وانا الیہ راجعون۔

معلوم ہوا کہ ایک سال قبل آپ نے خواب دیکھا تھا کہ والدسید محمود صاحبؒ فرمارہے ہیں کہ ’’حبیب!اَب کے رمضان ہمارے ساتھ گذارنا‘‘ اللہ نے یہ خواب سچا کردکھایا اورمقدس ماہ رمضان میں مقدس مقام پرآپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔اگلے روز فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی

میں امام حرم شیخ ثبیتی نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیکڑوں اہل مدینہ نے آپ کو آخری آرام گاہ جنت البقیع میں پہنچایا، آپ کی قبر اُس احاطہ میں بنائی گئی جہاں عرصۂ دراز سے عام لوگوں کی تدفین بند ہے۔

حسن اتفاق کہ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم آپ کی وفات کے فوراً بعد مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے، اور پسماندگان کو ڈھارس دلائی۔ ڈاکٹر احمد حبیب نے گھر آ کر حضرت مولانا مدظلہ سے درخوست کی آپ اِس جگہ تشریف رکھیں جہاں بابا (سید صاحب) تشریف رکھتے تھے؛ اِس لئے کہ بابا کے بعد آپ ہی ہمارے خاندان کے سب سے بڑے ہیں۔ بہر حال سید صاحب چلے گئے، اور جانا ہر ایک کو ہے، مگر ان کی خدمات اور عنایتیں بہر حال یاد کی جاتی رہیں گی، اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور بلند تر درجات سے نوازے۔ آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۲ء)

رفتگاں

۲۰۰۳ء - ۲۰۰۴ء

- حضرت مولانا سید بشارت علی صاحبؒ
- حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ
- شیخ احمد یاسینؒ فلسطین
- حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ پاکستان
- حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ
- حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہویؒ
- حضرت مولانا عبد اللہ صاحب بستوی مہاجر مدنیؒ

حضرت مولانا سید بشارت علی صاحب (ہردوئی)

مولوی محمد بلال میرٹھی فاضل شعبۂ اِفتاء مدرسہ شاہی

۱۱؍محرم ۱۴۲۴ھ یوم شنبہ بوقت صبح ۷؍بج کر ۲۵؍منٹ پر میرے شیخ ومربی محسن ملت وعارف باللہ حضرت مولانا سید بشارت علی صاحبؒ (خلیفہ اجل محی السنۃ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم) کی وفات کا سانحہ پیش آیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت والا کو طبعی اعتبار سے گوشۂ گمنامی پسند تھا، ساری زندگی شہرت ونا موری سے دور رہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دین کی اشاعت وحفاظت، امت کی اصلاح وتربیت، اور احیائے سنت کے عظیم کام کے لئے منتخب فرمالیا تھا۔ آپ مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی جیسے تعلیمی وتربیتی، مجلس دعوۃ الحق جیسے مثالی ادارے کے نائب ناظم تھے، گلشن ابرار کے ایسے مہکتے ہوئے پھول تھے کہ آنے والا اس کی خوب صورتی وخوشبو سے نہ صرف یہ کہ متاثر ہوتا؛ بلکہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا، ایک ہی مجلس میں اس کو سلوک کا مقصد، طریقت کی حقیقت، تزکیہ کا راستہ معلوم ہوجاتا، اور اپنی کمیوں وکوتاہیوں کا احساس اور اصلاح کی فکر، اللہ کی محبت ومعرفت کی بیش بہا دولت حاصل کرنے کا جذبہ وفکر پیدا ہوجاتی، ایسا اس لئے تھا کہ خود آپ نے چار چار میخانوں سے محبت ومعرفت کا جام نوش کیا تھا۔ چار چار جلیل القدر مشائخِ وقت سے نہ صرف یہ کہ کسب فیض کیا؛ بلکہ ان سے اجازت وخلافت کی نعمت بھی حاصل تھی، سب سے پہلے آپ سلسلہ نقشبندی کے شیخ وقت عارف باللہ حضرت مولانا ہارون حسین صاحب گوپاموی نوراللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے اور اپنی خداداد استعداد وصلاحیت کی وجہ سے بہت جلد شیخ کے منظورِ نظر ہوگئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے، ان کی رحلت کے بعد اسی سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب اناویؒ سے خط وکتابت رہی اور ان سے بھی اجازت وخلافت کا شرف حاصل ہوا، پھر شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اصلاح کا

تعلق قائم کیا، قسمت کی بلندی کہ حضرت اقدس پھولپوریؒ اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم دونوں ہی مشائخ نے ایک ساتھ خلافت اور اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔
﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

ایں سعادت بزور بازو نیست ❖ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ قدرت کی فیاضی تھی کہ آپ ایک طرف روحانی طبیب وشیخ وقت تھے اسی کے ساتھ ساتھ آپ ہومیو پیتھک کے ایک کامیاب معالج بھی تھے اس لئے آپ کا گھر روحانی وجسمانی دونوں ہی مریضوں کے لئے شفاخانہ تھا آپ فارسی کے ماہر ادیب تھے، آپ کے دل میں ملت کا درد اور امت کی اصلاح کی فکر تھی، حق کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ تھا، اپنی گراں سے گراں چیز خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے، پوری زندگی انسانوں کی صلاح وفلاح کے لئے تڑپتے رہے اور اس کے لئے کوشاں رہے، جب جب آپ کی قربانیوں کا خیال آتا ہے تو بلاساختہ ہونٹ ان الفاظ کا ورد کرنے لگتے ہیں:

آتی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو ❖ تری یادوں کا چمن مہکتا ہی رہے گا

آپ کو شوگر جیسا مہلک مرض کافی عرصہ سے دامن گیر تھا، اچانک شوگر بہت کم ہوگئی جس کے نتیجہ میں چھ روز تک غشی کی حالت رہی، اور شنبہ کی صبح کو سات بجکر پچیس منٹ پر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، آپ کے حادثہ کی خبر آناً فاناً پھیل گئی، ملک وبیرون ملک آپ کے ہزاروں محبین ومعتقدین نے جب آپ کی وفات کی خبر سنی تو ان کے قلوب غم واندوہ میں ڈوب گئے، آنکھیں اشکبار ہوگئیں، آپ کی وفات کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایسا جانکاہ حادثہ ہے کہ جس نے ہزاروں دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، پوری فضا سوگوار ہوگئی اور آپ سب کو روتا اور تڑپتا چھوڑ کر چلے گئے، ہر ایک زبان حال سے کہہ رہا تھا:

بچھڑا اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ❖ ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اللہ تعالیٰ حضرت کے متعلقین اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۳ء)

❍❖❍

حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ کی رحلت

سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ اور جامع مسجد کوٹ دوار (اترانچل) کے خطیب حضرت مولانا حسین احمد قاسمی مؤرخہ ۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۲؍جون ۲۰۰۳ء بروز جمعرات صبح تہجد کے وقت رحلت فرماگئے، آپ کی نماز جنازہ اسی دن بعد نماز مغرب ادا کی گئی، ہزاروں افراد نے جنازہ میں شرکت کی۔ موصوف کی یاد میں ۱۸؍ربیع الثانی کو ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں علاقہ کے علماء کے علاوہ مدرسہ شاہی کے نائب مہتمم حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے شرکت کی اور جامعہ کی طرف سے تعزیتی پیغام پیش کیا، جلسہ میں مقررین نے مولانا مرحوم کی صفات عالیہ اور خدمات جلیلہ پر خراج عقیدت پیش کیا، مولانا مرحوم تقریباً نصف صدی سے اس علاقہ میں مقیم تھے اور اپنے فیوض عالیہ سے عوام وخواص کو مستفیض کررہے تھے، مولانا مرحوم اکابر دیوبند، مدرسہ شاہی اور جمعیۃ علماء ہند سے اخیر تک وابستہ رہے، اس موقع پر مفتی اسرار احمد دانش نجیب آبادی نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے، ان میں سے چند بند پیش خدمت ہیں:

ہے ربیع ثانی گیارہ ۱۴ سو چوبیس سن ❖ کیا زمیں کیا آسماں شمس وبدر ہیں اشک بار!
جون ۱۲ پنجشنبہ بیس سو تین عیسوی ❖ مردِ مؤمن چل دیا وقتِ تہجد سوئے یار!
تھے حسین احمد مشائخ کی امانت کے امین ❖ نقش بندی سلسلہ کے شیخ وقت عالی وقار!

ہے دعا دانشؔ کی آخر میں بصد عجز و نیاز
تا ابد اُن پر رہے بس رحمتِ پروردگار!

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۳ء)

مولانا محمد حسین صاحب قاسمیؒ (قصبہ محمدی)

از: حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

حضرت مولانا محمد حسین صاحب قاسمی فاضل درالعلوم دیوبند، منحنی بدن، خوش اخلاق، خوش گفتار دینی حمیت وغیرت سے سرشار، نام ونمود سے مطلقاً بیزار فرشتہ صفت شخصیت کے مالک تھے۔

ابتداء سے لے کر فراغت تک دارالعلوم دیوبند میں ہی زیر تعلیم رہے، آپ کے مایۂ ناز اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ صدر المدرس دارالعلوم دیوبند، سابق اُستاذ دارالعلوم دیوبند اور موجودہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم وامیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم قابلِ ذکر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے آبائی وطن قصبہ محمدی لکھیم پور کھیری میں تجارت سے منسلک ہو گئے اور حسبۃ اللہ درس نظامی کی بعض کتابوں مثلاً کنز الدقائق وغیرہ کو پڑھاتے رہے، نیز ملی ورفاہی کاموں میں نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے، مسلم فنڈ قصبہ محمدی کو قائم فرما کر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو سودی کاروبار سے نجات دلائی جس سے بڑی تعداد میں علاقہ کے ضرورت مند حضرات آج بھی اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔

قصبہ محمدی میں بنیادی ضرورت کے تحت مدرسہ حسینیہ خادم العلوم کو بڑی جانفشانی کے ساتھ مخلص وخداترس باصفا حضرات کی ایک جماعت کی معیت میں قائم فرمایا اور تاحیات جس کے صدر بھی رہے، جو آج الحاج قاری صبیح الدین صاحب دامت برکاتہم کے زیر اہتمام ترقی کے منازل طے کر رہا ہے اور پورے علاقہ میں اہم دینی ادارہ کے طور پر مشہور ہے۔

مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی غیرت وحمیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۷ء میں جب اندرا گاندھی نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کی اور ضبط تولید (نس بندی) کو جبری قرار دیا اس

سیلاب بلاخیز میں بڑے بڑے حضرات بہنے لگے تھے، تو مولانا مرحوم نے بڑی دلیری و بہادری سے اس فتنہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور علاقہ کے عوام وخواص کو ہر طرح سے تسلی دی۔

حضرت مولانا محمد حسین صاحب مرحوم ایک بہترین مخیّر تاجر تھے اس لئے ہمیشہ بڑی خاموشی سے ضرورت مند علماء اور اساتذۂ کرام کی مدد فرماتے رہے، حضرت مولانا رعایت علی صاحب قاسمی صدر المدرسین جامعہ عربیہ سٹی اسٹیشن سیتاپور کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے قیام محمدی کے دوران نہ جانے کتنی مرتبہ اساتذۂ کرام اور قصبہ محمدی کے ضرورت مند حضرات کے لئے مولانا مرحوم سے تعاون لیا جبکہ جس کا تعاون کیا جاتا تھا اس کو قطعاً اس کا علم نہیں ہوتا تھا کہ اصلاً ان کا محسن کون ہے درحقیقت مولانا حدیث پاک "**حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ**" ترجمہ: "یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی نہ جانے کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے" کے مصداق تھے۔

صبر واستقامت اس درجہ تھا کہ بعض محسن کشوں نے اپنی نیشہ زن فطرت کی وجہ سے مولانا مرحوم کو ہر طرح سے ڈسا؛ لیکن کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے، اور پیکر قناعت واستقامت بنے رہے۔

شہادت:- ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۴ / جون ۲۰۰۳ء سہ شنبہ کو رات تقریباً ڈیڑھ بجے مکان کے صحن میں اس حال میں پائے گئے کہ جان قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بعض متعلقین کا کہنا تھا کہ شاید زینہ سے گرنے کے نتیجہ میں لگنے والا زخم کاری ہی جان لیوا ثابت ہوا، وفات سے دو دن قبل مولانا مرحوم اپنے متعلقین سے کہہ رہے تھے کہ دیکھنا مجھے اللہ تعالیٰ شہادت کی موت نصیب فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کی یہ آخری خواہش بھی پوری فرمادی پسماندگان میں بیوہ، چھ صاحبزادے اور ۴ / صاحبزادیاں چھوڑی ہیں۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ مرحوم کے لئے دعاء فرمائیں کہ اللہ رب العزت درجات بلند فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۳)

❍❖❍

حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحبؒ مظاہری

ملک کے مشہور و معروف بزرگ، مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے ناظم اعلیٰ، حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۴ء کو دن میں ۱۲ بجے کے قریب دہلی کے ایک اسپتال میں واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی صاحب موصوف ایک کامیاب اور مقبول مدرس، ہوشیار اور زیرک منتظم اور ہزاروں بندگانِ خدا کے پیرو مرشد تھے، موصوف کی فقہی بصیرت بھی عوام وخواص میں مسلم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے علاقہ میں بڑی مقبولیت عطا فرمائی تھی جس کا کچھ اندازہ آپ کے جنازہ میں شامل عظیم مجمع کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے کہ مجمع کی کثرت کی وجہ مدرسہ مظاہر علوم سے قبرستان (کمال شاہ) کا معمولی فاصلہ تقریباً ۳ گھنٹہ میں طے ہوا۔

آپ کا وطن مالوف اجراڑہ ضلع میرٹھ تھا، جہاں ۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۲۹ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی قاری سعید احمد صاحب اجراڑوی نوراللہ مرقدہٗ (صاحب معلم الحجاج) مظاہر علوم کے مفتیٔ اعظم اور صدر المدرسین تھے، حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحبؒ نے اپنے والد ماجد کی خاص نگرانی میں علمی سفر طے کیا، اور ۱۳۶۹ھ میں مظاہر علوم سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد آپ دار الافتاء میں معین المفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دینے لگے اور ساتھ میں تدریسی سلسلہ بھی شروع ہوا، اور ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف تک آپ کو پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بالخصوص ترمذی شریف کا درس آپ کے یہاں الگ شان رکھتا تھا، آپ کے شاگردوں اور متوسلین کا سلسلہ ملک کے طول وعرض میں پھیلا ہوا تھا۔

۱۳۸۵ھ میں آپ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ کے دور نظامت میں مظاہر علوم کے نائب ناظم بنائے گئے، اور پھر ۱۳۹۹ھ میں آپ نظامت کے منصب پر فائز ہوئے، اور مدرسہ مظاہر علوم کو ترقی دینے کے لئے اخیر تک کوشاں رہے۔ آپ نے کم وبیش ۷۴ر سال کی عمر پائی۔ شرح عقود رسم المفتی پر آپ کا مختصر حاشیہ شائع شدہ ہے اس کے علاوہ بھی آپ نے چند رسائل فقہی موضوعات پر تالیف فرمائے جو آپ کی یادگار ہیں۔

آپ کو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ حضرت تھانویؒ) سے اجازت وخلافت حاصل تھی، اور آپ کے متوسلین کا حلقہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، بڑے بڑے علماء آپ کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے۔ (حضرت مفتی صاحب کے تفصیلی حالات کے لئے ''تذکرۂ فقیہ الاسلام'' (مرتبہ: مولانا محمد اسماعیل صادق بلاسپوری) اور ماہنامہ ''آئینۂ مظاہر علوم'' کے فقیہ الاسلام نمبر کا مطالعہ کیا جائے)۔

مدرسہ شاہی میں آپ کی وفات کی خبر پر ایصال ثواب اور دعائے خیر کا اہتمام کیا گیا، اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب نے حضرت موصوف کی وفات پر تعزیتی بیان جاری فرمایا اور پسماندگان کے نام تعزیتی مکتوب ارسال کیا۔ قارئین سے بھی ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوفؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۴)

حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب امروہویؒ

جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے مہتمم حضرت مولانا سید حامد حسن صاحبؒ اواخر شوال میں وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نہایت متواضع، اصول پسند اور اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیتوں سے متصف تھے۔ عرصۂ دراز تک امروہہ کے قدیم مدرسہ جامع مسجد کی نیابت واہتمام کے فرائض انجام دئے۔ آپ نے تقریباً ۹۵؍ سال کی عمر پائی۔ ۱۳۷۱ھ سے ۱۴۰۶ھ تک مدرسہ کے نائب مہتمم رہے اور ۱۴۰۶ھ سے تادم حیات ۱۸؍ سال مہتمم رہے۔ آپ حضرت مولانا حافظ زاہد حسن صاحب امروہوی کے صاحب زادے، حضرت مولانا سید طاہر حسن امروھوی کے برادر اکبر اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (موجودہ مہتمم) کے والد مکرم تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، اور درجات بلند فرمائے، آمین۔ (ندائے شاہی فروری ۲۰۰۴)

حافظ سلامت جان صاحبؒ

مدرسہ شاہی کے قدیم استاذ جناب حافظ قاری سلامت جان صاحب نے مؤرخہ ۱۲؍ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نے ۱۳۹۹ھ سے ۱۴۲۱ھ تک مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد علالت اور ضعف کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا تھا، قاری صاحب مرحوم کا فیض مرادآباد کی گلی گلی تک پھیلا ہوا ہے۔ مدرسہ شاہی میں تدریس کے دوران شہر وعلاقہ کے سیکڑوں بچوں نے آپ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی جو آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ شہر مرادآباد میں مدرسہ شاہی کے لئے فراہمی مالیہ کے سلسلہ میں بھی بہت محنت اور دلجمعی سے حصہ لیتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے، آمین۔ (ندائے شاہی فروری ۲۰۰۴) ❍❖❍

شیخ احمد یاسینؒ کی روح کو سلام

آپ زندہ ہیں! آپ زندہ رہیں گے!

فلسطینی تحریک مزاحمت (حماس) کے ۶۶ سالہ بزرگ قائد، تحریک آزادی مسجد اقصیٰ کے روح رواں، اور دور حاضر میں جہاد فی سبیل اللہ کے علم بردار، شیخ احمد یاسینؒ کو اسرائیل کی ظالم وجابر فوج نے اپنے درندہ صفت اور آدم خور وزیر اعظم ایریل شیرون کی خصوصی ہدایت پر ۲۲/ مارچ ۲۰۰۳ء کی صبح اس وقت شہید کر دیا جب کہ موصوف فجر کی نماز ادا کر کے مسجد سے اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخباری اطلاعات کے مطابق یہ خبر سنتے ہی لوگ دیوانہ وار سڑکوں پر نکل آئے۔ ہر طرف اپنے عزیز ترین قائد کے فراق میں آہوں اور سسکیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور اسرائیل کے ایک ایک فرد کے خلاف سخت ترین انتقامی جذبات اور اشتعال کے ماحول میں کم وبیش پانچ لاکھ افراد نے شیخؒ کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی، اور شیخؒ کے مشن پر چلنے اور دین کی سربلندی کے لئے جانیں تک قربان کرنے کی قسمیں کھائیں۔

شیخ احمد یاسینؒ کو شہید کر کے اسرائیل یہ سمجھتا ہوگا کہ اس نے فلسطینی مزاحمت کو ختم کر دیا ہے، مگر یہ اس کی محض خود فریبی ہے۔ شیخ یاسینؒ کو اب فلسطینی جیالوں کے دلوں سے کبھی مٹایا نہیں جا سکے گا، وہ آج بھی زندہ ہیں اور کل بھی زندہ رہیں گے، قرآن کا اعلان ہے کہ: ''راہ حق میں جان قربان کرنے والے فنا نہیں ہوا کرتے بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص قسم کی ابدی حیات عطا ہوتی ہے''۔ (سورہ آل عمران) اور ان کی تابناک خدمات سے دوسروں کو بھی زندگی کا حوصلہ ملتا ہے۔ شیخ احمد یاسینؒ اس دور میں جہد واستقامت اور عزیمت واستقلال کی علامت بن گئے تھے۔ آج جب کہ فلسطین کے مسئلہ سے تعلق رکھنے والے تقریباً تمام ملکوں اور جماعتوں نے اسرائیل اور امریکہ کے آگے گویا گھٹنے ٹیک رکھے ہیں حتی کہ فلسطینی اتھارٹی بھی امریکہ کی تابع

فرماں اور کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے۔ اس ماحول میں شیخ احمد یاسین جس جرأت وہمت کے ساتھ ''حماس'' کے جاں نثاروں کے ذریعہ اسرائیل کو ناکوں چنے چبواتے رہے وہ اس صدی میں اولو العزمی اور ثبات قدمی کا بے مثال واقعہ ہے، ہمیں یقین ہے کہ شیخ احمد یاسینؒ کا خون ہرگز رائیگاں نہیں جائے گا؛ بلکہ ان کے خون کا ایک ایک قطرہ اسرائیلیوں کے لئے موت کا پیغام بن کر سامنے آئے گا، اور فلسطینی جانباز اپنے شہید قائد کے مشن پر چلتے ہوئے ظالم صہیونیوں کو خود ان کے ملک میں جینا دوبھر کرتے رہیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ہم شیخ احمد یاسینؒ کو ان کی مظلومانہ شہادت پر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ہماری طرف سے شہید قائد کی روح کو پرخلوص ہدیہ سلام پیش ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے شہید قائد کے درجات بلند سے بلند فرمائے، اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن ❖ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آمین یارب العالمین

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۴ء)

حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ گجرات

گجرات کے معروف وممتاز عالم دین، محدث وفقیہ مفتی احمد بیمات صاحب کا مورخہ ۱۳؍ فروری ۲۰۰۴ء کو انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم پوری زندگی دینی علمی اور ملی خدمات میں مصروف رہے، مشہور تعلیمی ادارہ مدنی دارالتربیت کے بانی ومہتمم تھے، اور ایک سو سے زائد دینی مکاتب کے ذمہ دار تھے، اور ایک عرصہ تک جامعہ فلاح دارین ترکیسر کے شیخ الحدیث رہے، جمعیۃ علماء ہند کے سرگرم اور فعال رکن تھے، اور مجلس عاملہ کے تاحیات ممبر رہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے، ادارہ ندائے شاہی مولانا مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے تمام قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کریں۔ (ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۴)

❍❖❍

سید فرید الوحیدی صاحب جدہ (سعودی عرب)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے برادرزادہ اسیر مالٹا حضرت مولانا سید وحید احمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے، مولانا سید فرید الوحیدی صاحب گذشتہ ۸/اپریل ۲۰۰۴ء کو تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں جدہ میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، فراغت کے بعد دارالعلوم کے شعبۂ تبلیغ سے بھی وابستہ رہے، اللہ نے بے مثال ذہانت سے نوازا تھا، گفتگو کا انداز نرالا اور دلچسپ تھا، جس مجلس میں بیٹھ جاتے اسے باغ وبہار بنا دیتے، اور اس کے ساتھ بہترین تحریر کے بھی مالک تھے۔ ابتدائی دور میں ''رسول عربی'' اور ''خلافتِ راشدہ'' وغیرہ کتابیں لکھیں، جو متعدد اسکولوں میں داخل نصاب اور مقبول ہیں۔ اخیر عمر میں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو آپ کی عظیم یادگار ہے۔ موصوف عرصۂ دراز سے جدہ میں مقیم تھے، سعودی عرب کی نیشنلٹی بھی آپ کو حاصل تھی، ''شرکۃ الوحیدی'' کے نام سے آپ نے ایک اشتہاری کمپنی کی داغ بیل ڈالی، جو اب سعودی عرب کی مشہور ومقبول کمپنی میں تبدیل ہو چکی ہے۔

قارئین ندائے شاہی سے اپیل ہے کہ وہ مرحوم کے لئے دعائے خیر اور ایصال ثواب فرمائیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۴)

محمد احمد گل صاحب دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے سابق ناظم تنظیم وترقی مولانا محمود گل صاحب بجنوری کے منجھلے صاحبزادے بھائی محمد احمد گل صاحب ۷/اپریل ۲۰۰۴ء کو طویل علالت کے بعد جوارِ رحمت میں پہنچ گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف عرصہ دراز تک دیوبند کی میونسپلٹی میں ملازم رہے۔ بڑے مرنجا مرنج طبیعت کے مالک تھے، سماجی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اور دیوبند کے ہر طبقہ میں متعارف تھے، خانوادہ مدنی بالخصوص حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے تو بالکل گھریلو تعلقات تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی سیئات کو معاف فرمائے اور درجات بلند فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۴)

مولانا محمد یحییٰ عثمانی دیوبند

مدرسہ شاہی کے سابق مہتمم، مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کے صاحبزادے جناب مولانا محمد یحییٰ عثمانی مؤرخہ ۹/اپریل ۲۰۰۴ء کو وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دیوبند کی معروف شخصیت تھے، مقامی سیاست میں بھی کافی سرگرم تھے، اور ہندو مسلم بھائی چارے کے لئے کام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ موصوف کی جذبات کے قبول فرمائے اور آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۴)

حضرت مولانا حکیم حفیظ الرحمٰن صاحب دھام پوریؒ

ندائے شاہی کے مدیر محترم، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے معاون اہتمام اور جمعیۃ علماء ضلع بجنور کے صدر حضرت مولانا حکیم حفیظ الرحمٰن صاحب دھامپوریؒ نے گذشتہ ۱۸رمحرم الحرام ۱۴۲۵ھ بروز بدھ صبح دس بجے اپنے وطن مالوف دھام پور میں داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب وضع دار، بااثر اور مخلص شخص تھے، دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں فراغت حاصل کی اور اس وقت کے اکابر اساتذۂ عظام شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی وغیرہ رحمہم اللہ سے اکتساب فیض کیا، آپ کو حضرت مولانا معراج الحق صاحب کی خدمت کی بھی سعادت حاصل ہوئی، دیوبند کے مشہور طبیب مولانا حکیم محفوظ علی صاحبؒ فن طب میں آپ کے استاد تھے، طالب علمی کے زمانہ میں آپ نے طلبہ دارالعلوم کی مشہور انجمن ''مدنی دارالمطالعہ'' کی سرگرمیوں میں بھی پرجوش حصہ لیا، فراغت کے بعد گھریلو تقاضوں کی بنا پر آپ نے علاج معالجہ کا پیشہ اپنایا اور تادم حیات اسی سے وابستہ رہے۔ تاہم اس پورے عرصہ میں آپ نے ہم عصر اور اکابر علماء سے اپنے تعلقات میں کوئی فرق نہ آنے دیا، اور علاقہ کی دینی سرگرمیوں میں حتی الوسع شریک رہے، کئی سال سے آپ جمعیۃ علماء ضلع بجنور کے صدر نشین تھے اور اس کے پلیٹ فارم سے ملی خدمات انجام دے رہے تھے۔

حکیم صاحب کا مدرسہ شاہی سے تعلق کافی پرانا تھا، جب یہاں حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی مقیم تھے اسی وقت سے حکیم صاحب مرحوم کی یہاں بکثرت آمد ورفت رہتی تھی۔ پھر جب حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی رحمۃ اللہ علیہ منصب اہتمام پر فائز ہوئے تو اس تعلق میں مزید اضافہ ہوا تا آں کہ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ میں آپ کو جامعہ کی مجلس شوری کا رکن منتخب کیا گیا۔ خود حکیم صاحبؒ فرماتے تھے کہ انتخاب کے بعد جب میں دیوبند پہنچا تو

حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ نے مجھے گلے سے لگالیا اور ان الفاظ سے مبارک باد دی کہ ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو امانت قاسمی (مدرسہ شاہی) کا امین بنادیا ہے''۔ حکیم صاحب موصوف اخیر تک اس امانت کو بحسن وخوبی نبھاتے رہے۔ آپ کی دل چسپی کی بنا پر بعد میں ربیع الاول ۱۴۱۲ھ میں آپ کو گریڈ کمیٹی کا رکن بنایا گیا پھر جمادی الاول ۱۴۱۴ھ میں آپ کو معاون اہتمام بنایا گیا، اور آپ اس منصب پر اخیر تک فائز رہے۔ نیز صفر ۱۴۱۷ھ سے آپ رکن عاملہ مقرر ہوئے، آپ صحت کی حالت میں ہر ہفتہ بدھ کے روز دھام پور سے مرادآباد آتے تھے اور متعلقہ امور کا جائزہ لیتے تھے۔ طلبہ کی خبر گیری، اساتذہ کے ساتھ خیر خواہی اور مدرسہ کے مفادات کا تحفظ ہر وقت آپ کے پیش نظر رہتا تھا۔ ''ندائے شاہی'' سے آپ کو گہرا تعلق تھا، آپ ۱۴۱۲ھ سے اخیر تک ۱۳/سال رسالہ کے اعزازی مدیر رہے، اور رسالہ کی ترقی اور کامیابی کے لئے مفید مشوروں اور گراں قدر آراء سے نوازتے رہے۔

راقم الحروف کو سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں بکثرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ موصوف کا برتاؤ ہمیشہ ایک بے تکلف ساتھی کی طرح رہا، منصب کی بلندی یا عمر کی زیادتی کو انہوں نے اپنی وضع داری میں کبھی مخل نہیں ہونے دیا۔ موصوف کے مزاج میں ظرافت تھی عام طور پر مجلس میں اپنے زمانۂ طالب علمی کے دلچسپ واقعات سناتے اور حاضرین کو محظوظ کرتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اور اپنے دیگر اساتذہ پر دل سے فدا تھے، ان حضرات کا ذکر کرتے تو بسا اوقات آب دیدہ ہوجاتے۔

حکیم صاحب مرحوم مضبوط اور گٹھے ہوئے بدن کے مالک تھے۔ تقریباً دو سال قبل موصوف کی بیماری کا آغاز گھٹنوں کے درد سے ہوا، اس کا بہت علاج ہوا مگر افاقہ نہیں ہوا پھر اچانک ایک سال قبل بے ہوشی کا عارضہ ہوا دہلی لیجایا گیا، الحمد للہ علاج کے اعلیٰ اسباب فراہم ہوگئے، جانچ سے معلوم ہوا کہ بلڈ کینسر ہے، چنانچہ اس کا کورس چلایا گیا اور اس درمیان صحت بہتر ہوتی گئی۔ اب کورس ختم ہونے کے بعد پھر مرض کا شدید حملہ ہوا، کئی روز دہلی کے صفدر جنگ اسپتال میں داخل رہے مگر ڈاکٹروں نے ناامیدی ظاہر کردی، چنانچہ ۱۴/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ بروز جمعہ کو دھامپور لے آئے ہم

لوگ اگلے روز عیادت کے لئے گئے تو بے ہوشی بدستور تھی کسی کو پہچان نہیں سکے، پھر معلوم ہوا کہ معمولی سا ہوش آیا تا آں کہ ۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۵ھ بروز بدھ صبح سوا دس بجے تقریباً ۳۷ر سال کی عمر میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جامعہ میں اطلاع ملتے ہی ذمہ داران واساتذۂ عظام حضرت مہتمم صاحب کے ہمراہ دھامپور پہنچ گئے، عصر کی نماز کے بعد حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی، بڑی تعداد میں علاقہ کے علماء اور عوام وخواص جنازہ میں شریک تھے۔

ادارہ ندائے شاہی اس حادثہ پر حکیم صاحب مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔ اور بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اللہ تعالی حکیم صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

ندائے شاہی مئی ۲۰۰۴ء

حکیم عبدالجلیل خاں صاحب کرت پوریؒ

موصوف مؤرخہ ۴ر ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۴ر مئی ۲۰۰۴ء کو اپنے وطن مالوف کرت پور میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب بڑے مرنجا مرنج طبیعت کے مالک تھے، سادگی اور بے تکلفی مثالی تھی۔ سابق مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت قریبی تعلق رکھتے تھے، ۱۴۱۰ھ میں آپ مجلس شوری مدرسہ شاہی کے رکن بنائے گئے۔ اس کے بعد عاملہ کے رکن بھی رہے اور مدرسہ کے امور میں خصوصی دلچسپی لیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور آخرت میں بلند درجات سے نوازے۔ ندائے شاہی حکیم صاحب مرحوم کے پسماندگان بالخصوص صاحبزادۂ گرامی قدر جناب پروفیسر خالد زماں صاحب (علی گڑھ) کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ موصوف کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ (ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۴ء) ❍❖❍

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ

حج سے تین چار روز قبل ۴؍ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ احقر حرم شریف سے نماز فجر پڑھ کر مدرسہ صولتیہ پہنچا، تو مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی شیر محمد صاحب علوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے باچشم تر یہ افسوس ناک خبر سنائی کہ پاکستان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے آخری خلیفہ، بقیۃ السلف قائد اہل سنت، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ابھی کچھ دیر قبل اپنے وطن چکوال ضلع جہلم پاکستان میں وصال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاضی صاحبؒ عقیدہ میں تصلب، نظریہ کی پختگی، اظہار حق اور حضرات صحابہ وسلف صالحین کی عظمت وعقیدت کے معاملہ میں اپنا منفرد مقام رکھتے تھے، موصوف کی پوری زندگی احقاق حق میں گذری اور اس بارے میں انہوں نے کبھی مصلحت کوشی، مداہنت اور پہلو تہی سے کام نہیں لیا۔ بالخصوص روافض اور صحابہؓ کی عزت سے کھلواڑ کرنے والے فرقوں اور جماعتوں کے خلاف وہ برابر سینہ سپر رہے۔ اور قوم کو ان فرقوں کی گمراہیوں سے آگاہ کرتے رہے۔ آپ کو یہ جذبات اپنے شیخ حضرت شیخ الاسلامؒ کے ورثہ میں ملے تھے جسے آپ نے اپنے فیض یافتگان میں بکمال خلوص منتقل فرمایا، چنانچہ آپ کے متوسلین میں بھی احقاق حق اور ابطال باطل کا بھرپور جذبہ پایا جاتا ہے۔ آپ نے چکوال اور اس کے اطراف میں سنیوں کو شیعوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے زندگی بھر سخت جد وجہد فرمائی اور اس سلسلہ میں ضعف وعلالت کے باوجود طویل قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن کبھی آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ آپ اخیر تک تحریک خدام اہل سنت پاکستان کے سربراہ رہے۔ اور ماہنامہ ''حق چار یار'' کے ذریعہ اپنے جمع کردہ حقائق سے عالم کو روشناس کراتے رہے۔

راقم الحروف کو دو مرتبہ حضرت قاضی صاحبؒ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

ایک مرتبہ ۱۹۸۷ء میں جب احقر استاذ مکرم حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے ہمراہ پاکستان گیا تھا اس وقت حضرت موصوف زیادہ ضعیف نہیں تھے، باقاعدہ مدرسہ کے تمام اساتذہ وطلبہ کے ساتھ مدرسہ سے باہر نکل کر استقبال فرمایا اور نہایت اعزاز کا معاملہ فرمایا۔ اور دوسری مرتبہ ۲۰۰۱ء میں جب ہم لوگ پشاور میں منعقدہ ''دیوبند کانفرنس'' میں شرکت کے لئے پاکستان گئے تو امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی کے ہمراہ لاہور سے پشاور جاتے ہوئے کچھ دیر چکوال میں قیام کیا، اس وقت حضرت قاضی صاحبؒ کو ضعف بہت زیادہ تھا، کمر کافی حد تک جھک چکی تھی، لیکن اس نقاہت کے باوجود دماغ بالکل مستحضر تھا اور یادداشت معمول کے مطابق تھی۔ مضامین کا سلسلہ بھی جاری تھا، اپنا ایک نیا رسالہ اس موقع پر مرحمت فرمایا جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھرپور دفاع کیا گیا تھا۔

حضرت قاضی صاحبؒ موصوف کا سن پیدائش ۱۹۱۴ء ہے، ۱۹۳۹ء مطابق ۱۳۵۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء میں چکوال میں دارالعلوم کے نام سے الگ دینی ادارہ قائم فرمایا جو اب ایک تناور درخت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ آپ نے دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاطر ۱۹۶۹ء میں تحریک خدام اہل سنت کی داغ بیل ڈالی جو آج بھی اپنے دائرہ میں رہ کر تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمت سرگرمی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ حضرت قاضی صاحبؒ قومی وملی تحریکات میں بھی شریک رہے، اور اس پاداش میں بار بار طویل قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ نے ۸۸ر سال کی عمر پائی۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی وفات ایک عظیم ملی سانحہ ہے جس کی تلافی مشکل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے، اور آپ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

قارئین ندائے شاہی سے بھی درخواست ہے کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۴ء)

سفیرِ ختم نبوت، فاتحِ ربوہ

حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ

گذشتہ ۲۷/جون ۲۰۰۴ھ مطابق ۸/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ کو صبح تقریباً 11/بجے عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت، مناظر اسلام، سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ طویل علالت کے بعد لاہور کے ایک اسپتال میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ اولاً جامعہ اشرفیہ لاہور میں ادا کی گئی، اس کے بعد وطن مالوف چنیوٹ میں دوسری مرتبہ ہزاروں افراد نے نماز جنازہ ادا کی اور اس پروانۂ شمع رسالت کو نمناک آنکھوں سے آخری آرام گاہ تک پہونچانے کا شرف حاصل کیا۔

مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ موجودہ دور میں ردِ قادیانیت پر پورے عالم اسلام میں سند اور اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے، قادیانیت کے مکروہ عزائم اور پرفریب تلبیسات کا پردہ چاک کرنا آپ کی زندگی کا واحد نصب العین تھا، چنانچہ زندگی کے آخری لمحات تک آپ اس ارتدادی فتنہ کی سرکوبی کے لئے حتی الوسع جد وجہد فرماتے رہے، آپ کا نام پہلے بھی سن رکھا تھا؛ لیکن پہلی مرتبہ آپ کی زیارت اور استفادہ کا موقع ۱۴۱۰ھ میں ملا جب ’’کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند‘‘ کی طرف سے ایک دس روزہ ردِ قادیانیت تربیتی کیمپ لگایا گیا؛ تاکہ مختلف علاقوں میں خفیہ انداز میں پھیلنے والی قادیانی تحریک کے مقابلہ کے لئے افراد سازی اور ذہن سازی کی جائے۔ چنانچہ اس کیمپ میں ملک کے طول وعرض سے مدارس کے نمائندوں اور اس وقت دارالعلوم کے تکمیلات کے شعبوں میں پڑھنے والے فضلاء دیوبند نے باقاعدہ شرکت کی اس تاریخی اور

یادگار کیمپ میں مربی خصوصی کے طور پر تربیت دینے کے لئے ذمہ داران دارالعلوم کی نظر انتخاب حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ پر پڑی، چنانچہ مولانا موصوف سے رابطہ کیا گیا جسے مولاناؒ نے بخوشی قبول فرمالیا، اور کیمپ میں تشریف لانے سے قبل ہی موصوف نے اپنے نوٹس کی کاپی (جو موصوف اسی نوعیت کے دیگر تربیتی پروگراموں میں نوٹ کراتے رہے تھے) کی ایک نقل دارالعلوم کو بھیج دی، جسے فوری طور پر لیتھو سے چھپوا کر شرکاء کیمپ کو تقسیم کردیا گیا۔ احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ کیمپ کی متعینہ تاریخیں آگئیں اور دارالعلوم کے مہمان خانہ میں کیمپ کی رسمی کارروائی اور کتابوں کے مطالعہ ومذاکرہ کا کام بھی شروع ہوگیا؛ لیکن مولانا چنیوٹیؒ کی پاکستان سے تشریف آوری میں کسی وجہ سے ایک دودن کی تاخیر ہوئی، تو جب تک آپ تشریف نہیں لائے تھے کیمپ کی کارروائی اور قادیانیت جیسے خشک موضوع سے عام شرکاء کیمپ کو کوئی خاص دلچسپی دکھائی نہیں دے رہی تھی، خود احقر کا حال بھی یہی تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی دوبدو قادیانیوں سے مناظرے کے تجربہ سے گذرا ہوا نہیں تھا، اور نہ ان کی چرب زبانی اور دھوکہ دہی کے طریقوں سے واقف تھا، اِس لئے کیمپ کی مصروفیات محض رسمی طور پر چل رہی تھیں؛ لیکن اگلے دن سے جب مولانا چنیوٹی نے درس کا آغاز کیا، تو پہلے ہی سبق سے موصوف نے حاضرین میں اس خشک موضوع سے ایسی دلچسپی پیدا کردی کہ کیمپ کا ہر شریک دل وجان سے اس کی معلومات کو یاد رکھنے اور قادیانی تلبیسات سے آگاہ رہنے کا مشتاق ہوگیا۔ مولانا کے تربیتی درس کا انداز بالکل نرالا اور بے انتہا دلچسپ تھا، جس شخص نے ان کے درس میں شرکت نہیں کی وہ محض سن کر اس درس کی لذت اور چاشنی کا اندازہ نہیں لگا سکتا، کیمپ کے دوران روزانہ تقریباً ۸ر گھنٹے درس چلتا تھا؛ لیکن شروع سے اخیر تک شرکاء کی دلچسپی اور توجہ پوری طرح برقرار رہتی، اور جب بھی آپ حاضرین کی توجہ میں کوئی کمی محسوس کرتے تو کوئی نہ کوئی لطیفہ یا دلچسپ گفتگو فرما کر مجلس کو زعفران زار بنادیتے اور حاضرین کو پوری طرح موضوع کی طرف متوجہ کردیتے، واقعہ یہ ہے کہ اس کیمپ سے شرکاء کو جس قدر فائدہ ہوا وہ بیان سے باہر ہے، مولانا چنیوٹیؒ فن مناظرہ میں مناظر اسلام حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ کے خصوصی تربیت یافتہ شاگرد تھے، اور قادیانیوں

کے بڑے بڑے مناظرین سے لوہا لے کر انھیں لاجواب کر چکے تھے، اس لئے وہ جب اپنے تجربات ومشاہدات اور تردید قادیانیت کے بنیادی اصول بیان کرتے تو حاضرین عش عش کر اٹھتے، بہرحال یہ ردقادیانیت کیمپ دارالعلوم کی زندگی کی ایک سنہری یادگار کی حیثیت سے آج بھی دل پر نقش ہے۔

مولانا چنیوٹیؒ کے قیام دیوبند کے زمانہ میں ہم لوگوں نے ''مدنی دارالمطالعہ'' کی طرف سے مولانا موصوف کو ایک استقبالیہ دیا جس میں موصوف نے ردشیعیت پر معرکۃ الآراء تقریر فرمائی اور شیعوں کے مکائد اور فریب کاریوں سے آگاہ کیا جس سے اندازہ ہوا کہ مولانا صرف سفیر ختم نبوت ہی نہیں بلکہ ماحی شیعیت وسبائیت بھی ہیں، اسی مجلس میں آپ نے فرمایا تھا کہ شیعوں کا یہ پیروپیگنڈہ ہے کہ مسلمان علی، حسن، حسین تو نام بکثرت رکھتے ہیں، مگر ابوبکر وعمر، اور عائشہ جیسے نام بہت کم رکھتے ہیں اس لئے اس پروپیگنڈہ کا جواب دینے کے لئے میں نے یہ تحریک چلا رکھی ہے کہ لوگ زیادہ تعداد میں اپنے بچوں اور بچیوں کا نام ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عائشہ صدیقہ کے نام پر رکھا کریں، اور الحمد للہ یہ تحریک کامیاب ہو رہی ہے، پھر آپ نے حاضرین مجلس سے بھی عہد لیا کہ وہ اپنے پہلے پیدا ہونے والے لڑکوں کے نام حضرت ابوبکرؓ کے نام پر رکھیں گے، چنانچہ اس مجلس میں حاضر کئی لوگوں نے مولانا موصوف سے کئے گئے وعدہ کی پاسداری کی اور اپنے بچوں کے نام ابوبکر رکھے، جن میں یہ راقم الحروف بھی شامل ہے۔

کیمپ کے بعد مولانا چنیوٹیؒ واپس پاکستان تشریف لے گئے اور پھر بعد میں باوجود کوشش کے بعض رکاوٹوں کی وجہ سے مولانا ہندوستان کا سفر نہ فرما سکے؛ لیکن جن تجربات اور تحریری نوٹس کو بنیاد بنا کر مولانا موصوف نے تربیت فرمائی تھی، ان کی افادیت کو عام کرنے کی غرض سے کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذمہ داران بالخصوص حضرت والد محترم مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری مدظلہم ودامت برکاتہم نے محسوس فرمایا کہ اس مسودہ کو مزید تحقیق وتنقیح اور قادیانی کتب کے حوالوں کو روحانی خزائن (جو مرزا قادیانی کی سب کتابوں کا مجموعہ ۲۱/جلدوں میں ہے) کے صفحات سے ملا کر ازسرنو مرتب کیا جائے، چنانچہ

آنموصوف نے راقم الحروف کو اس خدمت کے لئے مکلّف کیا، احقر نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جناب مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری، اور مولوی عزیز الحق اعظمی کے تعاون سے اصل حوالہ جات سے مراجعت کی، اور کیمپ میں ٹیپ شدہ مولانا چنیوٹی کی تقریروں اور کاپی میں لکھائے گئے نوٹس کو سامنے رکھ کر اس کاپی کی ترتیب جدید کی خدمت انجام دی، جسے تکمیل کے بعد مولانا چنیوٹیؒ کی خدمت میں بھیجا گیا، موصوف نے اسے ملاحظہ فرمایا اور قدرے حذف واضافہ کے بعد اس کی اشاعت کی منظوری مرحمت فرمائی۔ بعد ازاں استاذ معظم مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند نے بھی کتابت کے بعد اسے حرف بحرف ملاحظہ فرمایا، پھر ۱۹۹۴ء مطابق ۱۴۱۴ھ میں ''ردمرزائیت کے زریں اُصول'' کے نام سے اِس کتاب کی پہلی مرتبہ اشاعت ہوئی، اس کے بعد اب تک اس کے دسیوں ایڈیشن ہند وپاک سے شائع ہو چکے ہیں اور اسے ردمرزائیت کے موضوع پر ایک جامع کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔

۲۰۰۱ء میں مولانا چنیوٹی نے اس کتاب پر مزید گہری نظر ڈالی اور نظر ثانی کے بعد خود اپنی نگرانی میں ''ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ'' سے نئی کمپیوزنگ کے ساتھ اس کی اشاعت کرائی، اس میں عالم اسلام کے اکابر علماء کی تقریظات وتائیدات کے علاوہ علامہ خالد محمود صاحب (برمنگھم، برطانیہ) کا تقریباً ۱۰۰ر صفحات پر مشتمل ایک قیمتی مقدمہ بھی شامل ہے، اس نئے ایڈیشن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی طباعت کے مکمل مصارف، امام حرم شیخ عبداللہ السبیل نے ادا فرمائے۔ دیوبند سے اس کی اشاعت ۲۳۵ر صفحات میں ہوئی تھی اب مولانا چنیوٹی کی نگرانی میں جب اس کی اشاعت ہوئی تو اس کے صفحات ۴۴۰ر ہو گئے ہیں، بلاشبہ یہ کتاب بقول مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم ''حضرت مولانا چنیوٹی کی پوری زندگی کی محنت کا نچوڑ ہے'' اس کے علاوہ ردقادیانیت کے موضوع پر ۳۰ر کتابیں اور رسائل بھی آپ کی یادگار ہیں۔

دیوبند کے بعد آپ کی زیارت وملاقات کا موقع حرمین شریفین کی حاضری کے دوران بار بار میسر آیا، آپ تقریباً ہر سال حج کے موقع پر تشریف لیجاتے تھے اور جب بھی ملاقات ہوتی انتہائی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے۔ اور حاضرین مجلس سے نہایت مسرت کے ساتھ تعارف کراتے،

حضرت والد صاحب مدظلہ سے بھی بہت گہرا تعلق اور قلبی انسیت رکھتے تھے، اور اس کی بڑی وجہ ان کے خاص مشن یعنی تحفظ ختم نبوت میں حضرت والد صاحب مدظلہ العالی کا انہماک اور حد درجہ دلچسپی تھی۔

مختصر حالات وخدمات

○ مولانا منظور احمد ابن الحاج احمد بخش ماہ رجب ۱۳۵۰ھ بروز جمعہ بمقام چنیوٹ ضلع جھنگ پاکستان میں پیدا ہوئے ○ ابتدائی تعلیم مدرسہ آفتاب العلوم چنیوٹ میں حاصل کی ○ اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم ٹنڈو والہ یار سندھ تشریف لے گئے اور وہاں سے ۱۹۵۰ء میں دورۂ حدیث شریف سے اور ۱۹۵۱ء میں دیگر علوم وفنون سے فراغت حاصل کی ○ اہم اساتذہ میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن کیمپل پوریؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مہاجر مدنی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، وغیرہ حضرات شامل ہیں ○ فراغت کے بعد آپ نے امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے قائم کردہ مدرسہ تحفظ ختم نبوت ملتان میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۵۲ء میں رد قادیانیت کے موضوع پر اختصاص کی سند حاصل کی، یہاں آپ کے استاذ اور خاص مربی فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات صاحب تھے جو حضرت مولانا محمد چراغ صاحب (تلمیذ حضرت علامہ کشمیریؒ) کے خصوصی تربیت یافتہ مناظر تھے ○ علاوہ ازیں آپ نے مشہور مناظر مولانا دوست محمد قریشی، مولانا نور الحسن بخاری اور مولانا عبد الستار تونوی سے رد شیعیت کی خصوصی تربیت بھی حاصل کی ○ بعد ازاں آپ نے دو سال مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیسر سرگودھا میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں ○ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۰ء تک متواتر سولہ سال جامعہ عربیہ چنیوٹ سے وابستہ رہ کر درس نظامی کی متعدد کتابیں پڑھائیں ○ ۱۹۷۰ء میں اپنا الگ ادارہ مرکز دعوت وارشاد قائم کیا اور اخیر تک اس کی سرپرستی فرماتے رہے ○ ۱۹۶۴ء میں آپ جمعیۃ علماء اسلام سے وابستہ ہوئے، اس کے سکریٹری اطلاعات رہے، اور اسی کے ٹکٹ پر ۳ر مرتبہ پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ○ اسی دوران اسمبلی میں قادیانیوں کے پاکستانی مرکز ''ربوہ'' کا نام بدلنے کی تحریک چلائی، جو ۳۰ر سال بعد منظور ہوئی اور ربوہ کا تلبیسی نام بدل کر ''چناب نگر'' رکھ دیا گیا ○ مولانا چنیوٹیؒ نے

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں مردانہ وار حصہ لیا اور ۱۰/ مہینہ تک قید و بند کی صعوبتوں کو بھی برداشت کیا ○ اور تقریباً دو درجن مناظروں میں قادیانیوں کے بڑے بڑے ماہر مناظرین کو شکست فاش دی اور ان کو برسر عام لاجواب کر دیا ○ ۱۹۵۶ء میں آپ نے قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کو دعوت مباہلہ دی اور مسلسل سات سال اسی موضوع پر اس سے مکاتبت جاری رکھی، مگر وہ میدان میں آ کر مباہلہ کرنے پر تیار نہ ہوا ○ پھر ۱۹۶۵ء میں مرزا ناصر کو بھی آپ نے مباہلہ کی دعوت دی مگر وہ بھی سامنے آنے کی جسارت نہ کر سکا ○ اس کے بعد ۱۹۸۶ء مرزائیوں کے چوتھے خلیفہ مرزا طاہر کو مباہلہ کی دعوت پیش کی، اور ۱۹۸۸ء میں جب مرزا طاہر کی طرف سے جعلی مباہلہ کی دعوت علماء اسلام کو دی گئی اور اس بارے میں مرزا طاہر نے بیشمار مکتوبات عالم اسلام کے اہم علماء کو بھیجے تو مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے اس دعوت مباہلہ کو قبول کیا اور مرزا طاہر کا تعاقب کرتے ہوئے لندن تک پہنچ گئے (جہاں مرزا طاہر پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کے ذریعہ امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نفاذ کے بعد بھاگ گیا تھا) مگر مرزا طاہر میدان میں آ کر مباہلہ کی ہمت نہ کر سکا ○ مولانا چنیوٹیؒ کا سب سے بڑا کارنامہ ردِقادیانیت تربیتی کورس کا انتظام کرنا ہے جو کہ کم و بیش چالیس سال ہر سال ۴۵/ روز تک ہوتا رہا جس میں سے تمام علماء نے آپ سے ردِقادیانیت کی تربیت حاصل کی، اس کے علاوہ آپؒ نے مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ، بنگلہ دیش، اور پاکستان کے متعدد شہروں میں بھی اس طرح کے پروگرام منعقد کئے۔

مولانا چنیوٹی کی یہ خدمات یقیناً موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنیں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ اور مولانا کے تیار کردہ افراد جب تک بھی اور جہاں بھی فرق باطلہ کی تردید کے محاذ پر کام کرتے رہیں گے مولانا موصوف کو بھی اِن شاء اللہ اجر ملتا رہے گا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے درجات بلند تر فرمائے، اور آپ کے فیض کو جاری رکھے آمین۔ قارئین سے بھی استدعا ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۴ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا

سید طاہر حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

ممتاز محدث، مخلص عالم دین، استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا سید طاہر حسن امروہویؒ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ گذشتہ ۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۱؍اگست ۲۰۰۴ء بروز بدھ رات میں تقریباً ۹؍ بجے اپنے وطن مالوف امروہہ میں ۸۰؍سال کی عمر میں وصال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کی نماز جنازہ اگلے روز بعد نماز ظہر جامع مسجد امروہہ میں ادا کی گئی، علاقہ کے علماء، عوام اور خواص نے ہزاروں کی تعداد میں جنازہ میں شرکت کی، مدرسہ شاہی سے بھی مہتمم جامعہ کی قیادت میں اساتذہ وذمہ داران کا وفد نماز میں شریک ہوا۔

حضرت مولانا مرحوم اس دور میں اکابر کی یادگار تھے، زہد واستغناء، تواضع وانکساری، اور ذوق عبادت میں اپنی الگ شان رکھتے تھے۔ ذہانت وفطانت اور حافظہ اعلیٰ درجہ کا تھا اور ہر طرح کے علوم وفنون سے گہری مناسبت تھی، راقم الحروف مرتب کو حضرت مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا، احقر نے مرقاۃ، ہدایت النحو، اور ترجمۂ کلام پاک حضرت کے پاس پڑھا، اسی شاگردی کی بناء پر حضرت مرحوم اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ الفاظ میں اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کبھی ملاقات ہوجاتی تو چہرے پر بشاشت پھیل جاتی اور بات بات پر حوصلہ افزائی اور مسرت کے کلمات ارشاد فرماتے جاتے، اور تواضع کا عالم یہ تھا کہ استاذ ہونے کے باوجود اس قدر اکرام فرماتے کہ احقر مارے شرم کے پانی پانی ہوجاتا۔

حضرت موصوف ایک صاحب ذوق مصنف تھے، ترمذی شریف کی شرح معارف مدنیہ (جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے امالی پر مشتمل ہے) آپ کی زندگی کا شاہ کار اور زندۂ جاوید کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ سیرت طیبہ پر ایک انوکھی کتاب ’’پیغمبر اعظم‘‘ وغیرہ بھی آپ کی یادگار ہیں۔

حضرت موصوف کے والد ماجد حافظ سید زاہد حسین صاحبؒ، حضرت مدنی کے خصوصی دوستوں اور بے تکلف احباب میں سے تھے، اس لئے حضرت موصوف کا بھی حضرت شیخ الاسلامؒ سے قریبی ربط رہا، آپ ۱۹۲۵ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد مختلف مقامات پر تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۶۸ء سے آخری حیات تک جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، اور یہاں ۳۶ ؍سال حدیث کا درس دیا۔

آپ نے تدریس کے ساتھ مواعظ کے ذریعہ اصلاح وتبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، امروہہ اور اس کے اطراف کے دینی جلسوں میں آپ بکثرت تشریف لے جاتے، آپ کے وعظ کا انداز بڑا عام فہم اور مؤثر ہوتا تھا، بے تکلفی کے ساتھ ذرا ٹھہر ٹھہر کر اس طرح بولتے کہ ہر شخص بآسانی آپ کی بات سمجھ لیتا، بالخصوص سیرت طیبہ پر آپ کا بیان بڑا جامع اور معلومات افزا ہوتا تھا۔

آپ نے پوری زندگی بڑے قناعت کے عالم میں گذاری، معارف مدنیہ کے اجزاء بمشکل تمام اپنے ذاتی خرچ سے چھپواتے تھے، اور بسا اوقات وسائل کی عدم دست یابی کی وجہ سے مہینوں تک مسودہ پڑا رہتا تھا اور چھپنے کی نوبت نہ آتی تھی، مگر آپ نے کبھی اپنی ضرورت لوگوں کے سامنے نہیں رکھی، بل کہ نہایت خودداری اور وقار کے ساتھ زندگی گذاری۔ اخیر عمر میں ضعف کے ساتھ دیگر عوارض بھی جمع ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ احقر بھی اس دوران بار بار حاضر ہوتا تھا، عرصہ سے بالکل صاحب فراش تھے، لیکن جب بھی ملاقات ہوئی کوئی شکوہ یا تکلیف کا لفظ زبان سے نہیں سنا۔ ہمیشہ شکر کے کلمات زبان پر رہے، ہمیں اللہ کی رحمت سے یقین ہے کہ یہ عارضی مشقتیں حضرت موصوفؒ کے لئے آخرت میں رفع درجات کا سبب بنیں گی، اِن شاء اللہ۔ اور آپ کا علمی وروحانی فیض آپ کی تصنیفات اور فیض یافتہ شاگردوں کے ذریعہ تاقیامت جاری رہے گا۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اور ہم محرومان قسمت کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، قارئین سے درخواست ہے کہ وہ حضرت مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۴ء)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بستوی مہاجر مدنیؒ

نحیف وناتواں بدن، گہری سانولی رنگت کے باوجود چہرے پر ایمانی نور کی چمک واضح طور پر نمایاں، دل عشقِ نبوت سے معمور، اور عمل عین سنت مطہرہ کے مطابق بنانے کا پر جوش جذبہ، حجاج ومعتمرین کی ضیافت، اور دسترخوان کی وسعت کا وہ انداز کہ اہل عرب کی مہمان نوازی نظروں میں پھر جائے، بات بات میں بلا کی مٹھاس، معصومیت اور پیار، عاجزی اور انکساری گفتار وکردار سے جھلکتی ہوئی، معلوم ہوتا تھا کہ شاید سلف صالحین زہاد وعباد کے قافلہ کا کوئی فرد بچھڑ کر پیچھے رہ گیا ہے، اور خراماں خراماں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

یہ تھے (نومسلم) حضرت مولانا عبداللہ صاحب بستوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو گذشتہ ۳۰/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پا کر اپنی دیرینہ مراد کو پہنچ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے روز مسجد نبوی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنۃ البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمه الله رحمة واسعةً.

مولانا کی پیدائش ضلع بستی کے ایک غیر مسلم گھرانے میں ہوئی، لیکن فضل خدا شامل حال ہوا اور آپ دولت اسلام سے مشرف ہوگئے، اس کے بعد حصول علم کی تڑپ آپ کو کشاں کشاں دارالعلوم دیوبند لے آئی جہاں آپ نے اپنے شیخ اور استاذ معظم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے خوب خوب فیض اٹھایا، اور حضرتؒ کی توجہات عالیہ سے سرفراز ہوئے، دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کے حکم پر آپ مدرسہ حسینیہ تاؤلی ضلع مظفر نگر تشریف لے آئے اور ۱۳۷۲ھ سے ۱۴۰۱ھ تقریباً ۳۰ سال اس مدرسہ کی تدریسی وانتظامی خدمت انجام دی، بعد ازاں آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، اور ۲۴ سال عشق ومحبت اور صدق وصفا کے ساتھ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وعظمۃً میں زندگی گذارنے کی سعادت میسر آئی۔

مولانا موصوف نے مدینہ منورہ جا کر بھی اپنا علمی شغف باقی رکھا، مطالعہ وکتب بینی کے

ساتھ اخیر عمر میں بعض عربی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرایا، جن میں ''تذکرہ النعمان''، ''مستدلات الامام ابوحنیفہؒ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کو اپنے استاذ معظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ اور ان کے خاندان کے ایک ایک فرد سے عشق تھا، احقر سے کئی بار فرمایا کہ میں کسی اور کے لیے تو ایسا وعدہ اور دعویٰ نہیں کرتا لیکن میرا معمول یہ ہے کہ جب بھی روضہ اقدس (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) پر حاضری دیتا ہوں تو حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ضرور صلوۃ وسلام پیش کرتا ہوں، اسی طرح ہم میں سے کسی سے ملاقات ہو جاتی تو بابو، بابو کہہ کر سینے سے چپٹا لیتے اور گھر والوں سمیت اپنے یہاں ایک وقت کی دعوت ضرور کرتے اور کبھی کبھی متعدد بار حاضری کا موقع بھی ملتا اپنی کتابیں جو بڑی تعداد میں جمع کر رکھیں تھیں بڑی محبت سے دکھاتے، اور پیش کش فرماتے کہ جو کتاب تمہیں پسند ہو لے جاؤ۔ اس مرتبہ مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر فون کیا کہ میں نے بہت دنوں سے تمہارے لیے ایک چیز رکھی ہے اسے قبول کرلو تو بڑی عنایت ہو، احقر حاضر ہوا، تو ایک اونی عربی عبا جو اچھا خاصا وزنی ہے وہ نکالا اور کہا کہ یہ میں نے بہت دنوں تک استعمال کیا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ اب تم اسے پہنو اور یہ گو کہ پرانا ہے لیکن مجھے بہت پسند ہے اسے تم قبول کرلو، احقر نے معذرت بھی کی کہ مجھے تو اس کے پہننے کی عادت نہیں ہے، لیکن جب میں نے محسوس کیا کہ اسے نہ لینے سے مولانا کو بہت احساس ہوگا، تو اسے بصد شکریہ قبول کیا، اور اپنے ساتھ لے آیا، کیا معلوم تھا کہ یہ آخری یادگار کے طور پر قیمتی عطیہ ہے جو مولانا مرحوم کی یاد دلاتا رہے گا۔

مولانا بڑے زاہد فی الدنیا اور قناعت پسند بزرگ تھے، مدینہ منورہ ہجرت کے بعد بڑے صبر آزما اور حوصلہ شکن معاشی حالات پیش آئے؛ لیکن صبر وتوکل اور رضا بالقضا کے ساتھ تمام نشیب وفراز کو برداشت کیا، اور اپنے تمام صاحبزادگان کی بھی اسی انداز میں تربیت فرمائی، بالخصوص مولوی عبدالرحمٰن صاحب اس معاملہ میں بالکل اپنے والد محترم کے نقش قدم پر ہیں، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے تمام پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور مولانا کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۴ء)

❍❖❍

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوریؒ

مشہور مفتی اور عالم دین حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۱ ستمبر ۲۰۰۴ء کو بجنور میں وفات پا گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد رشید اور خلیف مجاز تھے، موصوف کو فقہ وفتاویٰ کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی دلچسپی تھی۔ اس غرض سے موصوف نے بجنور میں مدنی دار التالیف کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کر رکھا تھا، موصوف کی چند کتابیں بہت مشہور ہوئیں جن میں 'انفاس قدسیہ'' (سوانح حضرت شیخ الاسلامؒ) ''تذکرہ ائمہ اَربعہ'' وغیرہ شامل ہیں۔

موصوف نہایت خوددار اور حق گو بزرگ تھے ان کی وفات سے بجنور کے علاقہ میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، جو آسانی سے پر نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

قارئین سے بھی ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۴ء

مولانا قاری عبدالوحید نوریؒ

از: مولانا امیر احمد قاسمی استاذ جامعہ نور العلوم بہرائچ

جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے موٴقر استاذ مولانا حافظ عبد الوحید صاحب بستوی گذشتہ ۱۱؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف موضع سہونڈا، باغ نگر ضلع بستی کے ایک کاشتکار گھرانے میں ۱۴؍فروری ۱۹۵۱ء کو پیدا ہوئے اولاً مقامی مدرسہ میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی اس کے بعد مزید پختگی کے لئے ۱۹۶۴ء میں مدرسہ نور العلوم میں داخلہ لیا اسی دوران آپ کے والد محترم جناب خوش محمد صاحب وفات پا گئے؛ لیکن آپ نے ناموافق خانگی حالات کے باوجود علمی سفر جاری رکھا اور عربی وفارسی کے متوسط درجات تک تعلیم حاصل کی، لیکن پھر حالات سے مجبور ہوکر علمی سلسلہ منقطع کر دینا پڑا، اُس کے بعد حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب نوریؒ نے آپ کو تقریباً ۱۹؍سال کی عمر میں دسمبر ۱۹۶۹ء کو جامعہ ہذا کے درجہ حفظ میں استاذ مقرر کرادیا اور موصوف مرحوم پوری تندہی سے اپنے فرائض منصبی پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ذہنی وطبعی اخاذی کیوجہ سے اپنی علمی صلاحیت بھی بڑھاتے رہے، اور ان ہی ایام میں مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضل معقولات، اور فاضل طب وغیرہ میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، اور جامعہ نور العلوم کے درجہ حفظ میں تقریباً ۱۵؍سال تک مسلسل تعلیمی خدمت انجام دی، چنانچہ موجودہ نور العلوم کے شعبہ حفظ میں اکثر آپ کے تلامذہ خدمت کررہے ہیں، پھر حسن کارکردگی کے باعث مرحوم کو جون ۱۹۸۵ء میں حضرت مولانا کلیم اللہ صاحبؒ نے شعبہ فارسی وعربی کا مدرس بنوادیا، ماشاء اللہ اس شعبہ میں بھی مولانا موصوف مرحوم تادم زیست اپنے فرائض منصبی بڑے ہی خوش اسلوبی سے

انجام دیتے رہے۔

موصوف بہت سلیقہ مند، معاملہ فہم، صاف دل، محنتی اور باوقار شخصیت تھے، خاندانِ مدنی سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، جمعیۃ علماء کے بےلوث اور فعال کارکن تھے، ادھر ۴ رٹرم سے مسلسل جمعیۃ علماء شہر بہرائچ کی صدارت کے لئے منتخب ہوتے رہے، آپ کے دور میں جمعیۃ علماء شہر بہرائچ کی جانب سے پانچ مکاتب کا قیام ہو چکا تھا، اور اُس کے اخراجات کی پوری خیر وخبر رکھتے تھے۔

آپ کی تربیت میں حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب نوریؒ کا زبردست ہاتھ تھا چنانچہ مولانا مرحوم نے بھی بجا طور پر انکی تربیت کا آئینہ بن کر دکھادیا، آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد سلامت اللہ بیگ صاحبؒ (صدر المدرسین) مولانا حافظ محمد نعمان بیگ صاحبؒ، مولانا حافظ حبیب احمد صاحبؒ، مولانا عابد علی صاحبؒ اور جناب حافظ قاری عبداللطیف صاحب وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا نوریؔ ایک عرصے سے شہر بہرائچ کے مسلم مسافر خانہ مسجد کے امام وخطیب بھی تھے۔ جہاں آپ نے ترجمہ قرآن مکمل دومرتبہ مصلیوں کو سنایا۔

مولانا موصوف کے ذمہ ترجمہ قرآن کریم (سال سوم عربی) بھی تھا، جس کو سالہا سال بحسن وخوبی پڑھایا اور قرآن پاک کے ترجمہ سے خصوصی لگاؤ اور طلبہ کی سہولت اور انکے بار بار تقاضے کی وجہ سے ''افادات نعمانیہ جدید لغات القرآن'' نامی کتاب اپنے طرز تدریس کے مطابق مرتب کی، جس کی دو جلدیں طبع ہوکر منظر عام پر بھی آگئی ہیں، ان کی اس تالیف کو بڑے بڑے اساتذۂ وقت نے نہایت وقیع انداز میں سراہا اور تعریف کی ہے، تیسری اور آخری جلد بھی وہ مرتب کررہے تھے، مگر زندگی نے وفاء نہ کی، اور وہ ادھوری رہ گئی۔

مولانا قاری عبدالوحید صاحب نوریؒ نے خدمت گذاری، اور عمل ہمدردی کے جذبات کی وجہ سے شہر میں بہت عمدہ تعلق پیدا کرلیا تھا، اور معززین شہر کا ایک بہت بڑا طبقہ ان سے متاثر تھا۔ مولانا موصوف مرحوم غالباً دوسال سے شدید علالت میں مبتلا تھے، مگر حتی الامکان اس حال

میں بھی اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے اُن کی علالت زیادہ باعث تشویش نہیں تھی؛ لیکن قضاوقدر کی بات ۲۸/اگست ۲۰۰۴ء مطابق ۱۱/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ بروز سنیچر تقریباً ۱۱-۱۲/بجے دن وقت موعود آگیا، اور وہ اپنے خالق سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس طرح موصوف مرحوم نے تقریباً ۳۵/سال مسلسل جامعہ نور العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور ۵۳/سال ۶/ماہ کی عمر پائی۔ نماز جنازہ جامعہ نور العلوم کے قریب شہر کی جامع مسجد کے صحن میں مرحوم کے شعبہ حفظ وتجوید کے استاد جناب حافظ وقاری عبد اللطیف صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی، اور شہر کے مشہور قبرستان عید گاہ میں ایک بہت ہی عظیم سوگوار مجمع نے آخری آرام گاہ پہنچادیا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ خصوصی مغفرت کا معاملہ فرمائے ہوئے جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۴ء)

مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ

پاکستان کے معروف عالم دین، خادم دین وملت، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خاں صاحب کو ۲۳/شعبان المعظم مطابق ۹/اکتوبر ۲۰۰۴ء کو کراچی میں ان کے ساتھی مولانا نذیر احمد تونسوی مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ اس وقت شہید کردیا گیا، جب کہ موصوف مغرب کی نماز پڑھ کر واپس ہو رہے تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف کی شہادت اس المناک خونریزی کی تازہ کڑی تھی جس کی لپیٹ میں اب تک جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے تعلق رکھنے والے ممتاز جرأت مند، جید علماء ومشائخ آچکے ہیں، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ، مولانا عبد السمیعؒ، مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ اور مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ کی شہادت کا خون ابھی تازہ ہی تھا کہ ان بزرگوں کے خواجہ تاش اور فیض یافتہ مولانا محمد جمیل خان بھی غازۂ شہادت سے سج سنور کر شہیدوں کے قافلہ میں شامل ہوگئے، موصوف اس وقت پاکستان کی بہت سی دینی تحریکات اور علماء حق کی تنظیموں کے منصوبہ ساز اور پشت پناہ کی حیثیت رکھتے تھے، جمعیۃ علماء اسلام، اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے آپ سرگرم رہنما تھے، اس کے علاوہ ''اقرأ روضۃ الاطفال'' کے عنوان سے آپ نے پاکستان کے اہم شہروں میں نرسری اسکولوں اور درجات تحفیظ القرآن کا ایک جال بچھادیا تھا، جس میں اس وقت ۳۵/ہزار سے زائد بچے زیر تعلیم تھے، کشمیر کے ''گلگت'' کے علاقہ میں جہاں آغا خانیوں نے مسلم بچوں کو مرتد بنانے کے لیے بڑے بڑے اسکول اور تعلیمی ادارے قائم کر رکھے تھے، وہاں ہمت کر کے مولانا مفتی محمد جمیل خاں نے اپنے مخلص ساتھیوں کے تعاون سے ''اقرأ روضۃ الأطفال'' کی شاخیں قائم کیں، اور ایک پوری نسل کو آغا خانیوں کے چنگل سے نجات

دینے کے اسباب فراہم کئے، یہ موصوف کا ایسا لازوال کارنامہ اور صدقہ جاریہ ہے جو آخرت میں موصوف کے رفع درجات کا ذریعہ بنے گا، اِن شاء اللہ۔

علاوہ ازیں آپ پاکستان کے مقبول روزنامہ ''جنگ'' کے دینی صفحہ کے مدیر تھے، اسی زمانہ میں آپ نے اصرار کر کے حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ کو جمعہ ایڈیشن میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان سے دینی مسائل کے جوابات شائع کرنے پر آمادہ کیا، یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ اب مرتب ہو کر دس جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی تصانیف مرتب کرنے اور انھیں شائع کرنے میں مولانا مفتی جمیل خان کا بہت بڑا کردار ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد جمیل خاں جیسے فکر مند، دردمند اور فعال علماء اس وقت انتہائی کم یاب ہیں، مولانا کی خدمات ملت کے ہر شعبہ تک پھیلی ہوئی تھیں، وہ بیک وقت اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز، بہترین مقرر اور داعی، ممتاز مفکر اور منصوبہ ساز، قابل منتظم اور بھر پور ذہانت کے مالک شخص تھے، ساتھ میں انکے رگ وریشہ میں جہادی جذبات موجزن تھے، جہاد افغانستان کے زمانہ میں وہ کراچی میں طالبان کے پرجوش نمائندوں میں شامل تھے، اور سامراجیت کے خلاف ہر تحریک میں اول صف میں کھڑے نظر آتے تھے، فرق باطلہ کی تردید اور مسلک حقہ کی ترویج واشاعت میں بھی ہمہ وقت سرگرداں رہتے تھے، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ، مہتمم مدرسہ شاہی حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ اور حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم وغیرہ سے نہایت نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے، ان حضرات کا اگر پاکستان میں پروگرام ہوتا تو ہر جگہ ساتھ ساتھ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

راقم الحروف کی مفتی صاحب سے پہلی ملاقات ۱۹۸۷ء میں حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں حضرت مولانا محمد ہاشم بخاری سابق استاذ دارالعلوم دیوبند کی قیام گاہ پر ہوئی تھی، اس کے بعد اسی سال پاکستان کا سفر ہوا تو کراچی میں ساتھ رہنا ہوا، اس وقت مفتی صاحب کی سرگرمیوں کا ابتدائی دور تھا، ''اقرأ روضۃ الاطفال'' قائم ہو چکا تھا لیکن وہ کراچی تک محدود تھا، موصوف اس

وقت ’’اقرأڈائجسٹ‘‘ کے نام سے ایک بڑا معلوماتی دینی ماہنامہ شائع کرتے تھے،اس کے بعد حرمین شریفین میں ملاقاتیں ہوتی رہیں،موصوف نے ’’ختم نبوت حج گروپ‘‘ کے نام سے حجاج کو لانے کا نظام بنایا تھا،ایک مرتبہ انہی کے نظام میں حج کرنے کا موقع بھی ملا،اسی طرح پشاور میں منعقدہ دارالعلوم دیوبند کے ڈیڑھ سوسالہ جشن کے موقع پر مفتی صاحب کی سرگرمیوں اوران کے مقام اندازہ ہوا،اس عظیم الشان اجلاس کے آپ روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے،موصوف جب بھی ملے بڑی اپنائیت سے پیش آئے،ابھی عمر بھی کوئی زیادہ نہ تھی،غالباً پچاس سے متجاوز نہ ہوگی، اس کم عمری میں موصوف کی جدائی سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ آسانی سے پُر نہ ہوگا،اوران کی خدمات لوگ یادکرکے عرصہ تک آنسو بہاتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کوان کی خدمات کا بھرپورصلہ عطافرمائے اورامت کوان کے نعم البدل سے سرفراز فرمائیں،آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۴ء)

مولانا محمد رضوان القاسمی، حیدرآباد

ملک کے ممتاز باذوق عالم اور صاحب قلم، حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی ناظم و بانی دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد نے ایک ماہ کی مسلسل بے ہوشی کے بعد مؤرخہ ۲۵؍شعبان المعظم مطابق ۱۱؍اکتوبر ۲۰۰۴ء ۶۰ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف کا شمار ذہین اور پر بصیرت علماء میں ہوتا تھا، موصوف عرصۂ دراز تک ''قرطاس وقلم'' کے نام سے نکلنے والے علمی وادبی جریدے کے مدیر رہے، اس کے بعد حیدرآباد کے مقبول اردو روزنامہ ''سیاست'' کے ادبی ومذہبی ایڈیشن کے مستقل کالم نگار رہے، آپ نے دینی وعصری اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدرآباد کے بارکس کے علاقہ کی ایک وسیع آراضی پر ''دارالعلوم سبیل السلام'' کی داغ بیل ڈالی جس نے مختصر مدت میں نمایاں مقام حاصل کیا، اس ادارے سے شائع ہونے والے سہ ماہی علمی مجلّہ ''صفا'' کے بھی آپ مدیر تھے، نیز آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے نائب صدر بھی تھے۔

احقر مولانا موصوف کے نام سے اس وقت متعارف ہوا تھا جب دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ کے موقع پر مولانا ایک نہایت خوبصورت ''صدسالہ کلنڈر'' مرتب کرکے شائع کیا تھا جس میں دارالعلوم کی صدسالہ تاریخ اور اکابر کے اقوال واحوال کو بڑے سلیقے سے جمع کیا گیا تھا، یہ کلنڈر نہایت مقبول ہوا، اور اجلاس کے موقع پر اس کی ہزاروں کاپیاں فروخت ہوئیں، تین سال قبل احقر کا حیدرآباد جانا ہوا تو مولانا نے ازراہ عنایت اپنے مدرسہ میں احقر کا محاضرہ کا پروگرام رکھا اور بڑی حوصلہ افزائی فرمائی، اور ابھی اگست میں احقر کے سفر حیدرآباد کے موقع پر خرابی صحت کے باوجود اپنے مدرسہ میں آنے کی دعوت دی، پروگرام کے وقت خود گھر سے تشریف لائے، آواز میں نقاہت اور کمزوری کا احساس نمایاں تھا، لیکن استقبالیہ کلمات ارشاد فرمائے، اور پورے پروگرام میں موجود رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے ادارہ کو مزید ترقیات سے مالا مال فرمائے اور ان کے مشن کو باقی رکھنے کے اسباب پیدا فرمائے، آمین۔ قارئین ندائے شاہی سے بھی ایصال ثواب کی گذارش ہے۔ (ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۴ء) ❍❖❍

جناب بسملؔ شاہجہانپوری

مدرسہ شاہی کے ایک کامیاب سفیر جناب محمد اسحٰق بسملؔ شاہ جہاں پوری اوائل رمضان میں اپنے وطن مالوف ''شاہجہانپور'' میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اکابر کے عاشق وشیدا، نماز باجماعت اور عبادات کے پابند شخص تھے، اگر چہ انگریز کے زمانہ میں خفیہ محکمہ میں کام کرتے رہے؛ لیکن بعد میں حضرت شیخ الاسلام کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور ان کے نیاز مند بن گئے، ان کا تذکرہ کرتے ہی گلوگیر ہوجاتے، حضرتؒ کے بعد آپ کے جانشین امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کے حلقہ اِرادت سے وابستہ رہے، موصوف ایک اچھے شاعر تھے، آواز غضب کی تھی، جس وقت وہ اپنے مخصوص انداز میں غزل پڑھتے تو سامعین عش عش کر اٹھتے، موصوف کی آواز اس قدر بلند تھی کہ بڑے بڑے مجامع میں بھی لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہ تھی، اور صرف آواز ہی نہیں بلکہ اشعار کی پرواز بھی بلند اور چست تھی، ایک عرصہ تک جمعیۃ علماء کے اجلاس اور دینی پروگراموں میں موصوف کی نعت خوانی کا غلغلہ بلند رہا، اخیر عمر میں آپ مدرسہ شاہی کی سفارت کی خدمت پر مامور ہوگئے تھے، اور تقریباً ۱۴؍سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے، حیدرآباد، بنگلور، اور مدراس کے علاقے آپ کے حلقہ میں تھے، وہاں کے لوگ آج بھی انہیں یاد کرتے ہیں، ۱۴۱۸ھ میں کمزوری کی بناء پر مدرسہ کی خدمات سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن شاہجہاں پور میں قیام پذیر ہوگئے تھے، وہیں وفات پائی اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے، اور درجات بلند فرمائے، قارئین حضرات سے بھی ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ (ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۴ء)

حضرت مولانا افتخار احمد صاحب اعظمیؒ

مدرسہ شاہی کے سابق استاذ حدیث حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خصوصی شاگرد اور معروف عالم دین حضرت مولانا افتخار احمد صاحب اعظمی رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ کی ۲۷/ویں شب میں طویل علالت کے بعد اپنے وطن جگدیش پور میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے واصل بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ایک عرصہ تک مدرسہ شاہی میں نائب شیخ الحدیث رہے، گوناگوں خوبیوں سے متصف تھے، اکابر واسلاف کے شیدائی اور ان کے نظریات کے پرجوش حامی تھے، پوری زندگی درس وتدریس میں گذاری۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے لئے دعاء خیر اور ایصال ثواب کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

مرتب کی علمی کاوشیں

سیرتِ طیبہ:

❑ نعت النبی ﷺ نمبر (ماہنامہ ندائے شاہی):

٦٥٨ رصفحات پر مشتمل اس ضخیم نمبر میں علماء دیوبند اوران کے ہم مشرب شعراء کی حمد ونعت اور منقبت پر مشتمل ٥٣٨ رنظمیں (عربی، فارسی اور اُردو) نہایت خوبصورتی سے جمع کردی گئی ہیں، بفضلہٖ تعالی اس مجموعہ کے مطالعہ سے قارئین کے قلوب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت سے معمور ہورہے ہیں، عشاقِ رسول کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے۔

❑ شمائلِ رسول:

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمائل طیبہ سے متعلق ٤٠ راَحادیث کا مختصر مجموعہ ہے، اُردو ترجمہ مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری زید علمہ نے کیا ہے، یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے، اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ جیبی سائز، صفحات: ٦٤

❑ خطباتِ سیرتِ طیبہ:

سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر دس خطبات کا یہ مجموعہ خاص طور پر نوجوانوں اور عام مسلمانوں کے لئے شائع کیا گیا ہے، یہ خطبات مرادآباد کی ''مسجد ابراہیمی'' محلّہ کسرول میں بالترتیب دس روز تک جاری رہے، بعد میں انہیں کتابی شکل دے دی گئی۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ گھروں میں اس کی تعلیم ہو؛ تاکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے متعلق اہم معلومات مسلم معاشرہ کو حاصل ہوں۔ الحمد للہ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے، نیز ہندی زبان میں بھی اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔ صفحات: ٢٤٠

❑ مسک الختام فی الصلوٰۃ علی خیر الانام:

اس رسالہ میں اولاً درود شریف کے مختصر فضائل جمع کئے گئے ہیں، بعدازاں احادیثِ شریفہ اور سلفِ صالحین سے منقول درود شریف کے چالیس منتخب اور پسندیدہ کلمات یکجا کردئے گئے ہیں، اور اخیر میں چند مقبول دعائیں بھی درج ہیں، جن کی قبولیت کی بہت امید ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ تمام عربی عبارتوں کا سلیس اور عام فہم ترجمہ بھی کیا گیا ہے؛ تاکہ عوام کے لئے سہولت ہو۔ جیبی سائز، صفحات: ۱۰۴

فقہ وفتاویٰ:

❑ کتاب المسائل (پانچ جلدیں، کتاب الطہارت تا کتاب النفقات):

واقعہ یہ ہے کہ مسائل کا یہ مجموعہ ہر مسلمان گھرانے کی دینی ضرورت ہے، اور عوام وخواص سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہے، اور چوں کہ ہر مسئلہ کے ساتھ اصل فقہی عبارات مذکور ہیں؛ اس لئے یہ کتاب حضراتِ علماء کرام اور مفتیانِ عظام کے لئے اصل ماخذ سے مراجعت میں سہولت کا ذریعہ بھی ہے۔ کتاب کی اصل افادیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، اس منصوبہ پر آگے بھی کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی

❑ کتاب النوازل (۱۹ر جلد):

یہ کتاب اُن فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے، جو دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے مرتب کے قلم سے گذشتہ تیس سالوں میں جاری ہوئے ہیں، ترتیب وتحقیق کا کام مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی زیدعلمہ نے انجام دیا ہے۔ فتاویٰ کی زبان نہایت آسان اور اُسلوب دل نشیں ہے، اور ہر فتویٰ معتبر حوالہ جات سے مزین ہے۔ یہ کتاب فہرست سمیت ۱۹ر جلدوں میں معتبر کتب خانوں سے شائع ہورہی ہے، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی

❑ دینی مسائل اور اُن کا حل:

دورحاضر کے اہم پیش آمدہ مسائل کے ۶۵۰ر مختصر اور جامع جوابات پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ ہر گھر

کی ضرورت اور قدم قدم پر رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یہ مسائل کئی سال سے رسالہ تحفۂ خواتین مرادآباد میں سوال وجواب کی صورت میں شائع ہورہے تھے، اب انہیں عربی عبارات اور حوالوں کے ساتھ جمع کر کے شائع کیا گیا ہے، جو عوام کے علاوہ اہل علم اور ارباب افتاء کے لئے بھی مفید ہے۔ صفحات: ٤١٦۔

❑ درسی سوال وجواب:

یہ اُن پانچ سو سے زائد سوال وجواب کا مجموعہ ہے، جو مسلم شریف اور ترمذی شریف کے درس کے دوران طلبہ دورۂ حدیث شریف کی طرف سے کئے گئے، ہر جواب مختصر جامع اور مدلل ہے۔ مطالعہ ہی سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ صفحات: ٤٠٠۔ ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ مسائلِ موبائل:

اِس رسالہ میں موبائل سے متعلق ضروری سوالات کے جوابات مدلل طور پر دئے گئے ہیں، اپنے موضوع پر یہ ایک مقبول رسالہ ہے، کئی زبانوں میں اِس کی اشاعت ہوچکی ہے، اور عوام وخواص اِس سے فائدہ اُٹھارہے ہیں۔ فالحمد للہ تعالیٰ۔

❑ فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول:

یہ فقیہ العصر علامہ ابن عابدین شامیؒ کی معروف کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی روشنی میں اُصولِ افتاء پر ایک انوکھی کتاب ہے، جس میں ٣٤؍ اُصول متعین کر کے ہر اُصول کے اِجراء اور تمرین کے لئے رہنمائی کی گئی ہے۔ جو طلبۂ افتاء نظر میں گہرائی اور مطالعہ میں گیرائی کے مشتاق ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب قدم قدم پر معاون بن رہی ہے۔ نیز بفضلہٖ تعالیٰ تجربہ سے یہ طرز اِجراء بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک قیمتی ابتدائیہ ہے، جس میں فقہ وحدیث اور تفسیر سے متعلق ماٰخذ کی ١١٩؍ کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جو طلبہ اور علماء کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔

صفحات: ٤٢٩، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ فتاویٰ شیخ الاسلام:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی علمی اور فقہی آراء اور مکتوبات کا یہ

مرتب مجموعہ بالخصوص فقہ وفتاویٰ کے شائقین کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔ ہر مسئلہ حوالہ جات سے مزین ہے، اور نادر علمی نکات، فقہی تحقیقات اور قیمتی اِفادات کو بہت سلیقہ اور عمدگی سے مرتب کیا گیا ہے، یہ کتاب ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہوچکی ہے۔ صفحات: ۲۵۱، ناشر: مکتبہ دینیہ دیوبند

❑ تحفۂ رمضان:

رمضان المبارک، رؤیتِ ہلال، صدقہ فطر، اعتکاف، زکوٰۃ اور عیدین وغیرہ سے متعلق فضائل ومسائل پر مشتمل یہ مختصر کتاب اپنے موضوع پر بہت جامع ہے، اور مرتب کے سلسلۂ تالیفات کی پہلی کڑی ہے، اور عرصۂ دراز سے مختلف کتب خانوں سے شائع ہورہی ہے۔ صفحات: ۱۷۲۔

❑ الفہرس الحاوی علی حاشیۃ الطحطاوی:

فقیہ الامت حضرت الاستاذ المعظم مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' کی تفصیلی فہرست تیار فرمائی تھی، اُسی کو مختلف نسخوں سے ملاکر مرتب نے بہت اچھے انداز میں شائع کیا ہے، جس کی بنا پر اِس کتاب سے استفادہ بہت آسان ہوگیا ہے۔ حضرات اہل علم وطلبۂ افتاء بطور خاص اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

❑ حج وزیارت نمبر (ندائے شاہی):

۲۳۲ رصفحات پر مشتمل یہ معلوماتی نمبر حجاجِ کرام کی رہنمائی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اور اپنی جامعیت کی وجہ سے نہایت مقبول ہے۔

❑ ایک مجلس کی تین طلاق کا مسئلہ دلائل کی روشنی میں:

یہ رسالہ خاص طور پر تین طلاق کے سلسلہ میں جمہور علماء اہل سنت کے موقف کی تائید میں تحریر کیا گیا ہے، اور اس میں فرقۂ غیر مقلدین کے پیش کردہ دلائل کا مناسب جواب دیا گیا ہے۔

دعوت واِصلاح:

❑ ایک جامع قرآنی وعظ:

یہ قرآنِ کریم کی ایک جامع ترین آیت: ﴿اِنَّ اللّٰـهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ﴾

کی مبسوط ومفصل شرح پر مشتمل ایک ضخیم تالیف ہے، جس میں اسلام کی انسانیت نواز فطری تعلیمات کو بہت مثبت اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عوام وخواص بالخصوص داعیانِ قوم، ائمہ وعلماء کرام کیلئے اس کتاب میں بیش بہا مواد جمع کر دیا گیا ہے، فالحمد کلہ للہ۔

صفحات: ۷۲۸۔ ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ اللہ سے شرم کیجئے:

اِس کتاب میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کے متعلق ایک جامع ارشادِ نبوی ﷺ کی تفصیلی شرح کے ضمن میں نہایت مفید اِصلاحی مضامین (آیاتِ قرآنیہ اَحادیثِ طیبہ اور اَحوال واَقوالِ سلف) خوبصورتی کے ساتھ جمع کر دئے گئے ہیں، یہ کتاب مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے، اور غفلت کے پردے ہٹانے میں تریاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بھی صدق دل سے اور عمل کی نیت سے اِس کا مطالعہ کرے گا، اُسے انشاء اللہ یقیناً نفع ہوگا، کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ہر بات حوالہ جات سے مزین ہے۔ عوام وخواص کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ اب تک ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اور مسلسل اِس کی اِشاعت جاری ہے۔ کئی زبانوں میں اِس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے، فالحمد کلہ للہ۔ صفحات: ۴۳۲، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز:

اِس کتاب میں اَکابر واَسلاف کی مقبول صفات مثلاً: تواضع، زہد وتقویٰ، عفو ودرگذر، حلم وبردباری، جود وسخا اور خوف وخشیت سے متعلق پُر اَثر اور حیرت انگیز حالات وواقعات بیان کر کے اُن کی روشنی میں اپنے کردار کا مؤثر انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب علماء، طلباء اور اَپنی اِصلاح کے خواہش مند حضرات کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان بہت آسان اور عام فہم ہے، یہ کتاب بھی ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں سے مسلسل شائع ہو رہی ہے، الحمد للہ۔

صفحات: ۱۹۲، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ دعوتِ فکر وعمل:

یہ کتاب مختلف دینی، اِصلاحی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر مبنی ۹۷ قیمتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں پوری قوت کے ساتھ فکری اِصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ اِن مضامین کے مطالعہ

سے اِصابت رائے اور اعتدال کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، موجودہ دور میں دینی خدمات میں مشغول حضرات کے لئے اِس کتاب کا مطالعہ نہایت کارآمد ہے، اَکابر علماء کی تقریظات سے کتاب مزین ہے، متعدد کتب خانوں سے اِس کی اِشاعت ہورہی ہے۔

صفحات: ۵۴۰، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ لمحاتِ فکریہ:

اِس کتاب میں ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر مئی ۲۰۰۵ء تک کے اِدارتی مضامین اور دو رسالوں ''اِسلام کی اِنسانیت نوازی'' اور ''اِسلامی معاشرت'' کو یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اِس مجموعۂ مضامین میں قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے نہایت قیمتی ہدایات نقل کی گئی ہیں۔

صفحات: ۳۲۰، قیمت: ۱۰۰/روپے ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ مشعلِ راہ:

یہ کتاب بھی ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد کے اِدارتی مضامین ''نظر وفکر'' کا مجموعہ ہے، جس میں جون ۲۰۰۵ء سے ستمبر ۲۰۰۸ء تک کے مضامین شامل کئے گئے ہیں، اِس مجموعے میں خاص طور پر اُمت میں رائج کج فکری اور بدعملی پر نکیر سے متعلق مستند تحریریں شامل ہیں، جو علماء اور عوام سبھی کے لئے مفید ہیں۔ صفحات: ۴۰۰، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

❑ نظر کی پاکیزگی:

حیا اور پاک دامنی کے بارے میں اِسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متعلق اِس رسالہ میں مفید اور مستند معلومات جمع کردی گئی ہیں، یہ رسالہ اس قابل ہے کہ گھر گھر پہنچایا جائے؛ تاکہ فواحش کا سدِ باب ہوسکے۔

❑ نورِ نبوت:

یہ رسالہ ۹۹ رقیمتی اَحادیثِ طیبہ اور اُن کی مختصر تشریحات پر مشتمل ہے۔ جو حضرات اَحادیثِ شریفہ کو یاد رکھنا چاہیں، اُن کے لئے یہ بہت مفید اور نفع بخش مجموعہ ہے۔

صفحات: ۷۲، ناشر: مرکز نشر وتحقیق مرادآباد

❑ اِسلام کی اِنسانیت نوازی:

اِس مختصر رسالہ میں اختصار کے ساتھ اسلام کی اِنسانیت نواز تعلیمات کو بہت خوش اُسلوبی کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے، اور اِسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا مناسب جواب دیا گیا ہے۔

❑ درسِ سورۂ فاتحہ:

یہ رسالہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مبنی مرتب کے درسی افادات پر مشتمل ہے، یہ ہفتہ واری درس ہر پیر کو عصر کے بعد مدرسہ احسن البنات محلّہ طویلہ میں گذشتہ بیس سال سے جاری ہے، فالحمد للہ۔ صفحات: ۷۲

سیر وسوانح:

❑ ذکرِ رفتگاں (۳؍جلدیں):

یہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں گذشتہ (۱۹۸۹ء تا ۲۰۲۰ء) میں وفات پانے والی اُمت کی اہم اور مؤثر شخصیات پر شائع شدہ تعزیتی مضامین کا بیش قیمت مجموعہ ہے، جس میں بہت سے اکابر اور اہم حضرات کے مختصر سوانحی خاکے اور تأثرات جمع ہوگئے ہیں۔ تذکرۂ اکابر کے شائقین کے لئے یہ بیش بہا تحفہ اور سیر وسوانح کے باب میں قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ انشاء اللہ ذہن میں تازگی اور روح میں بالیدگی کا سبب ہوگا۔

صفحات جلد اول: ۶۴۸، جلد دوم: ۵۲۰، جلد سوم: ۴۴۷

❑ تذکرۂ فدائے ملتؒ:

یہ امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ صدر جمعیۃ علماء ہند کی یاد میں منعقدہ فدائے ملت سیمینار (منعقدہ ۲۰۰۸ء) میں پیش کردہ مقالات کا بہترین مجموعہ ہے، جس میں نہ صرف حضرت فدائے ملتؒ کے حالات اور قابلِ تقلید روشن کارنامے جمع ہوگئے ہیں؛ بلکہ ملتِ اسلامیہ ہند کی گذشتہ نصف صدی کی تاریخ کے اہم پہلو بھی اس مجموعۂ مضامین میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ اکابر کی سوانح سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے، جسے جمعیۃ علماء ہند نے بہت اہتمام سے شائع کیا ہے، اور مختصر مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔

صفحات: ۱۲۰۰، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

❑ فدائے ملت نمبر (ندائے شاہی):

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ طیبہ اور خدماتِ عالیہ پر یہ ایک تاریخی اور جامع دستاویز ہے، جس میں نصف صدی کی ملی تاریخ کے اہم واقعات یکجا ہوگئے ہیں۔ اس ضخیم نمبر کے صفحات کی تعداد ۷۸۸ ہے۔

❑ مشاہدات وتأثرات:

یہ کتاب حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختلف حضرات کے تأثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جسے مرتب نے حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے حکم سے ترتیب دیا تھا۔

❑ خصوصی ضمیمہ:

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے مایۂ ناز مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ کی وفات پر یہ ضمیمہ شائع کیا گیا تھا، جس میں حضرت موصوف کی گراں قدر خدمات اور تأثراتی مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے۔

❑ پیکرِ عزم وہمت، اُستاذ اور شاگرد:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہما کی سبق آموز حیاتِ طیبہ پر مشتمل کئی قیمتی مضامین اِس مختصر رسالہ میں شامل ہیں، جن کا مطالعہ علماء اور طلباء کے لئے بالخصوص مفید ہے۔ صفحات: ۸۰، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لال باغ مراد آباد

تاریخ:

❑ تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم عوام اور علماء کا کردار:

ہندوستان کی تحریکاتِ آزادی میں شروع سے لے کر اخیر تک مسلم عوام اور علماء نے جو عظیم ترین قربانیاں پیش کی ہیں، اُن کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ سوال وجواب کے انداز میں اِس کتاب میں جمع کردیا گیا ہے۔ انداز نہایت دلچسپ ہے، اور ہر بات حوالہ سے مدلل ہے۔

کتاب کے اَخیر میں مولانا معز الدین احمد صاحب کے قلم سے اُن حضرات کا جامع تعارف بھی شامل ہے، جن کا نام کتاب کے اندر کسی نہ کسی عنوان سے آیا ہے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت کے لئے نئی نسل کے حضرات کو اِس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

صفحات: ۲۲۸، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

❑ تحریک ریشمی رومال؛ ایک مختصر تعارف:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اِنقلابی تحریک ریشمی رومال کے متعلق تاریخی اور دستاویزی معلومات پر مشتمل یہ مقالہ مرتب نے طالبِ علمی کے زمانہ میں شیخ الہند سیمینار (منعقدہ جنوری ۱۹۸۶ء) کے لئے لکھا تھا، جو بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، اور موقع بموقع ہندو پاک میں اس کی اِشاعت ہوتی رہتی ہے۔ صفحات: ۴۱، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

❑ تاریخ شاہی نمبر (ندائے شاہی):

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی سوا سو سالہ تاریخ پر مبنی یہ نمبر دستاویزی حیثیت کا حامل ہے، اور نادر ونایاب تاریخی معلومات کو شامل ہے، اِس کی اہمیت کا اندازہ باذوق حضرات ہی لگا سکتے ہیں۔

ردِ قادیانیت:

❑ ردِ مرزائیت کے زریں اُصول:

یہ سفیرِ ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ (پاکستان) کے اُن تربیتی محاضرات کا مجموعہ ہے، جو موصوف نے ۱۴۰۹ھ کو دارالعلوم دیوبند میں رونق اَفروز ہوکر علماء وطلباء کے بڑے مجمع کے سامنے دئے تھے۔ اُنہیں مرتب نے اپنے رفقاء: مولانا شاہ عالم گورکھپوری اور مولانا عزیز الحق صاحب اعظمی کے تعاون سے از سر نو ترتیب دیا، اصل کتابوں سے مراجعت کر کے حوالہ جات نوٹ کئے، اور پھر صاحبِ محاضرات کی نظر کے بعد اُسے شائع کیا گیا، یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے، جس کے متعدد اِیڈیشن ہندو پاک میں شائع ہوچکے ہیں۔

صفحات: ۲۱۶، شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ قادیانی مغالطے:

یہ مختصر رسالہ اُن ہرزہ سرائیوں کے جوابات پر مشتمل ہے، جو قادیانی لوگ عام مسلمانوں کو بہکانے اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لئے عوام میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ مرزائیوں کی تلبیسات کا اِس رسالہ میں مضبوط جواب دیا گیا ہے۔

صفحات: ۱۲۴، شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ منامی بشارتیں:

یہ مختصر رسالہ اُن منامی بشارتوں پر مشتمل ہے جو تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرنے والوں کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہوئی ہیں، اُن کے مطالعہ سے اِس عظیم خدمت میں لگے ہوئے لوگوں کو حوصلہ ملتا ہے، اور عزم وہمت میں اِضافہ ہوتا ہے۔

❑ مہدیٔ موعود:

مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٔ مہدویت کی تردید پر مبنی یہ رسالہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، اِس رسالہ میں اختصار کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہرگز ہرگز وہ مہدی نہیں ہوسکتا، جس کے ظہور کی خبر اَحادیث میں دی گئی ہے۔

❑❖❑